

وَالْمُتَكِنُ وَالْعَصِيرَانِ الْفَخِيرِ

حکیم علی

مضيق

محمد حجازی و مرزا بیگ و بلوی

519.4

قَالَ لَهُمْ خُذُوا هَذِهِ السَّكَّةَ فَأَلْفُوا بِهَا الْفَلَسَ فَلْيُكْفِئْكُمْ اللَّهُ فَرْقًا ۚ وَلَمْ يَكُن لَكُمْ سَكَّةَ بَعْضُ الْهَيْئَةِ بِالْكَافِرِينَ





لِكَيْ تَتَذَكَّرُوا

# حکمت عملی

مصنف

علامہ سید محمد رفیع الدین صاحب

۱۹۰۶ء

پیشکش کنندہ علامہ سید محمد رفیع الدین صاحب



# فہرست مضامین کتاب حکمت عملی

۱-۲

## دیباچہ

### مقدمہ

۸-۱

### حکمت عملی کی تعریف

موجودات عالم - انسان کا رتبہ - حکمت - علم - عمل - حکیم - حرکات  
طبعی - حرکات وضعی - تنزیب اخلاق - تدبیر منزل - سیاست مدن  
موجودات عالم کا کمال - علم حکمت عملی کی شرافت - حکمت عملی  
کا منشاء - خلق طبعی - طلب صادق و سعی

## مقالہ اول

۹

### تہذیب اخلاق

### باب اول

۱۲-۹

### عقل عملی کی تعریف

ان کا اعمال پر اختیار - اعمال کی نتیجہ - راست و غلط - دنیا کا

--

## باب دوم

۱۳

### حقائق نفس الامر اور اشیاء کی معرفت

۲۵-۱۳

### ۱- حصول علم

اور دیگر حیوانات میں ماہہ الامتیاز - علم کا فائدہ - علم کی  
۱- علم کی ضرورت - علم و تجربہ - کتابوں کا انتخاب - علماء

۱۱۳-۱۰۵



کی کٹہ حقیقت سمجھنے کے لئے علم مذہب کی ضرورت ہے۔

## باب چہارم اپنی ذات کا فرض انسان پر

۱۔ اصول۔ صحت

صحت کی تعریف۔ صحت کے فائدے۔ طلباء کی صحت۔ صحت قومی ترقی کا سبب ہے۔ علاج ورزش۔ اصلی خوبصورتی۔ پستھتی تفریح۔ پرہیزگاری مد صحت ہے۔ تہذیب کا اثر صحت پر۔

## ۲۔ رنج و راحت

انسان کا مقصد۔ دنیا کی حالت۔ سامان ظاہر مسرت بخش بنیں ہوتے۔ اسباب دنیا کی افراط اور حسن تلاش لذت میں انسان کی غلط فہمی۔ موجودات عالم میں ہر چیز مسرت بخش ہے۔ موسم بہار کی دلچسپیاں۔ علم حیوانات کی دلچسپیاں۔ پھولوں کی بہار۔ مناظر قدرت کی دلچسپیاں۔ فنون لطیفہ کی دلچسپیاں۔ نظم کا اثر۔ موسیقی کا اثر۔ امید کی مسرت۔ مصروفیت رنج و فکر دور کرتی ہے۔ خوشی حاصل کرنے کا طریقہ۔ مشکلات کا حل کرنا خوشی بخشتا ہے۔ انسان خود مصائب پیدا کرتا ہے۔ خیالی تکالیف۔ مشکلات سبق آموز ہیں۔ تکالیف کے اسباب۔ راحت و رنج کے ذرائع۔ انسان کی ذات میں خوشی حاصل کرنے کی قوت۔ املاک و روپیہ کی خوشیاں۔ عزت خوشی بخشی میں۔ عورتوں کی عصمت اون کی عزت اور خوشی کا باعث ہے۔ خوشی کا اثر۔

## باب پنجم اکتاب محمد اخلاق

۱۔ رویت

کی صحبت - علم کا شوق - مشاہدہ - علم کی خوشی - سائنس کی قوت  
علمی تحقیقات -

۳۵ - ۳۶

## ۲۔ اشاعت علوم

علم و عالم - مدارس اور اُن کی تعلیم - ملکی زبان میں تعلیم - تصانیف  
کتاب خانے - لیکچر - جبری تعلیم - اپنے ملک میں تعلیم -

۳۳ - ۳۴

## ۳۔ تعلیم نسوان

کمال کی ضروری شرط - مرد و عورت - عورتوں کے کام اور  
اُن کی ضرورت - عورت کے اوصاف - عورتوں کو تعلیم کی ضرورت  
عورت کا رتبہ - عورت کی خدمات - عورتوں کی اخلاقی خصوصیات -  
تعلیم نسوان کا اثر مردوں پر - تعلیم نسوان کے خصوصیات -  
(مذہب کی تعلیم - اپنی زبان کی تعلیم - علم حساب کی تعلیم - ہول  
خانہ داری کی تعلیم - علم حفظان صحت و طب و ڈاکٹری کی تعلیم  
دیگر مضامین کی تعلیم) -

۴۰

## باب سوم خدا کا فرض انسان پر مذہب

۴۱ - ۴۲

مذہب فطرتی ہے - مذہب کا اثر دلون پر - مذہب کا اثر اخلاق پر -  
بے دینی کا اثر - تمام آفرینش اپنے خالق کو ظاہر کرتی ہے - مادہ  
میں قوت ارادی نہیں ہے - نیچر میں ضابطہ و قانون ہے -  
خدا قوانین قدرت کا مقصد ہے مادہ میں قوت اوراک و فہم نہیں  
ہے - کائنات کی کل چیزیں بیکار پیدا نہیں ہوئیں - صفات الٰہی  
مذہب باندہ عبادت کا انسان پر اثر - عبادت کبر و نخوت سے  
برخود داری قائم رکھتی ہے - بے دینی کا سبب - مذہب

## ۱۔ فرض

انسان کے تعلقات اور اون کے فرائض۔ ادا سے فرائض برکتیں۔ ادا سے فرض کے خیال میں ہرج اور نقصان ڈالنے امور۔ قومی ترقی ادا سے فرائض سے ممکن ہے۔

۱۳۹-۱

۲۔ کان شمس یعنی نفس لوامہ کان شمس کے فوائد۔ کان شمس کو ترقی دینے کا طریقہ۔ کان شمس اعتقادات پر اثر نہیں ڈالتا۔ خواہشات پر حکمرانی۔

۱۴۲

## ۳۔ اخلاقی جرأت

اخلاقی جرأت کی تعریف۔ مشکل کی حقیقت۔ اخلاقی جرأت کے فوائد۔ سچی بہادری۔ بعض اوصاف جو اخلاقی جرأت ظاہر کرتے ہیں۔ خوف دل کی بیماری ہے۔ اخلاقی جرأت کی عورتوں میں ضرورت۔

۱۴۹

## ۴۔ استقلال

کامیابی کے لئے استقلال ضرور ہے۔ استقلال کے فوائد۔ کامیابی کا راز۔ مشکین انسان کو پختہ کرتی ہیں۔ مشکین قوموں کی ہمت بڑھاتی ہیں۔

۱۴۱

## ۵۔ عزیمتِ تامہ

ارادہ۔ عزیمتِ تامہ کے لئے علم و قوت تیز کی ضرورت ہے۔ عزیمتِ تامہ کے فوائد۔ انسان صرف اپنی کوشش سے کامیاب ہوتا ہے۔ عزیمتِ تامہ خوشی بخشتی ہے۔

۱۴۲

## ۶۔ خودداری

خودداری کی تعریف۔ خودداری اور خود پسندی میں فرق۔ انکسار تکبر و تواضع۔

۱۴۰

زندگی کی قیمت کام کی عمدگی پر منحصر ہے۔ خود انسان کی نظر سے  
 بنا رویہ عمدہ ہونا چاہئے۔ ترقی دل خوش کن ہوتی ہے۔ اعمال  
 کی عمدگی اصلی ترقی ہے۔ جنٹلمین۔ خوش رویہ کی قومی عزت کا  
 سبب ہے۔ خوش رویہ کی کامیابی کی اصل ہے۔ مذہب و  
 عقل کا اثر انسان پر۔ قوم کی حالت کن لوگوں سے معلوم  
 ہوتی ہے۔ قومی تنزل کے آثار۔

۱۱۷-۱۱۶

## ۲۔ امراض نفسانی

امراض نفسانی کی شناخت میں مشکلیں۔ امراض نفسانی کی نشانی  
 کے طریقے۔ مریضوں کی مختلف حالتیں۔ صحت و علالت کی حالت

۱۱۸-۱۱۷

## ۳۔ تہذیب قواء نفسانی

اعضاء ظاہری و باطنی کے کام۔ قوت اوراک۔ قوت تنزیہ۔ عقل۔  
 نفس ناطقہ۔ قوت غضبی۔ قوت شہوی۔ علم و حکمت۔ حلم و شجاعت۔  
 عفت و سخاوت۔ عدالت۔ حکمت کے پھل۔ (ہکا۔ حسن تعلیم  
 حسن تعقل۔ تحفظ۔ تذکر۔ کبر نفس۔ نجات۔ عبادت۔ شہادت۔  
 علم۔ سکون۔ شہادت۔ تحمل۔ تواضع۔ حمت۔ رقت۔ حیا۔ رزق  
 حسن ہمدی۔ مسامت۔ دعت۔ صبر۔ قناعت۔ وقار۔ ورع۔  
 انتظام۔ حریت۔ سخا) عدالت کے پھل۔ (صدافت۔ الفت  
 وفا۔ شفقت۔ صلہ رحم۔ مکافات۔ حسن شکر۔ حسن قصا۔  
 تودد۔ تسلیم۔ عبادت) سعادت تابت۔ سعید و ریاکار۔ نفسیت  
 و رویت۔ سف۔ بلہ۔ تہور۔ جبن۔ شرہ۔ خمود۔ جور۔ قواد کی تہذیب  
 کی ترتیب۔ موجودات عالم میں ہر شے کا کمال۔ لذت کی تہذیب

## باب ششم نفس ناطقہ کی تہذیب



اطاعت کی ضرورت۔

## باب ہشتم نفس شہوانی کی تہذیب ۱۔ عفت

۱۸۰

۱۸۲-۱۸۰

انسان میں خواہشات شہوانی کی ضرورت۔ افراط و تفریط۔ اعتدال۔  
لذائذ دنیا۔

۱۸۹-۱۸۷

## ۲۔ پرہیزگاری

مآکل و مشارب۔ ممنوعات۔ شراب۔ الکحل۔ شراب کا اثر اعضاء  
بدن پر۔ شراب کی خواہش۔ شراب کا اثر اخلاق پر۔ امراض جو  
شراب سے پیدا ہوتے ہیں۔ افیون۔ گانجہ۔ بھنگ۔ تمباکو۔

۱۹۲-۱۸۹

## ۳۔ عصمت

خواہش نکاح کی ضرورت۔ انسان کی غلطی۔ حرص۔ حیا۔

## مقالہ دوم

۱۹۳

## تدبیر منزل باب اوّل

۱۹۳

امور نافعہ

۱۹۹-۱۹۳

## ۱۔ گھر کی عام حالت

تدابیر اولے اور تدابیر ادنیٰ۔ گھر کا اثر۔ رئیس منزل۔ انتظام خانہ میں  
اعتماد کی ضرورت۔

۲۰۳-۱۹۹

## ۲۔ محبت

محبت کی ضرورت۔ محبت کا اثر۔ محبت طبعی۔ محبت کے مدارج۔ محبت  
ہی۔ اسباب محبت۔ محبت خوشی بخشی ہے۔

## ۷۔ خود اعتمادی

اپنی ذات پر بھروسہ۔ ہمت مشکلیں حل کرتی ہے۔ خود اعتمادی انسان کو محتاط رکھتی ہے۔ بلند ہمتی۔ دوسروں کی معاونت کا برا اثر۔ خود اعتمادی کی تعلیم۔ کم ہمتی قومی تنزل کا سبب ہے۔

۱۵۷-۱۶۳

## ۸۔ محنت

محنت انعاماتِ قدرت کی اُجرت ہے۔ محنت کی ضرورت صرف غریبوں پر محدود نہیں ہے۔ کاہلی۔ محنت سے بچنا مصیبت زیادہ کرتا ہے۔ افراط محنت مضر ہے۔ معتدل محنت مسرت بخش ہے۔ محنت کے پھل۔ باقاعدہ محنت۔ دماغی محنت۔

۱۶۳-۱۶۸

## ۹۔ وقت کی قدر

وقت کو کام میں لانے کے فائدے۔ باقاعدگی۔ ہر وقت کے لئے ایک کام ہے۔ تضييع اوقات۔ طالب علموں کا وقت۔

۱۶۸

## باب ہفتم نفسِ غضبی کی تہذیب

۱۶۸-۱۶۹

### ۱۔ حلم

حلم مشکل ہے۔ قوتِ غضبی کی خاصیت۔ قوتِ غضبی کی ضرورت۔ شدتِ غضب کے اسباب۔ قوتِ غضبی کے لحاظ سے انسان کے طبائع میں اختلاف۔ کن حالتوں میں غصہ جائز یا ناجائز ہے۔ برداشت۔ صبر۔

۱۶۹-۱۷۰

### ۲۔ انکسار

خود بینی۔ عالم اپنی جہالت کو جانتا ہے۔

۱۷۰-۱۸۰

### ۳۔ اطاعت

اطاعت کے معنی۔ قوانین کی اطاعت۔ بزرگوں کی اطاعت۔

کا سبق - اطاعت کا سبق - صحت کا سبق - خودداری کی تعلیم -  
تعلیم و تربیت کا طریقہ - طرز تعلیم - بچوں کو سزا دینا - اخلاقی  
تعلیم کے طریقے - گھر کا اثر - نوکروں کا اثر - معلم کا اثر - بچپن کی  
عادات کا اثر -

## باب پنجم مال و دولت

۲۵۴-۲۵۷

دولت کی ضرورت - دولت اطمینان بخشی ہے - دولت کے فائدے -  
توکل کی تعریف - قناعت - کفایت شعاری - مفلس قوین -  
کفایت شعاری کے اصول - بخل - سقراط کا قول -

## باب ششم مکان

۲۶۲-۲۶۹

منزل کی تعریف - مکان کی وضع -

۲۶۹

## مقالہ سوم سیاست مدن باب اول گورنمنٹ

۲۶۹

۲۶۹-۲۷۵

### ۱- تمدن کی حاجت اور ابتدا

انسان کو تمدن کی ضرورت - تمدن میں انسان کی آزادی - قاضی -  
بادشاہ - خراج - سلطنت - خود سری کی حالت کی دقتیں -

۲۷۵-۲۸۳

### ۲- جمہوری سلطنت

سلطنت کے کام - وضع قانون - قانون کا منشاء - عدالت -  
حفاظت مال - حکمران کے بعض اختیارات - قیام امن -

## باب دوم اُقربا

۳۰۳

۳۰۶-۳۰۳

### ۱- محبت والدین

بزرگوں کا ادب اور اطاعت۔ مان باپ کے احسانات۔ مان باپ کی خدمت قرض ہے۔

۲۰۸-۲۰۶

### ۲- برادرانہ محبت

برادرانہ محبت قومی محبت کی اصل ہے۔ وراثت کے جھگڑے۔ برادرانہ معاونت۔

## باب سوم تاہل

۲۳۳-۲۰۸

مناکحت کی خواہش۔ تاہل کے آرام۔ نسبت کی تلاش۔ شادی قبل از وقت۔ شادی سے قبل حقوق زوجیت کا علم ضرور ہے۔ انتخاب۔ (عادات و اخلاق۔ عمر۔ صحت۔ شرافت۔ خاندان۔ عصمت۔ پرہیزگاری۔ محنت کی عادت۔ کفایت شعاری۔ صفائی۔ انتظام خانہ داری کی لیاقت۔ اخلاق حمیدہ۔ حسن صورت) اتفاق و اتحاد۔

## باب چہارم اولاد

۲۳۳

۲۳۰-۲۳۳

### ۱- پرورش اولاد

بچے خوشی بخشتے ہیں۔ بچوں کی محبت۔ اولاد کی پرورش۔ اناؤن کی صحبت کا اثر۔ پرورش کے اصول

۲۵۳-۲۳۰

### ۲- تربیت اولاد

لوگوں کا حصہ۔ مثال کا اثر اخلاق پر۔ بچوں کی آزادی

۱۔ انسان کی ضرورتیں اور اُنکے پورے ہونے کی عام تدابیر  
 انسان کی ضرورتیں۔ حق استعمال کے لئے ملکیت شرط ہے۔ محنت  
 حق ملکیت قائم کرتی ہے۔ کوئی شخص اپنی قوت سے زیادہ محنت  
 نہیں کر سکتا۔ انسان کی حاجتوں کی کثرت۔ متبادلہ اشیاء۔ معاملات  
 متبادلہ اشیاء میں وقتیں۔ روپیہ۔ روپیہ بالواسطہ حاجت روائی  
 کرتا ہے

۳۳۲-۳۳۹

## ۲۔ صنعت و حرفت

پیداوار دولت کے ذرائع۔ زمین۔ محنت۔ محنت کی تقسیم و تالیف۔  
 تقسیم محنت کے فوائد۔ تالیف محنت کا فائدہ۔ کاریگر کے اخلاقی  
 اوصاف۔ کاریگروں کو تعلیم کی ضرورت ہے۔ مشین کا استعمال  
 اور رواج۔ راس المال۔ مشترکہ کمپنیاں۔ تعلیم صنعت و حرفت۔

۳۵۱-۳۵۳

## ۳۔ تجارت

تجارت کی ضرورت۔ قیمت کی کمی و بیشی کے اسباب۔ طلب کا  
 قیمت پر اثر۔ اناج کی قیمت۔ اصول تجارت کی معلومات کی ضرورت۔

۳۵۴-۳۵۶

## ۴۔ زراعت

زراعت کی شرافت۔ اہل ملک کو زراعت کی طرف توجہ نہیں۔ زراعت  
 کی ضرورت۔ زراعت کی تعلیم۔ پیداوار زمین کی تقسیم۔ زراعت  
 کے لئے آلات اور مشینوں کا استعمال۔

۳۵۷-۳۵۹

## ۵۔ مزدوری اور تنخواہ

کام کے فرق سے مزدوری کی نوعیت میں فرق نہیں آتا۔ مزدوری  
 کی مقدار۔ تنخواہ۔ اجرت۔ کام کی سہولت اور خوشگوار می۔

باب سوم  
 بنائے جنس کے ساتھ مدارات

۲۸۸-۰۰۳۸۳

## ۳۔ حالت جنگ

انسان سے مختلف عادات و خواص کا ظہور۔ جنگ۔ دشمنی۔ حق  
حفاظت خود اختیاری۔ ناجائز فتح۔ مستحقین کی فتح۔

۳۸۴-۰۰۲۳

## ۴۔ قانون

انسان کی عقل کے نتائج۔ انسان کا ارادہ۔ انسان کو راہ نمائی  
کی ضرورت۔ انسان کو حفاظت کی ضرورت۔ گورنمنٹ۔ قوانین  
گورنمنٹ کے فرائض۔ آئین مملکت۔ ضوابط انتظام۔ قانون  
ہیونسلٹی۔ قوانین انتظام عامہ۔ قانون فوجداری۔ قانون  
دیوانی۔ انسان کے حقوق کی حفاظت قانون کا فرض ہے۔  
حق حفاظت خود اختیاری۔ جان کی حفاظت۔ رتبہ کی حفاظت  
خاندانی حقوق کی حفاظت۔ عزت و نام کی حفاظت۔ مال کی  
حفاظت۔ اوقاف کی حفاظت۔ معاہدہ کی حفاظت۔ حق وراثت  
قانون کا اثر۔ اخلاق کا اثر۔ اخلاق اور قانون کے اثر میں فرق۔  
قانون کی ضرورت اور فائدے۔ قانونی سزا۔ خوف کا اثر۔ اخلاقی سزا۔

۳۸۵-۰۰۰۳

## ۵۔ آزادی

انسان میں آزادی کا مادہ۔ ابتدائے تمدن میں آزادی کی کیفیت۔  
آزادی کے فوائد۔ آزادی کی تعریف۔ حقوق و فرائض۔ انسان  
کی آزادی کی حد۔ غلامی کی حالت۔ قانونی آزادی۔

۳۸۶-۰۰۰۳

## ۶۔ ٹیکس

گورنمنٹ کے کام۔ گورنمنٹ کو روپیہ کی ضرورت۔ ٹیکس۔ ٹیکس  
وصول کرنے کے طریقے۔ اسٹامپ۔

## باب دوم

معاملات

۳۸۷

گفتگو کے نتائج۔ زبان کے کام۔ صداقت کا اثر قوم پر۔  
بحث و تکرار۔ فحش۔ تضحیک۔ اپنا ذکر۔ راز۔ رائے۔ مزاح  
غیبت۔

## ۲۔ لباس

لباس کی ضرورت صرف انسان کو ہے۔ لباس کی غرض۔  
لباس کی وضع۔ کپڑوں کی خاصیتیں۔ لباس کی صفائی۔  
لباس کی خصوصیت۔

## باب پنجم

### رسم و رواج

قواعد کی پابندی فطرت انسان میں داخل ہے۔ رسوم کے  
پیدا ہونے کے اسباب۔ رسم و رواج کا اثر۔ رسم و رواج کی  
اصلاح۔ رموز میں عورتوں کا حصہ۔

## باب ششم

### انسان بہ حیثیت رکن قوم

#### ۱۔ حُب وطن

وطن کی خصوصیات۔ ملک و وطن کی اصلی محبت۔ قومی  
عظمت۔ قومی عزت۔ قومی محبت کا اثر۔

#### ۲۔ قومیت

قومی ترقی اور تنزل۔ ہر شخص قوم کو بنانا یا بگاڑتا ہے۔  
دنیا کا مدرسہ قوم کا تعلیم گاہ ہے۔

## خاتمہ

### موت

۳۶۰-۳۱۹

## ۱۔ عام لوگوں کے ساتھ مدارات کا طریقہ

خوش اخلاقی۔ کاروباری آدمی کو خوش اخلاقی کی ضرورت۔  
 مختلف لوگوں کے ساتھ مدارات کے طریقے۔ دوستانہ حقیقی  
 کے ساتھ مدارات۔ دوستانہ غیر حقیقی کے ساتھ مدارات۔  
 دشمنوں کے ساتھ مدارات۔ عام لوگوں کے ساتھ مدارات۔

۳۶۱-۳۶۰

## ۲۔ سیاست خد

نوکردن کے ساتھ مہربانی۔

۳۶۲-۳۶۱

## ۳۔ ہمدردی

ہمدردی کے مدارج۔ ہمدردی کا اثر۔ انسانیت۔ عالی حوصلگی۔  
 ہمدردی پیدا کرنے کا طریقہ۔ جانوروں سے بدسلوکی۔

۳۸۰-۳۶۲

## ۴۔ دوستی

دوستی کے فوائد۔ دوست کی رائے۔ دوستوں کی نکتہ چینی۔ غلط فہمی  
 سچے اور جھوٹے دوست۔ برے دوستوں کا اثر۔ لایق دوستوں  
 کا اثر۔ مردم شناسی کی ضرورت۔

۳۸۵-۳۸۰

## ۵۔ سخاوت

سخاوت کی تعریف۔ سخاوت کے پھل (کرم۔ ایثار۔ عفو۔  
 مروت۔ نبل۔ مواصلات۔ سماعت۔ مسامحت) دوسروں کو  
 دینے کے اقسام۔ زکوٰۃ و صدقہ کی شرائط۔ سخاوت کا غلط  
 طریقہ۔ خیرات کا صحیح طریقہ۔

۳۸۶-۳۸۵

باب چہارم  
آداب معاشرت

آداب معیشت کی تفصیل۔ تہذیب۔

۳۹۵-۳۸۶

## ۱۔ گفتگو



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ

## دیباچہ

باز گلبانگ پریشان مے زخم آتش در عنایان مے زخم  
بسکہ لذت دوستم یک لخت دل بر ستار صد نگران مے زخم  
افراد انسان کی حالت ظاہری و باطنی میں اس قدر اختلاف ہے  
اور اون میں بلحاظ صورت و سیرت - علم و کمال اس قدر تفاوت ہے  
کہ یہ بتانا مشکل ہے کہ اوس کے مدارج کس قدر ہیں - ایک طرف  
انسان کا اونے درجہ اس قدر مبتذل ہے کہ بعض حیوان جن کو قدرت  
نے عقل حیوانی عطا فرمائی ہے اوس سے بہتر ہیں - دوسری طرف  
اوس کا رتبہ اس قدر اعلیٰ ہے کہ ممکنات میں سے کوئی اوس کے مرتبہ  
اور شان کو نہیں پہونچتا - خود ایک ہی شخص سے مختلف اوقات میں  
ایسے مختلف افعال کا ظہور ہوتا ہے کہ اوس کی فطرت اور اصلی طبیعت کا  
لے لے اللہ تو پاک ہے ہمیں علم نہیں مگر جتنا تو نے سکھایا تو ہی ہے عالم اور حکیم ۱۲

زندگی کی محبت - زندگی کی محبت فطرتی ہے - زندگی کی محبت  
 کی وجہ - موت کا خوف - موت کی تکلیف - موت کی  
 ماحبت۔

اوس کے خیالات اوس کی خواہش اور اوس کا ارادہ ہیں۔ جب کوئی قوم میں تترل شروع ہوتا ہے تو پہلے اوس کے خیالات میں فساد و فتنہ پیدا ہو جاتی ہے اور حقیقت کا میلان جاتا رہتا ہے۔ اور اوس کی عمدہ قومیتیں بے محل صرف ہونے لگتی ہیں۔ جو بد برا نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً دولت فلاح اور بہبودی کے کاموں میں ہر طرف کی بجائے عیاشی اور غیر مستحقین کی پرورش میں خرچ ہوتی ہے۔ عالم سے معارف یقینی کے اکتساب کی بجائے مذہبی نزاع اور اعتقادات باطل کی ترویج کا کام لیا جاتا ہے۔ شاعری سے عمدہ جذبات کی بجائے ناپاک اثر پھیلائے جاتے ہیں لہذا کسی شخص یا کسی قوم کے خیالات کی اصلاح کرنی اوس میں ترقی کی روح چھونکنی ہے۔ جس طرح لباس میل اور چرک کے دھونے سے پاک ہوتا ہے۔ انسان تخیلات فاسدہ کی اصلاح سے نیک اور سعید ہو سکتا ہے۔ انسان کی دینی اور دنیوی ترقی کا مدار اعمال پر ہے۔ اور اعمال نتیجہ ہیں اوس کے خیالات یا اوس کی طبیعتیں کیون کا۔

ہر زمانہ میں لوگوں کے طرز معاشرت۔ طریق تمدن۔ سلطنت و تجارت۔ صنعت و حرفت۔ رسم و رواج اور اور بہت سے خارجی اسباب سے اون کی ضرورتوں اور ساتھ ہی اون کے خیالات میں فرق پیدا ہو جاتا ہے جو لوگوں کے اخلاق میں بھی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اس واسطے ہر زمانہ میں ایسے اخلاقی اصول کے دریافت اور تحقیق کی ضرورت واقع ہوتی ہے جو موجودہ حالات کی مناسبت سے سعادت کے حصول میں مدد دیں۔ میں نے بھی جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا۔ اس کتاب کو اس زمانہ اور اس ملک کی ضرورتوں کے قابل بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور افراد انسانی کی روحانی ارتقا کی تدبیر کے

پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ وہ خود بھی دھوکا کھاتا اور اپنی حیثیت کو  
 نہیں پہچان سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان شیون مختلف کا مظہر  
 ہے اور فطرت نے طرح طرح کی خاصیتیں اور انواع و اقسام کی قوتیں  
 اوس میں جمع کی ہیں۔ اور جس وقت جس خاصیت اور جس قوت کا  
 تقاضا غالب ہو اسی کے موافق افعال اوس سے صادر ہوتے ہیں۔  
 لیکن اس دنیا میں ایسے اشخاص بھی ہیں جن کے اخلاق میں ہمواری  
 اور عادات میں استواری پائی جاتی ہے۔ اور اون سے ہر حالت میں  
 قاعدہ عدالت کے مطابق افعال کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ  
 نہیں ہے کہ اون کی فطرت نیچر کے عام قاعدہ کے خلاف ہے۔ بلکہ  
 یہ باعث ہے کہ اون میں اپنی مختلف قوتوں کو منتظم رکھنے کی طاقت و  
 ملکہ ہے اور یہی ملکہ انسانی کمال کا ایک درجہ ہے۔ علم اخلاق وہ  
 اصول سکھاتا ہے جن پر کاربند ہونے سے ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ  
 افعال محمود انسان سے بالا راہ صادر ہونے لگیں اور انسان اوس  
 سعادت کے حاصل کرنے کی طرف مائل ہو جو انسانی زندگی کے لئے  
 اقصیٰ الغایات ہے۔

اس عالم میں انسان کے اقتدارات جس قدر زیادہ وسیع ہیں۔  
 اوس کی ذمہ داریاں بھی اسی قدر زیادہ ہیں۔ یہ جس قدر زیادہ مقتدر  
 ہے اسی قدر زیادہ محتاج ہے۔ جس قدر زیادہ دانشمند ہے اسی قدر  
 زیادہ اسے رہنمائی کی حاجت ہے۔ ایک حیثیت سے جس قدر زیادہ  
 قوی ہے دوسری حیثیت سے اسی قدر زیادہ ضعیف ہے۔ جس قدر  
 ترقی اور بلندی کی طرف پرواز کر سکتا ہے اتنا ہی پستی کی طرف تزلزل  
 کر سکتا ہے اور وہ چیز جو اوس کو بلندی و ہدایت کی طرف اُبھارتی  
 یا پستی و ضلالت کی طرف دناہلتی ہے اوس کی معلومات اوس کا اہل

علم اخلاق صرف تمدن کی درستی اور قیام کے لئے ہی ضروری نہیں ہے بلکہ سائنس کی ترقی بھی مکارم اخلاق پر منحصر ہے کہ انسان کسی حقیقت نفس الامر کے معلوم کرنے یا دنیا کو کسی نئی تحقیقات سے فائدہ پہونچانے کے لئے تکلیف و محنت برداشت کرتا ہے۔ اور اس واسطے نوع انسان کے دونوں گروہوں کو سب سے پہلے اس علم کا مطالعہ کرنا فرض ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت کم اشخاص ایسے اکتساب کی سعی کرتے ہیں۔ ہر شرمین اگرچہ کثرت سے مدارس قائم ہیں لیکن علم اخلاق کی طرف سے اس قدر ذہول ہو گیا ہے کہ لوگ اپنے نفس کا علم بھی نہیں رکھتے اور بجائے اس کا تزکیہ و تنزیہ کرنے کے بے سود مشاغل میں سرمایہ عمر خراب اور برباد کر رہے ہیں۔ ان میں سے وہ جو ہر مٹ گئے اور مٹتے جاتے ہیں جو کسی قوم یا کسی ملک کے نام کو چمکانے اور روشن کرنے والے یا اس کو ترقی دینے والے ہیں اور یہ حالت زیادہ تر اوس شہر کے باشندوں کی ہے جو ہندوستان کا پایہ تخت علم و ہنر تہذیب و شائستگی فضل و کمال کا معدن تھا جس کی خاک سے سیکڑوں من چلے بہادر۔ عالی دماغ مدبر۔ روشن خیال فیلسوف۔ مسیحا نفس حکیم۔ شیرین مقال شاعر۔ سحر بیان نثر۔ تبسخر عالم۔ پاک باطن صوفی۔ بے ریا زاہد۔ پیدا ہوئے۔ لیکن آج وہ ایک تجارت کی منڈی ہے۔ اور وہ ساری خصوصیتیں مٹ گئی ہیں جو اوسے ہندوستان کے شہروں میں ممیز و ممتاز کئے ہوئے تھیں یہ حالت دیکھ کر دل بھرا آتا تھا اور اپنی حالت زار پر خود ہی مرثیہ پڑھنے کو دل چاہتا تھا۔ لیکن نوحہ خوانی اوس درد کا علاج نہ تھا بلکہ علاج ایک ایسا نسخہ تجویز کرنا تھا جو امراض نفسانی کا استیصال

ساتھ ساتھ قومی ترقی اور عزت حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کئے ہیں چونکہ معاشرت اور تمدن کی اصلاح کے لئے عورتوں کی حالت کی اصلاح اور حقوق کی نگہداشت ضرور ہے لہذا موقعہ بموقعہ اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ میں نے اس تمام کتاب میں جو بات زیادہ تر ملحوظ رکھی ہے اوس کا نواب ممتاز یار الدولہ بہادر نے اپنے ریویو میں جو کتاب کا مسودہ ملاحظہ فرما کر لکھا تھا اس طرح ذکر کیا ہے :-

”اس کتاب میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کو آزاد دلیر غیر متند با حوصلہ۔ پر جوش ہونے اور محامات امور پر نظر رکھنے۔ جائز آرام اور لذائذ کا حظ اٹھانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ قوت فاعلہ کی ترقی سے انسان میں بلند صولگی پیدا ہوتی ہے اگرچہ قوت منفعلہ کی خوبیاں بھی جا بجا بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اس انداز سے ہیں کہ ان کا میلان پست ہمتی کی طرف نہ ہو“

میر ممتاز علی نام ممتاز یار الدولہ خطاب ہے۔ پلٹن صرف خاص کے کپتان ہیں اگرچہ زمرہ اہل سیف میں داخل ہیں لیکن علمی مذاق اور اہل علم کی قدر دانی ان کی طبیعت کا خاص صفت ہے۔ حیدر آباد کے ایجوکیشنل بورڈ کے ممبر اور مدرسہ آصفیہ کے سکریٹری ہیں۔ اس کے علاوہ انجمن اصلاح تمدن کے پریسیڈنٹ ہیں۔ یہ انجمن مشاء میں خاص آب کی کوشش سے قائم ہوئی۔ اہل فوج میں تمدن و معاشرت کی اصلاح کرنی اور اون کے خیالات کو درست کرنا ایک ضروری اور اہم کام ہے جو یہ انجمن انجام دیتی ہے۔ مجھ کو نواب صاحب کی خدمت میں بہت سے شرف نیاز مندی حاصل ہے۔ نہایت متواضع خوش اخلاق۔ صاف دل شخص ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت میں جو دلچسپی انہوں نے ظاہر فرمائی اوس کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر فرض ہے ہنرمند کمال کی قدر دانی اس خاندان کا حصہ ہے مشاء میں حضرت مندگان مالی کے پیش چل سالہ سالگرہ کے موقعہ پر نواب لیاقت جنگ بہادر جو ان کے حقیقی برے بھائی ہیں نمائش کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے تو انہوں نے ملک کی صنعت و حرفت کی سرپرستی کے علاوہ ایک کام یہ بھی کیا کہ اہل ملک کی تصنیفات کو موت سے نکلے ہی تاکہ عام طور پر علمی مذاق کو ترقی ہو۔

ہر ملت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء نے اپنی عالی دماغی وسیع معلومات  
 اور عمر بھر کے تجربوں کے ذریعہ سے ہم پہنچائے مشرق سے مغرب  
 تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اون کو جابجا سے چنگر سلک مروارید بنانا  
 مجھ جیسے کوتاہ نظر شخص کے لئے ایک مشکل کام تھا۔ لیکن شوق اور  
 اس امید نے کہ شاید میری ناچیز کوشش اہل ملک کے لئے مفید  
 ثابت ہو چین نہ لینے دیا۔ اور یہ مجموعہ تیار کیا۔ اگر یہ اُمید پوری ہوئی  
 تو میری محنت ٹھکانے لگ جائیگی۔

محمد سجاد مرزا بیگ

{ حیدر آباد دکن  
 ۱۴- جنوری ۱۹۱۷ء }

کرنے والا ہو۔ یہ کام جس قدر ضروری اور مفید تھا سچا و جیسے بے کمال اور بے استعداد شخص کے لئے اویسی قدر مشکل تھا۔ لیکن قدرت کی فیاضیان بعض اوقات اپنی بیش بہا بخششوں کے لئے بہانہ ڈھونڈھ لیتی ہیں۔ مولوی بشیر الدین احمد خان صاحب کی مہربانیوں نے نہ صرف دکن کو وطن بنا دیا بلکہ خیال کا دامن حکمت اور حقیقت کے جواہر ریزوں سے بھر دیا۔ مین نے صرف اتنا کیا کہ بزرگوں کی فیض تعلیم و تربیت اور حکماء کی کتابوں کے مطالعہ سے نفوس انسانی کی ترقی کے جو اسباب معلوم ہوئے وہ ایک جگہ اکٹھا کر لئے تاکہ میرے ہموطنوں کو جو اصلاح حال پر متوجہ ہوں ایک دستور العمل مل سکے۔ حکمت کے موتی جو ہر قوم اور

۱۷ مولوی نواب بشیر الدین احمد خان صاحب دلی کے خاندانی رئیس ہیں انکے دادا نواب رکن الدولہ بہادر اکبر شاہ ثانی کے وزیر اور رکن دیار تھے۔ ریاست و امارت کے علاوہ علم و کمال کا حصہ قدرت نے خاص طور پر عطا فرمایا۔ حق پسند طبیعت اور حقیقت شناس آنکھ رکھنے ہیں۔ بے شہداء کے غدر کے بعد جب دلی کی صورت اور ساتھ ہی وہاں کے خاندانوں کی حالت بدل گئی تو دکن کا رخ کیا۔ اور ابتدا سے منصبہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ ہر محکمہ میں اپنے حسن انتظام تدبیر و جفا کشی سے نمایاں اصلاحیں کیں۔ ریاست کی وفاداری اور خیر اندیشی کے ساتھ دیانت و صداقت کا جوہر طبیعت میں راسخ ہے۔ بلند حوصلہ۔ فراخ دل۔ عالی دماغ اور روشن خیال شخص ہیں۔ اور اپنے افعال و اقوال کو حکمت کے اصول کا پابند رکھتے ہیں۔ حکمت و فلسفہ کے مسائل باتوں باتوں میں اس طرح سمجھاتے ہیں کہ دل پر نقش کا لچر ہو جاتے ہیں۔ اس بے کمال نے بیسوں اون کے فیض صحبت اور مثال سے سبق حاصل کیا ہے میرے حال ظاہر اور باطن کی اصلاح میں ہمیشہ مہیا نہ شغفت و توجہ فرماتے ہیں۔ اخلاق کی کئی کتابیں مین نے مولوی صاحب سے سبقاً سبقاً پڑھی ہیں اور مضامین میں اصلاحیں لی ہیں۔ چونکہ خود صاحب کمال اور فضل و کمال کے جوہری ہیں۔ علمی اور ملکی خدمتوں میں ذوق و شوق سے حصہ لیتے ہیں۔ باوجود عظیم الفرستی کے اس کتاب کی تمام و کمال اصلاح اون ہی کی فرمائی ہوئی ہے۔

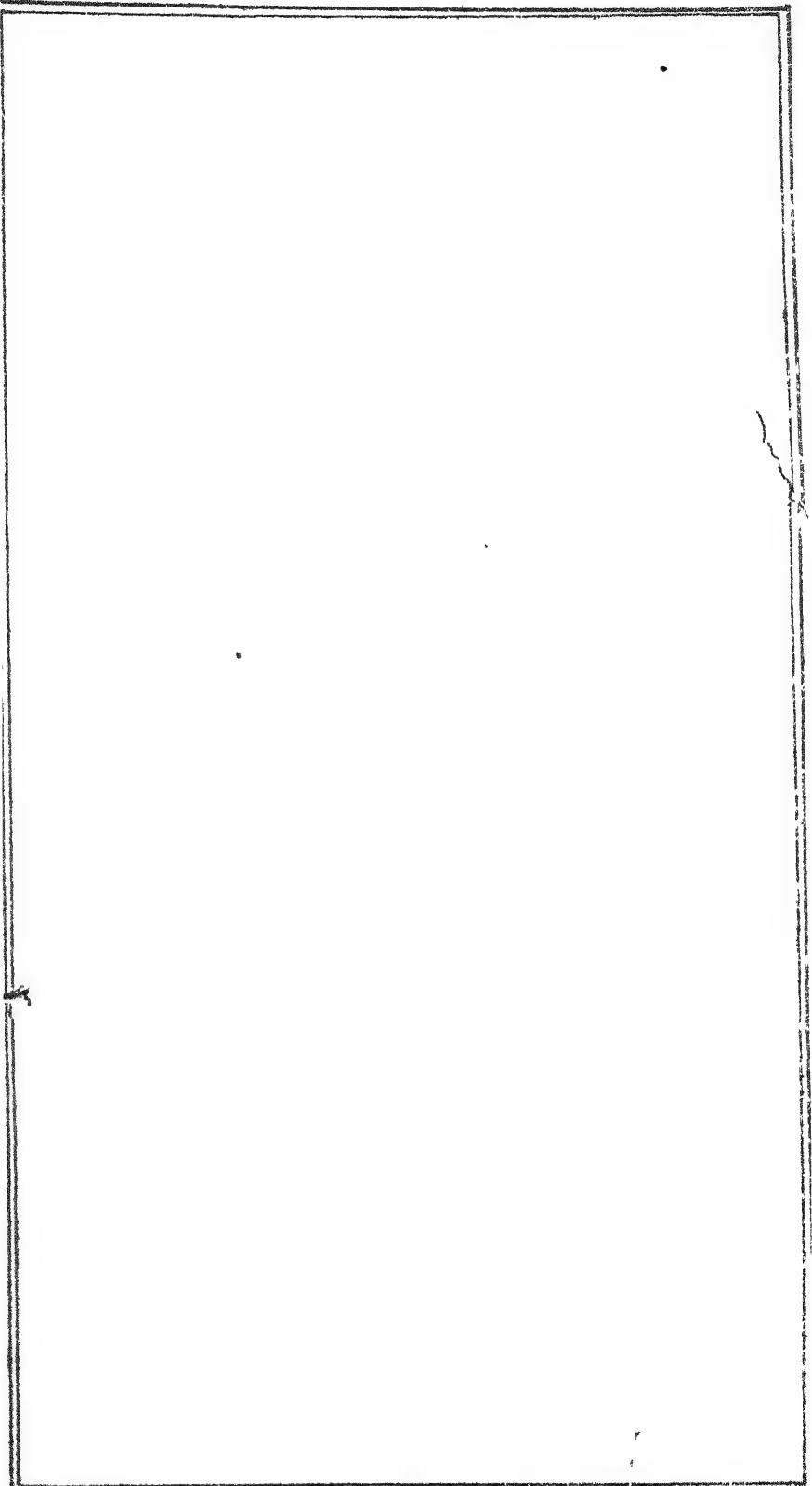


# مقدمہ

## حکمت عملی کی تعریف

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

کائنات کے مینا بازار میں جتنی چیزیں صنّاع قدرت نے آراستہ کی ہیں مصطلح  
میں موجودات عالم کہلاتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں اپنی نوعیت اور وضع کے لحاظ سے مختلف اور  
ساخت کے لحاظ سے عجیب و غریب صنعت و کمال کا نمونہ ہیں کہ ان سے بہتر اور اعلیٰ  
اس وقت تک پیدا نہیں ہوا جس طرح ان کی صورت اور ظاہری کیفیت مختلف ہے  
اسی طرح ان کے فوائد اور اغراض بھی جدا جدا ہیں اور ہر چیز فی حد ذاتہ ایسی کمال ہے کہ نہ  
صرف اس کی صورت ہی نظر فریب اور دوکان آفریش کی آرائش کا باعث ہے بلکہ  
اوس سے وہ غرض بھی جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے بہت اچھی طرح پوری ہوتی ہے۔  
اس بولمہن سامان میں ایک کل کا تیلہ ہے جس کا نام "انسان" ہے۔ یہ پہلا لحاظ  
خلقت تو موجودات عالم کا جزو اور مینا بازار کی ایک نمائندگی ہے لیکن اس سارے نگار  
کا تماشائی بھی ایک یہی ہے اور کل چیزوں پر اس طرح حاوی اور متصرف ہے کہ صاف  
معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں کوئی صفت ایسی خاص ہے جو دیگر موجودات میں نہیں۔ اور یہ  
صرف تمام مخلوقات میں زیادہ شریف ہے بلکہ خالق سموات والارض کی طرف سے اس تمام  
کارخانہ کا جسے دنیا کہتے ہیں خلیفہ اور یجنٹ بھی یہی مقرر ہوا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الْاَرْضِ خَلِیْفَہٗ  
انسان کو اس دنیا میں مرتبہ تو بہت بڑا ملا ہے کہ سارے عالم میں اشرف المخلوقات اور خلیفہ خدا  
لیکن اوس کے ساتھ ہی اوس کی ذمہ داریاں اور فرائض کی تختیاں بھی اس قدر ہیں کہ  
اے ترجمہ اللہ تعالیٰ جب کو جابھتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دیتا ہے اوس کو بہت سی نیکیاں دیتا ہے۔



مشترک ہے کہ وہ مل کر رہیں دوسروں سے نفع حاصل کریں۔ اپنی مضرتوں کو دور کریں  
وغیرہ اس لیے تمام لوگوں سے جو ایسے افعال صادر ہوں کہ اصلی تحریکوں کے سبب وقوع  
میں آئے ہوں وہ قریب یکساں ہوتے ہیں اور ان کی اصلاح کے لیے ایک سے  
اصول مقرر کیے جاسکتے ہیں لیکن بعض باتیں ”وضعی“ ہوتی ہیں مثلاً آداب اور رسم و رواج  
قانون وغیرہ یہ مختلف ممالک میں مختلف مصالح کے سبب مختلف ہوتے ہیں اور ان کے  
لیے ایک قاعدہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ خود اس ملک کے حکماء اپنے تجربہ اور سمجھ سے  
حسب اقتضائی ضرورت و مصلحت مقرر کرتے یا اس میں اصلاح کرتے ہیں۔

حرکات

تہذیب

اصول اخلاق کے لحاظ سے انسان کی حرکات طبعی اور وضعی تین قسم کی ہوتی ہیں  
اول تو وہ جن کا انحصار انسان کی ذات پر پڑتا ہے یا جو افراد انسان سے متعلق ہوں  
اس کے علم کا نام تہذیب اخلاق یا تہذیب نفس ہے۔ دوسرے وہ جو گہر بارے سے متعلق ہوں  
اور ان کا اثر ان لوگوں میں مشترک ہو جو ایک گہر کے ممبر ہیں مثلاً مسلمان ہوی اولاد وہابی ہیں مان بابت  
قریبی شہ دار وغیرہ نیز نسل کہلاتا ہے تیسری وہ جن کا تعلق اتنا وسیع ہو کہ شہر و ملک و قوم  
نہ پہنچتا ہے۔ یہ سیاست مدن کہلاتا ہے حکمت عملی وہ اصول و قاعہ ہیں جن کی کم اور بعضوں کی  
جو تہذیب نفس۔ تدبیر منزل اور سیاست مدن میں بکار آتے ہوں اور ان میں ہی نہ بہت کم ہیں  
وسادات کے معنی سے واقف ہو جائے بلکہ اس میں اس سبب سے رہ گیا یا پڑ گیا  
یہ نفس میں ان مصنفوں کے پیدا کرنے کی کوشش کی طرف مائل نہیں کیا یا اخلاق  
قدرت حاصل کر لے کہ وہ اپنے لیے نیک لوگوں میں وہ بڑا ملک ایسا مستحکم ہو گیا کہ اب چڑھنا  
سے نہ ہٹ سکیں بلکہ فرد افراد اور جماعتوں میں خیر و کمال ات کو تعلیم دی جائے تو وہ بھی بہت کچھ  
موجودات عالم میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اوپر گڑا تو بہت تربیت پذیر جانور ہیں۔  
تبدل واقع نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آفتاب و مہتاب جب انسانی تعلیم سے مشرف ہوتا ہے تو  
ہیں اور جب تک رہیں گے ایسے ہی ہیں اور جانور جن کی آواز کی گونجیں دل ہلا دیتی ہیں  
بتدریج کمال پیدا ہوتا ہے لیکن اس میں انسان کے ساتھ تماشہ کرتے ہیں  
رقعہ بڑھتے ہیں لیکن ان کی یہ حرکت ارادہ سے نہیں ہوتی اور ذرا آواز  
دراک و فہم میں تمام حیوانات سے ممتاز ہے تو

ذرا چوکا اور اپنے رتبہ سے گرا اس سبب سے تمام انسان اشرف المخلوقات نہیں بلکہ صرف وہی انسان اشرف واعلیٰ ہیں جن کی ذات میں وہ اوصاف موجود ہوں جو شرافت و کمال تک پہنچانے والے اور اس اعلیٰ خطاب کے شایان بنانے والے ہیں۔ یہ صفت جو انسان کو دوسری تمام مخلوقات سے اشرف واعلیٰ کرتی ہے ”حکمت“ ہے۔

حکمت ہے تو چھوٹا سا لفظ لیکن اس کے معنی اتنے وسیع ہیں کہ اس میں علم و عمل کی وہ تمام باتیں شامل ہیں جنہیں انسان کو کمال حاصل کرنے کے لئے جاننا اور اون پر کاربند ہونا چاہیے۔ ”علم“ موجودات کی حقیقت اور احوال کے جاننے کو کہتے ہیں تاکہ جہاں تک انسان کے لئے ممکن ہے وہ کسی خاص شے کی حقیقت جیسی کہ فی الواقع ہے معلوم کرے اور عمل کرے کہ یہ جہاں تک انسان سے ہو سکے ایسے مفید اور بکار آمد امور پر کاربند ہو جن کی فراوانی و ممانعت اوس کے نقصان کو دور کرے اور خواہ اس کی ذات میں ایسا ملک پیدا ہو جائے جو کمال تک پہنچانے والا ہو جس شخص کو یہ دونوں باتیں اچھی طرح حاصل ہوں وہ حکیم کہلاتا ہے اور اوس کا رتبہ دوسرے انسانوں سے زیادہ بلند اور زیادہ اعلیٰ ہوتا ہے پس حکمت نہ صرف علم ہی بلکہ عمل پر بھی شامل ہے کیونکہ اگر صرف علم ہی ہو اور اوس کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ انسان کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ کتابیں الماری میں رکھی رہتی ہیں لیکن الماری کو اوس سے کیا فائدہ ہے؟ اسی طرح مضامین حافظہ میں موجود ہوں لیکن اون پر کاربند نہ ہو تو انسان کو اوس سے کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے؟ **اَلْعِلْمُ يَدُوْنُ الْعَمَلِ وَتَبَالُ وَالْعَمَلُ يَدُوْنُ الْعِلْمِ فَصَلَاةٌ** ہاں جب علم و عمل دونوں ہوں تو حکمت پوری ہوگی اور انسان اپنے رتبہ اور شرافت میں مرتبہ بہ مرتبہ ترقی کرتا جائے گا۔ وہ علم جو انسان کو یہ سکھائے کہ اوس کو اپنے ارادی حرکات اور افعال میں کن کن مصالح کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ امور معاش و معاہدہ کا انتظام درست ہو۔ اور اوس کے نفس میں وہ قوت پیدا ہو کہ وہ کمال کی طرف ترقی کرنے لگے حکمت عملی کہلاتا ہے۔ انسان سب سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ یا تو ان طبعی قوتوں کے سبب سے ہوتے ہیں جو فطرت نے تمام انسانوں میں یکساں پیدا کی ہیں۔ مثلاً تمام انسانوں میں یہ خواہش ہے کہ وہ علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے۔

تعریف حکمت عملی  
حرکت طبعی

یہ ہے کہ جو خیر بہائم سے کم ہو اس کو ملائیک سے افضل و برتر اور تمام کائنات میں  
 برگزیدہ بنادے اور یہی حال برہانِ حجت کا ہے کہ اس کے مسائل کی صحت تجربہ سے ثابت اور  
 دلائل عقلی سے متحقق ہے لہذا سب سے پہلے علمِ اخلاق حاصل کرنا چاہیے جس میں انسان  
 اگر اخلاقاً سادہ سے پاک نہ ہو تو جس قدر اس کو غذا دی جائے زیادہ مریض ہوتا جاتا ہے  
 اسی طرح جب تک نفس میں سے رومی ملکات دور نہ ہو جائیں سائنس و فلسفہ مفید نہیں  
 ہوتے بلکہ بعض اوقات کبر و نخوت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان الحاد و بے دینی میں بڑھتا  
 ہے۔ اور اگرچہ بعض اشخاص کو کسی سائنس میں یدِ طولیٰ حاصل ہو لیکن اون کی روحِ خدا  
 سے تہین نکلتی نہ وہ ابنائے جنس کے ساتھ عدالت سے پیش آتے ہیں۔  
 حکمتِ علمی کا نشانہ یہ ہے کہ نفس میں ایسے ملکات راسخ ہو جائیں کہ بے تکلف و افعال  
 محمود انسان سے سرزد ہونے لگیں اور یہ بات تعلیم اور عادت سے حاصل ہو سکتی ہے۔  
 لوگوں کے مزاج مختلف واقع ہوئے ہیں بعض آسانی سے نیک بات قبول کر لیتے ہیں  
 بعض بدشواری بعضوں کی طبیعت خیر کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے بعضوں کی کم اور بعضوں کی  
 بالکل نہیں۔ لیکن ایسے لوگ جن کے اخلاق ذمیمہ میں تغیر پیدا ہونا ممکن ہی نہ ہو بہت کم ہیں  
 زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں کہ اون کے اخلاق میں کوئی نقص اس سبب سے رہ گیا یا چڑھ گیا  
 جسے کہ بری تعلیم یا بری صحبت یا عدم توجہ نے اون کو اصلاح کی طرف مائل نہیں کیا یا اخلاق  
 ذمیمہ کی مدتوں کی مزاوت کے سبب اون کی طبیعت میں وہ بُرا ملکہ ایسا مستحکم ہو گیا کہ اب چڑھانا  
 ممکن نہیں ورنہ انسان تو انسان مناسب وقت پر اگر حیوانات کو تعلیم دی جائے تو وہ بھی بہت کچھ  
 سیکھ جاتے ہیں اور یہی خصائل بدل جاتے ہیں۔ کتا اور گھڑا تو بہت تربیت پذیر جانور ہیں۔  
 یا تہی باوجود کہ مدتوں جنگل میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں جب انسانی تعلیم سے شرف ہوتا ہے تو  
 کیسا مطیع و فرمانبردار مہذب ہو جاتا ہے۔ وہ خوشخوار جانور جن کی آواز کی گونجیں دلِ ملا دیتی ہیں  
 تربیت سے ایسے مہذب ہو جاتے ہیں کہ سرکس میں انسان کے ساتھ تاکہ شہ کرتے ہیں  
 وہ شیر خاتے اور یہ کہ جو کہ انسان کے خون کے پیاسے ہیں اوسے کا حکم ملتے ہیں اور ذرا آزار  
 نہیں پہنچاتے۔ انسان قوتِ عقل و تمیزِ ادراک و فہم میں تمام حیوانات سے ممتاز ہے تو تربیت

معیّن پر پہنچ جائیں تو پہر اوس سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتیں اور اون کے تمام افراد کا کمال یکساں ہوتا ہے مثلاً حیوانات کے ایک نوع کے سب جانور شعور و فہم میں برابر ہیں۔ بلیا اپنا گھونسا بہت خوبصورت بناتا ہے لیکن اوس سے زیادہ عمدہ نہیں بنا سکتا یہ اوس کے امکان میں ہے کہ مختلف قسم کا بنائے۔ بطخین پانی میں تیرتی ہیں لیکن یہ صفت فطرتی ہے نہ اکتسابی۔ اس طرح حیوانات کے کمال میں بھی اون کے حرکات ارادی کو دخل نہیں اور اسی لئے حیوانات میں کوئی شریف اور کوئی رذیل نہیں ہے۔ انسان ہی ایک ایسا مخلوق ہے کہ اوس کو کوئی کمال حاصل کرنے کے لئے خود کو شمش کرنی پڑتی ہے اور اگر انکار کرے تو اوس میں اتنا کمال بھی پیدا نہیں ہو سکتا جتنا حیوانات کو حاصل ہے بطخین ترقی ہیں لیکن انسان جب تک نیسکے نہیں تیر سکتا۔ پرندے اپنا آشیانہ بنا لیتے ہیں مگر انسان بغیر نیسکے اپنے رہنے کا مکان نہیں بنا سکتا۔ تمام جانور اپنی خوراک مہیا کرتے ہیں انسان کو اون کے لئے خود مزدور کرنا ضرور ہے۔ یہی حال اوس کے اخلاق کا ہے کہ بغیر اکتساب کے ملکات شریفہ پیدا نہیں ہو سکتے غرض جب وہ پیدا ہوتا ہے تو بہائم سے کم ہوتا ہے اور خود اپنی سعی و کوشش سے وہ رتبہ حاصل کرتا ہے کہ عالم کی تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ بن جاتا ہے اور جو ذریعہ اوس کو یہہر رتبہ بخشا ہے وہ حکمت علی ہے۔

علم حکمت علی تمام علوم میں زیادہ شریف اور زیادہ ضروری ہے۔ اور صرف یہی ایک ایسا علم ہے جو تمام افراد انسان کے لئے یکساں مفید اور سب کو حاصل کرنا فرض ہے۔ علم حکمت علی طب روحانی ہے کیونکہ اس کے جاننے سے نفس میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے جو اعتدال خلقی کی حفاظت کرتی ہے اور خواہشات روئیہ و روحانی امراض میں دفع ہوتے ہیں۔ علوم کی شرافت میں طرح پر ہے۔ ایک تو یہ کہ اوس کا موضوع شریف ہو مثلاً علم طب۔ علم ہیطارسی سے زیادہ شریف ہے کہ طب انسان کے علاج کے لئے ہے اور ہیطارسی حیوانات کے لئے یا اوس علم کا فائدہ اور منفعت بہت زیادہ ہو جیسے علم حساب یا فلاحات۔ یا اوس کے ذرائع و براہین بہت قوی ہوں جیسے علم منطق و علم ہندسہ اس علم میں تینوں صفیتیں جو ہیں اس کا موضوع نفس انسان ہے کہ اوس سے بہتر دنیا میں کوئی چیز نہیں اسکی منفعت

رکونی بُرا خلق کسی شخص میں سے نہ جائے تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ  
یہ اخلاق ممکن نہیں اور تمام انسان میں اخلاق ضمیمہ کی اصلاح ہو ہی  
میں سکتی بلکہ علم اخلاق کی ضرورت اور فائدے ویسے ہی قائم رہیں گے  
یہی علم طب کے۔

وہ انسان نہایت برگزیدہ صالح اور سعید ہے جس نے نیک کاموں کو  
مزاوت اور محاربت سے اخلاق حسنہ کا ملکہ طبیعت میں پیدا کیا ہو۔ اور جس نے  
اپنے قوائے غضبی اور شہوانی کو شتر بے ہمار کی طرح چھوڑ دیا اور اپنی طبیعت کی  
باگین خواہشات ذمیمہ کے ہاتھوں میں ویکر خضائل روئیہ اختیار کئے وہ سب سے  
بُرا شخص ہے اور یہ ملکات جب راسخ ہو جاتے ہیں تو انسان کو ایسا سخت  
جکڑ لیتے ہیں جیسے آہنی زنجیریں قیدی کو۔ انسان صرف اپنی ہی کوشش  
اپنی ہی سعی اور اپنی ہی مرضی سے کسی اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کی خواہش کو  
دل میں راسخ کر سکتا ہے اور یہی طلب صادق ہے۔ اگر وہ دنیا میں صداقت  
کے مہر پر سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے تو خود اپنی ہی کوشش سے دوسرے۔

سہارے سے وہ ایک منٹ بھی نہیں ٹھیر سکتا۔ انسان اپنا اور اپنے اوپر  
حاکم اور مختار ہے وہ کذب چھوڑ کر راست گفتاری۔ شہوت پرستی چھوڑ  
کر پرہیزگاری۔ جور و تعدی چھوڑ کر انصاف و رحم اختیار کر سکتا ہے اور۔

فضائل حمیدہ اپنے نفس کو قابو میں کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔  
جسمانی کو کام میں نہیں لاتے اور کسی قسم کی ورزش نہیں کرتے اور جسم  
بجڑے اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں وہ محنت اور زور کے کام نہیں کر سکتے۔  
یہی حال قوائے روحانی کا ہے کہ جو لوگ اون کو معطل چھوڑ دیتے ہیں اون سے  
افعال محمودہ صادر نہیں ہوتے نہ اون کو اپنے نفس پر اتنی قدرت حاصل ہوتی ہے  
کہ منوعات اور قبیح باتوں سے پرہیز کریں۔ اگر کوئی نظم حفظ یا د کریں اور کبھی کبھ  
او سے پڑھتے پڑھتے نہ رہیں تو بھول جاتے ہیں۔ اصول اخلاق کی طرف سے

اوس میں اثر کرنا بالاولیٰ ممکن ہے اور اگر وہ عادت ڈالے تو اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ انسان سے جو افعال خواہ ایچے ہوں یا بُرے بسبب عادت اور بلاتامل مصادر ہوتے یا ہو سکتے ہیں وہ خلق کبلا تے ہیں اور یہ کیفیت دو طرح پیدا ہوتی ہے یا تو خلقتاً یعنی کسی شخص کا مزاج فطرتاً ایسا واقع ہوا ہو کہ کوئی خاص استعداد اوس میں زیادہ ہو اور اس حالت میں ذرا سے اشارہ اور تحریک سے انسان سے ویسے افعال صادر ہونے لگتے ہیں جن کی ادنیٰ طبیعت مقتضی ہو۔ یہ "خلق طبعی" کہلاتا ہے۔ دوسری چیز "عادت" ہے جو کوئی ملک پیدا کر سکتی ہے اور اس کو بھی انسان کے اخلاق میں بہت بڑا دخل ہے۔ عادت یہ ہے کہ انسان کسی فعل کی مزاولت کرے۔ یہاں تک کہ اتنی مشق بڑھ جائے کہ پھر اوس کام کے کرنے میں دقت نہ ہو مثلاً کوئی شخص جس سے کبھی شجاعت ظاہر نہیں ہوتی اور جو دشمن کے مقابلہ میں جاتا تو اچھکتا تھا تہا دل کو مضبوط کر کے لڑائی میں شریک ہو اور اپنی فوج کے سپاہیوں کو وہ شجاعت دیتے دیکھے اس طرح بار بار شریک ہونے اور مستعدی ظاہر کرنے سے اوس کی طبیعت میں بھی شجاعت کا ملک پیدا ہو جائے یا کوئی شخص جو بے رحم آدمی نہیں تھا قراقون کے فرقہ میں شریک ہو جائے تو اگرچہ اول اول اوس میں مشکل سے خوریزی ہوگی لیکن پہلے گناہ کے قتل کے ارتکاب میں ذرا بھی پاک نہ ہوگا۔ یہ ملک جو مشق و عادت سے پیدا ہو خلق کسی کہلاتا ہے اور اسی کو اچھی طرح کام میں لانے اور اوصاف حمیدہ کی عادت ڈالنے سے انسان کے راسخ بڑھتا ہے اور وہ رتبہ انسانیت تک پہنچتا ہے یہ انگہوں دیکھی باتیں ہیں کہ لڑکے نیک آدمیوں کی صحبت میں عموماً نیک و صالح اور شہریروں کی مجالست سے رذیل و شرعیہ ہو جاتے ہیں اور اون کے اخلاق میں بے تغیر پیدا ہو جاتا ہے اگر تغیر اخلاق ممکن نہ ہو تو قدرت نے جو قوت تمیز و فکر عطا فرمائی ہے بے فائدہ ہو اور تعلیم و تادیب بالکل بے اثر ہو جائیں۔ قانون کا عذر شرع۔ دینیات محض عبث اور لاعاصل ہوں۔ مرض علاج پذیر بھی ہوتے ہیں اور لاعلاج بھی۔ انسان کے جسم میں مرض پیدا ہوتے اور طبیعت اون کے دفع کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے لیکن اوس کو مدد دینے اور ازالہ مرض کے لیے علم طب کی ضرورت ہے۔ اگر کسی شخص کا کوئی مرض دفع نہ ہو تو ملک کا نظام یا عدم ضرورت ثابت نہیں ہوتی۔ اسی طرح



# مقالہ اول

تہذیب اخلاق

اگر غصہ کی جائے اور اون کو یاد نہ رکھا جائے تو ایک بار کتاب کا پڑھ لینا  
 نہیں اور نہ صرف مطالعہ سے بلکہ عملاً اون کی اتنی مہارت رکھنی چاہئے کہ جو خواہش  
 نفس میں نیک باتوں کی پیدا ہوئی تھی وہ نہ مٹ جائے اور نیک کام نہ بہت گنت  
 بلکہ نہ تو وقوع میں آئے لکین۔ اور اسی واسطے مہدۂ فیاض سے انسان کو عقل  
 عطا ہوئی ہے کہ بھلے بُرے کو سوچے اور بھلائیوں پر اس طرح عمل کرے کہ وہ مثل  
 طبیعت کے بن جائیں۔

# مقالہ اول

## تہذیب اخلاق

### باب اول

#### عقل عملی کی تعریف

انسان کا اعمال  
پر اختیار

دنیا کی ساخت اور انسان کی خلقت کو بغور دیکھنے سے یہ قضیہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ نیک و بد راستہ کا اختیار کرنا انسان کی مرضی اور انتخاب پر محول ہے۔ انسان دنیا میں اس طرح نہیں پیدا کیا جیسے کہ ایک سمندری کونی ٹھکانا ہو کہ پانی کی لہریں جہاں چاہیں اُسے بہا لے جائیں بلکہ وہ دنیا کے سمندریں ایک ماہر تیراک کی طرح تیرتا ہے اور اپنی سعی سے جسطرح چاہتا ہے جاتا ہے۔ پانی کی لہریں اوس کی مزاحمت کرتی ہیں لیکن یہ بھی اون کا مقابلہ کر سکتا ہے اور جد ہول میں آتا ہے اور ہر اپنا رخ رکھتا ہے وہ فی حد ذاتہ اپنے اعمال و افعال میں مختار ہے اور اوسے آزادی دی گئی ہے کہ جو قوتیں اوسے عطا ہوئی ہیں اون کو حکام میں لائے اور اسی سبب سے وہ اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ دنیا میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جو لوگ جاہل بکار بد سلیقہ تھے اگر تھسی سبب سے اپنی برائیوں پر مطلع ہو گئے اور تلافی یافتگی کی کوشش کی تو عالم نیک کردار اور بہر مند بن گئے۔ انسان ایک فعل کا خاکہ ہوتا ہے اور جب اوس کے خلاف قانون جاری کر دیا جائے تو اوس سے پرہیز کرتا ہے اسی طرح اوسے اختیار ہے کہ وہ شرع اور اخلاق کے قانون کو مانے اور اون پر عمل کرے خود انسان کا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ میں آزاد اور مختار ہوں عادت اور خواہش اوس پر قاصر نہیں بلکہ اوس کی محکوم ہیں بشرطیکہ وہ اون کو قابو میں رکھنا چاہے اگر کوئی شخص خود ہی اپنی باگ خصال روٹیکے ہاتھ میں دیدے تو خود اوس کا قصور ہے بلکہ جب انسان کسی بُرے امر کا



لیکن اپنے نفس کے امتحان کے لیے وہ ایسے موقع کا منتظر رہے گا کہ باوجود نفس شہوانی یا  
غضبانی کی سرکشی کے اپنی لمبیت پر قابو رکھ سکے اور جب کہنہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی طبیعت کی  
باگ تواہی شہوانی یا غضبانی کے ہاتھ میں دیدے اوس وقت اس کی اصلاح کامل  
سمجھی جائے گی۔ اس وقت انسان کی روحانی کیفیت بدل جاتی ہے اور اوس کا رتبہ  
اتنا بالا ہو جاتا ہے کہ وہ برائی بھلائی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جیسے بلند ہی پر سے نیچے کی  
چیزیں انگ انگ دکھائی دیتی ہیں۔ اور انسان پر تجلیاتِ ناسدہ کا قابو نہیں چل سکتا۔  
جب انسان روحانی طاقتوں کو قوت پہنچاتا اور خصائل حمیدہ کی عادت ڈالتا ہے اس وقت  
وہ ملکاتِ روئینہ کا مقابلہ کرتا اور اون کے دور کرنے کی کوشش کر سکتا ہے اور چون  
فضیلت حاصل ہوتی جاتی ہے اوسی قدر ذائل کی تکلیف بھی ہوتی جاتی ہے اس وقت انسان  
کو ذائل سے نفرت ہونے لگتی ہے اوسے تعجب ہوتا ہے کہ اس وقت تک ایسے بہت  
خصائل کا اوس پر قبضہ کیا تھا جس قوت کے ذریعہ انسان کے افعال میں اتنا بڑا تغیر پیدا  
ہوا وہ عقل علی کہلاتی ہے۔

عقل علی انسان کو یہ سمجھاتی ہے کہ جو جو وسائل اور اسباب اسے دنیا میں حاصل ہیں  
اون سے کوئی کام کس طرح سب سے بہتر اور بہتر ہو سکتا ہے یہ قوت انسان کی دیگر تمام  
قوتوں کو مناسب و برسرِ کشتی - اور اذن میں انتظام اور ترتیب دینا پر مرکب ہے۔ یہ قوت  
انسان کو یہ بتاتی ہے کہ اوس کا دور کیا ہے اور وہ دنیا میں کیا کر سکتا ہے۔ عقل علی انسان  
کو اون فرائض کے ذکر کرنے پر مجبور کرتی ہے جو اس وقت و پیش میں اور اس کی مدد  
سے انسان خیالی اور دہمی خوش آئندہ حالتوں کا انتظار نہیں کرنا نہ تاسف و حسرت کے عالم  
میں اپنے زور و قوت کو ضائع کرتا ہے۔ بلکہ حالت موجودہ کو فوٹو نگار اور دل پسند بنانے کی  
سج کرتا ہے۔ عقل علی کسی خاص قوت کا نام نہیں ہے بلکہ انسان کی مختلف قوتوں کے ملکر  
کام کرنے کا نام ہے۔

عقل علی کا ہر کام یہ ہے کہ وہ راست و غلط میں تمیز کرنا بتاتی ہے اس صورت میں  
اس کو قوت تمیز ہی کہتے ہیں۔ راست و غلط ایسے دو لفظ ہیں جن کی صحیح صحیح تحقیق معلوم

اور نہ۔ نہ زچا جہتا ہے تو نشنس (نفس لوامہ) اوس کو روکتا ہے اور بچانے کی  
 شکر کرتا ہے اگر بچا اختیار میں نہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ طبیعت میں امور ذمیمہ سے  
 بچے۔ نہ ماحر بلکہ طبیعت انسانی خود جانتی ہے کہ اوس میں بچنے کی قدرت ہے اور اگر  
 انسانی جانتا نہ ہو تو نہ دیکھ کر پڑے تو ابھی مہوار ہوگا۔

اس دفعہ داری کو پورا کر کے لیے بہت سے لوگ اپنے اعمال کی اس غرض  
 سے متوجہ کیا کرتے ہیں کہ اپنے صحیح اوصاف سے آگے ہو اور اس سے خود اوان کے نفس  
 کو خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن اکثر لوگ اپنی تہویر کے صرف ایک ہی پہلو کو دیکھتے ہیں اور اسکا  
 نتیجہ ہمیشہ ہوتا ہے کہ انسان خود میں اور خود پسند ہوتا ہے لیکن اگر بنظر اصلاح دیکھے  
 تو اس سے اپنی خوبیوں کے ساتھ اپنے عیوب بھی نظر آتے ہیں گے اور اپنی ساری اچھی بری حقیقت آئینہ  
 ہو جائے گی۔ اور پھر اس حالت میں وہ اپنے نفس کی اصلاح اور اپنے افعال کا انتظام  
 کر سکیگا۔ وہ صاحب نظر ہے اپنے عیوب کی خود خبر رکھتے ہیں اپنے تئیں ایسے سانچے میں ڈھالتے  
 ہیں کہ دوسروں کو مکمل پیمانی کی گنجائش نہیں رہتی اور اپنے افعال و اعمال کی خود اصلاح کرتے  
 رہتے ہیں۔ اس طرح انسان کو اپنے حال پر غور و فکر کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ لیکن  
 ابتدائی حالت میں یہ کیفیت ایسی کافی نہیں ہوتی کہ انسان اوس پر اکتفا کرے اور نہ اس سے  
 اس قدر فائدہ پہنچتا ہے جتنا پہنچنا چاہیے۔ اپنے کسی فعل کی اصلاح کا خیال کر سکیے  
 بھی ابتدائیں بہت بڑے غم اور بہت بڑی جرات کی ضرورت ہوتی ہے اور جس قدر اس سے  
 انسان کو تکلیف ہوتی ہے اوس کی نسبت فائدہ کم معلوم ہوتا ہے لیکن فائدہ ہوتا ضرور ہے۔  
 مسئلہ مزاج آدمی جو اپنی ذہن کے پورے ہوتے ہیں ان تکلیف سے شکستہ خاطر نہیں ہوتے  
 نہ وہ ایسی ادھوری اصلاح پر قناعت کرتے ہیں بلکہ محاسبہ نفس کی عادت کو زیادہ مستحکم اور  
 زیادہ پائدار بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب تک اپنے نفس کی پوری تفتیش اور پوری  
 درستی نہیں کر لیسے سعی سے باز نہیں رہتے۔ فرض کرو کہ کسی ایسے شخص سے جو اپنے نفس  
 کی اصلاح میں مصروف ہو کوئی لغزش ہو اور ضمیر اس ناشائستہ حرکت پر اسے ملامت کرے تو  
 اویختہ نہ ہوگا۔ اس موقع پر وہ اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لے گا کہ وہ پھر اس فعل کا مرتکب نہ ہوگا

# باب دوم حقایق نفس الامر و اشیا کی معرفت ۱۔ حصول علم

انسان اور  
حیوان  
میں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمی وہ خاصہ ہے جس سے انسان اور حیوان میں تمیز ہو سکتی ہے۔ انسان کو جس بات سے دیگر حیوانات پر شرف و امتیاز حاصل ہے جب تک وہ اوس میں موجود نہ ہو وہ انسان کہلائیے کا مستحق نہیں۔ انسان زور و جہاں میں حیوانات پر شرف نہیں رکھتا کیونکہ اونٹ اوس سے زیادہ زور آور ہے نہ قومی بلکہ جنس میں اوس کو تفوق ہے کیونکہ ہاتھی آدمی سے کہیں بڑا ہے۔ تیغیت کے سبب سے کہ انسان کو برتری نہیں ہے کیونکہ درندہ جانور انسان سے کہیں زیادہ دیر اور شجاع ہیں۔ بہت سا کہا نا سہی باعث شرف و امتیاز نہیں۔ بیل کا پیٹ انسان سے بہت بڑا ہے بلکہ انسان کو دیگر حیوانات پر صرف اسی سبب سے شرف و امتیاز حاصل ہے کہ انسان عالم ہے اور اسی علم حاصل کر ٹیٹے لیتے وہ پیدا کیا گیا ہے جس کو علم نہ ملا اوسے دنیا میں کچھ ملا اور جسے علم حاصل ہوا اوس سے کچھ باقی نہ رہا اگر کسی مریض کو کچھ دن کما نا پانی نہ دیں تو وہ مر جاتا ہے یہی حال دل کا ہے کہ جب علم و حکمت سے دل کو روک دیا جائے تو وہ بھی بہت جلد مر جاتا ہے۔ انسان کو اپنے دل کی بیماری اور موت کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ وہ دنیا کی محبت اور دیگر مشاغل میں ایسا مہمک ہوتا ہے کہ اس طرف سے بے حس ہو جاتا ہے اگر کسی شخص کو خوب نشہ چڑھا ہوا ہو تو زخم کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب فضول دنیا کی مشاغل میں اہمک ہو جائے تو دل کی بیماری کی انسان کو خبر نہیں ہوتی ایک اور جگہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کا بدن نفس کی سواری ہے اور نفس محل علم ہے اور علمی انسان کا مقصود ہے جس کے واسطے انسان پیدا ہوا ہے۔ انسان کا رتبہ بہائم اور ملائکہ کے درمیان

سلۃ مذاق العارفين ترجمہ احیاء العلوم جلد سوم باب اول۔

کرنے پر تمام اخلاق کی میناد قائم ہے۔ اگر صحیح و غلط کی تمیز نہ ہوتی تو دیگر حیوانات کی طرح انسان خواہ کچھ ہی کرے اس سے جائز ہوتا اور دنیا میں حسن و قبح پہلائی و بُرائی نیک نامی و بدنامی ایسے الفاظ ہوتے جن کے کچھ معنی نہ ہوں لیکن قوت تمیز صحیح و غلط جائز و ناجائز میں امتیاز کرنا سکھاتی ہے اور ایک کام کو اختیار کرنے اور دوسرے کو ترک کر کے حکم دیتی ہے۔ است و غلط میں تمیز کرنا اور اصول اخلاق پر کار بند ہونا خود انسان کا کام ہے بعض اوقات طبیعت کے تقاضے مختلف جانب رجحان پیدا کرتے ہیں لیکن جن کے دل نور حکمت سے معمور ہیں وہ تمام جذبات کو عقل کا مطیع رکھتے ہیں۔ وہ عادت اور خواہش کے محکوم نہیں ہوتے بلکہ اوپر حکمرانی کرتے ہیں۔

وہاں

انسان کی تمام زندگی ایک مدرسہ ہے جس میں وہ ہر روز تجربہ کے نئے نئے سبق پڑھتا ہے۔ اس مدرسہ کے معلم گونا گون افکارات نئے نئے امتحانات۔ نئی نئی دقتیں۔ طرح طرح کی تکالیف اور شکنیں ہیں لیکن یہ صبر و استقلال پر بہرگاری۔ عنایت تامہ بہمت۔ قناعت۔ اور خدا پرستی سکھاتے ہیں۔ انسان کو اپنی نسبت نہ صرف یہ جاننا چاہئے کہ وہ کیا کر سکتا ہے بلکہ یہ بھی جاننا چاہئے کہ وہ کیا نہیں کر سکتا۔ لیکن اس سبق کے حاصل کر نیے لیے انسان کو دنیا میں مختلف لوگوں سے ملنا اور مختلف قابلیت کے آدمیوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانا لازم ہے۔ سوسائٹی میں ملے بغیر انسان کو اپنی قابلیت کا پورا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ فودین اور خود راعی رہتا ہے اور اپنی استعداد کے جانچنے میں غلطی کیا کرتا ہے۔ سوسائٹی میں ملنے سے اس کی بہت سے ایسے تجربے حاصل ہوتے ہیں جو اس کی عقل کو زیادہ اس کے دماغ کو روشن اور اس کی راعی کو مستحکم اس کی نظر کو بلند کرتے ہیں اور نیک و بد کی وہ تمیز جو عملاً کوئی اچھا کام کرنا سکھاتی ہے ایسے ہی تجربے سے حاصل ہوتی ہے۔ تجربہ کے علاوہ علم ہی انسان کے دماغ کو روشن۔ خیالات کو درست۔ راعی کو صائب اور اعتقادات کی اصلاح کرتا اور عقل کو جلا دیتا ہے اور عقل علی اس معلومات سے جو تجربہ اور علم سے حاصل ہو فائدہ اٹھانا اور اُس کام میں لانا سکھاتی ہے۔





وہ ترقی کرتے کرتے ایک دن اوج کمال پر پہنچ جاتے ہیں۔ انماطوں کہتا ہے کہ انسان کے حق میں سب سے عمدہ چیز علم ہے اور جمالیات تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

کتب

علم حاصل کرنے کی طریقہ میں منجھدہ اون کے ابتدائی اور نہایت ضروری طریقہ یہ ہے کہ کتابیں پڑھے۔ انسان کے لئے کتابیں ایسی ہیں جیسے کسی شخص کو اپنے حافظہ۔ اون میں ہماری قوم کے بزرگوں کے کارنامے درج ہوتے ہیں۔ ہماری ایجادیں۔ ہمارے اختراع۔ ہماری ترقی و تہذیب کے حالات لکھے ہوتے ہیں۔

دوسروں کے علم اور اون کے تجربہ اور سرگزشتیں کتابوں کے ذریعہ سے ہمیں معلوم ہوتی ہیں۔ صانع قدرت کی بے انتہا خوشنودیوں کے تذکرے کتابوں ہی میں لکھے ہوئے ہوتے ہیں اپنے پاک مذہب کے قوانین اور خدا ہی غرض جل سے لے کر تقدس و عظمت و جلال کے حالات اور اوس کے احکام کتابوں ہی میں محفوظ ہیں و کتبنا حجتنا ہم بکتاب فصلنا علی علم تھا میں شکل کے وقت ہماری معاون اور غمخوار کے وقت دل بہلائی والی ہیں۔ کتابیں تکلیف اور ماندگی کی حالت کو خوشی اور تسکین کی کیفیت

سے بدل دیتی ہیں اور ہمارے دل میں ایسے ایسے خیالات پیدا کر کے مسرت بخشنے ہیں جن سے ہمارا تہ عالی اور بلند ہو جاتا ہے ہم کسی بڑے مصنف فلسفی کی کتاب پڑھتے ہیں تو گویا اوس سے باتیں کرتے ہیں اور اوس کے خیالات اور رائے سے نادمہ حاصل کرتے ہیں اسی طرح اگر کسی فن کی کتاب پڑھتے ہیں تو گویا اوس کے موجد سے مشورہ کرتے ہیں اگر مصنفوں کو اس دنیا سے گورے سیکرڈن برس گزر گئے لیکن کتابوں کو ان کے بیش بہا خیالات اور ایجادات کا سبق یا موقوفہ نہیں ہمارے اپنے اپنے دوست جو نہایت عمدہ عمدہ مشورے دے سکتے ہیں جیسا

ہم سے مندرقت اختیار کرتے ہیں تو ہم اون کے مشوروں سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن کتابیں ایسی عمدہ مشیر ہیں کہ ہم دم اور ہر وقت مشورہ کو حاضر اور موجود رہتی ہیں یہ بڑا اکرنا یا وکیلون کا مشورہ نہیں کہ بات بات پر فیس ادا کرنی پڑے اور بار احسان جدا ہو۔

بلکہ بے دام اور بے منت۔ کتابیں استاد ہیں لیکن استادوں کی طرح جھڑکتی اور سخت نہیں ہوتیں اور کیسے ہی بیش بہا مسائل کیون نہ ہوں کہی تباہی میں نکل نہیں کرتیں ہم کو ان کے

ہے اس واسطے کہ انسان باعتبار غذا اور نشوونما کے سبب ہے اور جس و حرکت اخلاقی کے جهت سے چوان ہے صورت قد و قامت کے اعتبار سے نقش بدلیوار ہے لیکن اوس کی خاصیت اور فصل حقیقی حقائق اشیا کی معرفت ہے پس جس شخص نے اپنے تمام اعضا اور قوا سے اس طرح کام لیا کہ علم و عمل میں اوس کو استعانت ہو تو وہ مستعملی مانند ہے علم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان میں نہایت بلند نہایت آزادانہ اور متفقہ خیالات پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان کی اخلاقی حالت درست ہو جاتی ہے اور وہ عمدہ وقتیں جو اس کی طبیعت میں پوشیدہ ہیں ظاہر اور مجلی ہو جاتی ہیں چنانچہ کیا تین انسان بالکل وحشی ہوتا ہے لیکن جب اوس کو علم حاصل ہوتا ہے تو وہ مہذب اور ثنائیت بن جاتا ہے اور اوس میں صداقت کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

علم کا فائدہ

علم کی قدر انسان کی طبیعت میں فطرتاً پیدا ہوتی ہے۔ جاہل سے جاہل آدمی بھی کسی امر سے واقفیت اور علم ظاہر کر کے خوش ہوتا ہے اسی طرح ناواقفیت کا اظہار کر کے شرماتا اور جہالت کی طرف منسوب ہونے سے چڑتا ہے اور چونکہ علم کتابی اور قیام پذیر ہے اس سبب سے جو شرف نفس کو حصول علم سے حاصل ہوتا ہے وہ انسان کا ذاتی جوہر اور کمال خیال کیا جاتا ہے جس میں شرافت انسانی کی طرح دوسروں کا کچھ حصہ نہیں ہے اور اسی سبب سے شرف علم اعتباری نہیں بلکہ حقیقی ہے۔

علم کی خواہش

انسان کو علم کی ضرورت اکتساب معاش کے لئے نہیں بلکہ آدمی بننے کے لئے علم و کار ہے شیکسپیر کا قول ہے کہ جہالت خدا کی بیشکارس ہے اور علم کے پروں سے ہم آسمان پر اڑتے ہیں۔ اون نوجوانوں کی تعلیم سے جنہیں اپنا اکتساب معاش کسی پیشہ یا حرفہ سے کرنا ہے یہ مراد نہیں کہ وہ پڑھ لکھ کر اچھے کاریگرن جائیں گے بلکہ اہل حرفہ اور پیشہ وروں کے عمدہ تعلیم دینے سے یہ مطلب ہے کہ جس طرح وہ صناعی میں پیشہ ہوں اسی طرح انسانی کے اعلیٰ جوہر بھی اون میں پائے جائیں تعلیم کا عام اثر یہ ہے کہ جو آدمی کی تعداد گھٹ جاتی ہے اور لوگوں کی طبیعتوں میں سے آوارگی جاتی رہتی ہے۔ علم ایک زینہ ہے جس کا ایک پلین پر ہے اور دوسرا سر آسمان سے باتیں کرتا ہے جو لوگ اس زینہ پر چڑھتے ہیں

علم کی ضرورت

کام کو شروع کرنے سے پہلے ہی کتابوں کے ذریعے سے سیکھ لے وہ کس قدر محفوظ و نامور رہ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص علم جغرافیہ سے ناواقف ہو اور بار بار دور دور کے چکر لگا کر کسی ملک کا نزدیک کا راستہ دریافت کرے تو اوس نے کیا فائدہ اٹھایا۔ عالم شخص ایک منٹ میں کتاب کے ذریعے سے معلوم کر سکتا ہے کہ کس راستہ سے جانے میں سہولت ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تجربہ کار آدمی کو خاص خاص معاملات یا خاص خاص امور کی زیادہ واقفیت یا زیادہ مہارت ہو لیکن عالم آدمی کی نظر تجویز کے بہ پہلو پر حاوی ہوتی ہے اور وہ جو منصوبہ کرتا ہے یا جس کام کو کرنا چاہتا ہے اوس کے کل لوازم کو یکساں خوبی اور پورے کمال سے انجام دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے انسان میں عقل فطراناً اور قدرتی پیدا کی ہے لیکن علم سے عقل کو جلا ہوتی ہے اوسے میں کائنات کا جو ہر موجود ہے۔ لیکن تلوار کو صیقل کرنا ضرور ہے۔

کتابوں کا انتخاب

وقت فرصت کے لیے کتب بینی بیشک بہت اچھا مشغلہ ہے لیکن عمدہ کتابوں کا انتخاب کرنا بھی ایک ضروری کام ہے۔ ہر شخص اس قابل نہیں ہے کہ اوس سے دوستی بھی جائے اسی طرح ہر کتاب اس قابل نہیں کہ وہ پڑھی جائے۔ پڑھنا تو درکنار بعض کتابوں کا تو رکھنا ہی ممنوع ہے۔ خراب کتابوں کے پڑھنے سے نہ صرف تضييع اوقات ہوتی ہے بلکہ خیالات خراب اور دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی ہے جو خوشی یا مسرت ایسی کتابوں کے پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے وہ ایسی بے ثبات اور جھوٹی خوشی ہے جیسے آوارہ مزاج لوگوں کو اہل بوجب یا عیاشی جیسے بُرے مشاغل میں مصروفیت سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کی بدقسمتی سے دنیا میں ایسی کتابوں کا ذخیرہ کچھ کم نہیں ہے اور وہ ایسے اسے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے جس سے اوس کو مفید مطلق اور بکار آمد بلکہ قوم کی ترقی کی کنجی سمجھا جائے لوگوں کے مذاق اس قدر خراب ہو رہے ہیں کہ ایسی کتابوں کی طرف زیادہ توجہ اور اعتنا کیا جاتا ہے اور زبانوں میں ہی حرم کو آج علمی زبان ہونے کا فخر ہے ایسی لغویات کی کمی نہیں ہے لیکن ان میں واقعہ اعلیٰ درجہ کی کتابیں ہی نہایت کثرت سے ہیں اور ان کے مصنفوں کے دماغ ایسے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں کہ جو مضامین وہ

کا بہانہ کرنے کا ملاتی ہیں اس لیے کتابوں کا ذخیرہ دولت کے ذخیرہ سے زیادہ قیمتی اور زیادہ بھارا آمد ہے جو لوگ صداقت کے خواستگار عقل کے جوہر اور سائنس کے متلاشی ہیں وہ ضرور کتاب سے محبت رکھتے ہیں

کتاب کا مطالعہ بہت سے فائدہ بخشتا ہے۔ دل بہلتا ہے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ تحریر و تقریر میں لطافت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ لیکن سارے دن پڑے پڑے وقت ٹالنے کے لیے کتاب دیکھنا شہستی اور کاہلی ہے۔ آرہش کی خاطر پڑھنا ظاہر واری اور نمایش ہے۔ البتہ علم کے دانشمندانہ نتائج پر چلنا اور ہمہ فراست کے اصول پر کاربند ہو کر اپنے تمام افعال کا تصفیہ کرنا طالب علمی کا حقیقی ثمرہ ہے۔ جب سے چاہے کافن ایجاد ہو اکتائین کوڑیوں کے مول بکنے لگیں ہیں۔ ایک ماہ میں پان اور سگار کا خرچ قیمت کتاب سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے۔ عمدہ اور دل چسپ کتاب کے پڑھنے سے جو مزہ آتا ہے وہ پان اور سگار تو کیا دنیا کی کسی نعمت اور کسی دولت کے حصول سے بھی نہیں آسکتا۔ یہ بھی اخراجات میں روپیہ برباد کرنا اور کتاب خریدنے میں کفایت شعاری سے کام لینا عقل صواب اندیش کے خلاف ہے۔

پڑھنے پڑھنے کا یہی طریقہ ہے۔ کتابوں کی ورق گردانی کرنا اور یہ کہہ دینا کہ اس میں کچھ بات نہیں ہے کتاب کا قصور نہیں بلکہ پڑھنے والے کی توجہ کا قصور ہے۔ پڑھنے کے پڑھنے سے کچھ زیادہ حاصل ہی نہیں ہوتا بلکہ جب کتاب باتہ میں لے کر پڑھتا ہے تو اس کا استفادہ اس کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ مضامین اچھی طرح دیکھیں اور ان کی تصویریں بن رہو۔ اس سے نظر آئیں

علم سال در میں اتنا سکھا دیتا ہے کہ تجربہ بیس سال میں ہی نہیں سکا سکتا تجربہ کچھ سکھاتا ہے وہ اس وقت کہ اکثر تیر از کمان رفتہ ہو اور زمانی مافات نہ ہو سکے۔ بلکہ بعض وزارت عمر پہنچتا ہی پڑے۔ دران حالیکہ علم قبل از وقت متنبہ کر دیتا ہے اور نقصان سے بچاتا ہے۔ وہ شخص کیا خاک ملاح ہو سکتا ہے جس پر فن جبار رانی ہزاروں جہازوں کو سکا سکا کر تیراؤں پر لے آئے اور دوسروں کی جہازوں کو معرض ہلاکت میں ڈال دیا ہو بلکہ جو شخص اس

جاتا ہے بلکہ اوسکی تکمیل آئندہ زندگی میں اپنے مطالعہ اور محنت سے کرنی چاہیے اور اسی کا نام سلیف ایجوکیشن ہے۔ بہت سے آدمی یہ افسوس کیا کرتے ہیں کہ ہماری تعلیم ناقص رہ گئی اور ہم نے طالب علمی کے زمانہ میں فلان علم کی تحصیل یا تکمیل نہیں کی لیکن اگر دیکھا جائے تو انہوں نے صرف طالب علمی ہی کے زمانہ میں عدم توجہی نہ کی ہوگی بلکہ اوس کے بعد بھی جبکہ ان کی صحت و درست اور قوا و کام کے قابل تھے بہت سا وقت ضائع کیا ہوگا ورنہ شوق و رہہ دل کہ باشد رہے در کار نیست۔

اور جن لوگوں نے کسی علم میں نام روشن کیا ہے انہوں نے صرف مدرسہ کی تعلیم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی تمام زندگی طالب علمی کا ایک بڑا دن تھی اور اپنے مطالعہ سے انہوں نے کمال ترقی حاصل کی۔ دوسرے لوگوں سے سیکھنے میں جو علم آتا ہے وہ اس قدر یاد نہیں رہتا جیسا کہ خود اپنے مطالعہ سے کیونکہ اپنے مطالعہ سے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ دل میں نقش ہو جاتا ہے اور اوس سے دماغی قوت اس قدر بڑھتی ہے کہ ایک مسئلہ خود حل کرنے سے دوسرے مسئلہ کے حل کرنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

مدرسہ میں قوا و دماغی کو کام میں لانا سکھایا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور طاقت کا مادہ پیدا کیا جاتا ہے لیکن خیالات میں ترقی اور بند پر وازمی اوس وقت پیدا ہوتی ہے شروع ہوتی ہے جب مدرسہ چھوڑ دینا وقت ہوتا ہے اور اس سبب سے اگرچہ مدرسہ بمع تعلیم بہت اعلیٰ درجہ تک حاصل کی گئی ہو لیکن اگر آئندہ مطالعہ کتب جاری نہ رکھا جائے اور مطالعہ فطرت نہ کیا جائے تو روشنی خیالات اور اصابت رائے حاصل نہ ہوگی۔ نہ دماغ کی تریکی اور اعضا باطنی کی سُستی دور ہو سکتی ہے عقل اوس وقت پختہ ہوتی ہے جب انسان بنیاد میں قدم رکھے اور جو علم حاصل کیا ہو اسکو عمل میں لائے علم میں ترقی کرنے اور جو کچھ پڑا ہے اوس کو ضبط و محفوظ کر نیکیے لیے یہ مناسب ہے کہ تھوڑا وقت مضامین پر غور و فکر کرنے میں صرف کیا جائے اس طرح پیچیدہ تھوڑی دیر سوچنے سے جو نتیجہ نکلتے گا وہ ساری کتاب پڑھنے سے نہیں حاصل ہو سکتا خیالات کا سلسلہ ایسا ترقی کر نکلتا ہے کہ ہر وقت اعلیٰ اعلیٰ خیالات اور پیش بہا مضامین ادباً و

صرف دل بہلانے کے لیے لکھتے ہیں اور ان میں بھی قوم کو کسی مفید اور اعلیٰ خیال کا سبق دیتے ہیں۔ اردو کو بد قسمتی سے یہ رتبہ حاصل نہیں اس میں علمی مضامین کی بہت کمی ہے اور لوگوں کی توجہ بمثل ناول اور اشعار سمجھنے کی طرف زیادہ مائل ہے جن میں سوائے حُسن و عشق کے راک گانے اور بُرے جذبات کو اگسانے کے اور کچھ نہیں ہوتا ایسی کتابوں کے اشتہار اگرچہ بہت آب و تاب سے دئے جاتے ہیں اور ان کو اخلاق کا سبق آموز بتایا جاتا ہے لیکن یہ دو کا ندھاری کی باتیں ایسی ہی غلط ہیں جیسی کہ اشتہاری دو افروشی اپنی ناکارہ دواؤں کو بھی تمام امراض کے واسطے اکیسرا خطاب دیا کرتے ہیں۔ بعض کتابیں ان سے بھی زیادہ ہو دیوں سے پڑھیں کہ اگر وہ آدمی ہو تو شرمناک اور کوہلاک کر دینا حکم دیا جاتا پس ایسی کتابوں کا پڑھنا مفید نہیں بلکہ اور زہر آلود خیالات پیدا کرتا علم حاصل کرنے کے لیے پڑھنا نہایت ضروری ہے اور بعض صورتوں میں استاد سے پڑھنا اور دوسروں سے تفہیم مطالب میں مدد لینا بھی لازمی ہے لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ ہمیشہ اور ہر مضمون کو جب تک استاد سامنے نہ ہو ہاتھ ہی نہ لگائیں بلکہ خود مطالعہ کرنا اور اپنے غور و فکر سے مضامین کا حل کرنا بہت زیادہ مفید ہے۔ اس طرح کا حاصل کیا ہوا عمر بہرہ یار رہتا ہے اور مضمون کے سمجھنے اور فکر کرنے کی قوت بہت زیادہ اور جلدی ترقی کرتی ہے جن لوگوں نے علم میں ید طولیٰ حاصل کیا ہے یا کسی سائنس کو ترقی دی ہے اوہوں نے استاد کی پابندی نہیں کی۔ اگر کسی شخص نے مدرسہ میں بیٹھ کر نہیں پڑھایا اس نے طالب علمی کے زمانہ میں حسبِ دل خواہ ترقی نہیں کی تو دل شکستہ ہونے کی بات نہیں ہے وہ اپنے مطالعہ اور محنت سے وہ کچھ کر سکتا ہے جس پر مدارس میں پڑھنے والے رشک کریں۔ ایک دفعہ بہت کر کے محنت سے مطالعہ کرنے کی عادت ڈالنے کی کوشش کی جائے تو تھوڑے دن میں سہولت نظر آنے لگتی ہے اور یہ پیشہ فدا ایسا سہل اور بامزہ معلوم ہوتا ہے کہ چٹا و تونہ چھوٹے۔ مدارس کا بچوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ نہایت ابتدائی اور بہت ناکافی ہوتا ہے اور اگر بچہ بڑھ کر کسی خاص علم کے مطالعہ چھوڑ دیا جائے تو جو کچھ حاصل کیا ہے وہ بھی بیکار



عزت اور شہرت حاصل کرتے ہیں۔ اس وقت جو چیزیں اوس کو طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں دہندگی اور بہت دور کہانی دیتی تھیں صدات اور قریب نظر آتی ہیں اور زندگی کی خوشی اور لطف مصیبت اور تکلیف کی حقیقت اوس پر کھل جاتی ہے۔ اور چون چون وہ دنیا میں قدم بڑھاتا ہے ہر قدم پر اوس کا علم اور اوس کا تجربہ اوسکی رہنمائی کرتا ہے۔ جن لوگوں کے تجربہ ایسے اعلیٰ اور جن کا علم ایسا وسیع ہو دراصل وہ عالم کہلانے کے مستحق ہیں۔

کائنات کا مدرسہ بھی چشم حقیقت سے دیکھنے والے کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ جو لوگ مطالعہ فطرت کا شوق رکھتے ہیں ان کے خیالات بہت وسیع اور اونچے مذاق بہت اعلیٰ ہو جاتے ہیں۔ جو نوجوان علی الصبح یا شام کو کسی سنان اور سرسبز مقام میں صرف سیر کرتے ہیں ان کو کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے گویا دماغ کے کوڑا کھل گئے اور اوس میں عجیب تازہ معلومات پیدا ہو گئی۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے لیکن بیشک ایسا معلوم ہوتا ہے گویا روح بتا رہی ہو۔ حقیقت میں ہو جاتی ہے طبیعت میں نئی باتوں کے دریافت اور

پیدا ہوتی ہے جو چیزیں کہ چشم بصیرت پر پردہ ڈالے ہوئے تھیں وہ مفقود ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح موجودات عالم کی ہر شے کو بغور و تحقیق دیکھنے سے معلومات کا نیا ذخیرہ ملتا ہے۔ حقیقتات طرح طرح کی حیوانی صورت میں سامنے آتے ہیں اور بہت سی حقیقتیں کہنے لگتی ہیں جو اور طرح اس آسانی سے نہ معلوم ہوتیں اسی کا نام مشاہدہ ہے۔

جس شخص نے کبھی آنکھ کھول کر کسی کان کی شکل نہ دیکھی ہو اوس کو علم معدنیات کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اسی طرح علم نباتات علم حیوانات۔ علم طبقات الارض۔ علم کیمیا تعمیرات۔ نقشہ کشی۔ مصوری اور تمام فنون لطیفہ کا حال ہے کہ ان کا کمال مشاہدہ پر منحصر ہے اور جس شخص میں مشاہدہ کی قوت نہیں اوس کو ان علوم کے اصول جانتے اور بجاتے بچان ہیں۔ افسوس ہے کہ انسان کو دنیا میں آنکھیں دی گئی ہیں لیکن وہ موجودات حقیقت کو نہیں دیکھتا اور یہ نقص مشاہدہ کی قوت کے نہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ دنیا

کا جو اہر خانہ پیش نظر رہتا ہے اور کتابوں کے مضامین جو علوم کے ذخیرہ ہوتے ہیں اپنے اصلی جوہر میں چھوٹی چھوٹی تصویروں میں بن کر حاضر و موجود ہو جاتے ہیں جن سے موجودات کی حقیقت اور حقیقت کی کنہ دریافت کرنے کا وہ مادہ پیدا ہوتا ہے جو کائنات کے رازوں کے معلوم کر کے کچھ ہی کیونچے اور دانشمندان کو ہاتھ لگتی ہے۔ جن کے دل بیدار ہوں اور جو عمر بھر علم کے خزانہ کی تلاش کی دُہن میں لگے رہتے ہیں۔

علماء کی صحبت

علم حاصل کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ جس فن کے سیکھنے کا شوق ہے اوس کے علماء کی صحبت اختیار کی جائے اور ان کی زبانی جو مسائل سنے وہ یاد رکھے جائیں اس طرح میں یہ سہولت ہے کہ باہم مکالمہ کے سبب دل نہیں گہرا تا اور یہ سنی ہوئی باتیں یاد خوب رہتی ہیں۔ ایک عالم شخص کی تھوڑی دیر کی گفتگو سے ایک بڑی کتاب کے مشکل سے مشکل مسائل کا خلاصہ نہایت سہولت سے ذہن نشین ہو جاتا ہے لیکن یہ طریقہ کتب بینی سے بالکل مستغنی نہیں کر دیتا اور اوس وقت بکار آمد ہوتا ہے جبکہ پہلے سے کچھ استعداد موجود ہو۔

علم کا شوق

جب طالب علم مدارس کے درجہ طے کر رہے ہوتے ہیں تو بہت سی باتیں اون کو حصول علم کی طرف محرک اور اون کی آتش شوق کو مشتعل کرنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً دوسروں پر نسبت لیجائے کا شوق۔ امتحان میں کامیابی اور نام آوری کا دلولہ۔ دوسروں کی نظروں میں مستعدی اور شوق پیدا کرنے کا خیال۔ لیکن یہ باتیں اگرچہ ایک حرکت طلباء کے لئے مستحسن ہیں اور اس سے بھی اون کے ہونہار ہونے کی امید ہوتی ہے لیکن اصل حصول علم کی خواہش نہیں ہیں بلکہ جب ایسے محرک اسباب نہیں رہتے اور پھر ہی انسان علم کا جو بارہا ہے تو اوسکی کوشش سچے شوق کے نام کی مستحق ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو طالب علم مدارس میں بہت بڑھ کر رہتے تھے جب کوئی ڈگری حاصل کر لیتے ہیں تو پھر اون کی آتش شوق بجھ جاتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ شہتہ کی حالت میں پڑ جاتے ہیں لیکن علم سے سچی محبت رکھنے والے اپنے قدم پستی سے اگڑ بڑاتی جاتے ہیں اور نہایت استقلال سے مشکلات اور موانع کا مقابلہ کرتے ہوئے مراج کمال پر پہنچنے کی



نہیں حاصل ہوتی جو کمالات کے علم سے جاہل ہیں۔

سائنس

سائنس مشاہدہ کی قوت کو تیز اور مکمل کرتا ہے۔ اشیاء موجودات اور تغیرات عالم کو سب ہی دیکھتے ہیں لیکن اکثر لوگوں میں مشاہدہ کی قوت نہیں ہوتی اور وہ نہیں جانتے کہ خاص خاص نتائج کیوں پیدا ہوئے لیکن سائنس دان آدمی کا مشاہدہ صحیح نتیجہ نکال لیتا ہے وہ علت و معلول کے تعلق اور سلسلہ کو جانتا ہے اور اپنے مشاہدہ سے اس سلسلہ کا کھوج لگاتا ہے وہ موجودات کے انتظام اور تعلقات و روابط سے واقف ہوتا ہے اور اس طرح اپنے دلائل سے بہت جلدی صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔

سائنس کی

سائنس کے جاننے سے صرف حسن و آرائش ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ قوت حاصل ہوتی ہے تو میں خواجہ سائنس سے کام لیتی ہیں ترقی کے آسمان کا تارہ بن رہی ہیں۔ یہ سائنس ہی کا نتیجہ ہے کہ سمندرون میں جہاز اور خشکی پر ریلین دوڑ رہی ہیں اور جو مسافت پہلے برسوں میں طے ہوتی تھی اب گھنٹوں میں گزر جاتی ہے۔ عالم مسافرت میں جن احباب کے مرنے جینے کی خبر ہی نہ معلوم ہوتی تھی اب تار بقی (تلمگرام) کے ذریعہ سے اون سے ہر وقت باتیں کر سکتے ہیں۔ ٹیلیفون میں ہر وقت بالمشافہ باتیں کر نیکاطف حاصل ہے۔ سائنس نے قدرت کی اون اشیاء کو انسان کا محکوم بنا دیا ہے جو انسان کے وہم و خیال سے بھی بالاتر تھیں۔ اب آفتاب کی کرن دوسوتوں کی عکسی تصویر نکلتی ہے۔ اور آواز فونو گراف کے پردوں میں مقید ہو جاتی ہے تاکہ جن شیریں زبانوں کے لب و لہجہ سے محبت ہے ہر وقت اون کی آواز بے منت سن سکیں۔ سائنس نے خرد میں اور دہر میں ایجاد کی اور دور و پاس کی ہر ایک چیز کی حقیقت کا پردہ فاش کر دیا۔ سائنس کی قوت کی ادنیٰ کرامت یہ ہے کہ لاکھوں گز ڈرون میں کا بوجہ جراثیم میں تنکے کی طرح اوٹھالیتا ہے بجلی کی روشنی چاند و سورج کو شرباتی ہے اور رات کو دن کر دکھاتی ہے۔ سائنس نے انسانی محنت اور تکلیف کے کم کرنے میں بڑی مدد دی ہے جو کام وہ برسوں میں پورا کرتا تھا اس سے اچھا گھنٹوں میں تیار کرتا ہے۔ سیکڑوں اور ہزاروں طرح کی مشینیں ایجاد ہوئی ہیں۔

میں ہزاروں بلکہ لاکھوں ناو چیزیں ہیں کہ سرسری نظر سے اون کی صورت دیکھ لینا کام نہیں آتا بلکہ اون کی ماہیت معلوم کرنی چاہیے۔

کسی چیز کے حسن کو دیکھنے یا کسی خوش آواز کو سننے کے لیے صرف انہوں اور گان ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ روح کی ضرورت ہے جو درکات حسی اور عقلی کو لطف اور حظ کو حاصل کر سکتی ہے اور روح جس قدر زیادہ پاک جس قدر زیادہ منترہ جس قدر زیادہ بلند ہوگی اسی قدر درکات کا احساس اور احساس کی لذت زیادہ ہوگی اور جو کہ علم روح کو ترقی دیتا ہے لہذا وہ درکات کے لطف کے بڑے فیض میں ہی حمد ہے۔ اگر ایک نادان سچے یا جاہل شخص کائنات قدرت کا نظارہ کرے یا کسی فاضل کا لکھنے سننے تو اسے کیا اچھا معلوم ہوگا لیکن اگر ایک پڑھے لکھے صاحب استعداد شخص کو ایسا موقع ملے تو وہ بہت سی نئی معلومات سے پیدا و امن بہرے گا۔ اور اس طرح ادراک محاسن سے اوست فوٹی حاصل ہوگی اگر کسی شخص کی قوت ادراک اتنی قوی نہ ہو جیسی کہ ایک فلسفی کی ہوتی ہے لیکن اوس کے دل میں تہوڑی بہت علم کی روشنی ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ قواء داعی کو کیونکر کام میں لائے ہیں تو اسے تمام صور محسوسات اور معقولات میں بے انتہا دل چسپی کے سامان میں گے مخلوقات عالم کی ماہیت فنون و حرفت کا کمال و ترقی نظم کی بلند خیالی اور نزاکت۔ تاریخی واقعات و سوانحات۔ زمانہ موجودہ اور گزشتہ ان فنون کے اوسلے و اطوار وغیرہ کل باتیں اوس کے لیے ایک وجدانی مسرت کا سامان ہونگی۔ جو لوگ علم طبیعیات۔ علم کیمیا۔ علم نباتات علم حیوانات یا کسی سائنس سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سائنس زندگی کی دلچسپی اور اوس کے آرام کو کس قدر بڑھاتا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ سائنس غیر دل چسپ مضمون ہے غلطی ہے بلکہ سائنس کی دل چسپی نے اوس کی مشکلات کو سہل کر دیا ہے اور عام فائدہ و نفع دنیا کے آرام و آسائش کے سامان اور سہولتوں کے پیدا کرنے میں بہت مدد دی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو نباتات یا تعمیرات سے ناواقف ہے کسی عمدہ درخت یا بول یا نئی عمارت کو دیکھے تو جو دل چسپی اوس کو حاصل ہوتی ہے وہ اون لوگوں کا

علم کی خوش

ادا کرنا چاہتے ہیں تو طالب علموں کو اس طرح تعلیم دیں کہ وہ دانشمندی کے اون  
کا مون کی قدر کرنا سیکھیں جو ادنیٰ اعلیٰ امیر و غریب سب کے لیے یکساں مفید ہیں  
اور سب کو یکساں خوشی بخشتے ہیں ملک میں عالی شان اور اونچے اونچے مکان سنا  
مفید نہیں بلکہ مکافون کی چتہیں بلند کرنے کے عوض لوگوں کے خیالات بلند کرنا زیادہ بہتر  
۳۔ اشاعت علوم

علم و عالم

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حقائق موجودات کا علم ہی وہ چیز ہے جس پر صحیح العلم قوت  
کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں ٹنگرام ٹیلیفون ریل وغیرہ سب سائنس کے ادنیٰ  
کرتہ ہیں۔ پولیٹیکل کانٹری نے تجارت اور قومی دولت کی ترقی میں بے انتہا مدد دی  
ہے۔ ڈاکٹری اور طب کے طفیل ہزاروں بلکہ لاکھوں مریض روز شفا پاتے ہیں  
انجینئرنگ۔ بوٹانی۔ اگر یکپھر وغیرہ نے اپنے اپنے متعلقہ کاموں میں ایسی مدد دی ہے  
کہ ان فنون کے جلنے سے انسان کے ہاتھوں میں دیو کی طاقت آگئی۔ فن حرب نے  
دنیا میں زلزلہ ڈال دیا اپنے ملک اور قوم کی حفاظت اور مخالف کے استیصال میں  
کیا کچھ نہیں کیا قس علیٰ ہذا آپس ظاہر ہے کہ جس قوم کے بہت سے افراد میں علم کی طاقت  
ہوگی وہ قوم کیسی زبردست کیسی طاقتور اور کس رتبہ ترقی پر پہنچی کسی قوم کے ترقی یا خست  
ہونے سے یہ مراد ہے کہ بہت سے افراد میں کمال کا جوہر موجود ہونے علم کے یہ  
ممتنی ہیں کہ حروف کی خاص شکلوں اور کسی زبان کے الفاظ کے خاص معنی سے واقفیت  
ہو بلکہ اگر کسی شخص کو بالکل سہی لکھنا پڑھنا آتا ہو تو ممکن ہے کہ وہ عالم ہو۔ مثلاً ایک باغبان  
جسے اپنے فن میں عمدہ نگاہ حاصل ہے اور جسے اون اصول سے پوری واقفیت ہے  
جو فن باغبانی کی کتابوں میں مصنفوں نے اوس ہی کی طرح تجربہ کر کے درج کیے ہیں اوس  
پر سے لکھے شخص سے اوس فن میں زیادہ عالم ہے جسے باغبانی میں بالکل واقفیت  
نہیں۔ اس طرح عمدہ معمار۔ مصور۔ لوہار۔ بڑبھٹی۔ رنگ تراش۔ سنار۔ اور تمام صنائع  
جو اپنے اپنے فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اوس فن کے عالم ہیں اگرچہ نوشت و خوان  
سے غاری ہوں یا اوس میں بہت کم استعداد رکھتے ہوں اور ان لوگوں کا وجود

جو ایسے ایسے درکام کر فی ہن کہ انسان کے ہاتھ بشکل ویسا بنا سکتے ہیں اور اس قدر کم عمر میں بنانا تو ناممکن ہے آج اس سائنس کے طفیل سلطنتیں بھی ہوتی ہیں اور اس کے سبب سے ہزاروں میل دور ملکوں پر حکمرانی کرتی ہیں سائنس کی مدد سے انسان ایسے ایسے کام کرتا ہے کہ بادی النظر میں معجزہ اور کرامت معلوم ہوتے ہیں اور سائنس ہی وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا قوت ہے۔ اور اسی انسان نے سائنس کے مسائل کو معلوم کرنا شروع ہی کیا ہے اور موجودات عالم کی بے انتہا خاصیتیں ابھی معلوم نہیں۔ علم کا ایک بے پایاں سمندر موجود ہے جس کی تین تین معلومات کے پیش میں ہا مونی چھپے ہوئے ہیں۔

علمی تحقیقات

تمام علوم میں اس طرح ترقی ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی چیزوں کا غور و خوض سے مشاہدہ کیا جاتا ہے اور ذرہ برابر دریافت کو نہایت احتیاط سے قائم رکھتے ہیں۔ یہ دریا فیتن دوسری جدید معلومات سے مل کر رفتہ رفتہ ایک علم بن جاتی ہیں اور جب اون کو علما کام میں لایا جائے تو غضب کے کرشمہ دکھاتی ہیں۔ ریاضی کے سارے اصول ایک دن میں نہیں معلوم ہو گئے تھے اور ابتدائیں جو اصول دریافت کئے گئے وہ بڑے بڑے کار اور فضول معلوم ہوتے تھے لیکن جب اون کی تکمیل ہو گئی تو آج اون کی بدولت جبرئیل کے عمل ہوتے ہیں اور تراشہ ہای محروطی کے اصول پر قطب نما بنتے ہیں جس کے طفیل جہازوں کو نایبہ انار سمندریں راستہ ملتا ہے۔

سائنس کی تعلیم

سائنس قومی ترقی کا زینہ ہے اور ملک کی رفاه و بہبودی ترقی تول سائنس پر منحصر ہے۔ افسوس ہے کہ ایسی ضروری چیز اور اسی کی تعلیم سے ہمارے انبائی ملک کو بے پروائی اور بے اعتنائی ہے۔ ملک کے نوجوانوں کو اس طرح تعلیم دینی چاہیے کہ وہ موجودات کی حقیقت اور ماہیت کو سمجھنے لگیں اور نئی نئی چیزوں کی ایجاد اور مسائل سائنس کے دریافت کرنے میں اون کو دل چسپی اور خوشی حاصل ہو وہ ملک کی تاریخ پر فخر کریں اور اپنے ملک کی عظمت و شان کے گیت گائیں۔ مدارس کی یہ تعریف نہیں ہے کہ وہ ان چیز خشک اور بد مزہ مضامین پڑھائے جاتے ہوں بلکہ اگر مدارس اپنا فرض

ایسی تعلیم کا نتیجہ بے قدری اور تنزل ہوگا۔ اور یہ نتیجہ آج کل کے مدارس کے تعلیم یافتہ اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نصاب تعلیم کے نقص جتنا اگرچہ ضروری ہیں لیکن چونکہ اس مضمون کی بحث سے خارج ہیں اور ان پر بہت کچھ رد و قدح کیا جا چکا ہے لہذا صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ اگر یہ تعلیم صرف قواعد و دماغی کے تیز اور سونے کرنے کے لئے دی جاتی ہے تو یہی اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر کسی شخص کو اس کے مناسب طبیعت کسی خاص علم کی کما حقہ تعلیم دی جائے تو اس تعلیم سے بھی یہ نتیجہ بہت اچھی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ غرض ملک میں مختلف علوم و فنون کے بہت کثرت سے مدارس قائم کیے جائیں۔ اور ہر طالب علم کو اس کے مذاق کے موافق صرف ایک فن میں صاحب کمال بنانے کی کوشش کی جائے۔ یہ صاحب کمال ایک ایسا ستارہ ہوگا جو اپنی اعلیٰ اور محققانہ تعلیم اور تصنیف سے بہت سے ایسے صاحب کمال پیدا کرے گا اور اپنی کامل قابلیت سے اس فن کو اور ترقی دے گا۔ ایسے مدارس کے داخلہ کے لئے فضول شرائط اور غیر ضروری قیود نہ لگائے جائیں۔

ملکی زبان  
میں تعلیم

دویم تعلیم ملک کی زبان میں ہو۔ ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں بہت سی مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور بدقسمتی سے ان میں ایک ہی فلمی زبان نہیں۔ فصاحت و بلاغت کی وہی سنسکرت آج مردہ زبان ہے۔ عربی و مسلمانوں کی زبان زبان ہے جس میں علوم و فنون کے خزانہ موجود ہیں اور جس میں ہر مضمون کو کما حقہ ادا کرنے کی قوت ہے ہندوستان کے مسلمانوں سے کنار و کش ہے۔ اردو ابھی عالم طفولیت میں ہے لیکن مبصر جانتے ہیں کہ اس نونہال ہی میں ایسے آثار نمایاں ہیں کہ سارے ہندوستان پر ملکی زبان کی حیثیت سے طمرانی کی قابلیت رکھتا ہے اور آج اس ہی میں علمی زبان بننے کی قابلیت ہے پس جو لوگ ہندوستان میں اشاعت علوم کے شائق ہیں انہیں اردو کو علمی زبان بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور دنیا کی مختلف زبانوں سے ہر علم اور ہر فن کی کتابیں اردو میں ترجمہ و تالیف کرنی چاہئیں۔ یہہ عذر کہ اردو میں علمی اصطلاحات کے ادا کرنے کی قوت

قوم کی ترقی، رفائیک کی سبب ہی کے لیے منہایت ضروری ہے اور کتابوں میں ان فنون کے اصول و مدون کرنے سے یہ مطلب ہے کہ دوسرے لوگ یا آئندہ نسلیں ان تجربوں سے آسانی سے اچھی طرح واقف ہو کر اپنے نئے تجربات کا علم زیادہ کریں اور اس طرح یہ فن روز بروز زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے ایک شخص کے تجربہ کا جتنا دوسرے کے لیے علم ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنے تمام علم حاصل کر سکے لے خود ہی تجربہ کرنے پڑیں تو دنیا میں علم کی مقدار بہت ہی کم رہ جائے گی اور شاید کوئی شخص یا کوئی فن ابتداء کی مرتبہ سے زیادہ ترقی نہ کر سکے اور اس سبب سے جن لوگوں نے کسی خاص فن کی اشاعت میں بخل کیا اور اسے اپنے ہی لوگوں اور اپنے ہی خاندان میں محدود نظر رکھنے کے لیے سینہ بہ سینہ یقین کیا۔ رفتہ رفتہ وہ فن ہی اس قوم سے جاتا رہا۔ پس قومی ترقی کے لیے ضرور ہے کہ علوم و فنون کی اشاعت ہی کی جائے اور قوم کے مختلف افراد اپنے اپنے مذاق کے موافق مختلف علوم و فنون میں تحصیل اور کتاب کمال کریں اس کے لیے سب سے پہلے ضرورت یہ ہے کہ بہت سی تعلیم کا مین قائم کی جائیں اور ان میں عام طور پر ہر شخص کو اس کے مذاق کے موافق ایک خاص علم اور خاص فن کی تعلیم دی جائے آج کل بہت سے مدارس و میمبات اور قصبات تک میں قائم کیے گئے ہیں اور داخلہ کی عام اجازت بھی دی گئی ہے لیکن ان میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی نصاب کی تعلیم دیتے اور طلباء کے مذاق اور میدان طبع کا بالکل خیال نہ کر کے مختلف علوم کی ابتداء کی ہیں پڑھانے میں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مدارس میں پڑھنے والوں کی بہت سی جہت بیکار ثابت ہوتی اور جو وقت کہ ان مختلف علوم میں جن کی طرف طالب علم کا میدان تہتا صرف ہوا سب بیکار گیا۔ بلکہ ان علوم کے اکتساب کے مشاغل نے اس خاص علم کے کما حقہ حاصل کرنے سے محروم رکھا جس کے واسطے قدرت نے اس کی طبیعت مناسب بنائی تھی۔ علاوہ ازیں سولے علم اخلاق کے اور کوئی تعلیم ہی کیون نہ ہو خواہ فی ہی مفید اور ضروری ہو تمام اشخاص کے لیے مفید اور ضروری نہیں ہو سکتی اور بالآخر

مدارس اور  
تعلیمی

فائدہ نہیں حاصل کر سکتا آج سے صرف ساٹھ برس پہلے کی بات ہے کہ فاطمہ سرکاری اور خانگی خط و کتابت میں بھی زبان فارسی استعمال ہوتی تھی۔ لوہنہ و سٹان میں مسلمانوں کے پورے چہر سو برس کے زمانہ میں فارسی نے ادنیٰ اور اعلیٰ کی زبان پر قبضہ کر رکھا تھا لیکن آج فارسی کس حالت میں ہے؟ غرض صرف ملک ہی کی زبان جب تک علمی زبان نہ ہو اور اس میں کثرت سے ہر علم و فن کی کتابیں موجود نہ ہوں اس وقت علوم محال ہے۔

تصانیف

سوم۔ ہر علم و فن کی کتابیں کثرت سے تصنیف کی جائیں اور جہاں تک ممکن ہو اربان قیمت پر فروخت ہوں۔ ہندوستان میں اعلیٰ تصنیف اور مصنف دونوں کی کمی ہے۔ بہت سے جدید علوم یورپ کی زبانوں میں ایسے ہیں جن کی ایک ابتدائی کتاب بھی ہمارے کسی اعلیٰ مصنف نے تصنیف نہیں کی در ان حالیکہ وہ ان ادیس مضمون پر چھوٹی بڑی صد ہا کتابیں نہایت قابلیت اور تحقیق سے لکھی جا چکی ہیں۔ یورپ کے کتب فروش اور صاحب مطبع وہاں کے علوم و فنون کی اشاعت میں جس قدر مدد دیتے ہیں اور اپنے ملک کے مصنفین کی جیسی قدر کرتے ہیں ہندوستان کی کوئی ریاست بھی ویسا نہیں کرتی۔ وہاں خود صاحب مطابع طرح طرح کے عمدہ سیریز (سلسلہ) شائع کرتے ہیں جس میں بڑے بڑے مصنفین حصہ لیتے ہیں اور یہ سیریز (سلسلہ) کوڑیوں کے مول فروخت ہوتے ہیں۔ وہاں کی علمی سوسائٹیاں علمی تحقیقات میں لگی ہوئی ہیں اور ہر ملک و ہر قوم سے علم کا ذخیرہ لیکر اپنے خزانہ میں برہی ہیں۔ در انحالیکہ ہندوستان میں ایک جماعت بھی ایسی نہیں ہے جو متحدہ طور پر علمی تحقیقات اور اس کی اشاعت میں مصروف ہو اگر ہم نئی تحقیقات نہ بھی کریں تو اتنا تو کریں کہ جو کچھ وہ علمی سوسائٹیاں ابھریں تحقیقات کریں اور سے بذریعہ ترجمہ یا تالیف اپنی زبان میں منتقل کریں اور بیشک نئی تحقیقات کرنے کی قابلیت تو ہم میں بہت عرصہ میں ہوگی اول تو وجود ذخیرہ کو اپنے قبضہ میں کرنا ہی بہت بڑا اور بہت مفید کام ہے قوم کی موجودہ حالت سے امید نہیں ہے کہ وہ غیر گورنمنٹ کی استعانت کے کچھ کر سکے البتہ اگر گورنمنٹ ذرا بھی توجہ کرے تو یہی ممکن ہے۔



نہیں لائق تسلیم نہیں ہے کوئی زبان شروع سے علمی زبان نہ تھی مصنفین ہی نے  
 اسے بڑایا اور درجہ کمال تک پہنچایا۔ جب نئے نئے علوم و فنون آتے ہیں  
 تو ان کے ساتھ نئے نئے الفاظ نئی نئی اصطلاحیں بھی آجاتی ہیں اور اس طرح  
 زبان میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت انگریزی یا کسی غیر زبان کا حاصل  
 کرنا اور اس کے بعد کسی فن کی طرف متوجہ ہونا بہت مشکل کام ہے اور غیر زبان  
 کے حاصل کرنے میں اس قدر وقت صرف ہو جاتا ہے کہ پہلے فن کے حاصل کرنے کی  
 محنت نہیں ملتی۔ اگر اپنی زبان ہی میں علوم و فنون موجود ہوں تو اگر کوئی شخص باقاعدہ  
 طور پر مدارس میں تعلیم حاصل نہ بھی کرے تو بھی وقت بوقت بہت کچھ سیکھ سکتا ہے  
 اور بہت کم عمر میں اور بہت سے لوگوں کو وہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے جو اب بہت تھوڑے  
 لوگوں کو بھی بہت سی عمر صرف کر کے نہیں حاصل ہوتا۔ اگر گورنمنٹ نے اس طرف  
 توجہ کی ہوتی اور اردو زبان میں علوم و فنون مدارس میں پڑھائی تو آج کو اردو کا پایہ  
 کہیں سے کہیں بلند ہوا ہوتا صرف دفاتر میں اردو جاری کرنے سے جب اردو کو  
 اتنے تھوڑے عرصہ میں اس درجہ پر پہنچا دیا تو کالجوں اور مدارس میں اردو تعلیم سے  
 کیا اس نے علمی زبان بننے کا درجہ حاصل نہ کر لیا ہوتا لیکن جب اردو میں علوم کی  
 تعلیم ہی رائج نہیں تو کسی شخص کے دل میں اردو زبان میں تصنیف کرنے کی تحریک  
 کیونکر پیدا ہو۔ ہندوستانی زبان کی ڈکشنری میں ریل سٹیشن۔ انجن ٹکٹ۔  
 پلیٹ فارم وغیرہ الفاظ بالکل موجود نہ تھے لیکن جب ہندوستان میں ریل چلانے کی  
 ضرورت ہوئی تو شاید ایک دن ہی ان الفاظ کے موجود نہ ہونے سے ریل کی رفتار میں  
 ہرج واقع نہ ہوا اور اب اس قسم کے سیکڑوں الفاظ ہیں جو محکمہ ریل یا تیار ڈاک وغیرہ  
 سے تعلق رکھتے ہیں اور اردو الفاظ کی طرح ملک میں رائج ہیں اگر علوم و فنون جدیدہ ہی  
 اردو میں نقل کیے جائیں تو کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اردو میں فنون جدیدہ کے اصطلاحات  
 کی عدم موجودگی راجح ہو سکے گی۔ غیر زبان خواہ کسی قدر وسیع کیوں نہ ہو ملک میں اس کے  
 جاننے والے کتنے ہی موجود کیوں نہ ہوں بلکہ زبان نہیں بن سکتی اور ہر شخص اس سے



وہ شائع کریں اور سکی ایک جلد کتب خانہ میں داخل کریں۔

ملک میں مدارس اور کتب خانہ قائم کرنے سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہے کہ لوگ حرف آشتابن کر خانگی اور دفاتر کے کام انجام دیں گے بلکہ اونکی عقل اون کے دل و دماغ علم کی روشنی سے ایسے منور ہو جائیں گے جن سے اونکی تمام زندگی سرکشش اور اعلیٰ ہو جائے گی خصوصاً ایسے بڑے شہروں میں جہاں لوگ تجارت یا خاص صنعت و حرفت زیادہ کرتے ہیں عام کتب خانوں کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ وہ تمام دن ایک ہی مشغلہ میں زیادہ لگے رہتے ہیں اور چونکہ اس سے اکتساب معاش ہوتا ہے اون کی عمر ہی اوس کام میں صرف ہو جاتی ہے ان کے لئے اس سے بہتر و سہل کچھ اور مفید مشغلہ نہیں ہے کہ فرصت کا وقت کتاب بینی میں صرف کریں۔

لیکچر۔

ششم لیکچر۔ ہرفن کے صاحب کمال کہی کہی اپنی معلومات کا اظہار بذریعہ لیکچر کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں۔ عام جلسوں میں لیکچر سننے سے لوگ ایسی بہت سی باتوں سے واقف ہو جاتے ہیں جو اوس سے پہلے اون کو معلوم نہ تھیں اور یہ سنی ہوئی باتیں کہی نہیں ہو تھیں اور سامعین کے دل میں اوس علم کے حاصل کرنے اور اوس کمال حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔

جبر تعلیم

ہفتم۔ ابتدائی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ یہ مسئلہ بہت غور طلب ہے کہ تعلیم لازمی قرار دینا کس طرح ممکن ہے اور وہ تعلیم کیا ہونی چاہیے اور اوس کا نتیجہ کیا ہوگا اگرچہ میراول یہ نہیں چاہتا کہ کسی غریب آدمی کو اگرچہ وہ غار و بے ہی کیون نہ ہو ذلیل کہوں یا کسی پیشہ کو جس میں دیانتداری سے اکتساب معیشت ہوتا ہے بتدل تیاروں لیکن دنیا میں ضرورتاً ایسے لوگ پیدا کیے گئے ہیں جن کی حالت اس سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتی لیکن ان کے علاوہ ہر شخص کو بلکہ شاید ان کو بھی ابتدائی تعلیم دینی مفید ہوگی اور یورپ کی جن قوموں نے تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے انہوں نے اس سے بہت فائدے اٹھائے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس مطلب کے حاصل کے لئے تعلیم بہت سے مدارس قائم کرنے پڑیں گے اور نہ صرف تعلیم ہی بغیر فیس دینی ہوگی

کرنے کے قابل ہو جائیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے کسی خاص کتاب یا کسی خاص فن کے ترجمہ یا تالیف کی نسبت اشارہ ہونا کافی ہے لوگ خود اس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور تھوڑے عرصہ میں بہت کچھ کر لیں گے۔ طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ کسی خاص کتاب کے ترجمہ کے لئے اشتہار دیہی مختلف نمونوں میں سے ایک نمونہ انتخاب کیا جائے اور اسی شخص سے ساری کتاب کا ترجمہ کرایا جائے اگر کسی فن میں کوئی تالیف مطلوب ہے تو لوگوں کو کمپٹیشن (منافست) کا موقع دیا جائے۔ اور سب سے اعلیٰ کتاب لکھنے والے کے لئے کوئی مناسب انعام مقرر کیا جائے اسی طرح تھوڑے عرصہ میں چند کتابیں تصنیف ہوں گی اور ان میں سے صرف ایک پر گورنمنٹ کا روپیہ صرف ہو گا۔ باقی مصنفین کو جن کی تصنیف اس قابل خیال کی جائے کچھ تھوڑا انعام یا صرف طبع کرانی اجرت دیدی جائے کہ وہ خود طبع کرنا کر فائدہ اٹھائیں اس طرح لوگوں کے دلوں میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ اور تحصیل علم کی تحریک اور دوسروں پر علم و فضل میں تفوق حاصل کر لینا شوق پیدا ہو گا جو کتاب گورنمنٹ خود خرید کر کے اپنے دارالاشاعت میں طبع کرائے گی اور اس سے گورنمنٹ کا مالی فائدہ بھی ہے اور اس طرح تھوڑے عرصہ میں یہہ جگہ شاید اس قابل ہو جائیگا کہ خود اپنے اخراجات کا تحفیل ہو سکے اور صرف گورنمنٹ کا نام اور نگرانی کا محتاج رہے۔

چہارم۔ کتابوں کی قیمت جہاں تک ممکن ہو کم رکھی جائے تاکہ غریب شوقین لوگ بھی بآسانی خرید سکیں اور ہر شخص فائدہ اٹھاسکے اور ہر اعلیٰ اور علمی کتاب کا ایک ارزان ادیشن ضرور شائع کیا جائے۔

پنجم۔ ملک میں ایسے کتب خانہ بھی ہوں جن میں ہر زبان اور ہر فن کی عمدہ تصنیف جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور ایسی قدیمی کتابیں بھی جو اب کمیاب ہیں جمع کی جائیں ہر شخص کو بلا فیس داخل ہونے اور مطالعہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ مصنفین اور عام طلبہ کو کسی ایسی کتاب کے مطالعہ میں ذرا دقت نہ ہو جو وہ کسی وجہ سے نہیں حاصل کر سکتے۔ ہندوستان کے تمام مصنفین اور اہل مطابع کے ذمہ لازم کر دیا جائے کہ جو نئی کتاب

بک قیمت

تب خانہ

موقع اوس ہی شخص کو مل سکتے ہیں جو اس قدر وسیع فرصت اور بڑی استطاعت رکھتا ہو اگرچہ اوس کی قابلیت اوس غریب شخص سے کم ہو جو صرف کم استطاعت کی وجہ سے وہاں جانے سے محروم رہ گیا اور اگر اوس کو موقع ملتا تو اوس شخص سے زیادہ ترقی کرتا۔ اگر ان درجوں کی تعلیم جو ولایت میں محدود رکھے گئے ہیں ہمارے ملک میں دی جائے تو ہر شخص کو داخل ہونے اور ترقی کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور اب کی نسبت ہزاروں قابل آدمی ہمارے ہاں زیادہ ہو جائیں۔ یہ عذر کہ یہاں ویسے کالج اور پروفیسر نہیں ہیں قابل تسلیم نہیں۔ کالج قائم کیے جائیں اور ویسے ہی لائق پروفیسر ملائے جائیں مگر ہوٹے عرصہ میں خود ہمارے ہاں ایسے لائق آدمی پیدا ہو جائیں گے جو پروفیسری کی کرسی کے شایان ہوں۔ ہوا اور ابر کا فیض کسی کے لیے بند نہیں ہے علم کہ غذائی روح ہے کسی کے لیے بند نہ ہونا چاہیے۔

### ۳۔ تعلیم نسوان

موجودات عالم میں کوئی شے اوس وقت تک کامل نہیں خیال کی جاسکتی جب تک اوس کے تمام اجزاء کامل نہ ہوں اگر کسی لپ کی جہی شکستہ یا سلی ہو تو خواہ وہ کیسا ہی قیمتی اور خوش نام لپ ہو اوس کی روشنی پوری صاف نہ ہوگی۔ انسان کیسا ہی عالی خاندان کیسا ہی نجیب الطیفین اور دولت و ثروت و حکومت کے لحاظ سے کیسا ہی اعلیٰ پست کیوں نہ ہو بلحاظ شرافت اوس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اوس کا دماغ علم کی روشنی سے منور نہ ہو۔ جب تک اوس کے اخلاق و فضائل سلمہ عمدہ اور قابل تعریف نہ ہوں کوئی انسان کیسا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اوس کی صحت کامل نہیں تسلیم کی جائیگی جب تک اوس کے تمام اعضا اپنا اپنا کام اچھی طرح نہ ادا کرتے یا نہ ادا کر سکتے ہوں ہی حال قوم کا ہے کہ کسی قوم کا تمدن اوس وقت تک اعلیٰ نہ ہو گا جب تک کہ اوس کے اکثر افراد میں اعلیٰ قابلیت نہ ہو اور کوئی قوم برگزیدہ شریفیت اور ترقی یافتہ نہیں ہو سکتی جب تک اوس کے اکثر افراد روشن خیال نیک صفات اور دانشمند نہ ہوں۔ انسان کا گروہ مرد اور عورت سے مرکب ہے اور ان کے تعلقات استعدادی ایسے ضروری اور با اثر ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے

کمال کی ضد  
شرط

بلکہ بنیاد پر اس سے زیادہ بڑی گورنمنٹ کو اوٹھانا پڑے۔  
یہ تعلیم جہاں تک ممکن ہو بہت کم عرصہ میں ختم ہونی چاہیے اور نہایت ضروری  
معلومات اس زمانہ میں پیدا کی جائے۔ ابتدائی تعلیم صرف اسی قدر ہونی چاہیے  
کہ انسان کو کٹو باری آدمی بن سکے یعنی ماورسی زبان میں اس قدر مہارت کہ تحریر  
و تقریر اور اداسی مطلب پر قدرت حاصل ہو اور نیز اصول علم حساب کہ دنیا کی معاملات  
میں غلطی نہ کرے۔ اوس کے بعد ہر شخص اپنی معلومات اور میلان کے لحاظ سے  
اعلیٰ تعلیم حاصل کرے یا نہ کرے یہ بہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم کا لازمی قرار دینا  
اہل حرفہ کو اپنے فن میں مہارت حاصل کرنے سے باز رکھے گا اور تعلیم یافتہ اشخاص  
کی کثرت کا جو نتیجہ آج ہے اوس سے اور بدتر ہو جائیگا۔ لیکن یہ خرابی اوس صورت  
میں واقع نہ ہوگی جب یہ خیال رکھا جائے کہ ابتدائی لازمی تعلیم میں اس قدر کم زمانہ  
صرف کیا جائے کہ اکتساب فن میں ہارج نہ ہو اور تعلیم گارڈ باری آدمی بنانے کے لیے  
دی جائے تاکہ وہ اوس فن میں اور ترقی کر سکیں اور اپنے کاروبار کو بخوبی سنبھال  
سکیں۔ موجودہ طرز تعلیم میں یہ خرابی ہے کہ اوس میں عمر کا بہت سا حصہ صرف ہوتا ہے  
اور ابتدائی میں وہ علوم شروع کر اڑے جاتے ہیں جو کاروبار میں زیادہ مدد نہیں دیتے  
اس طرح ضروری تعلیم ہی ایک اتنے عرصہ میں جا کر ختم ہوتی ہے جب عمر اور قوا دوسرے  
فن کے اکتساب کے لائق نہیں رہتے۔ قدرت کا فیض کسی کے لیے بند نہیں ہوتا  
اور اوس نے غریب آدمیوں کو بھی قوا، عقل اور دماغی اعلیٰ اعطا فرمائے ہیں۔  
لیکن اون کی زدہ حالت اور جہالت کے سبب نہ اون قوا میں جلا ہونے پاتی ہے  
نہ اوس کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح ہر شخص اپنے قوا، باطنی کو کام میں لا کر  
اوس درجہ تک ترقی کر سکے گا جو قدرت نے اوس کے واسطے معین فرمایا ہو۔  
ہشتم۔ ابتدا سے لیکر انتہا تک ہر فن کی تعلیم اپنے ہی ملک میں ہو۔ ہمارے  
زمانہ میں اعلیٰ ٹوکرسی حاصل کرنے کے لیے ولایت جانا پڑتا ہے لیکن یہ امر اشاعت  
اور ترقی علوم میں بہت مانع اور نہایت ہارج ہے وہاں جا کر رہنے اور تعلیم حاصل کرنے کے

بہت نقصان  
تعلیم

تو عورت کے دلی جذبات مرد سے زیادہ قوی ہیں۔ عقل۔ و در اندیشی تدبیر میں خواہ وہ مرد کے برابر نہ ہو لیکن اوس کے دل میں محبت رحم غم غصہ خوشی۔ انفعال کا احساس مرد کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ مرد اگر سوسائٹی کا سرسب ہے تو عورت دل اور جس طرح ایک شخصی تہذیب کے لئے دل و دماغ کے قوا کی تہذیب ضروری ہے اسی طرح نوعی تہذیب کے واسطے مرد و عورت کی تعلیم لازم ہے اور صرف یہی نہیں کہ مردوں کے دماغ اور عورتوں کے دل کی تہذیب کی جائے بلکہ اس کے عکس عورتوں کے دماغ اور مردوں کے دل کی تہذیب کی بھی حاجت ہے بلکہ کمزور حصہ کو تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایک مردہ دل اور بے حس شخص سوسائٹی میں رہنے کے قابل نہیں اسی طرح ایک دیوانی عورت بھی گھر کے کام کی نہیں ہے جس مرد کے دل میں خدا کا خوف انسانی ہمدردی۔ انصاف نہ ہو وہ خود و غرض ازار دہ ہو گا اسی طرح جس عورت کے دماغ میں عقل و دکاوت و فہم نہ ہو وہ اگر خوبصورت ہو بصورت ہی ہے تو جینی کی مورت ہے اس لئے عورتوں کی قوت عقل کو ترقی دینے کے لئے تعلیم کی حاجت ہے۔ تعلیم سے انسان کے قوا باطنی ایسے مکمل ہو جاتے ہیں کہ وہ مشاہدہ اور تجربہ سے صحیح صحیح نتائج استنباط کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور جو واقعات پیش نظر ہیں یا جو حالتیں گزر رہی ہیں ان کی نسبت صحیح رائے قائم ہو سکتا اور اوس کا خیال اوسکی صحیح کیفیت ظاہر کر سکتا ہے۔ نیز وہ اپنی معلومات کے وسیلہ سے صحیح استدلال قائم کرتا ہے۔ اہل کے علاوہ تعلیم انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اہم فرائض کی حقیقت کو سمجھتا اور اوس کو باطن و جہ انجام دے سکتا ہے اس لئے عورتوں کو بھی تعلیم کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ مردوں لیکن یہ تعلیم ایسی ہی نہیں ہونی چاہیے کہ عورتوں میں سے اوس خصوصیت بلکہ اوس جوہر کو جو قدرت نے مصطفیٰ ان کو عطا فرمایا ہے بلکہ یہ تعلیم تربیت اس قسم کی ہو کہ اگرچہ قوا دماغی کی تہذیب ہو لیکن قوا دلی کی وہ حالت جو فطر تائید الٰہی گئی ہے اور ترقی کر کے تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ انسان کے ذاتی خواص کو بدلے بلکہ یہ

عورتوں کو تعلیم کی ضرورت

کے بغیر ناممکن ہے۔ ایک کی آسائش خوشی انتظام۔ بقا دوسرے پر منحصر ہے اور کوئی گھر جس میں صرف دو آدمی رہتے ہوں اس وقت تک گھر نہیں کہلا یا جا سکتا جب تک انہیں سے ایک عورت نہ ہو پس انسان کا گروہ اُس وقت تک شایستہ مہذب ترقی یافتہ نہیں ہو سکتا جب تک یہ دو افراد انسانی باہم ترقی نہ کریں۔ عورت و مرد ایک تصویر کے دو رخ ہیں اور دونوں کی خوبی تصویر کا حسن ہے جس طرح قوار انسانی کی تہذیب کیلئے دل و دماغ دونوں کی قوتوں کی نگہداشت کرنی پڑتی ہے اسی طرح سوسائٹی کی تہذیب کیلئے عورت و مرد دونوں کی تعلیم کی حاجت ہے۔ مرد و عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہر ہیں اور منزل مقصود تک صحیح و سلامت پہنچنے کے لئے دونوں پہون کا استحکام لازم ہے۔ جو لوگ صرف مردوں کو تعلیم دیکر قوم کو ترقی دینا چاہتے ہیں وہ شاید یہ امید رکھتے ہیں کہ پرنڈی ایک پر سے آسمان پر اڑ جائیں اور گاڑی ایک ہی پہر سے منزل مقصود تک پہنچ جائے فطرت نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کے لئے ایک خاص غرض اور غایت معین فرمائی ہے عورتیں دنیا میں محض بیکار و فضول نہیں پیدا کی ہیں بلکہ ان کے لئے کئی کئی واسطے خاص کام ہیں اور وہ اگرچہ مردوں کے کام سے مختلف قسم کے ہیں لیکن ایسے ہی ضروری ایسے ہی لا بدی ایسے ہی اہم اور ایسے ہی مشکل ہیں جیسے مردوں کے کام اور ان کاموں کے لئے تعلیم تربیت عقل و فراست پیش بینی۔ انتظام کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ مردوں کو اپنے کاروبار کے لئے ان چیزوں کی حاجت ہے۔ عورتوں کو بھی کام مرد اور مردوں کے کام عورتیں نہیں کر سکتیں اور اگر یہ تقریق اوٹھ جائے تو نظام مملکت بگڑ جائیگا بلکہ ہر ایک کو اپنے اپنے کام با حسن الوجہ پورے کرنا فرض ہیں اور تھون کی ترقی اور قومی حالت کی رفاه بلکہ نسل انسان کی بہبود کیلئے دونوں کی تعلیم برابر فوجی ہوئی ہے عورت مرد کی ساتھی مرد کی شیر مرد کی راز دار اور مرد کے گہری مالک اور اس کے برابر کی جسد دار ہے لیکن عورتیں مرد سے قوت و درجہ و توانائی میں بہت کم ہیں۔ مرد کے اعضا زیادہ سخت زیادہ قوی زیادہ بڑے ہیں۔ عورت کے اوتلی نسبت چھوٹے۔ مازک۔ دُبلے پتلے۔ ہوتے ہیں لیکن اگر مرد کی دماغی قوتیں عورت کی نسبت زیادہ ہیں

عورتوں کے کام اور افویکی ضرورت

عورت کے اوصاف

عورتوں کا اخلاقی  
خصوصیات

نہیں بلکہ ایسی شے ہے جس پر انسان کی زندگی سہری راحت خوشی بلکہ کامیابی کا دار و مدار ہے اور جس شخص کے گھر کا انتظام مگر اہواہی اوس کو خواہ امیر ہو یا غریب میں عورتیں عورتیں جسمانی طاقت میں مرد کی نسبت کمزور ہوتی ہیں اور اون کے بدن پتلی مردوں کی نسبت نازک ہوتے ہیں اسی طرح اون کی قوت اور اک اور فہم مرد کی نسبت کم اور اون کا دل بھی کمزور و نازک ہے عورتوں میں حیا اور اخلاق کے حاصل کرنے کی قابلیت مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اون کے مذہبی عقائد بھی مردوں کی نسبت زیادہ مستحکم اور قوی ہوتے ہیں لیکن اوہام پرستی اور ضعیف الاعتقادی بھی بہت ہوتی ہے۔ عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ باعظمت اور زیادہ پرہیزگار ہوتی ہیں اور وہ اس کو اپنی غرت و آبرو کا باعث خیال کرتی ہیں عورتوں میں محبت اور نفرت کے دونوں مادہ مردوں سے زیادہ ہوتے ہیں لیکن اون کی محبت یا بغض کا دائرہ وسیع نہیں ہوتا۔ قومی کاموں میں عورتیں شاذ و نادر ہی حصہ لیتی ہیں اون کی محبت اپنے بال بچوں اور گھر والوں تک محدود رہتی ہے لیکن مہمرومی اور شفقت کا مادہ عورتوں میں زیادہ تیز اور قوی ہوتا ہے اور مصیبت زدہ کے حال پر عورتوں کو زیادہ رحم آتا ہے اور اکثر وہ اوسکی مدد کرنے میں مردوں سے زیادہ تکلیف بھی برداشت کر لیتی ہیں۔ اور عام طور پر اون کی حالت کا اقتضایہ ہے کہ گھر کے کاروبار اون کے ہاتھوں میں رہے۔ بچپن اور مرد باہر کے کام سرانجام دیں اگر عورت اور مرد کی ایک ایک ایسی تصویر کھینچی جائے جس سے اون کے خصائل اچھی طرح معلوم ہو سکیں تو مرد کی تصویر سے دلیری ہمت۔ تدبیر ظاہر ہوگا۔ اور عورت کی تصویر دیکھیں تو شرم۔ حیا۔ خوف۔ بہروسہ نرم دلی پائی جائیگی۔ اور یہی ایسے صفات ہیں جو عورت و مرد میں تمیز پیدا کرتے ہیں۔ عورتیں صرف مردوں کے دل بہلانے کے لیے ہی نہیں پیدا کی گئی ہیں بلکہ وہ دنیا کے انتظام میں حصہ دار اور امن و آسائش کی کارپرداز ہیں وہ زندگی کو خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مفید اور بکار آمد بناتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اون کو دماغ اور قوت تخیل عطا فرمائی ہے۔ اگرچہ یہ قوت مردوں کی نسبت کم ہو سکتی ہے مگر اتنا

تعلیم نسوان



کہ جو غصہ تین قدر پائیدار کی گئی ہیں اور میں جلا اور صقل ہو جائے اس لیے اس سے  
 پہلے کہ یہ سوچا جاسے کہ عورتوں کو کیا تعلیم دی جائے یہم دیکھنا چاہئے کہ دنیا میں  
 عورتوں کو تدریس کے کیا مرتبہ دیا ہے اور کس قسم کے کام اور کس سیر کیے ہیں  
 عورتیں اگرچہ مردوں کی لونڈیاں نہیں ہیں لیکن مردوں کو ان کی فضیلت حاصل ہے۔  
 سوسائٹی میں قدرتا عورت کا رتبہ مرد کے بعد ہے۔ **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ**  
**يَمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ**۔ مرد اپنے بل پر کھڑا ہوتا اور اپنی قوت بازو پر بیہوش  
 کرتا ہے۔ مرد کو سکھایا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں صرف اپنے ہی کیئے سے کچھ ہو سکتا ہے  
 اور دنیا میں اسے بلا کسی کے سہارے کے آگے بڑھنا چاہیے لیکن عورت بلا  
 سہارے کے نہیں بڑھ سکتی۔ ضرور ہے کہ عورت اپنے باپ اپنے بھائی اپنے  
 خاوند پر بیہوش کرے اور اس کے ساتھ ساتھ بلکہ اس کے پیچھے پیچھے چلے اگر عورت کو  
 بلا سہارے چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک دن میں برباد ہو جائیں اور ان کی فطرتی نزاکت غائب  
 دنیا کے حوادث اور سختیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مرد عورت کا ہی فطری ہے اور عورت مرد  
 کی معاون۔ اور وہی تعلیم زیادہ عمدہ۔ زیادہ مفید ہوگی جو عورتوں میں اس معاونت کی  
 قابلیت کو بڑھائے تاکہ سوسائٹی کا قوام نہ بگڑے اور ہر جنس اپنے اپنے کام کو اچھی طرح  
 انجام دے۔ عورتوں سے یہ معاونت محبت اور مہربانی کی خدمتوں میں ظاہر ہوتی ہے  
 نئے نئے بچوں کی پرورش آسان کام نہیں اور عورت سے زیادہ دل چسپی ہے۔  
 اسے کوئی آدا نہیں کر سکتا۔ بیماروں کی تیمارداری جس سلیقہ اور دلی خوش سے عورت  
 کرتی ہیں اور جیسا آرام وہ بیمار کو پہنچاتی ہیں مردوں سے ممکن نہیں۔ رنج۔ مصیبت  
 افلاس اور سختی کے زمانہ میں عورتیں عورتوں سے پہنچتی ہے اور جیسا خاموشی اور  
 استقلال سے وہ مردوں کا ساتھ دیتی ہیں اور صبر و برداشت کرتی ہیں وہ خاص  
 ان ہی کا حصہ ہے۔ انتظام خانہ داری میں عورت سے زیادہ کسی شخص سے انسان کو  
 وہ آرام و راحت نہیں مل سکتی جو عورت سے ملتی ہے اور گھر کا انتظام چھوٹی بات  
 ۰ مرد عورتوں کے سرد ہرے ہیں اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر

عورت کا رتبہ

عورت کی خدمات



دینا گویا مردوں کا یہ ہے اور عورتوں کا رویہ اور عقل درست کرنا مردوں کا اخلاق درست کرنا ہے۔ جہاں کہیں عورتوں کی حالت خراب ہوگی وہاں مردوں کی حالت خراب ہونی لازمی ہے کسی قوم کی حالت کے خراب ہونے کے یہی معنی ہیں کہ اوس کے ممبروں کی حالت درست نہیں ہے اور لڑکوں کی ابتداء حالت اس کا نتیجہ ہے کہ بایں جاہل ہیں بونہی صحت اخلاق۔ ابتدائی تعلیم سب ماؤں کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ خصوصاً صحت کا مسئلہ ایسا ہے کہ اخلاق اور تعلیم ہی اوس کے تحت میں آجاتے ہیں جو عورتیں صحت کے اصول سے ناواقف ہیں یا اصول اخلاق سے جاہل ہیں وہ اپنے بچوں کو کسی طرح عمدہ تربیت نہیں کر سکتیں اور اس وقت کی بے تربیتی یا قسدا صحت آئندہ عمر بھر اینارنگ دکھلاتا ہے۔ تعلیم یافتہ عورت ابتدا ہی اپنی اولاد میں حسن اخلاق کی جڑ قائم کر سکتی ہے۔

تعلیم نسوان  
کے خصوصیات

ہر چیز کی خصوصیت اوس کا جوہر ہے۔ آفتاب کی تمازت اور تیز روشنی اوس کا خاصہ ہے۔ ماہتاب کی ہلکی اور ٹھنڈی روشنی۔ ماہتاب کی دلاویزی اور خوشبوئی اور عام پسند ہونے کا باعث ہے اگر ماہتاب کی یہ خاصیت جاتی رہے اور وہ آفتاب کی ہمسری کرنے لگے تو رات کی بہار اور راحت مٹ جائے اور ساتھ ہی ماہتاب بے قدر ہو جائے۔ اگر کوئی تعلیم عورتوں میں سے عورتوں کے جوہر ہوتا تو وہ سوسائٹی کے راحت و آرام اور امن و آسائش کو کہو دیگی اور نہ صرف مرد ہی بلکہ عورتیں بھی مصیبت میں پڑ جائیں گی۔ دنیا میں جو شخص جس کام کو واسطے پیدا کیا گیا ہے اوسے پورے طور پر انجام دینا اوس کی سعادت و عزت کا باعث ہے اور اوس حد سے افراط و تفریط میں سجاوڑ کرنا اور دوسروں کی تقلید اُٹارتا اپنی عزت کا کہو دینا ہے اگر کسی عورت سے کوئی ایسا کام بن آئے جو عموماً عورتوں کا حصہ نہیں ہے تو بعض اوقات سوسائٹی کی غلط فہمی سے اس پر بہت واہ واپہ ہوئی ہے لیکن وہ صرف تعجب کا اظہار ہوتا ہے اور اوسی وقت تک رہتا ہے کہ ایک دوسے سرزد ہوا ہو۔ گھوڑے کی صفت تیز رفتاری اور اطاعت سوار ہے بدتر کی

کمی نہیں ہے کہ صرف کے درجہ پر ہو جو کام اون کو بطور فرض ادا کرنے پڑے ہیں اون کے  
 لیے ہمدردی اور فہم رسانی ضرورت ہے۔ عورتوں کا عرف ہی کام نہیں ہے کہ وہ اپنا  
 سارا وقت آرائش و سنگھار میں صرف کریں اور اگر ایسا کریں گی تو شاید حسن صورت میں  
 نظر فریبی پیدا کریں لیکن زندگی کے کاروبار اس سے نہیں چل سکتے بلکہ اس استعداد  
 کے حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ تعلیم سے یہ مراد  
 نہیں کہ مردوں کی سی تعلیم دی جائے بلکہ اون فنون کی تعلیم سے مراد ہے جو عورتوں کے  
 لیے ضروری اور بجا آمد ہیں اور جن کی مقدار اوسی قدر ہو جتنی کہ مردوں کی تعلیم کی۔  
 اگرچہ مضامین میں اختلاف ہو۔ تعلیم عقل کو روشن کرتی اور قواعد مانگی کو جلا دیتی ہے  
 اور گہر کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں عورت کی دانش اور فراست سے اوس کی عقلی  
 نہ بڑھتی ہو۔ تعلیم عورت میں جنالات کی بلندی اور پیش بینی پیدا کرتی ہے اور تعلیم کے  
 عورت اس قابل ہو سکتی ہے کہ وہ گہر کا انتظام بلکہ اپنے اور دوسروں کی زندگی کا انتظام  
 سوچ سمجھ کر کرے اور انتظام خانگی کے عمدہ عمدہ اصول سوچے۔ تعلیم ہر طرح عورت کو  
 ایسی تقویت دیتی ہے جیسی کہ مردوں کو تقویت بخشتی ہے۔ تعلیم عورت کو دہوکہ اور فریب  
 سے بچاتی اور اوس کو بہت سے جاہلانہ لالچوں اور اوہام پرستی سے محفوظ رکھتی ہے  
 تعلیم عورت کا اثر زیادہ قومی اور ساتھ ہی مادہ مفید بھی دیتی ہے کیونکہ جو کچھ وہ کہتی یا کرتی ہے  
 وہ کہنے اور کرنے کے قابل ہوتا ہے اور ہر دل اوس کو نہ صرف بہولت بلکہ بہ طیب خاطر  
 منظور کرتا ہے۔ اگر عورتوں کے اخلاق کمزور اور اون کے دل ناپاک ہوں تو مرد اور  
 اثر سے نہیں بچ سکتے کیونکہ انسان کی اخلاقی تعلیم زیادہ تر اوس کے گہر کی حالت پر منحصر ہے  
 اس لیے عورتوں کی تعلیم نہ اون کی ذات کے لیے مفید ہے بلکہ قومی بہبودی اور ترقی  
 کا ذمہ بھی ہے۔ جس قدر عورت اور مرد دونوں کے قوائے عقلی اور غرضی مہذب اور شائستہ  
 ہوں گے جس قدر اون کے دل آلائش سے پاک اور منور ہوں گے اور جس قدر اون کے  
 قوائے باگ عقل کے ہاتھ میں ہوگی اوسی قدر سوسائٹی میں امن و ترقی بہبودی اور  
 آسائش ہوگی اور اوسی قدر انسان کا تمدن اعلیٰ درجہ پر ہوگا اس لیے عورتوں کی تعلیم

تعلیم نسوان کا اثر  
 مردوں پر

کی جیت سے ہوتا ہے۔ جو ان پر عورت مشیر صلاح کا بہم دہم و ہماز بن کر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ غرض کہی مان پن کی جیت سے اور کہی بیوی کی حالت میں مردوں پر عورتوں کا اثر ہوتا ہے اور انسان کی قسمت میں یہ اثر اچھا اور بُرا ہو سکتا ہے۔ دیندار عورت کا اثر ہمیشہ اچھا۔ ہمیشہ مفید اور قابل اعتماد ہوگا اور جہاں عورت کی بے دینی اپنا اثر ڈال رہی ہو ان کی غصت اور بربادی کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

اپنی زبان کی تعلیم

دویم اپنی زبان کی تعلیم ہونی چاہیے۔ کلام کی شستگی اور لطافت عورتوں کی زبان کا جوہر ہے۔ اون کے محاورے اور ادائی مطلب کی آسان اور دلکش ہیں اون کی ضرب الامثال۔ زبان میں شیرینی اور شستگی پیدا کرتی ہیں۔ اور او سکی سادگی اور حسن کو قائم رکھتی ہیں۔ زبان کی آراستگی میں مردوں سے زیادہ عورتوں کا حصہ ہے کیونکہ جو صفاتی اور شیرینی مرد بہ مکلف زبان میں پیدا کرتے ہیں عورتیں بے ساختہ اور قدرتی طور پر اسے ادا کرتی ہیں اس لئے اپنی زبان کی تعلیم عورتوں کو اعلیٰ درجہ کی دینی چاہیے۔ یہ تعلیم نہ صرف عورتوں کے جوہر کو ترقی دے گی بلکہ خود سوسائٹی کو اس سے بہہ فائدہ پہونچے گا کہ زبان میں وسعت اور لطافت پیدا ہوگی۔

جو عورتیں اپنے عزیزوں یا خاوندوں سے دور ہوتی ہیں اور جہالت کے سبب اون کو خط تک نہیں لکھ سکتیں اون کی تکلیفیں اور وقتیں بہت زیادہ بربادی میں بیکار ہونے کا تجربہ ہوا ہے یا پھر ہوائے نپرٹے ہیں اور کوئی بات خواہ کسی قدر راز کی کیوں نہ ہو پوشیدہ نہیں رکھ سکتیں۔ اپنی زبان پر اتنی قدرت کہ ہر طرح کے مضمون کو بے آسانی ادا کر سکیں عورتوں کو حاصل ہونی چاہیے۔ جو شخص اپنے مافی الضمیر کو مناسب الفاظ میں ظاہر نہیں کر سکتا وہ گنہگار ہے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ کسی بیوی یا لڑکے کا مطلب سمجھ سکے یا ان کا مطلب ادا کر سکے۔ اسی طرح عورتوں کا خط بھی پاکیزہ اور پختہ ہونا لازم ہے وہ اگر خوشنویس نہ ہوں تو صاف اور مایقہ ضرور لکھتی ہوں۔ حروف میں اس قدر خوشنما ہو کہ اچھے معلوم ہوتے ہوں۔ ذاتی کمالات کی خوشنمائی ظاہری اور عارضی بناؤ سنگھار سے زیادہ دلفریب اور قدر افزا ہوتی ہے ایک عورت کے ہاتھ میں

طرح چٹا اور کرب دکھانا گھوڑے کی صفت نہیں ہے لیکن سرکس کے گھوڑے  
کرب دکھاتے ہیں اور تماشائی زون کی تعریف کرتے ہیں اسی طرح سوسائٹی میں  
بعض عورتیں غیر معمولی طور پر مردوں کے سے کام کرتی ہیں اور ان کی تحسین آفرین  
بھی ہوتی ہے لیکن وہ صرف اظہار تعجب ہے۔

سوسائٹی پر عورتوں کے حقوق ہیں اور ان میں سب سے بڑا حق یہ ہے کہ  
عورتوں کو تعلیم دی جائے **لِكُلِّ الْفَرِیْضَةِ عَلٰی اَکْلِ مَسْلَمٍ وَمُسْلِمَةٍ** لیکن  
فرض وہ تعلیم ہے جو عورتوں کے ذاتی جوہر دن کو نہ صرف قائم رکھے بلکہ ترقی دے۔  
اول مذہب کی تعلیم عورتوں کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ مذہب کی تعلیم  
خدا کا خوف۔ ایمان داری۔ صداقت۔ پرہیز گاری۔ عصمت۔ رحمہلی۔ انصاف۔  
نیاضی۔ رقت قلب۔ صبر۔ توکل۔ پیدا کرتی ہے اور یہ ایسے اوصاف ہیں جو  
ایک عورت میں لازمی طور پر ہونے چاہئیں۔

مذہب کی تعلیم

عورتوں میں مذہبی تعلیم تمام سوسائٹی کو مذہب کی طرف مائل رکھتی ہے چونکہ  
قاعدہ ہے کہ جو کچھ وہ کہیں دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں اور جو مذہب مان کے دودھ  
کے ساتھ اون کو حاصل ہوتا ہے وہ رگ رگ میں ایسا پیوستہ ہو جاتا ہے کہ یہاں  
دل سے اس کے اعتقادات نہیں ہٹ سکتے۔ مان کا اثر بچوں کے رویہ کو  
بہت کچھ بناتا یا بگاڑتا ہے جس طرح بچے بچپن میں عورت کے دودھ سے پرورش  
پاتے اور اس کی گود میں پلتے ہیں اسی طرح اس عالم طفولیت میں مان کے اخلاق  
سے ان کی روح نشوونما پاتی ہے۔ اگر وہ دینداری کی ہوا میں پلتے ہیں تو ضرور  
بڑے ہو کر بھی ان کے دل میں مذہب کی چمک رہتی ہے اور جو بچہ اپنے گھر میں  
جہالت کا اندھیرا دیکھتے ہیں اور بے دینی اور لامذہبی کی باتیں بچپن میں ان کے  
دل میں گھر کر چکی ہیں تو بڑے ہو کر اگر ان کو علم دین پڑایا جائے تو اس کی جیڑ  
مضبوط نہیں ہوتی **اَلَا مَا شَاءَ اللّٰہُ**۔ عالم طفولیت میں چونکہ عورت کا اثر مطلق  
ہوتا ہے اس لئے طلب کرنا علم کا فرض ہے ہر مسلمان مرد اور عورت پر۔

جس قدر روپیہ خرچ کرنے کے لیے ہے اور گھر کا روپیہ عورتیں ہی خرچ کرتی ہیں  
ارم اصول خانہ داری تدبیر منزل کے بیان میں - خانہ داری کی لیاقت کی  
پر کسی قدر وضاحت سے بحث کی گئی ہے - شاید اس بات کے ثابت

ہوئی ضرورت نہیں ہے کہ عورت کو اصول خانہ داری سے واقف ہونا لازم  
ہو ضرورت امراء کو غریب کی نسبت بہت زیادہ ہے جس قدر کسی گھر میں دولت

بہت زیادہ ہے اور گھروالی میں انتظام خانہ داری کی لیاقت زیادہ ہونی چاہیے۔

اگر کسی تعمیر میں واقفیت نہ ہو - یا ڈاکٹر کو علم طب سے آگاہی نہ ہو یا سپاہی کو

استعمال رات حرب نہ آتا ہو تو وہ اپنا فرض ادا نہیں کر سکتا - جس عورت کو اصول

خانہ داری سے آگاہی نہ ہو وہ خواہ مردوں کے سے کام کرے بلکہ اون سے بہتر

کرے لیکن عورت کے کام انجام نہیں دے سکتی - کوئی کام کیوں نہ ہو اوسکا

طریقہ آنا ضرور ہے اور اسی کا نام سلیقہ ہے - علاوہ ازیں پیش بینی بھی سر انجام

امور میں مدد دیتی ہے اور پیش بینی اوس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب دماغ میں

امور کے جانچے سوچے اور نتیجہ نکالنے کی قوت ہو اور علم و تجربہ فی وقت نتیجہ کو قوت دی ہو

افسوس ہے کہ ملک میں اس وقت ایسی کمی رائج نہیں ہیں جو اصول

خانہ داری سکھاتی ہوں - سینا پر ونا کہا نایکنا - گھر کا خرچ چلانا - نوکروں کی نگرانی

بچوں کی نگہداشت اور پرورش اون کی تربیت وغیرہ ایسے سہل کام سمجھے جاتے

ہیں کہ اون کی طرف ہمارے مصنفین نے ابھی تک التفات نہیں کیا اور اوس

آسائش و برکت کے حاصل کرنے میں مدد نہیں کی جسکی ہر شخص کو ضرورت ہے -

عورتوں کو اون کے مناسب حال تعلیم نہ دینا ایک غلطی سے نکال کر دوسری غلطی

میں ڈالنا ہے اور کو دنیا میں وہ کام نہیں کرنے جو مردوں کو کرنے میں پہرہ و نو کو

ایک سی تعلیم دی گئی؟ عورتیں تو عورتیں تمام مردوں کو ایک سی تعلیم مفید و بکار

نہیں ہو سکتی - اس زمانہ میں قومی تنزل کا بڑا سبب یہی ہے کہ مردوں کو ضرورت

زمانہ کے کام نہیں دی جاتی بلکہ سب کو ایک لکڑی ہانکا جاتا ہے اگر اس گروہ

خوشنہ خط انگلین اور چوڑیوں سے زیادہ دلکش ہے اور اسکی وقعت اور عزت کو بہت دیکھتا ہے  
 سویم علم حساب - یہ ضرورت نہیں ہے کہ دفاتر کے محاسب اور تجارت پیشہ  
 اشخاص کو ہی حساب میں مہارت ہو بلکہ حساب ہر مرد اور ہر عورت کو جانا چاہیے۔  
 کوئی عورت ایسا نہیں ہے کہ انسان کو علم حساب کے اصول سے کام نہ پڑتا ہو چھوٹے  
 سے چھوٹے گھر کے انتظام کے لیے یہی حساب جاننے کی ضرورت ہے امیر و میسر  
 بیویوں کو تو علم حساب سے ہر روز زیادہ کام پڑتا ہے کیونکہ ان کو اپنے گھر کا انتظام بڑے  
 بیگانہ پر کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ عورتیں علم حساب سے ناواقف ہوتی ہیں اس سبب سے  
 گھر کے کاروبار کے انتظام میں وہ اتنا حصہ نہیں لے سکتیں جتنا لینا چاہیے اور اپنے  
 مرد و کھانگی انتظام میں ہاتھ نہیں بٹاتیں۔ بعض مردوں کی نسبت عورتوں کو یہ  
 شکایت ہوتی ہے کہ وہ خود خرچ اوشاٹے ہیں بیشک گھر کا خرچ اوٹھانا عورت کا حق ہے  
 لیکن عورتوں کو ایسے نہیں اس لائق بنانا چاہیے کہ وہ آمدنی کو سلیقہ سے خرچ کر سکیں  
 اور آمد خرچ کا حساب مرتب کر سکیں۔ جاہل عورتیں ذرا ذرا سے لین دین میں دھوکہ  
 کھا جاتی ہیں اور گھر کی آمدنی کا ایک حصہ اپنی جہالت کے ہاتھوں برباد کرتی ہیں عورتوں  
 کا رو بار کی قابلیت ایسی ضروری ہے جیسی کہ مردوں میں اور لچھے منظم گھر میں آرام و  
 علاج قائم رکھنے کے لیے عورت میں کام کرنے کا سلیقہ ہونا لازم ہے کام سے بہتر  
 مراد نہیں ہے کہ تجارت ہو بلکہ زندگی کا معمولی کام جو روز مرہ کیا جائے ایسا جو ضرور  
 ہے اور ہر خیر خواہ گھر کے استعمال کے لیے خریدی جائے یا گھر کی کوئی خیر و خست  
 کی جائے یا بنانی جائے کام ہے اور ان سب کے لیے علم حساب جاننے کی ایسی ہی  
 ضرورت ہے جیسی کہ دوکانداری کے لیے۔ شادی بیاہ کے موقع پر ہزاروں روپیہ خود  
 عورتوں کو خرچ کرنا پڑتا ہے اور چھوٹی بڑی ہزاروں چیزیں خریدی اور بنائی جاتی ہیں  
 کیا ایسے وقت علم حساب کا جانا ضروری نہیں ہے۔ علاوہ ازیں علم حساب طبیعت میں  
 غور محنت اور کفایت شعاری کی عادت ڈالتا ہے اور ترتیب ہو شیاری پابندی طریقہ  
 ہو صحیح نتیجہ نکالنا سکھاتا ہے۔ علم حساب کی ضرورت روپیہ پیدا کرنے کے لیے اس قدر

تلاش ہوا اگرچہ سلیقہ مند عورت کو جاہل کہنا زیبا نہیں ہے۔ شاید کوئی شخص ایسی عورت پسند نہ کرے جیسا جو میان اور بچوں کے کپڑے سینے تو درکنار اپنے کپڑے بھی سینے کے لیے درزی کو دے اور اگر کسی باورچی یا مایکھانیوانی نہ ہو تو اس دن کہہ گئے ہر کوفا کرنا پڑے اور بچے سینے اور بچانکے اوتے میان کو سناٹا لکھ دے غل لکھ کر دے۔ اگر اوقات باقاعدہ صرف کیے جائیں اگر ہر کام مناسب وقت پر اور مناسب طریقہ سے کیا جائے تو عورتوں کو اتنا وقت ملتا ہے کہ وہ گھر کے کام و ہنر کے بعد کہنا پڑنا سیکھ سکیں اور بعض عورتیں کوئی خاص علم بھی اچھی طرح سیکھ سکتی ہیں۔ امیر آدمیوں کی بیویاں اور بیٹیاں گھر کے کام کرتے ہوئے اس سبب سے شرماتی ہیں کہ وہ کام اون کی خلاف شان ہیں لیکن یہ چھوٹی شرم ہے جو کام جس کے کرنے کا ہے اس کے کرنے میں ذلت نہیں عزت ہے۔ گھر کا کوئی کام عیب اور قابل شرم نہیں بلکہ یہ کام نہ کرنے اور نہ سیکھنے قابل شرم ہیں اور ان کاموں میں جہت قدر اعلیٰ مہارت ہوگی اسی قدر وہ عورت زیادہ قابل قدر خیال کی جائے۔ عورت کا مذاق اس کی ذہانت اور طبیعت کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور سنوارنا آرائش اور زیبائش کا سبب ہے عمدہ کہانا اور کپڑا تیار کرنا سینا ہی نہیں ہے بلکہ جس کے واسطے کیا گیا ہو اس کی محبت کا اظہار واسطے تفریح اور راحت گسانا ہے جس کی دل عزت اور قدر کر۔ پنجم۔ علم حفظانِ صحت۔ انسان کی صحت اس کا حسن ہے اور اس کی قیمت زیادہ کرتا ہے۔ عورتوں کو صحت و توانائی کی ایسی ہی ضرورت مردوں کو۔ عورتوں کے ذمہ خانہ داری کے کام ہیں لیکن وہ کام آہ نگرانی اور انجام دہی بغیر کامل صحت کے ناممکن ہے علاوہ ازیں صحت ذات کا سبب ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ عورت کی ذات دنیا میں ا کہ اس کے قیام و ثبات کی نگہداشت نہ کی جائے اس واسطے عورت حفظانِ صحت کی تعلیم دینی لازم ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اگر کسی شخص میں

ماہِ حنا راجِ صحت  
طہر کا ذکر نہ کرنا  
تسلیم

ن  
ہی  
را  
ت  
ہے  
ل  
ت



میں عورتیں بھی شامل ہو گئیں تو سوسائٹی ترقی تو کرے گی لیکن معکوس! خانہ داری کا علم عورت کا خاص حصہ ہے اگر دیگر علوم میں اسے کما چھل ہو لیکن خانہ داری کے اصول سے ناواقف ہو تو وہ عورت عالمہ وفا ہے لیکن عورت نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص جو علم حساب سے ناواقف ہو تاجر اسی طرح عورت خانہ داری کی قابلیت کے بغیر عورت کہلانے کی مستحق نہ ہو عورت کو خواہ امیر ہو یا غریب۔ جوان ہو یا بڑھیا۔ منکوحہ ہو یا غیر منکوحہ گھر کے ہر کام کرنے کی لیاقت اور ہر کام کو اچھی طرح انجام دینے کی استعداد حاصل ہونی لازم ہے کیونکہ یہ عورت کا بڑا فرض ہے اور اگر ان کاموں کا اسے علم نہ ہو تو یہ کام آسان نہیں بلکہ مشکل نظر آئیں گے۔ اور شکل بھی ایسے کہ نہ خود کرنے کی لیاقت اور نہ خادموں سے کام لینے کی قابلیت۔

تعلیم نسوان کا جہان ذکر کیا جاتا ہے وہاں حروف کی شکون اور الفاظ کے معنی جاننے سے مراد لی جاتی ہے لیکن تعلیم صرف اسی کا نام نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اور ہر کام کی تعلیم جو کسی خاص شخص یا فرقہ کے لیے ضروری ہے اسے حاصل کرنی چاہیے ورنہ وہ اوس فن میں جاہل رہے گا۔ کسان اور زمیندار کو فلاح و زراعت۔ باغبان کو باغبانی معمار کو عمارت کا علم جاننا ضروری ہے۔ اسی طرح انتظام خانہ داری کا علم عورت کے لیے فرض ہے اور تعلیم نسوان کے حامیوں کو سب سے پہلے یہ تعلیم دینی چاہیے نہ چھوٹا طفولیت کے زمانہ میں اس میں مہارت پیدا کرنی لازم ہے اگر ابتدائی عمر میں اسلئے توجہ نہ کی جائے تو آئندہ وہی اس کام میں دل نہ لگے گا۔ بعض عورتوں کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ وہ شعر خوب کہتی ہیں بعض ہارمونیم خوب بجاتی ہیں کسی نے کسی غیر زبان میں مہارت حاصل کی ہے لیکن یہ اوصاف اوسی وقت تک بہت عجیب اور محسن معلوم ہوتے ہیں جب قوم کے کروڑوں افراد میں ایک دو نے یہ خصوصیت حاصل کی ہو اگر تمام عورتیں صرف اسی طرے متوجہ ہو جائیں اور گہر بارے کام چھوڑ دیں تو آج گہر کا شیرازہ بکھر جائے اور لوگوں کو جاہل لیکن سلیقہ مند عورتوں کی



نکاح کے خدمات پورے طور پر انجام دے سکیں۔ بڑے شہروں میں صرف امراء ایسے  
 ایسے ہاؤسز کے لئے پرائونٹ سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ جب جان پر آئے اور ان کی  
 طلبہ کے بغیر علاج ہی نہ ہو۔ باقی چھوٹے چھوٹے شہروں کے باشندے اور ہر طبقہ کے  
 اکثر اشیائے ان کی خدمت سے محروم ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ غیر ملک کی عورتیں ایسی  
 بہرہ رومی اور دل سوزی سے توجہ نہیں کر سکتیں جیسی اپنی قوم اپنے ملک اپنے  
 مذہب کی عورتیں بکار آمد ہو سکتی ہیں۔ جن کو کیا نکت کے سبب بہرہ رومی اور ہر وقت  
 طلب کرنا اور مشورہ لینا ممکن ہو۔ متوسط حال اور غریب تو یورپین لیڈی ڈاکٹروں سے  
 ادائیگی کی عدم استطاعت کے سبب رجوع نہیں کر سکتے اور جو کرتے ہیں  
 ہیں تو بیماری سے زیادہ اخراجات کی تکلیف سے مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔  
 اختلاف زبان بھی پورے طور پر فائدہ حاصل کرنے نہیں دیتا۔ نہ یہاں کی عورتیں  
 اپنے مطالب اور حالت کو ان کی زبان میں ادا کر سکتی ہیں نہ وہ یہاں کی زبان  
 اچھی طرح سمجھتی ہیں۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے سے الگ اور ناواقف رہتے  
 ہیں اور غرض جیسے نازک کام میں وقت واقع ہوتی ہے۔ اگر اپنے ملک کی عورتیں طب  
 و ڈاکٹری میں جہارت حاصل کر لیں تو یہ وقتیں رفع ہو جائیں اور ہزاروں جانیں تکلیف  
 و مصیبت سے بچ جائیں۔

سہم - خام واقفیت - یہ ضرور نہیں کہ عورتوں کی تعلیم کو ان ہی مضامین  
 پر محدود کر دیا جائے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ بلکہ یہ جہاں تعلیم کا لازمی جزو ہیں  
 اور ابتدائے ان سے واقفیت حاصل کرنی فرض ہے جس طرح لباس زیور و ہینڈ  
 ہے۔ اسی طرح یہ مضامین دوسرے مضامین پر مقدم ہیں۔ ان میں جہاں تک ممکن  
 حاصل کیا جائے بہتر ہے اس کے علاوہ اگر فرصت و موقع ہو تو علم و فضل میں زیادہ  
 کمال حاصل کرنا اور قوار دماغی کو ترقی دینا شرافت و سعادت کی تکمیل ہے۔

کی نگہداشت کی لیاقت نہ ہو تو ڈاکٹر اور حکیم اوس کی صحت کی ذمہ داری کر سکیں بعض  
 موقع اور حالتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہاں کسی عمدہ طبیب کا میسر آنا ناممکن ہوتا ہے یا بعض  
 بے احتیاطیان بیماریاں پیدا کرتی ہیں اور یہ بیماریاں اگرچہ ابتدا میں خفیف معلوم ہوتی  
 ہیں لیکن پھر عمر بھر کے لئے روگ لگا دیتی ہیں۔ جب تک خود انسان کو حفظ صحت کے  
 اصول نہ معلوم ہوں وہ صحت جیسی نازک اور ضروری چیز کو اچھی طرح قائم نہیں رکھ سکتا۔  
 بچوں کی صحت کا مسئلہ اور بھی زیادہ نازک ہے اور اونکی پرورش بالکل عورتوں  
 ہاتھ میں ہے بے احتیاط اور ناواقف عورتیں بچوں کی صحت کو ایسا خراب کر دیتی ہیں  
 کہ وہ بڑے ہو کر ہمیشہ مریض اور ناتوان رہتے ہیں اس واسطے لازم ہے کہ عورتوں کو  
 حفظان صحت کے اصول سے آگاہی ہو۔ اس کے علاوہ بعض عورتوں کو طب و ڈاکٹری  
 میں پوری مہارت بھی حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنی قوم اور ملک کی عورتوں کی خدمت  
 کر سکیں۔ عورتوں کی بعض بیماریاں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ وہ ڈاکٹروں سے بیان کرتے  
 شرماتی ہیں بعض وقت یہ ضرورت آتی ہے کہ اگر کوئی عمدہ ڈاکٹر مشورہ اور مدد نہ دے  
 تو ان کی جان پر بن جاتی ہے اور ان تمام موقعوں پر عورتوں کی خدمت کی زیادہ  
 حاجت ہوتی ہے۔ عورتیں فرقہ انماث کے ضروریات و مختصہ حالات اور تکالیف کے  
 خود واقف ہوتی ہیں اس سبب سے اون کے امراض اور کیفیت کو زیادہ سہولت سے  
 سمجھ سکتی ہیں اور چونکہ اوس تکلیف کا احساس کر سکتی ہیں اون کو قدرتا بیمار سے زیادہ ہمدرد  
 اور اوس کے حال پر زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ ایک شریف عورت جس طرح ایک لیڈی  
 ڈاکٹر سے اپنی کیفیت بیان کر سکتی اور آزادی سے اپنے تئیں اوس کے حوالہ کر سکتی ہے  
 یہ گوارا نہیں کرتی کہ مردوں کو اوس کی خبر ہی ہو۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر عورتوں کی ضرورت  
 اس قدر زیادہ ہے کہ غیر ملکوں سے ڈاکٹر خواتین یہاں آکر ہندوستانی عورتوں کی خدمت  
 جس طرح تجارتی اشیاء میں دوسروں کا محتاج ہے اسی طرح حفظ صحت  
 کے لیے بھی دوسروں کی معاونت کا حاجت مند ہے۔ یورپین داکٹر  
 اول تو اس قدر کافی نہیں ہے اور کبھی کافی نہیں ہو سکتی کہ اتنے بڑے

کرتی ہیں  
 اور بقا  
 عورتوں

مذہب کا اثر  
اخلاق پر

بڑی تہیں مذہب کے اثر سے اون میں شجاعت اور دلیری پیدا ہو گئی۔ بڑوں اور بے ہمت بہادری کا دم بہرنے لگے۔ جو لوگ غلامی کی حالت میں تھے مذہب نے اون کو آزادی دی اور وحشی اور خونخوار قومیں مذہب و شایستہ ہو گئیں مذہب کے سوا اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو انسان میں یکایک ایسی تحریک پیدا کر دی اور اون کی کامیابی جہاں قانون کی دسترس نہیں وہاں مذہب ہی راہ راست پر لاسکتا اور رکھ سکتا ہے انسان کو ایسے ہزاروں موقع ملتے ہیں کہ اگر وہ ان کوئی گناہ کرے تو قانون نہیں چکاتا اور قانون کی سزا کا خوف کہی اون مواقع پر باز نہیں رکھ سکتا مگر صرف خدا ہی تعالیٰ کے عظیم و بصیر ہونے کا ایمان اور سزا و جزا کا یقین ہی بچا سکتا ہے۔ اور کونشن جن امور کو صحیح و غلط بتاتا ہے اون پر عمل صرف مذہب ہی کر سکتا ہے۔ خفیہ خیالات اور ارادوں پر صرف مذہب ہی قابو چل سکتا ہے واللہ عظیم بذات الصدور صرف مذہب ہی انسانی جنس کے ساتھ عدالت۔ محبت۔ مروت۔ ہمدردی سکھاتا ہے۔ خود مذہب نصرت پاکدامنی پر قائم رکھ سکتا ہے اگر مذہب نہ ہو تو قانون ہیج ہے نہ کہی قانون کی روک کافی ہو سکتی ہے اگر مذہب اوٹھ جائے تو انتظام دنیا بالکل تباہ ہو جائے قانون اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جو لوگ خاص معاملہ میں مذہب کے قانون سے تجاوز کریں اون کو اپنی دسترس کے موافق درست کرے۔ مذہب تمام اخلاق کی جڑ ہے اور سچی مسرت صرف مذہب ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ مذہب دنیوی رشتوں میں اتحاد و لوگوں میں اخوت و دوستوں میں محبت و یگانگت۔ مصیبتوں میں استقلال اور آرام۔ صبر و شکر غم و الم میں تسکین و مدد۔ معاملات میں عدالت۔ غرض تاریکی میں نور اور موت میں امید پیدا کرتا ہے۔ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور جب دنیا کی کاموں میں ناامیدیوں کی انتہا نہیں رہتی اور کلیفین اور مشکلیں چاروں طرف سے گھیرتی ہیں تو خداوند عزوجل کی ذات پاک کا یقین اور اوس کے انعامات کے وعدوں پر بہرہ و سرور ہی زندگی کا وسیلہ رہتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی خاص مذہب کی فضیلت ملے تر جہ اور اللہ جانتا ہے جو دنوں میں ہے۔ بلکہ اللہ دوست ہے اون لوگوں کا جو ایمان لائے نکلے ہیں اور ان کو ناریکوں سے روشنی کی طرف ۔

## باب سوم عَدَا کا فرض انسان پر مذہب

علم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض سے آگاہ ہو جاتا ہے اور اسے اُن فرائض کے ادا کرنے کی تدبیر معلوم ہو جاتی ہے۔ انسان کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی عبادت کرے اور اس کا نام پڑھے دنیا میں چند ایسے فلاسفہ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے باوجود علم و فضل مذہب کے انکار کیا ہے مگر اُن کی تعداد مذہب کے ماننے والوں سے کم بلکہ بہت کم ہے اور تاریخ میں قدیم سے قدیم زمانہ میں جہاں کسی قوم کا پتہ لگتا ہے وہاں اُس کے مذہب کا ضرور پتہ لگتا ہے اگرچہ کسی ہی ضعیف الاعتقاد کی بنیاد پر کیوں نہ ہو جس زمانہ میں شائستگی اور تہذیب کا نام ہی نہ تھا اور انسان اپنی ضروریات زندگی صرف جانوروں کی طرح یا اُس سے کہیں زیادہ تر کرنا تھا۔ جب وہ درختوں کی جڑوں اور پھلوں اور پتوں پر گزارہ کرتا تھا۔ جبکہ وہ زمین کے بہت پانچھ پڑوں میں رہتا تھا تو اُس وقت بھی کسی مذہب کا پتہ نہ تھا اس سے ظاہر ہوا کہ مذہب ایک ایسی چیز ہے کہ قدرت طبعی طور پر ہمیں سکھاتی ہے اور ہمیں کوئی امر و نہی نہیں کیا جاتا جو ضروری اور جائز نہ ہو۔ اگر دنیا میں سے مذہب اڑ گئے تو اخلاق کبھی قائم نہیں رہ سکتا اور دنیا بھر ناامید اور یاس کا منظر ہو جائے گا کوئی شخص اپنے انجام یا آخرت یا موت کو امید سے اندر دیکھے اور تسلی نہ حاصل کرے اور زندگی کا آخر زمانہ نہایت تاریک اور دل خراش ہو اور کوئی شخص روحانی زندگی کی طرف رجوع نہ کرے بلکہ صرف امور دنیوی کے سرانجام اور خود غرضی کے خیالات رہ جائیں اور روز بروز زیادہ پست ہوتے جائیں مذہب نے دنیا میں جس قدر ترقی پہنچائی اور جس قدر اعلیٰ نتائج مذہب کے ادنیٰ اشارہ نے پیدا کیے اُن سے دنیا بے خبر نہیں ہے وہ تو میں جو بالکل کمزور حالت میں

مذہب ترقی ہے

مذہب کا اثر  
دراصل ہے

اشرف المخلوقات ہے ایسا عاجز و تار ساسے تو بدگیران چر سدا۔ کارخانہ عالم میں ایک  
نظام شمسی ہی ہے کہ عقل دیکھ دیکھ کر دنگ ہوتی ہے اور منجم جانتے ہیں کہ ایسے ایسے  
بے تعدد نظام ہیں اور اس زمین اور اس دنیا سے بڑے بڑے اور بہتر کے گروہ  
ہیں جن پر وہ قادر و الجلال حکمرانی کرتا ہے۔ اس نظام میں ایک سیارہ دوسرے  
سیارے کے گرد اس طرح گردش کرتا ہے اور وہ بلحاظ قد و قامت فاصلہ سمت رفتار ایسا  
ٹھیک اور مناسب ہے کہ کل ل کر ایک عمدہ انتظام اور اتحاد پیدا کرتے ہیں۔  
یہ فیصلہ فلٹ بیان کرتے ہیں کہ زمین چاند اور سورج سے اس طرح متعلق ہے کہ  
موسموں کے تغیر و تبدل فصل کی آمد و رفت مد و جزر کے وقوع میں نہ کہی ہی مرتبی  
ہوتی ہے نہ وہ کہ اور اس نظام شمسی جیسے اور اس سے کہیں بڑے بڑے گروہ  
اور نظام ہیں اور لاکھوں سورج اور ستارے فضا میں پہلے ہوئے ہیں لیکن ان میں  
ایسی ترتیب اور تعلق ہے اور ایسے ریاضی کے اصول پر قائم ہیں کہ وہ باہم اکد و  
کی اور کل نظام کی کامل محافظت کرتے ہیں اور ہر جگہ اتحاد و خوبی پیدا کرتی ہیں ہر ایک  
مدار دوسرے مدار پر اثر ڈالتا ہے اور ان کا تجاذب اس طرح ہے کہ اگر اوس میں  
ذرا فرق واقع ہو تو تمام نظام منتشر ہو جائے لیکن یہ نظام ایسے حیرت انگیز اصول پر  
قائم ہے کہ یہ ظاہری خوفناک پہلا وے بربادی کے روکنے اور عام خوبی پیدا کرنے  
باعث ہوتے ہیں۔ کیونکہ دوسری قوتیں مناسب قاعدی میرا وہنیں درست رہتی ہیں  
یہ مسلم ہے کہ مادہ میں ارادی اور تجویز کی قوت نہیں ہے نہ اوس میں یہ لیاقت ہے  
کہ کوئی ایسا قاعدہ مقرر کرے کہ تمام امور ٹھیک اور مفید واقع ہوں۔ اگر  
یہ بھی فرض کیا جائے کہ مادہ فی نفسہ خاص خاص خواص رکھتا ہے جن کا اثر نظام  
عالم پر پڑتا ہے۔ مگر اویسی ترکیب کیونکہ محال ہوتی کہ ہر فعل کا نتیجہ مفید اور مویذ  
یہ نظام پیدا ہوا۔ کیونکہ نہیں اوس میں بے ترتیبی اور خلل واقع ہوتا اور وہ خاصیتیں  
کہی کوئی بے ڈھنگا نتیجہ کیونکہ پیدا نہیں کرتیں۔ یہ خاصیتیں اوس قاعدے سے جو  
سموات والارض نے مقرر فرمادیا ہے اگر ذرا خراف کریں تو تمام عالم کو ایک دم میں تباہ کر دیں

چتا و این یا کسی خاص مذہب کے اصول کی تعلیم کر دین بلکہ صرف اس قدر بتانا ہے کہ مذہب لادینی اور ضروری چیز ہے اور اصلاح امور معاش و معاد و اخلاق و تمدن میں اس سے بڑھ کر بہتر اور اس سے عمدہ معلم اور اس سے قوی حاکم اور کوئی نہیں۔ اور خداوند عزوجل پر ایمان اور اس کی عظمت و محبت و سیاسی گزاری کا اثر طبیعت کو بخلی اور مژور کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ انسان کے افعال و اقوال کو دیکھتا اور سنتا ہے خدا و ان کی نیکداشت کرتا اور ان پر رحمت نازل کرتا ہے اور جو اس کی مدد کے خواہاں ہیں ان کی مدد فرماتا ہے۔ **وَكُنْفِي يَٰلَٰهُ وَكِيلًا**۔

جو لوگ الحاد کی تقلید دیتے ہیں یا الحاد کے قائل ہیں وہ نسل انسان میں سے تمام اصلی آرام۔ دلی تسکین اور اطمینان قلبی۔ امید۔ مدد اور حیات جاودانی کی چنگ نگی کرتے ہیں۔ اگر یہ ممکن ہو کہ تمام ستاروں کی روشنی بھادی جائے تو رات کیسی تیرہ و تاریک ہو جائے پس اس ستارہ کو بچانا جو روح کو روشن کرتا ہے کیسا خوفناک ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت شناس آنکھ دی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ صانع قدرت کا جلوہ موجودات کے ہر ذرہ میں موجود ہے اور ادنیٰ و اعلیٰ ہر ایک چیز ظاہر کر رہی ہے کہ اس کا کوئی ایسا صانع ہے جس کی قدرت اور حکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ **اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَخْلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اٰیٰتٍ لِّاُولٰٓئِیْ اَلْبَٰبِ**۔ زمین و آسمان دریا و سمندر پہاڑ پھل پھول۔ چاند و سورج سیارے۔ ستارے انسان و حیوان وغیرہ کل نظام قدرت اس کے بے انتہا علم اور غیر محدود دانش کی مثالیں ہیں۔ جن لوگوں نے نظام قدرت کے اصول ختم و غور و نظر سے ملاحظہ کیے ہیں وہ ذرا ذرا سی بات میں ایسی کچھ ایسی کچھ پاتے ہیں کہ انسان خواہ کیسی ہی کامل کیوں نہ ہو بنیماستعجاب کر رہے ہیں کہ کتا اور اس کو کم از کم انتظام دینا پڑتا ہے کہ قوت بشری ایسے انتظام کرنے سے قاصر ہے۔ پس جیسا انسان کہ

لے اور بس کرتا ہے حسد اکام بنانے والا۔ لے تحقیق پیدا کرنے میں آسمان و زمین کے نور آگے پیچھے آنے میں رات دن کے البتہ نشانیاں ہیں علم مندوں کے لئے۔

بیدینی کا اثر

تمام آفرینش اپنے خالق کو ظاہر کرتی ہے

آئی؟ جو لوگ خداوند تعالیٰ کی ذات کے قائل نہیں وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ  
 اتفاق سے مادہ نے ایسی صورت اختیار کی اور اتفاق سے اس کو اوجھڑا ایسا کیا  
 ایسے خوبصورت اور ایسے اعلیٰ ہوئے لیکن فی الاصل اتفاق کوئی چیز نہیں ہے  
 اور اگر ہو بھی تو وہ اندھا دُشمن کام کر سکتا ہے نہ اس میں اشیاء کے جاننے کی تیز  
 ہو سکتی ہے نہ اون کو انتخاب کرنے اور ترتیب کی عقل۔ اتفاق سے یہ کیونکر ممکن  
 ہے کہ اتنی بڑی اتنی وسیع گوناگون اور بولمہوں کائنات پیدا کرے اور اس میں نہ  
 انتظام اور ترتیب ملحوظ رکھے جو تدبیر و اندیشہ کی حد سے بہت بالاتر ہے اس لیے  
 ضرور ہے کہ اس تمام کائنات کا ایسا خالق ہو جس کی غیر متناہی قدرت جس کی مجدد  
 اندازہ عقل ہو۔ جس کی تدبیر اتنی سلیم اور درست ہو کہ اس کے کاموں میں ہر اصلاح  
 کی کنجائش اور نقص کا نام باقی نہ رہے نہ کہ وہ بے ارادہ اور بلا اندیشہ پیدا ہو کتنی عمدہ  
 نظم کی کتاب ہو اور پڑھو۔ کیا کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ کسی قادر الکلام شاعر  
 کے بغیر یہ نظم پیدا ہو سکتی اور حروف جو ایک زمانہ میں علیحدہ علیحدہ تھے خود بخود اگر  
 اس طرح جمع ہوئے کہ اون سے الفاظ بنے اور پھر الفاظ اس طرح مرتب ہوئے کہ  
 اون سے فقرے بنے اور وہ بھی مقفیٰ اور مہورن۔ پھر الفاظ کی ترتیب ایسی باقاعدہ  
 اور درست واقع ہوئی کہ اس سے نہایت باریک اور نازک معنی پیدا ہوئے۔  
 لہذا معنی بھی مسلسل۔ واقعات کا خاکہ کہنیا تو ایسا کہ تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ لے کسی  
 منظر کا بیان کیا تو ایسا ہی دلفریب کہ پڑھنے والا محو ہو گیا۔ غم و غصہ۔ محبت و مبغضت  
 کی تصویریں کہیں تو ایسی عمدہ کہ آنکھوں کے سامنے سماں بندہ گیا۔ غرض ایک  
 کتاب طرح طرح کی دل چسپ اور مفید مضامین سے آراستہ ہوئی۔ اور یہ صرف  
 حروف کے اتفاقاً قائل جانے سے ہوا اور کسی شاعر کی قوت تمجید کو اس میں دخل نہیں!  
 جس اتفاق میں اتنی قدرت نہیں کہ ایک مصرع کھڑکے تو ساری نظم کھڑکے کس طرح  
 ممکن ہے۔ کوئی فلسفی جو قدرت الہی کے بطلان پر تلامبھا ہے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ کوئی  
 نظم حروف کے اتفاقاً جمع ہونے سے پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ کتاب فطرت



یہی مرتبہ  
دقانون ہے

اگرچہ میں کوئی ترتیب اور قاعدہ نہ ہوتا تو اس امر کے شبہ کرنے کی وجہ ہوتی کہ اوس پر کوئی حکمران نہیں ہے۔ مگر نیچر کے تمام سلسلہ نہایت مدبرانہ ترتیب اور کامل قوانین سے وابستہ ہیں۔ جن کو نہ کہی تبدیل کی ضرورت ہوتی ہے نہ جس میں کہی تغیر واقع ہوتا ہے اور یہ قاعدہ اس طرح واقع ہوا ہے کہ مادہ کی تمام خاصیتیں جو نہایت تیز اور قوی ہیں اوس کے حکم کی مطاوعت سے نہ صرف نظام پیدا کرتی ہیں بلکہ کوئی فعل حکمت اور کسی پہلانی سے خالی نہیں ہے پہر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ مادہ کے اپنی سرکش طاقتوں کو اس طرح قابو میں رکھا دران حالیکہ کوئی حاکم نہ ہوا۔

خدا قوانین قدرت  
کا مقصد ہے

قوانین قدرت اپنے مقصد کی بے انتہا قدرت کا اظہار اپنے فعل میں کرتے ہیں جیسا کہ کسی فاضل کی لیاقت کا نمونہ اوس کی ایجاد کی ہوئی مشین کے پرزوں اور حرکت سے ہو۔ مثلاً ایک گھنٹہ ہی ہے کہ پرزوں میں کام کرنے کی قوت ہے مگر جب تک وہ بالترتیب نہ جائے جائیں اور نہ سے ٹھیک ٹھیک وقت معلوم کرنا ناممکن ہے۔ یہ خیال کیسا مضحکہ آمیز ہوگا۔ اگر کوئی شخص بیان کرے کہ بغیر گڑی سے کی قوت فکر کے تمام پرزے اس طرح جمع ہو گئے اور فرسختے لگا۔ اگرچہ وقت گھنٹہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن تمام شکریہ کا مستحق موجد ہے گھنٹہ۔

گرچہ تیر از کسان ہی گزرد  
از کما نذر بسند اہل خرد

یہ کوئی دلیل نہیں کہ ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ خدا تو خدا ہم تو ہوا کو ہی نہیں دیکھ سکتے اور ہوا کے احساس میں قوت نہایتی شامہ باصرہ اور ذائقہ تینوں بیکار ہیں صرف سامعہ اور لامسہ اوسے احساس کر سکتی ہیں پس جس طرح کسی چیز کا بعض عہد سے معلوم ہونا محال ہے ممکن ہے کہ کسی چیز کے احساس میں بچوں کو اس ظاہری بیکار ہوں اور عقل و فورایان ہی اوس تک راہ نمائی کر سکے۔

تمام قسم کے  
محسوسات کو معلوم  
کرنے سے وہیں  
خمسہ عاجز ہیں

ہم خدا کو نہیں دیکھتے لیکن خدا کے کاموں کو دیکھتے ہیں۔ یہ عجائبات فی حد ذاتہ ایسے مکمل اور ایسے اعلیٰ ہیں کہ ان سے زیادہ بہتر ہونا ممکن نہیں اگر کوئی ان کا بنا ٹیولا نہیں ہے تو ان کی ایسی حیرت انگیز ساخت کیونکر ہوئی؟ اور یہ کمال و غریب کہاں سے

حق کوئی فضل  
بزرگ نہیں ہوتا  
تخریب آہوئی  
ہے



قوت نہیں رکھتا اور جو مادہ کہ آج سوچ سکتا ہے پچاس برس پہلے سوچنے اور سمجھنے پر قادر نہ تھا۔ مثلاً وہی مادہ جس کا ایک نوجوان لڑکے کا جسم بنا ہے دس برس پہلے جب وہ پیدا ہوا نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مادہ میں تجل کی قوت ایک خاص قسم کی ترکیب اور ترتیب اور بعض اجزاء کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک پتھر بالکل ٹی یا پھل پھول سوچنے کی قوت نہیں رکھتا ہے اور ان کو متجمل بنانے کے لیے ان کے تمام اجزاء کو ایک نئے ڈھنگ سے ترکیب دینا اور خاص طریقہ سے ایک درجہ پر پہنچانا ضرور ہے۔ وہ کون ہے جس کو یہ اندازہ ہے کہ مادہ میں اس طرح یہ تغیر پیدا کیا جائے۔ اور اس درجہ تک (نہ ذرا کم نہ ذرا زیادہ) اس کی ترکیب بدلی جائے۔ کہ یہ بے ڈھنگا مادہ ایک لڑکے کی صورت اختیار کرے اور اس میں رفتہ رفتہ ادراک فہم۔ ذہانت۔ عقل۔ شعور۔ پیدا ہو یہ مسلم ہے کہ وہی مادہ جس سے یہ صورت بنی ہے عقل سے خارج ہے پھر عقل کا پیدا کرنا اور ایسا حکیمانہ کام کرنا اس سے کیونکر ممکن ہے۔ مادہ سے بیشک سب چیزیں بنتی ہیں لیکن اس سے زیادہ احمقانہ خیال اور نہیں ہو سکتا کہ مادہ سب چیزوں کو بناتا بھی ہے اور وہ اوصاف اور ان میں پیدا کرتا ہے جو خود مادہ میں نہیں لگے یہ کہا جائے کہ مادہ اور عقل دو علیحدہ چیزیں ہیں اور انسان کا جسم ایک مادہ سے بنتا ہے اور عقل اس میں زیادہ کی جاتی ہے تو یہی کسی صانع کی ضرورت ہے جو عقل جیسے پیش بہا جو ہر کو مادہ میں ملائے کی قوت رکھتا ہو۔

مگر فلاسفہ کا قول ہے کہ دنیا اور اس کی چیزیں انسان کے لیے یا کسی مطلب کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں بلکہ خود انسان نے دنیا اور اس کی تمام چیزیں اپنے مطلب کا بنالیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان قدرت کی لاکھوں چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور ان سے آرام پاتا ہے لیکن قدرت نے ان چیزوں کو انسان کے آرام کے لیے نہیں بنایا بلکہ یوں ہی بے تمیزی سے پیدا کر دیا تھا انسان نے جن چیزوں کو جس طرح اپنے مطلب کا پایا کرتا۔ مثلاً کوئی وہمقانہ سی

کائنات کی کل  
چیزیں بیکار ہیں  
نہیں ہو رہی۔

جو عمدہ سے عمدہ نظم و نشر کی کتاب سے ہزار بار درج بہتر ہے کیونکہ بغیر مصنف کے پیدا ہو گئی! اگر پرودہ کے پیچھے سے ستار بجنے کی آواز آ رہی ہو تو کون ایسا بیوقوف ہو گا کہ جو یہ اعتبار کرے کہ بغیر انسان کے ہاتھ کی مدد کے ستار کے تار آپ ہی آپ پڑے بیچ رہے ہیں اور دلکش ترانہ پیدا کر رہے ہیں یا ایک سنان جنگل میں ایک پتھر کی صورت کھڑی ہوئی ہو تو فلسفی یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یقیناً یہاں پہلے آدمی رہتے تھے۔ اور اون کو سنگ تراشی میں بہت بڑا دخل تھا۔ مورت کے اعضا کی موزونیت۔ تراش کی خوبی اور صفائی۔ صورت اور خط و خال کی مناسبت۔ ساخت اور استادگی کے طرز میں انسان سے بالکل مشابہت صنایع کی ہنرمندی پر دال ہیں اگر کسی فلسفی سے یہ کہا جائے کہ اس صورت کو انسان نے کبھی نہیں بنایا بلکہ مادہ (داخل) کے ذریعے خود بخود اگر اس طرح جمع ہونے لگے کہ ضرور زمانہ اس قسم کی ایک مجموعی صورت پیدا ہو گئی جو انسان کی شکل سے بالکل مشابہ ہے اور ایک عمدہ کے بعد اس میں چلنے پھرنے سوچنے سمجھنے اور استدلال کرنے کی عقل پیدا ہو جائے گی تو کون اس کا یقین کرے گا؟ لیکن تعجب ہے کہ ایک گروہ اس کا قابل ہے کہ انسان جس کی تصویر بغیر بنائے نہیں بن سکتی خود بغیر صنایع کے پیدا ہو گیا اور اتفاق جو ریت کے ذروں کو ایک جگہ جمع نہیں کر سکتا کہ ایک مورت بنادے اوس نے زمین۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ سیارے۔ درخت۔ پتھر۔ انسان۔ حیوان۔ اور لاکھوں کڑوڑوں طرح کے کامل نظام پیدا کر دیے جن میں سے ایک انسان بھی ہے کہ اپنی ساخت میں ایک حیرت انگیز صنایع کا مجموعہ ہے دیگر مخلوقات کی طرح یہ بھی مادہ سے بنا ہے لیکن اس میں عقل اس درجہ پر ہے کہ کسی اور شئی میں نہیں سوچنے کی قوت اور حیوانات میں بھی ہے لیکن بہت کم۔ سوال یہ ہے کہ کیا مادہ میں سوچنے کی قوت اور عقل و تہذیب ہے اور قوت عقل و تہذیب کوئی علیحدہ چیز ہے جو انسانی مادہ میں زیادہ کی گئی ہے؟ اگر خود مادہ میں یہ قابلیت ہے کہ بغیر کسی بیادتی کے قوت میں مادہ میں موجود ہو تو یہی کم از کم یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ تمام مادہ سوچنے کی

مادہ میں قوت اور اک و نفہم نہیں ہے۔

صفا تہا لہی

احکام مذہب

پس جب اللہ تعالیٰ موجودات کے ذرہ ذرہ پر تبار اور حاکم علی الاطلاق ہے تو ضرور ہے کہ اوس کا علم موجودات کی ہر فرد سے زیادہ اوس کی قدرت کائنات کی ہر شے سے برتر اوس کے صفات تمام نقائص سے منزہ اوس کی ذات چھل بشری سے پاک و مبرا ہو اوس کی رحمت ہر دل کو ڈھارس دے اوس کا عدل ہر شخص کو تنبیہ اور تادیب کا خوف دلائے اوس کے جلال اور اس کے قہر سے ہر وقت انسان ڈرتا رہے اور جانے کہ کوئی آنکھ نہیں ہمیشہ دیکھتی ہے کوئی ہاتھ نہیں پکڑے ہوئے ہے اور جب تک ہم اوس کی مرضی کے مطابق نہ چلیں اور اوس کے احکام کی بجا آوری نہ کریں نہ دنیا میں کوئی ٹھکانا ہے نہ دین میں اور ہمارے خوش قسمتی سے اگر جہ مذہب کے بہید سمجھنے میں ہماری سمجھ قاصر ہو مگر احکام ایسے سہل اور صاف ہیں کہ نہ اون پر کار بند ہونا اگر ان سے نہ اون کی تقہیر میں ذرا وقت سے ماکر ید اللہ یجعل علیکم من خرج ولكن یرید لیطہرکم فی حقہ لعلکم تشارکون پہر یہ کس قدر خوبی ہے کہ حسن تمدن اور حسن معاشرت کی تعلیم ہے اور دنیوی فرائض کی بجا آوری اور حقوق کی نگہداشت ہی خدا کی خوشی اور رضا مندی کا باعث ہے پس اصول شریعت پر کار بند ہونا علی وجہ الکیما اس شل لائف کی صلاح ہے کہ یہ نہ کہ احکام شریعت معاملات میں عدالت ابنا می جس کے نتائج رحمت اور صداقت نیز ادا می فرائض سکھاتے ہیں اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنا علم انسان کو دیا ہے کہ انسان خدای تعالیٰ سے مدد طلب کرے اور اوس کی مرضی کے موافق کام کرے شریعت اوسکی رضا جوئی کا خاص طریقہ پس احکام شریعت میں فرصت و تنہائی کے وقت جب انسان خدای عز و جل کے سامنے سر سبز جہ کا تہ ہے اور اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہے تو اوس کا رتبہ زیادہ بلند ہو جاتا ہے اوسکی روح میں تازگی اور جلایا پیدا ہوتی ہے اور اوس کو یہ اطمینان اور تسکین حاصل ہوتی ہے کہ وہ ایسی بارگاہ میں موجود ہے جس سے بڑا کوئی دربار نہیں اور ایسے عظیم الشان شہنشاہ لہ خدا نہیں چاہتا کہ تہا ری لیے کوئی ہرج کرے بلکہ چاہتا ہے کہ مکمل پاک کرے اور تہا اپنی نعمت پوری کرے شہنشاہ

عبادت کا  
انسان پر اثر

کسی پہاڑ کے تابھوا پتھروں پر پاؤں رکھ کر اوپر چلے آ کر سے تو اس سے  
یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ ناہموار چٹانیں اس لیے بنائی گئی تھیں کہ وہ حقانوں کو  
سیڑھیوں کی طرح استعمال کرے یا اگر خوب زور کا مینہ پڑ رہا ہو اور کسی شخص کو  
وہاں کوئی ایسا غار مل جائے کہ اس میں پناہ لے لے تو اس سے یہ ثابت نہیں  
ہوتا کہ وہ غار خاص اسی کام کے لیے بنایا گیا تھا بلکہ انسان نے اس حسن اتفاق  
سے فائدہ اٹھایا۔ یہی دنیا کی تمام موجودات کا حال ہے کہ اتفاق سے بن گئیں  
نہ ان کے بننے کا کوئی خاص مطلب نہ غرض خود انسان نے ان کو اپنے مطلب کا  
پایا اور استعمال کرنے لگا۔ پس اگر تعریف ہے تو انسان کی یہ کہ اسے اپنے  
گروہ پیش کی چیزوں کے کام میں لائے گا ڈھب آتا ہے بلکہ جس کی یہ بڑی دلیل  
ہے لیکن اس سے زیادہ کمزور دلیل اور کوئی نہ ہوگی جسے سن کر منہسی آتی ہے  
دنیا کی مثال چٹان یا غار کی سی نہیں ہے جس کے ذریعہ سے انسان پہاڑ پر چڑھا  
یا دم کے دم اس نے پناہ لی بلکہ دنیا کی مثال ایک مکان کی سی ہے جس کی عمارت  
شاذ اور وسیع ہے اور جس کے دالان اور کمرے ضرورت کے لیے مناسب اور  
ایک دوسرے کے متناسب بنائے گئے ہیں جس میں نہ صرف تعمیر کی خوبصورتی  
کا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ مکین کی ضرورتوں کے لحاظ سے آرام اور صحت کا بھی  
پورا خیال ہے اور جس میں تمام بیش قیمت اور بولمکون اسباب ایسی عمدگی سے  
آراستہ کیا گیا ہے کہ اس سے زیادہ بہتر ممکن نہیں ہے اور اس کی ایک ایک  
چیز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی سوچ سمجھا اس کام کے لیے بنائی گئی تھی۔  
اس مکان میں کوئی چیز ناموزون اور بے جواز نہیں ہے اور ڈھونڈے سے بھی کوئی  
ایسی چیز نہیں ملے گی جو کسی خاص فائدہ یا غرض کے لیے نہ بنائی گئی ہو ایسی عمدہ ایجاد کی  
نسبت کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اس کی تکوین فائدہ اور ضرورت کی گئی تھی اور اتفاق سے  
وہ سب سب سے مناسب اور مفید نکلی۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ معمار قدرت کا یہ منشاء تھا کہ اس کے  
بنائی ہوئے محل نہ صرف لغزب ہی ہوں بلکہ مفید ہی ہوں فائدہ کو اس نے پہلے سے سوچا تھا

جہکا دیتی ہے اس حالت میں اوس کی روح ابتداء کی طرف مائل ہوتی ہے اور  
 اوس میں کمزوری اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے لیکن سچا مذہب انسان کو سکھاتا ہے  
 کہ انسان اشرف المخلوقات ہے وہ بیشک برگزیدہ ہے لیکن مطلق العنان نہیں  
 بلکہ اوس کے اختیارات محدود ہیں اور اس بزرگی کا حق ہر شخص کو حاصل نہیں  
 بلکہ اون کو حاصل ہوتا ہے جو اوس کے مستحق ہیں۔ یہ استحقاق وراثۃ عطا  
 نہیں ہوتا بلکہ انسان خود اوسے پیدا کرتا ہے اور جس کا دل جس رتبہ پر پہنچنے  
 کو چاہے پہنچ سکتا ہے۔ مذہب یہ بھی سکھاتا ہے کہ انسان کی قدرت اور قوت  
 بہت کم ہے اور ایسا خدا ہی قادر مطلق اوس پر حاکم ہے جو اوس کے افعال کو  
 دیکھتا اور اوس سے باز پرس کر سکتا ہے اور انکدن انسان کو اوس کے سامنے  
 اپنے پہلے بڑے کاموں کا حساب دینا اور جواب دہی کرنی پڑے گی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ  
 یُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَکُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ یَّمَا نَسُوْهُ یَوْمَ الْحِسَابِ  
 عبادت الہی ایک طرف انسان کو اپنی حد سے قدم باہر نکالنے نہیں دیتی اور  
 اوس میں عجز و انکسار کی کیفیت کو قائم رکھتی ہے دوسری طرف اوسے انسانیت  
 کے رتبہ سے گرنے نہیں دیتی اور وہ ایسے خدائی ذوالجلال کے سوا جو جسم و مادہ  
 جہت و مکان سے بالکل پاک ہے اور جسکی قوت و عظمت لا انتہائی اور کیسے سامنے نہیں  
 آسکتا۔ اس زمانہ میں جہان امور معاشرت اور لباس میں فیشن کا اتباع کیا جاتا ہے  
 خیالات میں بھی فیشن کی ہوا چل رہی ہے۔ ہر شخص یہ استثناء بعضے انگریزی کی  
 تہوڑی مہارت پیدا کرتے ہی اصول مذہب کو لغو بنا شروع کر دیتا ہے اور اون پر  
 کاربند ہونا یا احکام شریعت بجالانا تو نہ صرف خلاف جٹلمینس سمجھتا ہے بلکہ اون کو خصلت  
 رفیلہ سے بھی بدتر جو وہ جٹلمینس کے پردہ میں اختیار کر لیتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے  
 نوجوانوں نے انگریزوں کی خوبیاں نہیں بلکہ اون کی بُرائیوں اور خرابیوں کا چربہ  
 اوتار ہے بہت سے اشخاص جو عرفاً جٹلمینس کہلاتے ہیں علوم ظاہری و باطنی  
 لے ترجمہ تحقیق جو لوگ گمراہ کرتے ہیں اللہ کو راستہ سے اون کر لیتے عذاب ہے کیونکہ وہ حساب کا دن بھول گئے

تعلق اخلاص و عبادت قائم کرنے سے اوس کے دل کو ایسی تقویت حاصل ہوتی ہے جو کسی غانی بادشاہ کے اکرام اور وعدوں سے ممکن نہیں۔ خواہ کیسی ہی تہائی اور ہو کا مقام کیوں نہ ہو عبادت الہی کی حالت میں خوف و پریشانی معلوم نہیں ہوتی اور نہ تو اگر ان گزرتا ہے انسان کے خیالات اور دلی جذبات اسفل سے اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اسی سبب سے عبادت میں انشراح خاطر حاصل ہوتا ہے کیونکہ اوس کے دل میں نئی امیدیں پیدا ہوتی ہیں اور نئی کیفیتیں اوس پر اپنی تجلی ڈالتی ہیں۔ خوف و رنج و ہراس و انقباض رفع ہو جاتا ہے اور ایک طبعیاتی کی اعلیٰ کیفیت اور استغنی کا ساسور حاصل ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ وَاقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ لَکُمْ اَجْرٌۢمُ عِنْدَ رَبِّکُمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْکُمْ وَلَا اَہَمٌّ بِکُمْ یَوْمَئِذٍ۔

انسان مختلف خیالات اور مختلف حالتوں کا مجموعہ ہے کبھی اوس کا علم اتنا وسیع ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کی ماہیت اور حقیقت کی گتہ معلوم کرتا ہے اور کبھی اوس پر اس قدر جہالت طاری ہوتی ہے کہ اپنی ذات اور اپنے رتبہ کو ہی نہیں پہچانتا اور اپنے رتبہ کی شناخت میں اتنی غلطی کرتا ہے کہ جب غرور و نخوت و عجب و سرکندی کی طرف رجوع ہوتا ہے تو ریاست و شہنشاہی سے گزر کر خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور خود بینی میں ایسا گرفتار ہو جاتا ہے کہ اپنے سوا کوئی چیز اسے اعلیٰ اور برتر نہیں سمجھتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جابر اور ظالم ناخدا ترس۔ سفاک بن جاتا ہے لوگوں کے حقوق تلف کرتا ہے اور اپنی قوت غصنی کے جوش میں ملک کو برباد اور ویران کرتا ہے۔ وہ ایک مست ہٹی یا جھانٹے ہوئے شیر کی طرح ہر طرف حملہ کرتا ہے اور خوف و ہراس پہلاتا ہے۔ دوسری جانب تنزل کی طرف مائل ہوتا ہے تو اپنے رتبہ سے اتنا گر پڑتا ہے کہ جمادات اور نباتات کی پرستش کرتا ہے۔ حیوانات کو معبود جانتا ہے تو بہات میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ضعیف الاعتقادی ہرادی اخیر کے سامنے

ناکروخت  
فی ہے اور  
بی قائم  
ہے

لے تحقیق جو گولیاں لائی اور اونہوں نے لپچے کام کئے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دی اور ان کے لئے بدلہ سے ان کے پاس اور ان کو کوئی ڈر نہیں ہے نہ رنج۔



نہیں سمجھ سکتے اسی طرح ممکن ہے کہ بعض مسائل ایسے مشکل ہوں (اور وہ ہیں) کہ  
 بعض مسائل ہیں، کہ افراد انسانی میں بہت بڑے بڑے ہی اون کو نہیں سمجھ سکتے  
 اور صرف وہی لوگ اون کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے  
 خاص علم عطا فرمایا ہے اور جن کے سینے حقیقت و معرفت کے نور سے معمور ہیں  
 کوئی صحیح مسئلہ اگر کسی شخص کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ مسئلہ غلط نہیں ہو سکتا اس صورت  
 میں تصور اس کی فہم کا ہے نہ مسئلہ کا۔ دنیا میں ایسی بہت سی باتیں ہیں انسان کی سمجھ  
 میں نہیں آتیں۔ اور ممکن نہیں کہ قدرت کے تمام اصول ہر ایک شخص سمجھ سکے۔  
 لیکن کیا ہر ایک بات سے جسے وہ نہیں سمجھ سکتا انکار کر دینا مقصد نامی عقل ہے؟  
 یہ سب جاننے ہیں کہ مقناطیس میں لوہے کو کھینچنے کی قوت ہے مگر کوئی بتا کر کہ کیوں  
 ہے؟ اور اگر یہی قاعدہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے وہ غلط تو یہ بدیہی امر ہی غلط!  
 انسان میں عقل ہے لیکن ہر انسان میں بلکہ کسی انسان میں اللہ مآشا اللہ  
 کامل عقل نہیں ہے۔ اس لیے نہ تو انسان کو اپنی عقل اور علم پر اتنا بہروسہ کرنا چاہیے  
 کہ وہ تمام حقائق کو احاطہ کرنے کی کوشش کرے اور جو بات نہ سمجھ سکے اس کو  
 غلط بتا دے۔ نہ اپنی عقل کو ایسا معطل چوڑ دینا لازم ہے کہ اعتقادات حق و باطل  
 میں تمیز نہ کرے بلکہ حقیقت و معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرنی اور اون  
 لوگوں کی پیروی منسلب ہے جو علم و عقل میں ہم سے فائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ دانش مضید  
 عطا فرمائے اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہے۔

## باب چہارم اپنی ذات کا فرض انسان پر ۱۔ اصول صحت

جس طرح انسان پر خدا کا یہ فرض ہے کہ اس کو پیمانے اور اس کی عبادت  
 کرے اسی طرح اپنی ذات کا یہ فرض ہے کہ اس کی نگہداشت کرے اور اپنی صحت

دو نوے سے بے پھرہ ہیں اور صرف شراب پیئے لباس اور تکلفات ظاہری میں  
 روپیہ برباد کر نے۔ آزادی کو بے حیائی کے طور پر استعمال کر نیا لے ہیں  
 انہوں نے فصول خیر میں روپیہ برباد کرنا اور بیابانوں کا ہی سیکھا کاش یہ انگریزوں کا  
 پابندی وقت۔ ادائیگی فرائض منصب۔ تلاش علوم۔ توسیع تجارت کسب کمال  
 جب وطن جب قوم جستجوی فضیلت میں بھی اتباع کرتے مگر افسوس ہے ایسے  
 بہت کم ہیں جنہوں نے ٹھوڑا یا بہت اوصاف حمیدہ سے حصہ لیا ہو وہ اپنے باغ  
 اور خیالات کی بندھی صرف اسی میں دکھاتے ہیں کہ اپنے اسلاف کی ہر ایک شے  
 کی خواہ کسی قدر عمدہ ہو حتیٰ کہ مذہب کی بھی حقارت کریں۔ وہ اپنی عقل کو اس قدر  
 کامل اور اس قدر رسا جانتے ہیں کہ جو ادب کی سمجھ میں نہ آئے اوس کے وجود ہی  
 سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ کیا اور انکی عقل کیا۔ اور عقل بھی وہ جس کو تعلیم  
 مذہبی کی ہو اسی ذلتی ہو اور تعلیم کا معیار اگر کچھ ہو بھی تو صرف یونیورسٹی کو رس ہے۔  
 جس طرح علم نباتات کا ماہر عمدہ انجینئر نہیں ہو سکتا۔ اور ایک اعلیٰ درجہ کا مہندس علم حیوانیات  
 سے ناواقف ہوتا ہے۔ جس طرح علم عروض کا ماہر منطقی استدلال نہیں سمجھ سکتا۔  
 جس طرح ایک منجم فلسفہ پر بحث نہیں کر سکتا اور اوسکی عقل اپنے علم کے سوا دوسرے  
 علوم میں اچھی طرح نہیں دوڑتی اسی طرح علم دین بیٹے اور اوس میں کمال حاصل کیے  
 بغیر مذہب کی کہ حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی نہ ہر ایک انسان کی عقل اگرچہ علوم  
 دنیوی سے بہرہ مند ہو موز مذہب کو سمجھ سکتی ہے۔ افراد انسان قوت عقل  
 میں متفاوت ہیں بعض بہت تیز عقل اور ذہین ہوتے ہیں بعض کم بعض بالکل ہی  
 بے وقوف۔ بعض کسی خاص فن کے مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور دوسرے  
 فن میں اون کی عقل نارسا ہوتی ہے۔ مثلاً اکثر علماء کہ منطق و فلسفہ ریاضیات  
 وغیرہ میں مدطولی رکھتے ہیں قانون اور پولٹیکس میں اون کی عقل کام نہیں کرتی  
 اور اگر انتظام ملکات اون کے ہاتھ میں دیدیا جائے تو اون کا علم ذرا بھی رہنمائی نہیں  
 کر سکتا۔ بعض لوگ ایک مسئلہ کو سہولت سے سمجھ لیتے ہیں بعض بدقت بعض بالکل

مذہب کی کہ سمجھنے  
 کے لئے علم مذہب  
 کی ضرورت ہے



وہ جسم کے ذریعے سے عملاً کام میں آئیں جسم ایک آلہ ہے لیکن ایسا عمدہ اور ضروری آلہ ہے کہ کوئی نیک و بد فعل بغیر اوس کی معاضرت کے واقع نہیں ہو سکتا۔ جسمانی صحت دماغی کاموں کے لیے ضروری ہے اور صرف دماغی کاموں ہی پر منحصر نہیں انسان جو کچھ کرتا ہے اپنے جسم کے ذریعے سے کرتا ہے۔ اس لیے ہر فعل کے عمدہ طور پر جانے ہونے کے واسطے جسم کی درستی اور صحت لازمی ہے۔ بہت سے طالب علم ہیں جو علم میں صرف اس سبب سے ترقی نہ کر سکے کہ اُن کی صحت خراب تھی۔ جب حافظہ کمزور ہو جائے اور ناتوان جسم محنت نہ کر سکے تو ترقی کیونکر نصیب ہو؟

صحت کے  
فائدے

توانا اور صحیح المزاج آدمی مشکلات کا مقابلہ کرنے سے نہیں ڈرتا بلکہ جب کہیں کوئی وقت پیش آئے تو اُسے اپنے قوت بازو سے دور کر دینے کے لیے فوراً آمادہ ہو جاتا ہے۔ انسان کے لیے یہ کس قدر حسرت انگیز بات ہے کہ وہ قبل از وقت بڑھا ہو جائے اور اصول صحت پر کاربند نہ ہونے کے سبب اوس کو ایسا فاسد کرنا پڑے کہ وہ اس سے زیادہ طاقتور اور حیت و چالاک ہو سکتا تھا۔

جسمانی طاقت کو بنائے رکھنا اور صحت کو بگڑنے نہ دینا بہت سے موقعوں پر عزت و آبرو کا سبب بھی ہوتا ہے کیونکہ جن کے جسم میں طاقت ہے وہ خطرات کا دلیری سے مقابلہ کرتے ہیں اور اکثر خطروں سے بچ جاتے ہیں۔ اپنے دوستوں اور عزیز و اقارب کی بُرے وقت پر مدد کر سکتے ہیں اور نہ صرف اپنی بلکہ اور بھی جان بھی بچا دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ یہ کہ اپنے ملک اپنی قوم اپنے مذہب کی ہر طرح حمایت کر سکتے ہیں اور اسی سبب سے دنیا میں اُن کا نام روشن ہوتا و لوگ اُن کی قدر و منزلت کرتے اور وہ دوسروں کے واسطے شجاعت اور دانشمندی کی ایک شرفیاء مثال قائم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آج کل ہمارا طرز زندگی اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ جت تک ہم اپنی صحت کی خود پرداخت نہ کریں و س کا قائم رہنا ذرا مشکل ہے۔ ہم اکثر بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں اور یہی پیش کرتے ہیں جن سے جسمانی ورزش کچھ نہیں ہوتی جس کا عموماً یہ نتیجہ ہے

و تندرستی کا خیال رکھے۔ نعمتہای دنیا سے متمتع ہو اور خوشی و راحت حاصل کئے  
 صحت کی تعریف یہ ہے کہ بدن کا ہر ایک حصہ اوس کام کو اپنی طرح انجام  
 دے جو اوس کے خلق کی علت غائی ہے۔ دل و دماغ۔ پھیپھڑا۔ جگر۔ معدہ۔ رگ و  
 پٹھے۔ جلد۔ سب کسی نہ کسی کام کے لیے بنائے گئے ہیں اور ہر وقت اپنا کام  
 کرتے رہتے ہیں۔ صحت کی حالت یہ ہے کہ مزاج اعتدال کی طرف مائل ہو اور یہ کل اعضاء  
 اپنے اپنے کام ٹھیک ٹھیک انجام دیں۔ بیماری کی تعریف یہ ہے کہ اعضا غائی جسمانی  
 کو جو کام قدرتا سپرد ہے اوس کو کل اعضاء یا کوئی عضو درستی سے انجام نہ دیتا ہو  
 اور مزاج اعتدال سے منحرف ہو جائے۔ جب انسان بیمار ہوتا ہے تو ضرور کوئی سبب  
 ایسا پیدا ہو جاتا ہے جس نے بیمار ڈالا ہو اور اگر وہ سبب واقع نہ ہوتا تو بیماری پیدا  
 نہ ہوتی۔ بیماری کے بعض اسباب تو ایسے ظاہر اور صریح ہوتے ہیں کہ معمولی فطرت  
 اور عقل کا آدمی ہی سمجھ سکتا ہے لیکن بعض اسباب علالت ایسے خفی و دقیق ہوتے  
 ہیں اور اون کی تشخیص ایسی مشکل ہے کہ بڑے بڑے اطباء اور ڈاکٹر بھی اوس میں  
 قاصر رہتے ہیں لیکن خواہ کچھ ہی سبب کیوں نہ ہو اکثر بیماری خود انسان کی غفلت  
 یا اصول حفظان صحت کے خلاف کرنے سے پیدا ہوتی ہے اس واسطے اون  
 قواعد کا جانا جو حفظان صحت سے تعلق رکھتے ہیں ہر انسان پر لازم اور ضروری ہے  
 اور اسی سبب سے علم طب کا رتبہ علم دین کے برابر قرار دیا گیا ہے **اَلْعِلْمُ عِلْمُ دِيْنٍ**  
**وَعِلْمُ الْاَدْبَانِ** اگرچہ یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر شخص اس فن کو اس  
 درجہ تک حاصل کرے کہ بوعلی سینا اور علوی خان ہی بن جائے لیکن حفظان صحت  
 کے اون قواعد سے جو عموماً ہر وقت کام آتے ہیں و انہیں پیدا کر لینی واجب ہے  
 تاکہ جو امور صحت کو نقصان پہنچانے والے ہیں اون سے اجتناب کیا جاسکے اور  
 مفید صحت طریق اختیار کیے جائیں۔ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں بلکہ امانت دار ہے  
 اور یہ اوس کو صرف اس واسطے عطا ہوا ہے کہ جو باطنی اور مادی قوتیں قدرت عطا فرمائی

دہو تا پڑتا ہے۔ صحت کے صرف یہی معنی نہیں ہیں کہ جسم میں کوئی روگ پیدا نہ ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ جسم میں توانائی اور تازگی موجود ہو اور انسان توانا اور سرگرمی بانی ہو گا۔ اس مقام کو کہے کہ ان سے نفع اور خوشی حاصل کر سکے۔ انجن کا ایک پڑا بگڑ جائے تو ساری کلین چلنے سے رک جاتی ہیں اور جو بڑے چلتے ہیں وہ نہ نئی کام نہیں دے سکتے جس لئے وہ مشین بنائی گئی تھی۔ یہی حال جسم کا ہے کہ وہ بھی مزاج خراب ہو یا ذرا بھی پہانس چبھ جائے تو ساری جان بے کل ہو جاتی ہے آدمی کہتے ہیں جس کو ایک پتلا گل کا ہے۔ میر کہاں گل اوس کو جب ہو گل برا بگڑی ہوئی جب قوار سے برابر کام لیا جائے اور اون کو ضروری آرام و راحت پہونچائی جائے تو صحت حاصل رہتی ہے لیکن جو لوگ کسی خاص فن کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں خصوصاً وہ جو دماغی کام زیادہ کرتے ہیں ان کو دماغ پر تو زیادہ بار پڑ جاتا ہے اور دوسرے اعضا محطل رہ جاتے ہیں جس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اعضا سے کام لینے کا اندازہ اور قرینہ بگڑ جاتا ہے اور صحت مفقود ہو جاتی ہے۔

ہر قوم میں دو طرح کی برتری ہوتی ہے۔ ایک تو بلحاظ قوار دماغی دوسرے بلحاظ قوار جسمانی۔ صحت جسمانی کا ٹھیک ہونا دونوں کے لئے لازمی امر ہے جو قومیں جسم میں توانا اور طاقتور ہیں اون کی ذکاوت و ذہانت و دانش و فراست بھی زیادہ اعلیٰ و رتبہ کی اور زیادہ ترقی پر ہوتی ہے۔ جو لوگ دماغی محنت کرتے کرتے اپنی صحت کو خراب کر لیتے ہیں اور جن کے جسم کمزور اور ناتوان ہو جاتے ہیں اون کی عقلی قوت کا مرتبہ بھی رفتہ رفتہ گھٹ جاتا ہے اور اون کی آئندہ نسلوں کے دماغ کمزور اور ناتوان پیدا ہونے لگتے ہیں۔

انسان کا دماغ کوئی خزانہ نہیں ہے کہ وہ ان ہر طرح کے مضامین پر سے بہن بلکہ دماغ کی قوت کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر قسم کے امور سوچنے اور ہر قسم کے واقعات سے صحیح نتائج استنباط کرنے کے لائق ہو اور صرف یہی قوت ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہو سکتی ہے ورنہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے علم کا ذخیرہ

صحت تو ترقی کا سبب ہے

کہ روز بروز قوت میں کم ہوتی اور عمر میں گھٹتی جاتی ہیں لہذا حفظانِ صحت کے اصول واقفیت حاصل کرنا اور اون پر کاربند ہونا نہایت ضروری بلکہ فرض ہے حالت بیماری میں انسان اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ زود رنج و بد رنج ہو جاتا۔ اور دوسرے لوگوں پر بار خاطر ہوتا ہے۔

طلباء کی صحت

طلباء کو اپنی صحت کی حفاظت نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر اون کی صحت خراب ہوئی تو زندگی بجا ہی خوشی کے رنج پہنچانے لگے گی مطالعہ چھٹ جائے گا اور اگر نہ بھی چھٹے اور وہ وہ رتبہ حاصل کر لیں جو اون کو مد نظر تھا تو بھی بعد فرائض تحصیل علم بیکار ہو جائیں گے اور اس علم کا کچھ پھل نہ پاسکین گے۔ افسوس ہے کہ شوقین طلباء اس طرف بہت کم خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ رات دن دماغی محنت کرنا اور جسمانی ورزش ٹکرنایا کتاب کا کھڑا بن جانا قوائی بدنی کو کمزور کرتا اور جسم کو گھن لگا دیتا ہے۔ کاریگر اپنے اوزاروں کو سپاہی اپنے ہتھیاروں کو ہر وقت تیز و صاف رکھتے ہیں۔ طلباء کو بھی اپنے جسمانی اور دماغی قوا کو ایسا صحیح رکھنا چاہئے کہ اون سے پورا پورا کام لے سکیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص امیر ہے کوئی غریب ہے کوئی عیش و آرام کے مزے اڑا رہا ہے کوئی رات دن محنت و مصیبت میں پہنسا ہوا ہے تو ہمیں اون کی غلامی اور پیرونی حالتوں کے اس قدر اختلاف پر تعجب ہوتا ہے لیکن ہمیں اس وقت یہ خیال نہیں آتا کہ خوشی تو ہم ہی میں سے پیدا ہوتی ہے اور صحت جسمانی اصلی خوشی حاصل کرنے کا سرچشمہ ہے یہاں ایسی دولت ہے کہ ممکن ہے کہ فقیر کے پاس ہو اور پادشاہ اس کے لیے ترسا کرے اور جب صحت حاصل نہیں ہے تو دولت کے سامان اور شان و شکوہ کے اسباب سب بیکار و بیج ہیں صحت خدا کا ایسا بڑا عطیہ ہے کہ قارون کا خزانہ بھی اوس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ بعض لوگ اس کی پروا نہیں کرتے اور اپنی نادانی و نا عاقبت اندیشی و بے توہمی سے اسے کہو ویسے ہیں یا خطرات میں ڈال کر ایسا خراب کرتے ہیں کہ پھر صحت سے ہاتھ

بدن میں خوب ہوتا ہے اور اعضا اچھی طرح سے حرکت کرتے ہیں اگر کسی پر میر  
 کی جائے اور دن بہر بیٹے ایک کام کیے جائیں یا کتاب پڑھے جائیں اور بدن  
 خمیازہ بہگتا پڑے تو یہ خود اپنا قصور ہے۔ فطرت کا قاعدہ ہے کہ وہ نعمت کی  
 دے بغیر نہیں چھوڑتی۔ جب اپنے ہاتھوں اپنی صحت بگاڑی جائے تو طبی و رزش  
 ہے کہ کم از کم دو تین گھنٹہ کھلی ہو این میر یا کچھ ورزش کرنی ہر شخص کو  
 بیڈوس۔ کرکٹ۔ فٹ بال۔ ٹینس وغیرہ کھیل۔ ورزش میں داخل ہر شخص قدر  
 نہ صرف صحت کو درست کرتے ہیں بلکہ کام کرنے کی قوت بخشنے ہیں تو جو تو دینیں  
 اس قسم کے کھیل باہم مل کر کھیلنے سے اخلاقی اثر بھی عمدہ پڑتا ہے کیونکہ اسے خون  
 کسی غرض یا لالچ کے یا ہم مل کر کام کرنے کی عادت پڑتی ہے اور جو اچھا کھیل چھوڑ  
 ہیں اون کی وقعت کرنا اور خود ہی اسی قدر مشق بہم پہنچانے کی تہمیر ہی مکان  
 جنگل میں شکار کرنا اور یا میں چھلیاں پکڑنا میدان میں ہوا کی آمد و رفت خوب  
 تالابوں میں تیرنا۔ غرض تمام قسم کے اسپورٹس اور ہوا جاتا ہے اور آلات تنفس صاف  
 بدن کو صحت کرتے ہیں اور وقت بڑھ نہیں ہوتا۔ رات کو منہ لپیٹ کر سونے کی  
 بزرگوں کی زندگی ان ہی مشاغلہ ہوا کھڑے کے اندر نہیں جاسکتی اور وہی خراب  
 کہیں زیادہ طاقتور اور ہوا آلات تنفس کو خراب کرتی ہے۔

اور کہتی کرنے کی ضروری کرنا۔ جنگل۔ میدان۔ کہیت۔ اور باغ میں دور دور کھل جانا  
 کیاریاں بنانا پودوں کی قدرتی قوت سے دل بہلانا۔ حفظان صحت کے لیے اول  
 اپنے ہاتھ سے تین و آسمان۔ جنگل اور میدان۔ ندی۔ نالے۔ دریا اور تالاب  
 چیزوں کی قدر کرنی کے سبق آموز ہیں اور جو کچھ ہم کتابوں سے سیکھتے ہیں اوس سے  
 ایک چھوٹی سی کتاب ہے کہیں کیونکہ ایسے مقامات کی سیر کرنے سے قوت متحیل کو بہت بڑی  
 کے لطف اوٹا۔ ایسے مقامات پر قدرت کے دل فریب منظر دیکھنا اور اوسکی بے انتہا  
 ہے اسی طریقوں کا مزا لوٹنا نہ صرف چاق و چوبند کرتا ہے بلکہ افکارات اور پریشانی  
 لیکن اگر المیہ کو دور کر کے تسکین و راحت بخشتا ہے اور جو دل کہ پہلے آلام اور

اپنی اولاد میں منتقل کر دے۔

انسان کے واسطے جس قدر نعمتیں دنیا میں پیدا کی گئی ہیں اون کو حاصل کرنے اور اون کا حفظ اور بچانے کے لیے خود انسان کو اکتساب کی تکلیف اور مٹھانی شہر طرار دی گئی ہے۔ یہی حال صحت کا ہے کہ اصول صحت پر کاربند ہونے اور قوانین حفظان صحت پر عمل کرنے سے صحت قائم رہتی ہے۔ چونکہ عمل کرنے سے پہلے علم ضروری ہے۔ حفظان صحت کے قواعد جاننے اور اون کو کام میں لانے سے انسان بہت سی ایسی بیماریوں سے بچ سکتا ہے جو آب و ہوا کے ماحول نہ ہونے یا غذا اور لباس و مسکنات کی خرابی سے پیدا ہوتی ہیں۔ بیمار بڑھ کر علاج کرنے سے بہتر ہے کہ عالم صحت میں بیماری سے محفوظ رہنے کی تدبیر کو کوشش کی جائے اور اس کے لیے یہ ضرور ہے کہ صحت قائم رکھنے اور انحراف اعتدال مزاج سے بچنے کی تدابیر کا ہمیشہ خیال رکھا جائے اگرچہ پرہیز علاج سے بہتر ہے لیکن اگر بیماری زیادہ ہو اور بغیر دوا استعمال کیے جا ہی نہ سکے تو دوا استعمال کرنے کا مضائقہ نہیں۔ دوا بیماری کا استیصال نہیں کرتی۔ بیماری کوئی مادہ ہی نہیں ہے کہ اس کا استیصال ہو سکے بلکہ دوا کا فعل یہ ہے کہ اعتدال میں نقص واقع ہونے کے سبب جو خرابی پڑی ہے اس کو روکتی ہے اور طبیعت اس نقص کو دور کرتی اور اصلی حالت پر لاتی ہے۔ دوا طبیعت کو مدد دینے کا آلہ ہے نہ کہ بیماری کو دور کرنے کا۔ حالت بیماری میں دوا بیشک مفید ہوتی ہے لیکن صحت کا قیام دوا کے ذریعے سے نہیں طبیعت کی قوت کو قائم رکھنے سے ممکن ہے اور طبیعت کی قوت ہو یا فانی غذا لباس وغیرہ غرض سہ ضروریہ کے اعتدال پر منحصر ہے نہ کہ دوا پر اس لیے مناسب ہے کہ حفظان صحت کے چند ضروری اصول اس موقع پر مختصر بیان کیے جائیں۔

ن

۱۔ جسمانی ورزش اور تفریح۔ اعضائے جسمانی کا نمو اور اون کی صحت ورزش پر منحصر ہے ہر عضو۔ ہر رگ۔ ہر ٹیچہ۔ ہر ہڈی ورزش سے توانا ہوتی اور بڑھتی ہے اور ان میں زیادہ کام کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ ورزش کرنے سے خون کا دوران

دیکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک تیرہری کے پر میں جو خوشنما اور حیرت انگیز رنگ ہیں وہ ناک کے کسی پردہ میں نہیں۔ عیش پرستی اور لہو و لعب کی زندگی کو ہم لوگ مرنے کی گزران کہتے ہیں لیکن اصل میں یہ طرز حقیقی خوشی سے بہت دور ہے۔ اور جب اس کا نقصان اوٹھا پڑتا ہے تو لوگ دنیا کو بڑا کہنے لگتے ہیں لیکن اصل میں خود انسان ہی کا قصور ہے انسان کی زندگی کی قیمت اس کی اخلاقی حالت سے اندازہ کی جاسکتی ہے۔ روح اور جسم دونوں مل کر انسان کی تکمیل کرتے ہیں۔ روح کا کام یہ ہے کہ وہ جسم پر عقلندی سے حکم چلائے اور اس کو بھٹکنے نہ دے لیکن اگر اس کے خلاف جسم روح پر حکم چلائے اور عقل کا کہا نہ مانے تو روح و جسم کا ملاپ نہیں رہ سکتا اور انسان بے وقوف اور مصیبت زدہ بن جاتا ہے۔

پڑھنا  
مہر

صحت زیادہ تر عمدہ عادات اور استعمال کی اشیاء پر منحصر ہے اور اگر اس کا خیال رکھا جائے تو ادویات کی ضرورت نہیں پڑتی اصول صحت کے خلاف نہ کرو اور طبیعت کو اس قدر توانا اور لبناش رکھو کہ امراض کی مزاحمت کر سکے۔ تو یہ ہزار دواؤں کی ایک دوا ہے۔ غصہ۔ غم۔ رنج۔ فکر۔ نفرت اور خوف بشت کو کہو دیتے ہیں اور اسی سبب سے صحت پر برا اثر ڈالتے ہیں۔ اس کے برخلاف بشت خوش دلی۔ نیک مزاجی۔ تسکین خاطر۔ صحت کے بڑے مدد ہیں۔ بستی کا بنی۔ عیاشی۔ اوباشی سے اس قدر لوگ قبل از وقت مرتے ہیں کہ زیادہ محنت اور کام کرنے سے ہرگز نہیں مرتے۔ اگر علی الصبح اوٹھ کر ورزش اور ہوا خوری سے دماغ کو تازہ کیا جائے اور پڑھنا گاری کی عادت ہو تو سخت سے سخت محنت کا بھی تحمل ہو سکے گا۔

تہذیب  
صحت

یہ کہ تم تجب کی بات نہیں ہے کہ وہ حیوانات جن میں نہ انسان کی برابر عقل ہے نہ علم ہے اپنی اپنی عمر طبعی کو پہنچ جاتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ عمر طبعی سے پہلے مرن۔ مثلاً کتا سولہ سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ بلی دس سال تک۔ گھوڑا پچیس سال تک یہ حیوانات عموماً اتنی عمر تک زندہ رہتے ہیں۔ لیکن انسان کی



کے پوچھنے سے دبا جاتا تھا کسی قدر یکا بہت کچھ ہلکا ہو جاتا ہے اور طبیعت پریشا  
 چھا جاتی ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ نہ معلوم ہو کہ یہ انقلاب کیونکر ہوا۔ کسی نے سقراط  
 سے پوچھا کہ سچی تفریح کیا ہے اوس نے جواب دیا کہ سچی تفریح وہ ہے جو شہزاد  
 خوشنما صورت۔ خوشبودار مہک اور دل فریب آواز یا کسی ایسی چیز سے پیدا ہو جسکی  
 موجودگی مسرت بخش اور دل خوشکن ہو لیکن اگر وہ کیفیت جاتی رہے تو تکلیف نہ ہو  
 ایسے اوصاف کا مجمع سوائے سبز و شاداب جنگون یا باغون کے اور کہاں مل سکتا ہے  
 قدرتی پہولون کے رنگ سے زیادہ عمدہ رنگ اون کی صورت سے زیادہ خوشنا  
 اور دل فریب صورت اون کی خوشبو سے زیادہ بہتر خوشبو جو ہوا میں عطر افشانی کر کے  
 اپنی مہک کو دور دور پہونچاتی ہے اور کہاں مل سکتی ہے؟ اور جہاں وہ چھوٹے  
 چھوٹے آزاد گوئیہ جو رنگارنگ کے پروں کا فاخرہ لباس پہنے ہوئے اون قدرتی  
 نازنینوں کی محل میں خالق اکبر کی قدرت کے راگ ڈال ڈال پرکاتے پھرتے  
 ہیں ثابت کرتے ہیں کہ ان کی آواز سے زیادہ دلکش کوئی آواز نہیں ہے۔ اور  
 پھر کس قدر بے آزار کہ جب یہ سمان بدل جائے تو نہ کسی دل پر طالع کسی طبیعت پر  
 لوگ بعض موسمون کو برا کہتے ہیں لیکن اصل میں کوئی موسم برا نہیں ہے۔  
 ہر موسم میں تفریح حاصل ہوتی ہے لیکن مختلف طرح سے۔ گرمی۔ جاڑا۔ برسات  
 موسم بہار اور خزان۔ صبح اور شام۔ رات اور دن۔ دھوپ اور ابر۔ دریا اور سمندر  
 درخت اور پودے۔ پہل اور پھول بلکہ موجودات عالم کی کل چیزیں اور ہر ایک کا تغیر  
 حقیقت میں نظر کے لیے دل فریب ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم ان سے لطف  
 اوٹھانا نہیں آتے۔ ہم رات رات بہر تہیٹیر کے دنگل اور تلچ گانے کے جلسوں میں  
 صرف کردیتے ہیں جو مضر صحت مضر اخلاق اور صرف بیجا میں داخل ہیں۔ اور ان  
 بے انتہا مسرت بخش چیزوں سے حظ حاصل کرنے کی ہمیں پروا ہی نہیں ہوتی  
 یہ ہماری تعلیم اور تربیت کا قصور ہے کہ ہم کو بچنے میں اصلی خوبصورتی کی قدر کرنا اور  
 اوس کا حظ اوٹھانا نہیں سکھایا جاتا لیکن جو لوگ چشم بصیرت سے خالق کی دستکاریوں کو



انتظام رکھیں اور حفظان صحت کے اصول پر عمل کریں تو اس آبادی میں بیماری بہت کم ہو جائے گی اور اموات گھٹ جائیں گی۔ ایک شخص کی مضر صحت عادتیں صرف اسی کو نقصان نہیں پہنچاتیں بلکہ اس کے ٹروسیوں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اس طور پر جو چیز ایک شخص کو نقصان پہنچا سکتی ہے وہ تمام آبادی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور یہی وبائی امراض کے شیوع کی اصل ہے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جہاں آبادی زیادہ ہوگی وہاں امراض کے اسباب ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اگر ان اسباب کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو ہمیشہ بڑھتے جائیں گے۔ افسوس یہ ہے کہ لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اس وقت تک ان کو خبر نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی سخت وبائی مرض پہل چلائے اور لوگوں کی جان معرض ہلاکت میں نہ پڑے۔ اس سبب سے مہذب سلطنتوں نے لوگوں کو صفائی رکھنے پر قانون نافذ کر لیا ہے اور اگر بازاروں، سڑکوں اور آبادی کے قریب مقامات پر کوئی شخص غلاظت پھیلائے تو قانوناً اسے سزا ملتی ہے ہماری گورنمنٹ کی یہ توجہ بیشک قابل شکر یہ ہے۔ اور لوگوں کو ان قوانین کی سخت پابندی کرنی چاہیے۔ لیکن میری یہی چاہیے ویسی صفائی نہیں رہتی۔ اور یہ گورنمنٹ کا قصور نہیں بلکہ عام رعایا کا قصور ہے کہ وہ اپنے مکانات وغیرہ صاف نہیں رکھتے۔ اگر ہر شخص اس قدر انتظام رکھے کہ اپنا مکان اور مکان کے گرد و نواح کی جگہ صاف پاک رکھے تو سارا شہر صاف رہے اور لوگوں کی صحت میں خلل نہ ہو جس شخص کے مزاج میں صفائی کا خیال نہیں وہ صرف اپنا ہی نہیں بلکہ سب لوگوں کا دشمن ہے۔

لیونکہ قوم کی زندگی اور قوت کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کی آبادی نہ صرف وسیع بلکہ تندرست بھی ہو اور قوم کے بہت سے افراد کی صحت و تندرستی علم و صنعت و قدرتِ اعت اور تجارت میں کامیابی کا سبب ہوتی ہے۔ پس جو شخص کہ لوگوں کی صحت میں خلل ڈالنے کے کام کرے وہ اپنی جان کا اور ان تمام لوگوں کا جو اس کے ساتھ جانی و جسمی ہوا۔ پانی اور غذا۔ دنیا میں جہم کے قائم رکھنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت

طبعی عمر ستر سال ہے اور اس کی زندگی کا یہ حال ہے کہ باوجود فضل و دانش کے جن ممالک میں حفظانِ صحت کا بہت خیال ہے وہاں بھی بحسب اوسط عمر بیالیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی یہ تہذیب اور شناسائی بھی انسان کے لیے باعثِ مضرت واقع ہوئی ہے۔ لوگ بڑے بڑے شہروں اور گنجان آبادیوں میں رہتے ہیں۔ اونچے اونچے مکانات اور عمارات بناتے ہیں۔ کھانے پینے میں وہ وہ تکلفات کرتے ہیں کہ تواریخِ معصرہ و جگر (جاذبہ دماغہ و دافعہ) کے لیے مضر ہو جاتے ہیں۔ شراب و کباب کی لذتوں میں چکرِ صحت کو خراب کر لیتے ہیں اور عیاشیوں کا تو کیا کہنا ہے جو رات دن رنگریلیاں منائیں اور اپنی صحت کو بگاڑ لیں اسی طرح بعض لوگ ایسے پیشہ کرتے ہیں کہ وہ بھی مضرت سے خالی نہیں۔ مثلاً قصابی۔ رنگریزی۔ دباغی وغیرہ۔

حسّانوں کی نسبت انسان پر وبائی امراض کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ موروٹی امراض کا اثر بھی انسان پر زیادہ پڑتا ہے۔ تمدنِ انسان کو عزت گزینی اور آبادی سے کنارہ کشی کی اجازت نہیں دیتا اور ان سب کا یہ نتیجہ ہے کہ بہت کم انسان عمرِ طبعی کو پہنچتے ہیں اور بہت جلد موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۳۔ صفائی۔ طبی تحقیقات سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ بہت سی متعدی بیماریاں غلاظت کے وجود اور صفائی کے نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہمارا بدن ہمارا گھر۔ ہمارے ارد گرد کی کل جگہ۔ پانی کہاں۔ سب نہایت صاف اور پاک ہونا چاہیے۔ بدن کو صاف رکھنے کے لیے ہر روز صاف پانی سے نہانا لازم ہے انسان کے بدن میں وہ مادہ جو جسم کو بناتا اور بدل مایکل ہوتا ہے ہر وقت پکتا رہتا ہے اس مادہ کے پکے میں بہت سا میل اور فضلہ باقی رہ جاتا ہے۔ فضلہ مسامات کی راہ سے پسینہ کے ساتھ نکلتا ہے اس واسطے مسامات کو کشادہ رکھنے چاہیے بدن صاف رکھنا نہایت ضرور ہے۔ ورنہ جلدی امراض پیدا ہو کر صحت خراب جاتی ہے۔

لوگ شہر وں قصبوں اور گاؤں میں مل کر رہتے ہیں اگر سب لوگ صفائی کا

(نو ساور) ملا ہوا ہوتا ہے لیکن یہ پھرین ہوا کے اجزاء نہیں ہیں۔ کاربانک ایسڈ گیس اور امونیا تو ایسی کم مقدار میں ہوتے ہیں کہ تنفس پر ان کا کچھ اثر نہیں پڑتا نہ یہ دونوں انسان کی حیات کے لیے ضروری ہیں البتہ نباتات پر انکا بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ جہاں کہیں آبادی گنجان ہے اور صفائی کا خیال نہیں ہے وہاں بھی ہوا میں نباتی اجزاء زہریلے بخارات حیوانات کے فضلات کی دھڑی اور ایسی ہی مضر اجزاء ہوتے ہیں آکسیجن اور نائٹروجن جو ہوا کے اجزاء ہیں تقریباً ایک اور چار کی نسبت سے ہوتے ہیں یعنی نوا حصہ ہوا میں آکسیجن اور اٹاسی حصہ نائٹروجن گیس ہوگی۔ ان میں آکسیجن مدحیات ہے اس سے خون صاف ہوتا ہے زندگی قائم رہتی ہے آگ روشن ہوتی ہے۔ یہی گیس الکی الکی بدن کے اندر جلتی رہتی ہے لیکن یہ گیس بہت تیز ہے اگر صرف آکسیجن ہی ہو تو ایک دم سے جل اٹھے اور ساری کائنات جلا دے۔ انسان اور حیوان سب جل کر خاکستر ہو جائیں قدرت کا کوئی فضل حکمت سے خالی نہیں اس نے اس کے ساتھ نائٹروجن اتنی مقدار میں ملا دی ہے کہ یہ تیزی کم ہوگئی اور اوسے قدر رہ گئی جس قدر بکار آمد اور مفید ہے۔ نائٹروجن بے آزار گیس ہے اور وہ آکسیجن کی حرارت اور تیزی کو اعتدال پر رکھتی ہے لیکن نائٹروجن فی نفسہ مدحیات نہیں ہے اگر کسی حیوان کو صحت نائٹروجن گیس میں رکھا جائے تو فوراً مرجائیگا۔ یا مجمع روشن کرو لو گل ہو جائے گی۔ غرض مفید حیات وہی مرکب ہے جو قدرت کاملہ نے پیدا کیا ہے۔ سانس کے ساتھ جو ہوا باہر نکلتی ہے اس میں آبی بخارات ملتے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر ایک جوان آدمی کے سانس کا اندازہ کیا جائے تو چوبیس گھنٹہ میں نواؤں سے لیکر گیارہ اونٹ تک پانی سانس کے ساتھ نکل کر ہوا میں مل جاتا ہے۔ جاڑے کے موسم میں تو یہ بخارات صاف منہ سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کسی آئینہ پر سانس لو تو اس کی سطح بھیگ جاتی ہے آبی بخارات کے علاوہ کاربانک ایسڈ گیس بھی سانس کے ساتھ نکلتی ہے آبی بخارات اور کاربانک ایسڈ گیس

ہوا کی خرابی  
کے اسباب

ہوتی ہے۔ مثلاً ہوا۔ پانی۔ کھانا۔ کپڑا دھوپ لیکن ان میں ہوا سب سے زیادہ مفید ہے۔ انسان پیدا ہوتے ہی سانس لیتا ہے اور جب مرتا ہے تب ہی سانس بند ہوتا ہے۔ اگر ایک دم سانس لینے کو ہوا نہ ملے تو جان کے لالے پڑ جاتی ہیں دم گھٹ جاتا ہے۔ جان ادا ہوئی ہو جاتی ہے اور اگر تھوڑی دیر یہ حالت رہے تو دم نکل جاتا ہے۔ دنیا میں ہوا کی کمی نہیں جس قدر قیام زندگی کے لیے اس کی زیادہ ضرورت ہے قدرت نے اسی قدر افراط سے پیدا کی ہے کہ میسر خج کیے بغیر بلا طلب ملی جاتی ہے لیکن اس دنیا میں انسان کے واسطے جو خیر مہیا کی گئی ہے خواہ دنیا میں اس کی قلت ہو یا کثرت ہو انسان کی محنت اس میں ضرور درکار ہے۔ ہوا کے پیدا کرنے میں انسان کی محنت کی ضرورت نہیں لیکن صاف رکھنے میں انسان کی محنت کو بڑا دخل ہے۔ زندگی کا دار رشیک ہو ایر ہے لیکن صحت قائم رکھنے کے لیے صاف ہوا کی ضرورت ہے اگر ہوا نا صاف ہوگی تو صحت کو نقصان پہنچائے گی اور اگر بہت ہی خراب ہوگی تو بجائی قیام حیات کے موت کا باعث ہوگی اور ہر ایک کی نہیں بلکہ ہوا کی خرابی شہر کے شہر صاف کر دیتی ہے۔ اکثر بڑے شہروں اور آبادیوں میں بیماری کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اس بستی کی صفائی اچھی نہیں ہوتی اور ہوا میں زہریلے اور مضر صحت بخارات ملے رہتے ہیں اور وہی ہوا سانس کے ساتھ پھینپھٹے میں جاتی اور جسم کو خراب کرتی ہے۔ ایک جوان آدمی ایک سانس میں ۱۰۰ پیچیس یا تیس مکعب انچ ہوا سونگھ جاتا ہے اور اگر بڑا سانس لے تو اس سے کہیں زیادہ یعنی ایک سو تیس مکعب انچ یا ایک گیلن ہوا سونگھ سکتا ہے۔

الکی ترکیب

ہوا گویا ایک سمندر ہے جس میں ہم اس طرح رہتے ہیں جیسے مچھلیاں پانی میں سطح زمین سے چھاس میل تک ہوا اس قابل ہے کہ اس میں سانس لیا جاسکتا ہے۔ آگے بڑھ کر ہوا تو موجود ہوتی ہے مگر اس قدر نہیں کہ سانس لیا جاسکے یا کوئی جاندار زندہ رہ سکے۔ یہ ہوا دو گاسون سے مرکب ہے ایک کا نام آکسیجن ہے اور دوسرا نام نائٹروجن۔ اس کے علاوہ ہوا میں آبی بخارات کاربانک ایسڈ گاس اور امونیا

مردہ جانوروں اور نباتات کے سڑنے سے بھی ہوا خراب ہوتی ہے کیونکہ انہیں سے متعفن بخارات نکل کر ہوا میں مل جاتے ہیں اور جب سانس کے ساتھ اندر جاتے ہیں تو صحت پر خراب اثر ڈالتے ہیں اس واسطے مکان اور اوس کے ارد گرد کی زمین کو کوڑے اور فضلات سے بہت پاک رکھنا چاہیے۔

میلے کپڑے اور میلی دیواریں اور میلا اسباب بھی ہوا کو خراب کرتا ہے۔ اور ان میں سے بدبو آتی ہے لہذا گھر کی ساری چیزوں کو حتی الامکان پاک و صاف رکھنا واجب ہے جس مکان میں دروازے اور کھڑکیاں اتنی کافی ہوں گی کہ ہوا۔ اور دھوپ آسکے تو اوس میں بدبو کی شکایت نہ ہوگی۔

جس طرح انسان کے جسم میں ہوا داخل ہوتی ہے اوسی طرح زمین کے اندر بھی داخل ہوتی ہے لیکن جب اوس میں سے نکلتی ہے تو بہت سے بخارات اور نباتی حیوانی مادوں کے ذرات اور خراب اجزاء جو زمین میں موجود ہوتے ہیں ہوا میں مل جاتے ہیں۔ جہاں کہیں کوڑا کرکٹ مزبلہ اور ناپاک فضلات اور ایسی ہی بدبو دار چیزیں پڑی ہوتی ہیں۔ موریان بہتی ہیں۔ فضلات کے ڈھیر لگے رہتے ہیں وہاں کی زمین میں زہریلے مادہ بہت زیادہ ہوتے ہیں اور بہت کثرت سے ہوا کو خراب کرتے ہیں اس کا علاج یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو گھر کی اور گھر کے گرد و نواح کی زمین چمک و صاف رکھیں۔ قبرستان آبادی سے دور بنائیں۔ مویشی کو کھلے میدان میں رکھیں۔ گھر کا کوڑا اور تمام فضلات کو نکال کر دور پہنکوا دیا کریں اور وہ تدابیر اختیار کریں جو ہوا کو صاف رکھتی ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ مکان میں ہوا اور دھوپ آئے گا راستہ کافی ہو دوسرے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو صفائی رکھی جائے۔ مکان میں چیت کے قریب درآمد و برآمد ہوا کے لئے دریچہ رکھنے چاہئیں تاکہ خراب ہوا نکل جائے اور باہر کی صاف ہوا اندر داخل ہو اور عیسوی باہر کی ہوا صاف و ایسی ہی کمرہ کو اندر کی ہوا صاف ہوا سے دوسرے درجہ پر پانی کی ضرورت ہے۔ اگر کھانا نہ ملے اور پانی ملتا رہے تو انسان چند روز تک زندہ رہ سکتا ہے۔ انسان کے جسم سے پانی کی طرح خارج ہوتا ہے

صحت کے لیے مضر نہیں لیکن ان دونوں کے علاوہ سانس کے ساء مادہ بھی نکلتا ہے اور یہ چیز البتہ مضر صحت ہے اور اگر ہوا میں زیادہ مقدار میں ملا ہوا ہو تو قاتل ہے۔ اس طرح سانس لینے سے ہوا خراب ہو جاتی ہے اور اگر وہی ہوا جو ایک بار سانس ساتھ یا ہر گلی ہے پھر سانس کے ساتھ اندر جاتے صحت پر بُرا اثر ڈالتی ہے۔ جن چھوٹے چھوٹے مکانوں میں بہت سے آدمی مل کر رہتے ہیں اون کی صحت اسی سبب سے خراب ہو جاتی ہے کہ جو ہوا سانس لینے سے خراب ہو گئی ہے وہی ہوا پھر اون کو سونگھنی پڑتی ہے اور اس طرح خون صاف نہیں رہتا بلکہ غلیظ اور خراب ہو جاتا ہے اور بیماری کے بچ بچ کر پکڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ درد سر، بخشمی، کمزوری وغیرہ امراض پیدا ہوتے ہیں جو لوگ کھلم کھلا تو مین رہتے ہیں اون کی صحت اسی سبب سے شہر کے اندر رہنے والوں کی نسبت زیادہ عجزہ ہوتی ہے۔

ہوا میں جو خراب مادہ ملا ہوا ہوتا ہے وہ دکھائی نہیں دیتا لیکن بدبو محسوس ہوتی ہے اور اگر بدبو زیادہ ہو تو سمجھ لو کہ اس میں خراب اجزاء بھی زیادہ ہیں جو لوگ صاف ہوا میں رہنے کے عادی ہیں اون کو ذرا سی بدبو بھی صاف محسوس ہوتی ہے اور وہ پہچان جاتے ہیں کہ فلان جگہ کی ہوا خراب ہے اور جان تک ممکن ہو اوس کے صاف رکھنے کی تدبیر کرتے ہیں لیکن جو لوگ خراب اور بدبودار ہوا میں رہتے ہیں وہ اس کے ایسے عادی ہو جاتے ہیں کہ اونہیں محسوس نہیں ہوتا کہ ہوا میں کیا کچھ خراب اور بدبودار اجزاء ملے ہوئے ہیں۔

تنفس حیوانات کے علاوہ اور اسباب بھی ہیں جو ہوا کو خراب کر دیتے ہیں۔ مثلاً آگ اور لمپ کے جلنے سے بھی ہوا خراب ہوتی ہے کیونکہ آگ اور لمپ وغیرہ بغیر کسیجن کے نہیں جل سکتے اور اس طرح ہوا کی کسیجن جو مدحیات سے خراج ہو جاتی ہے اور اس میں سے کاربانک ایسڈ گاس اور طرح طرح کے بخارات نکل کر ہوا میں ملتے ہیں اس لیے جس کمرہ میں آگ یا لمپ زیادہ روشن ہوں وہاں ہوا بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

تقریباً ۳۰ وزن پانی کا ہے۔ جو چیز ہم کھاتے ہیں اوس میں کم و بیش پانی ملا ہوا ہوتا ہے۔ سیر ہر گوشت میں جو میں اونس پانی ہوتا ہے یہی حال انوکھ کا ہے آدھ سیر چاتیوں میں چھ اونس پانی ہوتا ہے۔ ترکاریوں میں عموماً  $\frac{1}{4}$  حصہ پانی ہے شربت۔ چاء۔ کافی وغیرہ تو پانی ہی ہیں۔ کھانے اور سالن میں بہت سی چیزیں پانی سے پانی کے حاصل ہونے کے بہت سے ذرائع ہیں اون میں سے بعض کا پانی بہت صاف ہوتا ہے بعض کا غلیظ۔ بعض کا بے احتیاطی سے ناصاف ہو جاتا ہے اور اگر احتیاط رکھی جائے تو پاک و صاف رہتا ہے۔

بارش کا پانی

بارش کا پانی زمین پر پڑنے سے پہلے بہت صاف و مقطر ہوتا ہے اور کسی صاف برتن میں جمع کر کے پینے تو بہت مفید صحت ہے۔ ہند کے بعض مقامات میں لوگ چھتوں یا زمین کے غاروں سے بارش کا پانی جمع کرتے ہیں لیکن یہ پانی صاف نہیں رہتا کیونکہ اس میں چونہ مٹی۔ اور اوس کے ساتھ اور بہت سے خراب اجزاء مل جاتے ہیں۔

دریا کا پانی

دریا کا پانی عموماً ناصاف اور بد مزہ ہوتا ہے اوس میں مٹی اور کوڑھ وغیرہ بہت ملا ہوا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے دریاؤں کا پانی جو بہت تیز بہتے ہیں جہاں سے اور صاف کرنے کے بعد پینے کے قابل ہو سکتا ہے۔ دریاؤں کے پانی خراب ہونے کا سبب یہ ہے کہ عموماً بڑے بڑے شہر دیہات اور گاؤں دریا کے کنارے آباد ہوتے ہیں لوگ اون میں جا کر مناتے اور کوڑھ اور فضلہ پھینکتے ہیں۔

مردے جلالتے اور کپڑے دھوتے ہیں اور سارے شہر کی موریان بہک دریا میں جاتی ہیں اگر دریا ان خرابیوں سے پاک ہو تو اوس کا پانی ایسا ناصاف نہ ہو گا کہ قابل استعمال نہ ہو چشمہ کا پانی عموماً بہت صاف اور عمدہ ہوتا ہے اور پینے کیلئے سب سے عمدہ پانی ہی ہے جھیل کا پانی ہمیشہ بہت ناپاک اور ناصاف ہوتا ہے اس میں نباتی اجزاء

چشمہ کا پانی

جھیل کا پانی

بہت ملے ہوئے ہوتے ہیں اور گلاسٹر انباتی مادہ۔ میسر یا بجار۔ بحیش وغیرہ بیماریاں پیدا کرتا ہے۔ اول تو ایسا پانی پینا ہی نہیں چاہیے اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ سو



پھیپھڑے کے بخارات - پسینہ - پیشاب - سب پانی ہی ہیں اور جس قدر پانی سطح کم ہو جاتا ہے اوس کی بجائی صاف پانی مناسب مقدار میں پینا چاہیے۔ یہ پانی بدن میں جا کر بہت سے کام کرتا ہے۔ خون کو رقیق رکھتا ہے تاکہ وہ بدن میں اچھی طرح دورہ کر سکے اور باریک رگوں میں بھی آسانی پہنچے۔ خون کے اس فعل سے سارے بدن کا نشوونما ہوتا ہے۔ اگر بدن میں ضرورت سے کم پانی ہو تو خون اس قدر غلیظ ہوتا ہے کہ باریک رگوں اور شریانوں میں نہیں پہنچ سکتا۔ بعض رگیں تاریکیوں سے بھی زیادہ باریک اور نازک ہیں کہ بغیر خوردبین کی مدد کے نظری نہیں آسکتیں لیکن خون انہیں بھی پہنچ جاتا ہے اور پہنچنا ضرور ہے ورنہ اگر خون کا دوران کم ہو اور وہ اتنا غلیظ ہو جائے کہ رگوں میں اچھی طرح دوڑنے کے تو متعدد امراض اور مرض ہیضہ پیدا ہوتا ہے۔ پانی ہی غذا معدہ میں گھلتی ہے اور رگوں میں پہنچ کر ہر ایک حصہ بدن کی پرورش کرتی ہے پانی ہی کے سبب سے بدن میل سے صاف رہتا ہے اور جلدی امراض پیدا نہیں ہوتے لیکن یہ سارے فائدے اوس وقت اچھی طرح ظاہر ہوتے ہیں جبکہ وہ پانی جو استعمال کیا جائے پاک و صاف ہو ورنہ بجائی فائدے کے اولٹا نقصان اوٹھانا پڑتا ہے۔ اور انسان طح طرح کی بیماریوں میں گہرا جاتا ہے۔ ناصاف پانی سے اکثر مہلک اور خراب امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً شکایت امعاء - ہیضہ - پیچش - اسہال - طیریا - تپ لرزہ - تب نوبت - تاب تلی - امراض جگر - ضعف معدہ - سنگ مثانہ - ناروغیہ اس سبب سے اس امر کا ہمیشہ اہتمام رکھنا چاہیے کہ استعمال کے واسطے صاف پانی ہی کیا جائے اور خواہ کتنا ہی خیر اور محنت کیوں کر فی بڑے برداشت کر کے صاف پانی حاصل کرنے میں کہی دریغ نہ کیا جائے اور یہ احتیاط رکھی جائے کہ جس حثیمہ یا کین میں کاپانی پیئے اور کہا ناچکا نے کے کام میں آتا ہے اوسے لوگ خراب اور غلیظ نہ کریں۔ پانی دو گاسون اوسبجی اور ہاسڈر و جن سے بنا ہے جو پانی میں ایک اور آٹھ کی نسبت سے لی ہوتی ہوتی ہیں۔ انسان کے جسم میں پانی کی ایک بڑی مقدار کئی ذریعے سے داخل ہوتی ہے اور خود انسان کے جسم میں جو کہ بظاہر گوشت کا معلوم ہوتا ہے



پانی نہ پی سکیں تالاب کے گرد درخت بھی نہ اگے دیں تاکہ پتے پانی میں نہ گر کر نہ  
 لگیں۔ اسی طرح کنوئیں کے گرد بھی منڈیر بنانی چاہئے کہ اوپر کا پانی بہ کر کنوئیں میں  
 نہ جائے۔ جو پانی سطح زمین سے بہ کر کنوئیں میں گرے گا وہ اس میں بہت سے روی  
 اور خراب مادے ملتے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ پانی کو خراب کر دیتے ہیں اس طرح  
 کنوئیں کے اوپر بھی درخت چھایا ہوا نہ ہو یا کنوئیں کے اوپر ایسا پٹ بنا دیں کہ جب  
 پانی بہ چکیں تو بند کر دیا جائے۔

جن شہروں میں تل کے ذریعے سے پانی پہنچایا جاتا ہے وہاں اکثر عمدہ اور  
 صاف پانی مل سکتا ہے کیونکہ تل میں آنے سے پہلے پانی صاف کیا جاتا ہے اور  
 تل کے پانی کو لوگ اس طرح خراب نہیں کر سکتے جیسے کہ تالاب یا دریائے پانی کو  
 خراب کرتے ہیں۔ اگر تل میں آنے سے پہلے پانی صاف نہ کیا جائے تو زیادہ مفید نہیں ہوتا  
 پانی کی خوبی یہ ہے کہ اس کا رنگ نہایت صاف اور چمکدار ہو خوش ذائقہ ہو  
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں آکسیجن اور کاربانک ایسڈ موجود ہیں۔ پانی میں  
 کسی قسم کی بو بھی نہ ہونی چاہیے۔ اگر بہت سے عمیق پانی کو دیکھنے سے پانی نیلگون  
 معلوم ہو تو برا نہیں ہے۔ سبز رنگ بھی بہت خراب نہیں لیکن زرد یا بھوری رنگ کا  
 پانی عموماً مضر صحت ہوتا ہے۔

حجرات کا پانی اور پہاڑی چشموں کا پانی بغیر چھانے استعمال کیا جاسکتا ہے باقی سب  
 پانیوں کو استعمال سے پہلے صاف کرنا لازم ہے اگر پینے سے پہلے پانی کو خوش  
 کر لیا جائے تو پانی کے وہ کپڑے جو باعث بیماری ہوتے ہیں سب مریجاتے ہیں اور  
 اگر پانی کو دو تین بار جوش کر کے چھان لیں تو نہایت صاف اور صحت بخش ہو جاتا ہے  
 پانی چھاننے اور صاف کرنے کی عمدہ اور سہل ترکیب یہ ہے کہ ایک لکڑی  
 کی گھڑوچی پر اوپر تلے تین مٹی کے گڑے رکھیں اوپر کے گڑے کو صاف کو لکڑی  
 آدھا بہرین بیچ کے نصف گڑے میں دریا کا ریت صاف کیا ہوا بہرین۔ ان گھڑوچوں  
 ایک ایک سو راخ کر کے اوپر کے گڑے میں پانی بہرین۔ اس طرح سب سے نیچے

صاف پانی

پانی چھاننے کی  
 ترکیب

جھیل کے اور کوئی پانی ہی نہ ملے تو پہلے پانی کو جوش کر کے چھان لینا مناسب ہے  
کنوئین کا پانی۔ بعض کنوئین زیادہ عمیق نہیں ہوتے اور سطح زمین سے  
میں سے چالیس فٹ کے اندر پانی نکل آتا ہے۔ ان کنوئین کے پانی میں ہزار  
اجزاء اور گلاٹر مادہ جو زمین پر پڑا ہوتا ہے مل جاتا ہے اور اس سبب سے ایسے  
کنوئین کا پانی صاف اور عمدہ نہیں ہوتا۔ اسلئے پینے سے پہلے اسے صاف کرنا چاہیے  
بعض کنوئین چالیس یا پچاس فیٹ گہرے ہوتے ہیں اور اون کی تہ پہوڑ کے پانی  
نکلا لاجا تا ہے یہ پانی نہایت صاف اور عمدہ ہوتا ہے اور اس میں کوئی خراب مادہ ملا ہوا نہیں  
تالاب کا پانی بھی کسی قدر نا صاف اور کثیف ہوتا ہے اور لوگ اس میں  
منہا نے کپڑے دھوئی اور مویشی کو پانی پلائی اور یہی خراب کر دیتے ہیں جس تالاب  
کا پانی کم ہو کر خشک ہونے کے قریب ہو گیا ہو وہ بہت ہی نا صاف ہوتا ہے۔  
خندق اور گرہوں کا پانی بہت ہی ناپاک ہوتا ہے اور اس کا استعمال کرنا۔  
منہایت ہی مضر صحت ہے اور جب خندق اور کنڈ آبادی کے قریب ہوں تو بہت ہی کثیف اور  
خراب ہوتے ہیں۔

کنوئین کا پانی

تالاب کا پانی

خندق کا پانی

دراہ جھیل۔ تالاب اور کنڈ کا پانی انسان کی بے احتیاتی سے زیادہ خراب  
ہوتا ہے کہ لوگ اس کے کنارہ کپڑے دھوتے ہیں مویشی کو پانی پلاتے ہیں۔  
منہا لے ہیں۔ نجاست دھوتے ہیں۔ شہر کی ساری کثافت بہکر اس میں پھینک دیتی  
ہے ورنہ اگر ان باتوں سے احتیاط کی جائے تو اس کا پانی بھی ایک حد تک صاف اور  
قابل استعمال رہ سکتا ہے۔ جو پانی تیزی سے بہتا ہے وہ بند پانی کی نسبت زیادہ  
صاف ہوتا ہے کیونکہ وہ اس میں ہوا زیادہ ملتی ہے اور اس میں جو مہر حیات گاس ہے جو پانی کو  
صاف کرتی ہے۔

اگر کسی آبادی میں ایسا موقع ہو کہ سوائے تالاب کے اور کوئی پانی کا منبع  
نہ ہو تو منہا لے کے تالاب جدا اور پانی پینے کے تالاب جدا ہوئے چاہیں اور  
پانی پینے کے تالابوں کے گرد دیوار یا کٹھرا بنادیں تاکہ مویشی اور جانور اس میں سے

پانی صاف  
کرنے کی ترکیبیں

تو غالباً سات آٹھ دن بعد مر جائے گا۔ خوراک ہی سے انسان کے جسم میں حرارت اور گرمی پیدا ہوتی ہے۔ فاقہ کشی سے بدن ٹھنڈا چڑھتا ہے۔ خوراک پر معدہ میں جانے والے بعد بہت سے قبضے ہوتے ہیں اور پھر وہ خون نگرگ رگ میں دوڑتی ہے اور جسم کے ہر حصہ کا نشوونما کرتی ہے۔ ہر شخص کے لیے کھانے کی اشیاء کا مقرر کرنا مشکل ہے یہ کوئی خاص مقدار ہی مقرر کی جاسکتی ہے کیونکہ ایک ہی طرح کا کھانا سب کو میسر نہیں ہو سکتا۔ مقدار بھی جسم و توانائی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ معدہ ایک خاص وقت میں کھانے کی ایک معین مقدار ہضم کر سکتا ہے اور اگر معدہ کو خوب بھر دیا جائے تو وہ کام کر سکتا ہے نہ وہ بلع اور وہی غذا باعث خرابی ہو جاتی ہے۔

غذا میں صرف اس قدر خیال رکھنا چاہیے کہ اوس میں بدن کو پروورش کرنے کی قابلیت زیادہ ہو۔ دودھ میں بدن کو پروورش کرنے کی قابلیت بہت ہے اوس میں وہ تمام اجزاء موجود ہیں جن سے انسان کا بدن نشوونما پا سکتا ہے اور اس سبب سے بچوں کے پیٹے سب سے پہلے اور سب سے عمدہ غذا دودھ قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ گھوسے دودھ میں خراب پانی ملا دیتے ہیں۔ اور بالائی اوتار کو اسے بد مزہ و کمزور لکھ مقرر دیتے ہیں۔

حکم بھی جسم کی ساخت میں بہت کام دیتا ہے بلکہ ہڈیاں اسی کی بنتی ہیں۔ چربی۔ گھی۔ کہن۔ بالائی۔ تیل۔ جسم میں گرمی۔ پیدا کرتے ہیں اور بدن کو موٹا کرتے اور طاقتور بناتے ہیں۔ بکری کا گوشت پھلی اور پرندوں کا گوشت طاقت بخش ہے اور اچھی طرح کھا ہوا تو خوب جزو بدن ہوتا ہے۔ اٹا۔ شہد خالص خون پیدا کرتے ہیں مختلف قسم کی دالیں۔ گیہوں۔ چانول وغیرہ اجناس مقوی ہیں۔ چنا گوشت پیدا کرتا ہے۔ میٹوں میں بہت سے ایسے اجزاء ہوتے ہیں جو جسم کی ساخت اور پروورش میں بہت بکار آتے ہیں۔ تازمی ترکاریاں مثلاً آلو۔ کرم کلا۔ گوہی۔ ساگ۔ گاجر۔ فنگس۔ چھندرو وغیرہ خون کو درست حالت میں رکھتے ہیں اور بہت عمدہ غذا ہیں۔

عمدہ خوراک

کے گہڑے میں صاف پانی جمع ہو جائے گا۔ ان گہڑوں پر بھی سورخ دا چھپان  
 دھانک دیں تاکہ پانی میں کوئی چیز یا گرد و غبار نہ پڑے اور اوس میں سے پرندے  
 پانی نہ پین اور کھڑے نہ کریں اس طریقے سے پانی ٹھنڈا اور خوش ذائقہ رہتا ہے  
 اور جوش کرنے سے جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے وہ بھی نہیں ہوتی۔ ہمدرد مہینے  
 کے بعد ان کو کنوں کو یا تو بدل ڈالیں یا صاف کر کے دھوپ میں سکھائیں۔ اور پھر  
 استعمال کریں۔ جب ہفتہ بعد ریت اوپر اوپر سے نکال ڈالنی چاہیے اور تین مہینے کے  
 بعد سب ریت کو بدل ڈالنا لازم ہے اس فلٹر میں یہ خوبی ہے کہ بہت آسان اور  
 سہل الحصول اور کم خرچ ہے۔ بازار میں طرح طرح کے فلٹر بکتے ہیں ان میں بھی پانی  
 خوب صاف ہوتا ہے سفر اور دورہ کے موقع پر پاک فلٹر کتنا بہت بکار آتا ہے کیونکہ بعض  
 اوقات جنگل میں جیل کا ناصاف پانی ہی پینے کو ملتا ہے

غذا کی ضرورت

انسان کا بدن ایک حلقی ہوتی بہی کے مانند ہے کہ بہی سلگائے رکھنے کے  
 لیے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے جسم ہر وقت کچھ نہ کچھ گھٹتا رہتا ہے اگر اوس کو  
 ایک دن رات کھانا نہ دو اور پھر تو تو وزن میں بہت کمی نظر آئے گی۔ اس کمی کو پورا  
 کرنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہے کہ بدل یا تحلیل ہو اور جسم توانا اور صحیح رہے  
 انسان ہو یا حیوان ہر وقت کچھ نہ کچھ کام کرتا رہے۔ زندگی اور موت میں ایک بڑا فرق یہ  
 بھی ہے کہ زندہ آدمی ہر وقت کوئی نہ کوئی کام کرتا رہے اور مردہ ساکن اور غیر متحرک  
 رہتا ہے۔ یہ کام خواہ کیسا ہی کم کیوں نہ ہو جسم کا ذرا سا حصہ گھٹا دیتا ہے ظاہری اور  
 بڑی بڑی حرکتوں کو جانے دو۔ سانس لینے مطالعہ کرنے اور دل کے دھڑکنے  
 سے ہی جسم میں کمی و تحلیل واقع ہوتی ہے اور طبیعت جو کہ بد بدن ہے اس کمی کو پورا  
 کرنے کے لیے غذا کی طالب ہوتی ہے اسی کا نام بہوک اور پیاس ہے۔ ایک  
 جوان آدمی ایک دن میں تین ساڑھے تین سیر گھٹتا ہے اور خوراک وہ پانی اوسی قدر  
 پورا کر دیتی ہے۔ بچے جس قدر گھٹتے ہیں اوسی قدر زیادہ کھاتے ہیں اس سب سے  
 ادون میں نشو و نما ہوتا ہے اور اون کا وزن بڑھتا رہتا ہے۔ اگر کسی شخص کو کھانا مذاپا

زندان ہے کہ انسان اوس میں پریشانی تکلیف اور عدم میسرۃ اسباب کے سبب  
 کچھ نہ کر سکے یا اس میں راحت - آرام - اور کام کی تکمیل کے اسباب اتنے  
 اور کثرت سے مہیا ہیں کہ وہ بلا وقت و تکلیف بہ اطمینان خاطر اپنے فرائض کو انجام  
 دے سکے اس کی حقیقت اسباب دنیا اور انسان کے حالات پر بغور نظر ڈالنے  
 سے منکشف ہو سکتی ہے۔ زمانہ کی حالت یہ ہے کہ کوئی خوش نظر آتا ہے کوئی ناخوش  
 کسی کے ان خوشی کے شاد دیا نے بچ رہے ہیں کوئی سریر ہاتھ دہر کر رہا ہے  
 کسی کے پاس تمام اسباب راحت اور سامان عیش مہیا ہیں کوئی ضروریات زندگی  
 کو محتاج ہے۔ ایک طرف نظر ڈالو تو جو کل سنہیں رہے تھے آج رو رہے ہیں وہی  
 سامان جو عیش و کامرانی کے اسباب خیال کیے جاتے تھے موجود ہیں لیکن بل کا  
 کنول کھلایا ہوا ہے طبیعت افسردہ ہے انقباض طبع و رنج و آلام نے گہیر رکھا ہے۔  
 دوسری طرف دیکھو تو وہ غریب نادار شخص جس کو سامان امارت اسباب راحت  
 میں سے کچھ بھی میسر نہیں خوشی کے مارے پہولا نہیں ہوتا چہرے سے بشت  
 ٹپک رہی ہے دل مطمئن اور چین سے ہے۔ غرض ظاہری و باطنی حالات میں اس قدر  
 اختلاف ہے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون خوش ہے اور کون ناخوش اور یہ معلوم کیا  
 کہ آیا قدرت نے انسان کو راحت و آرام میں بسر کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔  
 یا رنج و تکلیف میں مبتلا رہنے کے لیے اور وہ راحت جس کی تلاش میں ہر ایک انسان  
 سرگردان ہے کس طرح حاصل ہو سکتی ہے ذرا آسان کام نہیں ہے لیکن خدائی  
 عز و جل جو خالق کائنات ہے اپنے رازوں کو چھپاتا نہیں اور جس قدر مخلوقات کی  
 حقیقت میں غور کیا جائے اوسکی کتنے معلوم ہوتی جاتی ہے رنج و راحت کی کیفیت کے  
 معلوم کرنے کے لیے دنیا اور اوس کے اسباب پر غور کرنا چاہیے کہ آیا وہ انسان  
 کی ضرورتوں کے لیے کافی اور مسرت بخش ہیں یا ناکافی اور ایذا رسان؟ دوسرے  
 یہ کہ مصائب کی حقیقت میں غور کریں کہ انسان اس قدر کیوں رنج و افکار میں پڑا ہوا  
 اندرونی بے اطمینانی اور تکلیف میں وہ گرفتار رہے یہ واقعی ہے یا صرف

سامان ظاہر  
 مسرت بخش  
 نہیں ہوتا

خداوند تعالیٰ نے ہمارے لیے مختلف غذائیں پیدا کی ہیں۔ اس لیے  
اون سے متبع حاصل کرنا چاہیے۔ ایک غذا کھاتے کھاتے بھوک بند ہو جاتی  
طبیعت آگتا جاتی ہے۔ لیکن جو کچھ کھاتے ہیں وہ حالت عمر موسم اور وقت کے لحاظ سے  
مناسب ہو۔ مخفی آدمی کو غذا کی زیادہ ضرورت ہے۔ کابل اور پیکار کو کم۔ جوان  
کو جوان مرگی نسبت کم غذا درکار ہے۔ بچوں میں افعال حیوانی زیادہ تیز ہوتے ہیں  
اس لیے اون کو زیادہ غذا کی ضرورت ہے لیکن ایک دفعہ ہی نہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا  
کر کے کئی بار کھانا چاہیے۔ دن میں زیادہ سے زیادہ تین بار اور کم سے کم دو بار  
کھانا صحت قائم رکھتا ہے۔ ہر کھانے میں پانچ چھ گھنٹے سے کم کا وقفہ نہ ہو اور  
پانچ میں کچھ نہ کھائیں کھانا کھانے کے بعد فوراً سخت دماغی یا جسمانی محنت کرنی نہیں چاہیے  
بلکہ کم از کم معدہ کو ڈیرہ گھنٹہ کا آرام دینا لازم ہے۔ بیماری کی حالت میں چونکہ ہاضمہ  
سست اور کمزور ہو جاتا ہے اس سبب سے زیادہ کھانا مناسب نہیں۔ جاڑے  
کے موسم میں گوشت اور گرمی میں نباتات اور میوے زیادہ کھانے چاہئیں۔  
یہ غذا خون ہو کر سارے بدن میں دوڑ جاتی ہے۔ اور پہرہ خون کہیں ہڈی بناتا ہے  
کہیں بال کہیں ناخن کہیں دماغی نازک بافت۔

اصول صحت کی پوری ماہیت کتب حفظان صحت اور طب کے مطالعہ سے  
حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کتاب میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

## ۲۔ ریح و راحت

دنیا میں ہر شخص کا مقصد یہ ہے کہ وہ خوشی اور راحت حاصل کرے۔ اور  
ہر انسان کا یہی مقصد ہونا چاہیے اس لیے راحت و ریح کی حقیقت میں غور کرنا اور  
حقیقی راحت کے حاصل ہونے کے طریقوں کو معلوم کرنا مفید ہے۔

انسان کی سعادت اس کی اعمال کی عمدگی پر منحصر ہے اور ہر کام کی عمدگی کا  
انحصار خواہ دینی ہو یا دنیوی اسباب کی عمدگی اور جمعیت حناطہ پر ہے اس لیے  
یہ امر قابل غور ہے کہ دنیا جس میں انسان رہتا ہے پریشانی تشویش رنج و کلفت کا

انسان کا مقصد

دنیا کی حالت

نہیں ہوتا۔ بادشاہوں کو دولت - عزت - حشمت - شہرت سبھی کچھ حاصل ہوتی ہے  
 لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش اور آرام سے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ  
 جس شخص کی راجی کی پہلانی بڑائی پر ایک عالم کی یہودی اور خرابی کا اندازہ ہے  
 جس کے ذمے بہت سے بڑے بڑے اور مہتم بالشان فرائض ہوں جس کے  
 دشمن نہایت قوی اور زبردست ہوں وہ کیونکر بے فکر ہو سکتا ہے۔ یہی خوشیاں  
 ابر کا سایہ ہیں کہ ان کی آن میں گزر جاتی ہیں اور جو راحت اس سامان سے حاصل  
 ہوتی ہے اوس میں رنج و افکار مخفی ہوتے ہیں جو بہت جلد ظاہر ہوتے اور  
 تکلیف دیتے ہیں اور ایسی ہی مسرتوں کی نسبت کہا گیا ہے مَسَرَاتُ الدُّنْيَا  
 مَقْرُونَةٌ بِالْغَمِّ وَحَلَاوَةٌ لِّكَوْنِهِمْ مَعْجُونَةٌ بِالسُّوْمِ وہ مسرت جو اسباب  
 قدرت سے حاصل ہوتی ہے طبیعت سے غم و فکر و انقباض دور کرتی ہے۔  
 البتہ طبیعت میں اوس سے خوشی حاصل کرنے کا مذاق سلیم ہونا چاہئے یہی  
 حال احتیاج کا ہے کہ انسان کی اصلی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے  
 دنیا میں اس قدر فراوان سامان موجود ہے کہ وہ اوسے خرچ نہیں کر سکتا۔  
 لیکن حرص طمع - لالچ - خود غرضی ہمیشہ زیادہ کا خواہشمند رکھتی اور سب کو غصہ  
 لپٹا چاہتی ہے۔ انسان کو اس بجا کوشش میں کامیابی حاصل ہونے سے جو  
 حاکمی خوشی حاصل ہوتی ہے وہ اوس کو جدوجہد کی علت غائی سمجھتا ہے۔ لیکن  
 یہی مسرت غم سے ملی ہوئی ہے اور اسی حلاوت میں زہر کھل رہا ہے۔

انسان کی  
 حاجتیں

حاجتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو فطری اور ضروری ہوں۔ دویم  
 وہ جو فطری اور ضروری نہ ہوں۔ پہلی قسم کی ضرورتیں محدود ہیں اور یہ بہ آسانی پوری  
 ہو جاتی ہیں کیونکہ فطری ضرورتوں کے سامان وافر مہیا ہیں اور نہایت آسان حصول بھی  
 ہیں لیکن دوسری قسم کی حاجتوں کی کوئی انتہا نہیں اور وہ بسہولت پوری ہی نہیں  
 ہوتیں پس زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے ضرور ہے کہ غیر ضروری اور غیر فطری  
 خواہشوں سے اجتناب کیا جائے کیونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو شخص مال و دولت



انسان نے اوس کو ایسا سمجھ رکھا ہے؟ اور کوئی مصیبت قدرتا  
یا وہ خود اپنی غلطی سے اوس میں گرفتار ہوا ہے؟ نیز ان رنج و مصائب سے بچنا  
جن میں انسان عموماً مبتلا رہتا ہے ممکن ہے یا نہیں؟ ان امور میں غور کرنے سے  
معلوم ہوگا کہ انسان کی اصلی ضروریات بہت کم ہیں اور دنیا میں ان کے پورا  
کرنے کے عمدہ عمدہ سامان بہ افراط ملتا ہیں۔ ہر ایک چیز انسان کے لئے مفید  
اور مسرت بخش ہو اور کائنات تمام سلسلہ حیرت انگیز خوشنما اور دل بہلائی والا ہے۔ گویا  
ایک عجیب خانہ نادرات روزگار سے صرف اس واسطے آراستہ کیا گیا ہے کہ  
انسان کا دل بہنے لیکن عموماً انسان ان سے وہ مسرت و راحت نہیں حاصل کرتا  
جو ان سے حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ دنیا کی اصل خوبیوں کو نہیں دیکھتا اور ایسی  
خوبیوں کی تلاش کرتا ہے جو دراصل وہو کہ وہ یا ناہیشتی اور عارضی ہیں انسان نے  
ان غیر حقیقی خوبیوں کا اعتبار اس قدر بڑا لیا ہے کہ اب اصلی حسن پر اوس کی نظری  
نہیں پڑتی مثلاً انسان قدرتی سین اور دل چسپ مناظر سے کما حقہ لطف نہیں ماٹھتا  
قدرت کے خوش الحان گوئی یا انسان کو سادہ و نکش راگ اوسے خوش نہیں کرتے  
بلکہ وہ ان کی تصویریں تھیٹر کے نظرفریب پردوں میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اور  
کبھیوں کے ناچ اور طبلہ کی تہاپ پر سر دھنتا ہے۔ اسی طرح اشیاء کی لذت سے  
نا آشنا ہے۔ اوسے عمدہ کہانا مزامین دیتا جب تک چاندی کی رکابیوں میں نہ ہو۔  
گویا کہانے میں مزامین رکابیوں میں ہے اوس نے اس بات کو نظر انداز کر دیا  
ہے کہ کہانے کی لذت بھوک کی شدت پر منحصر ہے اور ہمیشہ عمدہ باورچی کی تلاش  
کرتا ہے۔ غرض اسی طرح لذت و راحت کے حصول کے طریقے انسان نے  
بہلا دئے ہیں اور ایسے نئے طریقے گھڑیے ہیں جو مشکل اوس کو کبھی کوئی عارضی  
خوشی بخشتے ہیں۔ انسان قوت غضبی کا محکوم ہو گیا ہے اور ترفع جاہ کی خواہش نے  
اوس کو عجیب کشمکش اور محضہ میں ڈال رکھا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس قدر رفعت جاہ  
اور متول حاصل ہو جائیگا اوس کی راحت یا خوشی یا اطمینان بڑھتا جائے گا لیکن ایسا

ایسا بے نیکی  
افراط اور سن

تلاش لذت میں  
انسان کی غلط  
فہمی



آگے ہزار عطر شرمیں۔ دل خوش کن ترانہ اور راگ بدولون میں بہرے انتہائی خوش پیدا کرتے ہیں۔ دھوپ کی چمک دمک چاند کی الکی روشنی۔ چھیل اور سب ایمان شہر پہاڑوں کی بلندی اور شان۔ لعل و دوق صحرا۔ سفید برف کا غلاف پہاڑوں کی چوٹیوں پر ٹپکا ہوا طلوع آفتاب کی رونق اور چمک۔ غروب کے وقت کی روشنی اسی جیسی تھی لاکھوں اور ہزاروں چرخین جو تہیہ کے پردوں سے زیادہ نظر فریب ہیں۔ اس کثرت سے موجود ہیں کہ ایک صاحب نظر انسان کو اس سے زیادہ بہتر کی خواہش ہو سکتی ہے نہ زیادہ افراط کی ضرورت۔ خود انسان میں انکی خوبیوں سے خلا و گنج اور اس ہنگامہ خانہ کو دیکھ کر دل بہلانے کا مادہ ہی دیا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ اس طرف سے انکھیں بند کر لے تو فطرت کا کیا قصور ہے۔ بہت سے لوگ دنیا میں سے اس طرح گزر جاتے ہیں کہ اوس کے کسی حسن کو آنکھ نہ دیکھتے ہیں اور دیکھنے والوں کی نظر میں ہر لمحہ ایک بات دیکھنے کے قابل آتی رہتی ہے ایک ہی جگہ کی حالت ہر لحظہ متغیر ہوتی جاتی ہے اور جو سین کہ اس وقت موجود ہے وہ نہ پہلے ایسا تھا نہ پھر ہوگا۔ مناظر قدرت کو پسند کرنا اور پھر کی خوشنما صنعتوں سے دل بہانا بے ہوشانہ ہے اگر یہ دلچسپی نہ ہو تو گویا انسان بہت سی مسرتوں اور غظوں سے محروم ہے جن کی یہ دنیا کی ہر گز فی طرح ممکن نہیں اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو قدرت کے عجائبات سے بے خبری ہی دل چسپی نہیں طلوع و غروب آفتاب کا شاندار منظر۔ وسیع سمندر کا یہر۔ عالی شان نظارہ کہ کہی تو ہر طرف ساکن و ہوا رہے اور کبھی اوس کا قیام اور مچھلن ایک محشر برپا کر رہی ہیں۔ ہرے بہرے جنگلوں میں بارش کی بہار اور پرندوں کے چہچہے۔ پہاڑوں کی عظمت و شان۔ غرض کائنات کی کل چیزوں کی خوبی اون کے دل پر کوئی اثر نہیں کرتی ایسے لوگوں کی حالت قابل رحم ہے اور وہ بہت بڑے لطف سے محروم ہیں اور دیکھنے والے اون سے ایسا لطف اٹھاتے ہیں کہ پھر وہ ارضی اور غیر حقیقی سامان کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کرتے۔

ایک موسم بہار ہی ہے کہ اوس میں قدرتی و فطریوں کے سامان وافر ہوتا

جاو و حشمت رکھتا ہو وہ خوش اور مطمئن ہی ہو۔ بلکہ خوشی ظاہری حالت پر نہیں بلکہ باطنی حالت اور طبیعت پر منحصر ہے کہ اگر انسان اُن اصول پر کار بند ہو جو منہج خوشی اور مسرت میں تو مسرت حاصل ہوگی۔ خوشی حاصل کرنے کے لیے اسبابِ راحت کو نہایت جدوجہد سے تلاش کرنا نہیں چاہیے بلکہ یہ سہمی کرنی چاہیے کہ قدرت جو کچھ عطا فرمائے اوس سے جس قدر خوشی اور راحت حاصل ہو سکتی ہے اچھی طرح حاصل کی جائے متواتر مسرت بخش اسباب کا تہوڑا تہوڑا واقع ہو تار ہنا اس سے بہتر ہے کہ ایک بار تو شادی مرگ کی نوبت ہو اور پھر کچھ نہیں۔

دنیا کی بہت سی نعمتیں ایسی ہیں جن کی انسان قدر نہیں کرتا اور بہت سی خوبیاں ہیں جنہیں آنکھ بہر کر بھی نہیں دیکھتا۔ موجوداتِ عالم کی ہر ایک چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ دور ہو یا پاس اگر ذرا نظر تامل سے دیکھی جائے تو خوشی بخشی ہے۔ لیکن ایسی خوبیوں کی قدر کرنے کے لیے ضرور ہے کہ انسان میں خوبی کی شناخت کا مادہ ہو۔ جس طرح پہولون میں سے عطر نکالنے کا ایک قاعدہ ہے اسی طرح موجودہ اسباب سے خوشی حاصل کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے۔ دنیا کی ہر ادنیٰ اور اعلیٰ چیز جو ہمارے گرد و پیش ہے کسی نہ کسی کام کی ہے اور جن لوگوں کا مذاق صحیح ہے وہ اوس سے وہی کام لیتے ہیں اور جس قدر ممکن ہے فائدہ اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ خود دنیا ایک عجائب خانہ ہے اور اگر انسان انہیں کہول کر دیکھے تو حیرت کی صورت اور راہیت ہی اوس کے دل بہلائے کو کافی ہے اور دنیا میں اتنی نعمتیں موجود ہیں کہ ایک انسان سے ناممکن ہے کہ ان کا شمار کر سکے۔ اس

دنیا میں خوبصورت سے خوبصورت اور حسین سے حسین چیزیں بہ افراط موجود ہیں اور ان کا حسن ایسا قسم قسم کا ہے اور ان کے انواع و اقسام ایسے جدا جدا ہیں کہ ہر مذاق کا انسان اور ہر انسان کے مختلف حواس اوس سے حظ اٹھا سکتے ہیں۔ نہایت شاندار پاکیزہ صورتیں۔ نظریب اور دل بہاؤ والی شخصیں طرح طرح کے خوشنما منظر اور رنگ۔ میٹھی میٹھی خوشنویں جن کی لطافت کے

موجوداتِ عالم  
میں ہر چیز  
مسرت بخش ہے

تو کون سی آنکھ ہے جس میں اس منظر کو دیکھ کر فوراً پیدا ہو۔ جھیل میں سمندر کی نسبت چھوٹی ہوتی ہیں لیکن حسن میں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ جھیلوں کے کنارے ہمیشہ سرسبز رہتے ہیں اور درختوں کا سایہ جھیل کے منظر کو اور بھی زیادہ دل آویز کر دیتا ہے۔ اسی طرح قدرت کی دلچسپیوں کا مینا بازار ہر وقت ادا رہ جاتا ہے۔ لگا ہوا ہے۔ اس کتاب میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ کتاب فطرت کا پورا پورا ریویو اس میں سہا سکا۔ اور الفاظ میں اتنی قدرت کہاں ہے کہ اس اثر کا خاکہ کینچ کے جان مناظر کو دیکھنے سے دل پہنچا۔

فصلِ خدا ہی را کہ تواند شمار کرد	یا کیست آنکہ شکری از ہزار کرد
آن صانع لطیف کہ برفرش کائنات	چندین ہزار صورت الوان نگار کرد
ترکیب آسمان و طلوع ستارگان	از بہر عبرت نظر ہوشیار کرد
بر آفرید و بحر و درختان و آدمی	خورشید و ماہ و انجم و دلیل و نہار کرد
الوان نعمتی کہ نشاید سیاس گفت	اسباب راحتی کہ ندانم شمار کرد
اجزاء خاک مرده بہ تشریف آفتاب	بستان و میوہ و چمن و لاله زار کرد
چندین ہزار منظر زیبا بیا فرید	تا کیست کو نظر ز سر اعدتیار کرد

فنون لطیفہ کی  
دلچسپیاں

قدرتی مناظر کے علاوہ خود انسان کی صنعت کی چیزیں بھی مسرت بخشی اور اول میں محویت اور مذاق میں عمدگی پیدا کرتی ہیں اور انسان میں صناعتی کی سیر حیرت دینے سے فطرت کا نشانہ صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے راحت اور دل بہلانے کے سامان میں اور ترقی دی جائے تاکہ زندگی کا زمانہ انسان کو وبال اور دوا بہرہ معلوم ہو بلکہ وہ دلچسپی فریفتگی۔ بشاشت۔ محویت کا زمانہ ہو لیکن یہ حالت ممنوعات میں نہیں بلکہ جائز مشاغل میں ہونی چاہیے۔ مصوری۔ نقاشی۔ سنگ تراشی۔ اور تمام فنون لطیفہ۔ دل بہلانی کا سامان ہیں۔ کون ہے جس نے آگرہ کا تاج محل۔ دلی کی جامع مسجد۔ ایلو ر اسکے غار۔ دیکھے ہوں اور محو نظارہ نہ ہو گیا ہو یا اون کا رگڑوں کی صنعت کی تعریف نہ کرے جنہوں نے ایسی عیاشی ایسی دلفریب عمارتیں بنا کر کھڑی کر دیں۔ ایک خوشخط لکھا ہوا قطعہ ایک اچھی ناشی

رہتے ہیں۔ ہر پتہ پر پھولوں کی خوشبو سے معطر ہوتی ہے اور خوش الحان ہر بندہ  
نوازیں ہوا میں بھرتی ہوئی ہیں۔ سبزہ اور ہرادل کی کثرت سے جنگل۔ باغ  
گھاٹیوں۔ مالامال ہوتے ہیں اور وہ وقت کہ ایسے خوش آئند مقامات کی سیر  
میں گزرے وہ زندگی میں سب سے بہتر خیال کرنا چاہیے کیونکہ اس سے دل میں  
بشاشت۔ تازگی اور روح میں حسن پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح علم حیوانات دلچسپی کا ذریعہ ہے۔ کوئی شخص کسی سنان مقام میں ہی  
سری گھاس پر بیٹھ کر اون جانوروں کے حرکات و سکنات کو دیکھے جو اس کے گرد  
وہمیشہ رہتے ہیں۔ تو ان کی صورت۔ عادت۔ خواہش کی تیزمی۔ ہوشیاری دیکھ کر  
اوستے تعجب ہو گا اور ان کے حالات کے معلوم ہونے سے عجیب دلچسپی حاصل ہوگی  
یہی کیفیت پھولوں پر نظر ڈالنے سے ہوتی ہے کہ ایک کارنگ ہر ایک کی خوب  
ہر ایک کی صورت جدا جدا ہے۔ ہر موسم میں اور ہر مقام پر مختلف طرح کے پھول پیدا  
ہوتے ہیں پھول انسان کا دل بہلاتے اور خوش کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں  
بچوں کو پھولوں سے محبت ہوتی ہے۔ بڑے آدمی پھول پسند کرتے ہیں۔ عورتیں  
شگہار کے کام میں لاتی ہیں۔ شادی بیاہ میں دولہا ڈولہن کو پھولوں سے آراستہ  
کیا جاتا ہے۔ مردوں کی قبروں پر پھولوں کی پادر چڑھائی جاتی ہے۔ امیر غریب  
عالم۔ جاہل سب ان کی قدر کرتے ہیں اور ان سے اپنی اور اپنے گھر کی آرائش  
کرتے ہیں۔ پھول صرف آنکھوں ہی کو لپچھ نہیں معلوم ہوتے بلکہ کتاب فطرت  
کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے نازک خیالی کا سبق بھی دیتے ہیں۔ یہی جال  
درختوں۔ پودوں اور پتوں کا ہے کہ ہر ایک کی وضع دل بہلاتی ہے۔ ہر ایک درخت  
خدا کی قدرت کا مسکہ کا نمونہ اور بے مثل خلقت کی تصویر ہے۔

برگ درختان سبز و نظر ہوشیار ہر ورقے دقت سمیت معرفت کر دے گا  
اسی طرح سمندر جھیل۔ ندی کا نظارہ دل کو نشاط اور انقباض کو کم کرتا ہے  
جب سورج کی کرنیں شفاف پانی پر پڑ کر چوٹی چوٹی لہروں میں چمک پیدا کر رہی ہوں

علم حیوانات  
کی دلچسپی

پھولوں کی بہار

منظر قدرت  
کی دلچسپیاں

کیفیت نہ بادہ انگوری سے آتی ہے۔ نہ شراب ارغوانی سے۔ جس دقتِ طبیعت نہایت ہی اوداس متفکر ملول ہو یا تکان اور رازِ مذہبی نے نسبت کر لیا ہو اس وقت نظم کی کوئی عمدہ کتاب پڑھو اور دیکھو کہ کس قدر تسکین حاصل ہوتی اور طبیعت کی کیفیت کیسی بدل جاتی ہے۔

نظم ہی ایک قسم کی مصوری ہے لیکن تصویرِ منہبہ سے نہیں بولتی اور یہ بے رنگ کی تصویرِ حرکات و سکنات اور باتِ چیت کے لطف ہی دکھا دیتی ہے۔ نظم دل کو بیدار اور قواءِ دماغی کو ہشیار کرتی ہے اور اس سے طرح طرح کے عمدہ اور نفیس خیالات پیدا ہوتے ہیں جیسے زیور اور فاخرہ لباس ایک مجبین کا لطف و بالا کر دیتا ہے اسی طرح نظم الفاظ میں اثر اور معمولی مضمون میں بلند سی اور دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ جو حالتیں دن رات ہمہ گزرتی ہیں یا وہ کیفیات جو عموماً ہم آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں اور اُن کی پروا بھی نہیں کرتے وہ واقعات جو رات دن پیش آتے اور بے پروائی سے گزر جاتے ہیں۔ وہ سوانحِ جن کی طرف ہمیں اعتدائی نہیں ہوتا لباسِ نظم ہینکڑ سا منے آتے ہیں تو اُن کا اثر بہت قوی ہو جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کے چہرہ پر جو نقاب پڑی ہوئی تھی وہ اوٹھ گئی اور اب وہ اصلی حالت میں ظاہر ہوئے۔ ہم لوگوں سے رات دن ملتے اُردن کی عادت و عادت سے یہ یاقیت کہتے ہیں۔ لیکن شاعرِ فطرت انسانی کا پورا ماہر تھا۔ جب اُن عادتوں جو اُن کو بیان کرتا ہے تو آنکھیں کھل جاتی ہیں کہ اُس نے یہ بہید کہاں سے پایا ہے کہ کسی عموماً موسیقی کے ساتھ اور بڑھ جاتا ہے۔ قدرت کی قوتوں میں خوش الحانی ہے کہ گنگی پیمانے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ موسیقی موجوداتِ عالم میں روح

موسیقی کا اثر

چاہیے کسی سے بہلات میں پرواز اور دل میں جوش پیدا کرتی ہے۔ ریخ و غم میں تسکین کرتے لیکن جس سدا یک جذبہ میں جان ڈالتی ہے۔ ریخ و مصیبت اور محنت کا اثر سے حاصل ن خوب کہ موسیقی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ پسنداریاں چلی پسینے میں گیت نے کو خوشوار بس قدرِ غم ہوتا جاتا ہے اور گیت گاتا جاتا ہے۔ عرب کا بدو لوق و دوق میلاؤں کام میں لائیں

طبیعی و منشاء۔ ایک عمدہ پانچویں تصویروں میں سے مشابہ ہو چکی اور محبت پیدا کرتی ہے۔ فنون لطیفہ۔ انسان کی خوشی کا چشمہ اور دل بہلا نیکا پورا سامان ہیں۔ ریح سوج سے پھولوں میں رنگ پیدا ہوتا ہے اسی طرح فنون لطیفہ سے انسانی زندگی میں بہار ہوتی ہے شاعر الفاظ کے ذریعے سے ایک چیز کا سامان باندھ دیتا ہے اور الفاظ سے کلام میں رنگینی اور دل چسپی پیدا کرتے ہیں صنایع اپنی ہنرمندی کے نور میں پانچ ڈالتے اور اپنی مصنوعات کی زبان سے اپنی استعداد کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک نقشہ یا ایک تصویر دیکھ کر کیفیت بادی النظر میں معلوم ہو جاتی ہے صفحہ کے صفحہ حالات پڑھنے سے بھی وہ منکشف نہیں ہوتی۔

نظم کا اثر

نظم کی دل چسپی اور اوس کا اثر مصنوعات سے بھی کہیں بڑا ہوا ہے اور خدا نے نظم کی قوت انسان کو اس لیے عطا فرمائی ہے کہ کلام میں نہ صرف شوخی شیرینی لطافت اور بلندی پیدا ہو بلکہ اثر بھی اور نظم کا اثر وہ ہے جو ریح و غم فکر و غمی خود غرضی وغیرہ کل خیالات کو ایک دم مٹا دیتا ہے۔ شاعر کے ہاتھ میں تلوار نہو لیکن اوس کی زبان تلوار سے زیادہ کاٹ کرتی ہے۔ وہ نیکی کی خوبیاں اور برائی کی بدیہوں کی تعریف اور بروں کی نکوہش ایسی ادا سے کرتا ہے کہ دلوں پر اوس کے کلام کا نقش چم جاتا ہے اور وہ نقش نہ صرف اوس وقت بلکہ اوس کے بعد ہمیشہ تسلیم بعد نسل قائم رہتا ہے اس کا کلام دلوں کو ہلا دیتا اور جوش و ولولے پیدا کرتا ہے چاند کے اثر سے سمندر میں مد و جزر واقع ہوتا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد وہ جاتا ہے جو تلاطم شاعر کا کلام دلوں میں پیدا کرتا ہے وہ کہیں فرو نہیں ہوتا اوس میں ہر وقت نئے زور شور سے طغیانی ہوتی رہتی ہے۔ وہ لوگوں کے خیالات بہیر دیتا۔ نئے دنیا کی خواہشیں۔ نئی امنگیں۔ نئے شوق پیدا کرتا ہے۔ اُس کے کام کا اثر اندر ہی دلوں پر ایسا قبضہ کر لیتا ہے کہ جو لوگ اوس کے شکار ہوئے ہوں وہ بھی نہیں جانتے کہ ان میں کیا اور کیوں تغیر پیدا ہوا جس طرح ایک زاہد فریب صورت ایک جھلک دکھا کر اپنا والد و شہید بنا لیتی ہے اسی طرح شاعر کا ایک شعر ایسا محو کر دیتا ہے کہ وہ

آخر زندگی کا بہت سارہ حصہ اس سبب سے تلخ ہو جاتا ہے کہ موجودہ زمانہ کی تھوڑی سی راحت یا کسی خیالی اور چھوٹی خوشی کو پیچھے آئندہ کی تمام زمانہ کی اتھوڑی پانی پھیر کر امید کی خوشی حاصل کرنے کے لیے ضرور ہے کہ نہ تو امیدیں حد سے بڑھائی جائیں نہ تنہا کے بہت جلدی پورا ہونے کا یقین کیا جائے۔ رنج و آلام تو سناتے ہی رہتے ہیں لیکن مردانہ وار اون کا مقابلہ کرنا خوشی اور راحت بخش ہے۔ اور موجودہ لول حال میں امید کا خیال ضرور تسلی بخش ہے کہ اگر فرقہ مان ناقابل ثبات ہے تو امتداد زمانہ جس طرح تلوار کے زخم کو بہتا ہے دل کے زخموں کو بھی بہتا ہے اور مصیبت کا زمانہ بھی ایک نہ ایک دن ختم ہونے والا ہے حتیٰ کہ موت بھی جس سے انسان ایسے ڈرتے ہیں جیسے بچے بی شادی سے اوس وقت غمگناہ ہو جاتی ہے جب یہ خیال آئے کہ اس دنیا کی تکالیف کا خاتمہ ہونے والا ہے اور پہر ایک جاودانی راحت اور سکون نصیب ہوگا۔

اتنا خیال رہے کہ راحتیں حقیقی راحتیں اور خوشیاں واقعی خوشیاں ہوں بہت سے لوگ کچھ نہ کرنے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کو آرام و راحت خیال کرتے ہیں لیکن نہیں۔ دانش۔ علم۔ اصابت راسخ۔ دلائل صحیحہ کا حاصل کرنا۔ سہ سے زیادہ مسرت بخش اور آرام دہ ہے۔ اگرچہ اس کے حصول میں وقت اٹھاتی چڑے۔ یہاں تک کہ جس وقت کسی غم نے طبیعت کو گہر رکھا ہو تو کوئی مصروفیت جو اون خیالات کو بہلاوے راحت بخش ہوتی ہے۔ خوشی حاصل کر لیا۔ گریہ ہے کہ کسی عمدہ مطلب کے حاصل کرنیکی تمنائیں کچھ کیا جائے اور اس کو پورا ہو نیکی امید زندگی کی پیمائش وقت سے نہیں بلکہ اعمال سے کرنی چاہیے اگر تھوڑے زمانہ میں کسی شخص سے بہت سے اعمال سنہ صادر ہوں تو اوس کی زندگی اوس شخص سے بد رہا بہتر کٹی جس نے بہت عمر بانی لیکن ساری ناکردنی افعال میں گنوائی۔ اگر انسان نیک کاموں میں خوب کوشش کرے اور ذرا اسی تکلیف پر گہرا نہ چلے۔ اور خدا تعالیٰ نے جس قدر نعمتیں اوس کو اس دنیا میں عطا فرمائی ہیں اون سے کما حقہ

مصروفیت  
رنج و فکر  
دور کرتی ہے

خوشی حاصل  
کرنیکا طریقہ



اونٹوں کو لینے کو سون چلا جاتا ہے اور اپنے گیتوں (عدی) سے خود غور رہتا اور اپنے اونٹ کو بھی محو کہتا ہے۔ یہ سب اس لئے گیت گاتے ہیں کہ محنت کی تکلیف کم محسوس ہو۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ بے خودی کا عالم مکان کا احساس نہیں ہوتا۔ چرواہے جنگلوں اور پہاڑوں میں گاتے پہرتے ہیں۔ طاح کشتی میں گاتے ہیں۔ اور ان کا اثر نہ صرف کنون پر پڑتا ہے بلکہ دل پر۔ میدان جنگ میں بیڈ کی آواز سے خون رگون میں جوش مارنے لگتا ہے اور انسان کو نہ تن بدن کی پروا ہوتی ہے نہ جان کا ہوش۔ اگلے زمانہ میں عورتیں لڑائی کے میدانوں میں رجز پڑھتی اور مردوں میں شجاعت بڑھاتی تھیں۔ بزدل سپاہی بھی اس آواز سے مست ہو کر جان کھیل جاتا تھا۔ غرض موسیقی موت کی تکلیف کم کرنے میں بھی مدد دیتی ہے۔ سبب بالسرے کی آواز پر باہر نکل آتا ہے اور سپیرے کا شکار ہو جاتا ہے۔ موسیقی ایک نعمت ہے جو خوشی کو بڑھائے اور رنج و مصیبت اور وقت کو سہل کر نیکا کرتا ہے اسی طرح جذبات انسانی محبت۔ رحم دلی۔ فیاضی۔ شجاعت وغیرہ مسرت بخشتے ہیں۔ علوم و فنون مثلاً طبیعیات۔ علم نباتات۔ تاریخی واقعات طبیعت میں جوش اور مسرت پیدا کرتے ہیں۔

امید کی مسرت

آئندہ کی امید بھی خوشی کا ایک بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ امید انسان کو مشکل کے وقت مدد دیتی ہے۔ تکلیف اور مصیبت کے اثر کو کم کرتی ہے۔ انسان میں جوش اور استقلال پیدا کرتی ہے۔ انسان کو ہراس اور دل شکنگی سے بچا بعدد اور خیر انسان کی ہمت کا عصا اور قوت کا سہارا ہے۔ امید انسان کو یہ سب دیکھ کر بھی غم نہ لگتی ہے۔ میں ناکامی بھی ہو تو بھی ہمت ہارنی اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھتا ہوں۔ میں غلطی کرنا مقصداً ہی انسانیت ہے۔ جو غلطی نہیں کرتے وہ غلط ہیں۔ ہمیشہ غلطی میں ڈارہنا خلاف دانشمندی ہے۔ اگر انسان اپنے گمراہی سے توبہ اور اصلاح کی راہ نہا اور ترقی کا زینہ ہو جاتی ہیں تو بنانے کے لئے ضرور ہے کہ ہم موجودہ زمانہ کی قدر کریں اہل میا

دلون کے تکیہ  
پہونکتی ہے  
دیتی ہے اور  
گم کرنے  
آگاہی ہیں کہ



اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ اپنے خیالی اور وہی خطرات سے ڈرتا ہے۔ مثلاً ایسی کہ بہت سے عمدہ کام وہ اس سبب سے نہیں کرتا کہ لوگ مجھ پر تنقید کریں گے لیکن اگر وہ مستقل مزاج آدمی ہے تو اس سے یہ امید ہوتی ہے کہ میں جب ان تمام مشکوکوں کو پورا کر لوں گا تو یہی لوگ میری تحسین کریں گے اور یہ خیال اسے ایسا خوشی بخشتا ہے کہ وہ کسی خطرہ اور کسی تکلیف کی فکر پر وہ نہیں کرتا۔

انسان خود مصائب پیدا کرتا ہے۔

بیشک دنیا میں رنج و محن اور مصیبت ہی ہے لیکن وہ انسان نے اپنی ہتھکڑیوں میں لپی ہے۔ وہ دنیا میں خود ایسی مصیبتوں کو ڈھونڈتا ہے جو راحت و خوشی کا لباس پہنے ہوئے ہوں۔ دنیا میں رنج و مصائب و آلام ہیں لیکن سب سے زیادہ رنج دینے والے اور حسرت و افسوس میں ڈالنے والے وہ مصائب ہیں جو خود انسان کی سورتدبیر یا غفلت یا غلطی سے اس پر پڑے ہوں۔ بعض چھوٹی چھوٹی ناگوار باتوں کا بھی انسان بہت بڑا خیال کر لیتا ہے اور بچائی اس کے کہ ڈرامہ دہائی سے اون کا مقابلہ کرے اون سے دب جاتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں سردار اور شرف بنا کر بھیجا ہے مگر یہ کہ وہ اس کی ذات کو رنج و محن کا پتلا بنا تا اور دنیا کو اس کے واسطے قید خانہ مقرر کر تا بلکہ خود انسان نعمتہا ہی خدا کو نہیں جانتا اور نہیں پہچانتا اور ان سے محروم رہتا یا اختیار کے غلط استعمال سے اپنے اوپر بلا لاتا ہے اکثر انسان ایک لمحہ کی غرضی خوشی کا خیال کرتا ہے لیکن اپنے زندگی بھر کے آرام کو ہوتا ہے۔

مصیبت سے زیادہ مصیبت کا خیال انسان کو ڈراتا ہے لیکن جب وہ اسے جس کے وقوع کا پہلے خطرہ تھا واقع ہو جائے تو ڈرتا رہتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس قدر اندیشہ پہلے ہوتا ہے اس قدر مصیبت سخت نہیں ہوتی۔ اکثر سختیاں جو انسان کو برداشت کرنی پڑتی ہیں وہ کسی خیالی اور اعتباری امر کے سبب سے ہوتی ہیں کیونکہ انسان بہت دفعہ ایسی چیز کے ہول کی کوشش کرتا ہے جو اسے قانع نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے اوپر فرائی اسباب کا بار لا دے جاتا ہے اور زیادہ کی یکساں

نظارہ بٹانے تو اس کو معلوم ہوگا کہ بیشک زندگی ایک بیش بہا نعمت ہے۔ جس سے ہر آن خوشی اور انبساط ٹپکتا ہے لیکن انسوس ہے کہ بہت تھوڑے آدمی ایسے ہیں جنہوں نے یہ غور کیا ہو کہ خوشی کیونکر حاصل ہوتی ہے۔ خوشی بادی چیز نہیں ہے بلکہ اون اسباب سے حاصل ہوتی ہے جو انسان کو میسر اور مہیا ہوں اور اس لیے جو لوگ ہمیشہ بے نشاط رہتے ہیں ضرور ہے کہ وہ موجودہ اسباب راحت کی قدر و قیمت جانتے ہوں۔ اگر انسان اپنے فرائض کو مکاتھہ ادا کرے اور جو کام اس کے سامنے ہے اسے محنت سے انجام دے اور جائز نعمتوں پر جو اس کو مل سکتی ہیں قانع ہو۔ اگر سر انجام امور کا خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اگر اس کے دل میں شک نہ گزاری کا مادہ ہو۔ اگر وہ نہایت پابندی سے عقل سلیم اور صداقت کی پیروی کرے۔ کوئی خوف یا لالچ اس کی طبیعت ڈانوا ڈول نہ کرے۔ اپنے معاملات ایسے صاف رکھے کہ روز حساب اسے شرمندہ ہونا نہ پڑے۔ اگر وہ اپنی قوت سے زیادہ کی تمنا اور امید نہ کرے اور اپنی آزادی کو قائم رکھنے کیلئے کسی کی پروا اور کسی کا خوف نہ کرے اور اپنے الفاظ میں صداقت کو قائم رکھے تو بیشک وہ خوش اور بے نشاط رہے گا۔

دل کو مطمئن رکھنے اور طبیعت میں سکون پیدا کرنے کے لیے عمدہ اور پاکیزہ خیالات و مبالغہ میں پیدا کرنے چاہئیں اور اون پر حتمی المقدور کار بند ہونا لازم ہے۔ یہ خیالات کا قول ہے کہ جو شخص اپنے تئیں انسان کامل بنانے کی کوشش کرتا ہے وہ بہت اچھا آدمی ہے اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ درجہ کمال کی طرف ترقی کر رہا ہے دنیا میں سب سے زیادہ خوش ہے۔

مشکلات کے سمندر کو عبور کرنے کے لیے کنارے پر کھڑے کھڑے یہہ خیال کرنا کہ ہمارے جسم میں تو انسانی نہیں۔ خطرات زیادہ ہیں۔ موسم زیادہ تکلیف دہ ہے کوئی کام نہیں دیتا بلکہ اگر کچھ کرنا ہے تو توکل علی اللہ تعالیٰ کہ ایک دم سحر کو دھڑکا اور گوہر مقصود حاصل کیے بغیر باز رہنا نہیں چاہیے انسان واقعی اور اصلی خطرات

مشکلات کا  
حل کرنا خوشی  
بجھتا ہے

سے پیدا ہوں سویم سہی میں۔ ناکامیابی۔ یا کسی چیز کو دل چاہے لیکن اوس کے  
مل ہونے کی امید نہ ہو یا کسی چیز کے حاصل ہونے کی امید ہو لیکن اسباب  
محل مفقود ہو جانے سے ناامید ہو جائے۔ چہارم دشمنی۔ یہ تکلیف اوس وقت  
یادہ پڑھ جاتی ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ میرے دشمن ایک۔ ایک دن مجھے  
نشان ہو گا کہ اپنے دل کا بخار نکال دین گے۔ پنجم بدنامی۔ یہ خیال کہ اور لوگ میری  
بہت کوئی بُرا خیال رکھتے اور مجھے بُرا سمجھتے ہیں۔ انسان کو تکلیف دیتا ہے۔ کیونکہ  
وس سے ادھی کی وقعت و عزت میں فرق آتا ہے۔ ششم افعال منومہ یا تکلیف  
وس وقت زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے دل میں یہ خوف ہو کہ ایک  
ن خدائی غرور و جل کے سامنے اعمال دنیا کی جو امید ہی کرنی ہے اور سزا و جزا  
یقینی ہے جس شخص کے دل میں مذہب کا پختہ اعتقاد اور نور ایمان کی روشنی  
و اس سے یہ تکلیف زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ہفتم ترحم دوسروں کی مصیبت زدہ  
الت دیکھ کر دل میں تکلیف اور رنج پیدا ہوتا ہے۔ رحم دل انسان جانور و انکی  
وہ حالت بھی نہیں دیکھ سکتے اور اگر ان پر ظلم ہوتے دیکھتے ہیں تو ان کے روتے  
لھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہشتم حسد۔ جن لوگوں سے انسان کو نفرت ہے ان کی  
بشی اور فارغ البالی پر جلتا ہے اور خود اپنے تئیں سگ جلاتا ہے۔ نہم حافظہ بعض  
تت گزشتہ زمانہ کے مصائب یا کوئی اور دردناک واقعہ۔ کوئی سہڑا ہوا عینہ زکوئی  
مردہ دوست یاد آ جاتا ہے اور دل دکھا دیتا ہے۔ دہم خوف کسی آئندہ مصیبت کا  
نیال بعض اوقات دل کو بہت بے قرار کر دیتا ہے اور ہر اس چھا جاتا ہے۔

وقت تلک  
یا ترحم

راحت و رنج  
کے ذرائع

عام طور پر دیکھا جائے تو راحت و خوشی یا رنج و کلفت کے حاصل ہونیکے  
بن ذرائع اور یہی ہیں۔ اول خود انسان کی ذات اور اوس کی صحت۔ طاقت  
نسن عادت۔ عقل۔ تعلیم وغیرہ۔ دویم انسان کی ملک اور جائیداد اور تمام اشیاء  
استعمال جو اوس کو حاصل ہوں۔ سویم انسان کی وقعت و عزت یعنی وہ درجہ جو اسکو  
وسروں کی نظر میں حاصل ہے اور وہ راسخی جو اور لوگ اوس کی نسبت رکھتے ہیں۔

تلاش کیے جاتا ہے۔ یہ تلاش نہ صرف تہکاتی اور طول کرتی ہے بلکہ اکثر محروم بھی  
 ہوتی ہے اور اگر کوئی کوئی بری مصیبت رہی ہے تو اس کے رفع کرنے کی  
 اور نہ کوئی شمش کرنا یا اگر وہ رفع نہ ہو سکے تو صبر سے اسے برداشت کرنا دل کو سکین  
 دیتا ہے اور مصیبت کا اثر کم کر دیتا ہے۔

خیالی تکلیف

خود انسان کے برے عادات اور اطوار اس کو زیادہ تکلیف میں ڈالتے  
 ہیں۔ مثلاً غصہ۔ بد مزاجی۔ خود غرضی۔ لانچ دل کو بیچ و تاب میں رکھتے ہیں اور دق  
 کرتے رہتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ امور جو انسان کو فعل وراثت رکھتے ہیں اور  
 دق کرتے ہیں واقعی نہیں ہوتے بلکہ خیالی تکلیف ستاتی رہتی ہیں۔ یا چھوٹی چھوٹی  
 تکلیفیں اگر جمع ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے خیال کی خوردبین سے اون کو بہت بڑا  
 دیکھتا ہے۔ ان تکلیفوں کی اصلیت اور حقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کوئی  
 بری مصیبت سامنے آجائے اس وقت یہ ساری تکلیفیں پیچ معلوم ہونے لگتی ہیں  
 اور معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت کس کو کہتے ہیں؟

مشکلات  
 سبق آموزیت

مشکلات اور تکالیف انسان کی سبق آموز ہیں اور کامل عیار تکلیف میں اس سطح  
 ثابت قدم رہتے ہیں جیسے پہلی سے گذرن چکے تھے۔ یہ آگ اون کے جوہروں کو  
 اور جلا دیتی ہے اور ذاتی صفات کو اچھی طرح چمکانی ہے۔ مشکلیں مستعد آدمی میں کام لیتی  
 قوت کو برہماتی ہیں اور اس کے دل میں جوش۔ عزم تحریک پیدا کرتی ہیں۔ اگر دنیا  
 میں مشکلیں نہ ہوتیں تو سچی و کوشش کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ سچ۔ مشکل  
 تکلیف۔ مصائب نہیں ہیں بلکہ قوت انتظام اور پرہیزگاری کے معلم ہیں۔

تکالیف کے  
 اسباب

انسان کو کسی طرح سے تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ اول جسمانی تکلیف جو کامل صحت  
 کے نہ ہونے یا قوت شہوانی کے تقاضوں کو پورا نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہو۔  
 مثلاً بیماری یا تھکن۔ بھوک اور پیاس کی تکلیف۔ دوم ایسی تکلیف جو اس جسم  
 سے پیدا ہوتی ہوں۔ مثلاً بد مزہ چیز کھانے۔ بد بودار چیز سونگھنے۔ ناگوار چیز کے  
 چھونے۔ کریم نظر صورت دیکھنے۔ دل خراش آواز سننے۔ یا سردی و گرمی کی زیادتی

کتنی ہی دولت و ثروت کیون نہ حاصل ہوا انسان مسرت خاطر کے معمولی درجہ سے کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ اگر ایک سوکھی لکڑی پر پھولوں کے بالیٹ لگائیں یا سوکھی گھاس کو بانی میں ڈال دیں تو وہ کیا ترقی و تازہ ہوگی۔ اسی طرح جس انسان میں خوشی کا مادہ نہ ہو اس کو اگر نعمتہا می دنیا سے مالا مال کر دیا جائے تو اس پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ انسان کے ذاتی اسباب میں سے سب سے زیادہ موثر اس کی صحت ہے ایک فقیر جس کی صحت اچھی ہو اس کا بادشاہ سے زیادہ خوش ہے جو بہتر بیماری پر پڑا ہو۔ اسی طرح نیک مزاجی۔ و اہمتمندی۔ قناعت۔ خوشی کا چشمہ ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انسان خوشی کے اس قدر ترقی کا مادہ کو ترقی دے جو فطرۃً طبیعت میں پیدا ہوا ہے۔

املاک و روپیہ کی خوشیاں

باقی دو ذریعے اگرچہ خارجی ہیں اور عارضی اسباب کی فراہمی سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کو خوشی کے پیدا کرنے میں دخل ہے۔ اگرچہ یہ خوشیاں بھی عارضی ہوں اور بعض اوقات بہت جلد ان میں تبدیلی آجاتی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ املاک و اسباب کی فراہمی سے انسان کو اطمینان آرام۔ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ مسرت حصول سے زیادہ امید حصول میں ہوتی ہے۔ انسان کبھی موجودہ چیزوں پر قانع نہیں ہوتا اور اس کی خواہش کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اگر اس خواہش میں اس کو کامیابی ہوتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور ناکامی ہو تو رنجیدہ ہوتا ہے۔ اس سبب سے ایک انسان جس حالت کو اپنے واسطے نعمت غیر مترقبہ خیال کرتا ہے دوسرا اسے مصیبت جانتا ہے۔ اور دونوں اپنی امیدوں کے پورا نہ ہونے سے برابر ملول ہوتے ہیں۔ انسان کی مختلف ضرورتوں کو خیال کیا جائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ مال و دولت روپیہ پیسہ کو زیادہ عزیز رکھتا اور زیادہ دہمتمند ہونے کی خواہش کرتا ہے اور چونکہ روپیہ انسان کی سب سے کم ضرورتیں پر ترقی پزیر لوگ فطرتاً ہی زیادہ خواہش کرتے ہیں۔ روپیہ کے علاوہ ہر چیز ایک حاجت رفع کرتی ہے۔ مثلاً کھانا بھوک سے نجات دیتا ہے

انسان کی ذات  
میں خوشی حاصل  
کرنے کی قوت

اس راہی کا اظہار اوس مرتبہ اور شہرت سے ہوتا ہے جو ایک شخص کو اپنی سوسائٹی میں حاصل  
ان میں سے پہلا ذریعہ فطرتی اور اصلی ہے اور یہی سارے رنج و تکلیف  
راحت و خوشی کی مینا ہے۔ دو مختلف انسانوں کی خوش حالی اور بد حالی میں جو فرق  
فی الواقع ہوتا ہے وہ اون کی طبعی اور ذاتی کیفیت کے سبب سے ہوتا ہے  
باقی دونوں ذرائع خود انسان نے اپنے خیال میں فرض کر رکھے ہیں اور اس کا  
اثر خواہ کتنا ہی قوی ہوا اعتباری ہے۔ نہ اصلی۔ الماک و جائداد یا عزت و وقعت کا  
اثر انسان کی خوشی پر بالواسطہ ہوتا ہے۔ لیکن بشارت یا انقباض کی عادت جو خود  
انسان میں طبعاً ہوتی ہے وہ بلا واسطہ اوس پر اثر ڈالتی ہے اور اوس کو بشارت یا  
منقبض رکھتی ہے۔ بشارت طبع اشخاص عموماً خوش رہا کرتے ہیں اور اگر کوئی فکر کی  
بات ہو بھی تو وہ اس طرح گزر جاتی ہے جیسے چلتا بادل لیکن جن لوگوں کے دل فطرتاً  
منقبض یا متفکر ہوں اون کو بڑی خوشی اور کامیابی کی حالت بھی بہت تھوڑی مسرت  
و فرحت دیتی ہے اور اون کا دل اوس میں بھی کوئی ایسا اندیشہ پیدا کر لیتا ہے جو  
اوس خوشی کو کہو کر انقباض خاطر کا سبب ہو۔ جیسی انسان کی طبیعت کی کیفیت ہو  
و جیسی ہی دنیا کی ساری چیزیں اوس کو معلوم ہوتی ہیں۔ ایک ہی طرح کا سامان ایک ہی  
طرح کا مکان ایک ہی طرح کا سامان ایک شخص کو نہایت دلچسپ۔ دل خوش کن۔  
راحت بخش معلوم ہوتا ہے اور دوسرے کے دل پر اوس کو دیکھ کر اوداسی  
بے اطمینانی چھا جاتی ہے اور وہ ان سب چیزوں کو اجڑا اور ناکارہ خیال کرتا ہے  
غرض جب تک انسان کے دل میں بشارت کا مادہ نہ ہو۔ ظاہری سامان آرائش و  
عزت اوسے خوش نہیں کر سکتے۔ اگرچہ فراوان سامان اور عالی عہدہ امارت و تہن  
فرق و امتیاز پیدا کر دیں لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ اندرونی خوشی پر ہی ان کا قیام پذیر  
اثر پڑے۔ بعض لوگوں کا دل اوس وقت بھی تفکرات۔ آلام۔ بے اطمینانی سے  
پھرا رہتا ہے۔ قائم رہنے والی اور ہمیشہ ساتھ دینے والی خوشیاں دل کی خوشیاں  
ہیں اور دل کی خوشیاں دل کی قوتوں پر منحصر ہیں۔ اگر دل کی قوت کمزور ہے تو خواہ

پیدا کیا۔ جب انسان کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ میں دنیا میں تہ پہ تہ پہ نہیں  
 کر سکتا ہوں بلکہ مجھے سوسائٹی میں مل کر رہنا چاہیے اور اپنے تین سوسائٹی میں  
 بکار آمد بنانا لازم ہے اور بکار آمد و مفید ہونا یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے تین بکار  
 سمجھے بلکہ یہ ہے کہ دوسرے اس کو بکار آمد سمجھیں اور اس کی قدر کریں اس خیال  
 نے ترقی کر کے عزت کی مختلف صورتیں قائم کر دیں انسان کو اپنی عزت کا یہاں تک  
 خیال ہے کہ اگر اس پر کوئی الزام لگایا جائے تو خواہ جھوٹ ہی ہو اس کا رنگ فق  
 ہو جاتا ہے اور اپنے تین بری کرنے کی سعی کرتا ہے تاکہ اس شرم سے بچو  
 دوسروں کی نظر میں بے وقعتی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے جب انسان کو یہ معلوم  
 ہوتا ہے کہ کسی سبب سے بہت سے لوگ میری عزت کرتے ہیں تو وہ جانتا ہے  
 کہ میری طاقت بڑھ رہی ہے گویا وہ میرے معاون و حامی ہیں اور اسی سبب سے  
 اس کو خوشی ہوتی اور اس کے دل کو راحت پہنچتی ہے اور انسان اپنی عزت  
 کی اس قدر حفاظت کرتا ہے کہ ازالہ حیثیت عربی کی صورت میں عدالت قانون سے بددلتا  
 عزت صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ اس شخص سے اس قسم  
 کے افعال سرزد ہوئے تھے بلکہ اس خیال کا نام ہے کہ لوگوں کو یہ یقین ہے کہ  
 اس شخص میں اوصاف حمیدہ اس قدر اسخ ہیں کہ ہمیشہ ایسے ہی صادر ہوا کریں گے۔  
 جو عزت کسی اعلیٰ عہدہ یا مرتبہ کے حامل ہونے سے ہوتی ہے وہ ہی اسی کا نام ہے  
 کہ لوگوں کو یہ یقین ہو کہ اس شخص میں اس عہدہ کے فرائض منصبی کو اچھی طرح انجام دینے کی  
 قابلیت ہے اور جس قدر زیادہ مشکل اور اہم فرائض ہوں گے اسی قدر زیادہ یقین  
 ہونا چاہیے کہ عہدہ دار کے اخلاق۔ علم۔ دانش۔ تجربہ اس کی انجام دہی کے قابل  
 ہیں۔ اور اسی سبب سے اس کا اظہار و وقعت زیادہ کرتا ہے۔ فوجی عہدہ داروں کی  
 خدمت بہت مشکل اور ذمہ داری کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ملک اپنے بادشاہ اپنی قوم  
 اپنے مذہب کی خاطر جان تک دیدیتے ہیں اسی سبب سے اون کی وقعت بھی زیادہ  
 ہوتی چاہئے اور یہی عزت حاصل کرنے کی غرض اون کو میدان جنگ میں لیجانی اور



اپنی پیاس بجھااتا ہے۔ وہ دوا بیماری سے شفا دیتی ہے وغیرہ لیکن روپیہ ان کل اشیاء کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اور اسی سبب سے ایک ایسی شے کے حاصل ہونے سے انسان کو بہت خوشی ہوتی ہے جو اس کی ہر قسم کی ضرورتوں کے پورا ہونے کا ذریعہ ہو سکے۔

خوشی بخشی ہے

یہی یہ خواہش کہ لوگوں کی فطرتوں میں وقعت ہو اور اپنے پرانے عزت و حرمت کریں اگرچہ اس کو انسان کی راحت و خوشی سے زیادہ تعلق نہیں ہے لیکن فطرتاً انسان کی طبیعت اس قدر کمزور پیدا کی گئی ہے کہ اس کو اپنی عزت و آبرو کا بہت پاس ہوتا ہے اور نظام عالم بر نظر کی جائے تو اس میں بہت بڑی مصلحت ہے ورنہ دنیا میں ٹھنڈی ایک بے معنی لفظ ہوتا۔ غریب سامیر۔ عالم۔ جاہل ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے اقربان و امثال جن سے اس کو تعلق ہے اس سے اچھا یا معزز یا برتر نہ سمجھیں اور اس کے لیے انسان اپنا مال بلکہ اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ جب کسی شخص کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی رائی میری نسبت عمدہ ہے یا وہ کوئی خوشامد کا کلمہ یا اپنی بڑی کی تحسین سنتا ہے تو اس سے کیوں خوشی ہوتی ہے خصوصاً جس امر میں کوئی شخص خسر کرتا ہے اگر اس کی نسبت کوئی کلمہ کہا جائے تو بہت جلدی اثر ہوتا ہے اور اس خیال میں کم و بیش دنیا کا ہر فرد بشر مبتلا ہے اور صرف اس کے واسطے بہت سے لوگ بڑے بڑے کام کرتے اور بہت سا سامان آرائش رکھتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظروں میں وقعت قائم ہو یہ خیال اگر غرور و نخوت یا خوشامد پسندی تک پہنچ جائے تو بڑا ہے اور اگر صرف خود داری اور عزت کی حد تک رہے تو بہت عمدہ ہے۔ دنیا میں ہر چیز کی قیمت ہے اور اگر وہ قیمت قائم رہے تو وہ خراب اور ذلیل تصور کی جاتی ہے اسی طرح انسان کی عزت اس کی ذات کی قیمت ہے اور اگر کوئی شخص اپنی ذاتی عزت کا خیال نہ رکھے تو وہ اپنی قیمت گھٹا دیگا اور اسی نسبت سے اس کی خوشی گھٹ جائیگی۔ سو سادگی میں عزت حاصل کرے گا خیال انسان کی مدنی الطبع ہونے کی خاصیت ہے



# باب پنجم

## کتاب مجاہد اخلاق

### ۱۔ رویہ

زندگی کی قیمت  
کام کی عمدگی پر  
منحصر ہے

ہر شخص کی زندگی کی قدر و قیمت کا اندازہ اوس کے چال و چلن سے ہو سکتا ہے  
یعنی دنیا میں اوس نے جس قدر اچھے کام کیے اوس کی قدر اوس کی زندگی زیادہ  
قیمتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص عمدہ مقرر۔ سخن سنج۔ عالم۔ صنعت بن سکے۔  
لیکن یہ ممکن ہے کہ ہر شخص خوش اخلاق بنے۔ مہربان۔ پرہیزگار۔ کم سخن بکھار  
صفا فی پسند۔ منکسر مزاج۔ بردبار۔ محنتی۔ آزاد۔ قانع بن جائے۔ یہہ اوصاف ہیں  
جن کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قدرت نے یہ مادہ نہیں دیا لیکن بہت تہور  
ہیں جو ان اوصاف کو حاصل کرتے ہوں۔ کسی فن کے اصول کا صرف جاننا ہی  
چھہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ عمل طرز پر اوسے کام میں نہ لایا جائے۔ اسی طرح  
اخلاق کے اصول سے صرف آگاہی ہی مفید نہیں ہے جب تک کہ انسان اون پر  
کار بند نہ ہو۔ اگر بھلا مانس سب سے کوچی چاہتا ہے۔ دل میں خوش رہنے اور پھلنے  
پھونکنے کی آرزو ہے تو اصول اخلاق کی پیروی کرنی لازم ہے جب یہ ٹھان لی  
کہ سیدھی راہ سے کبھی نہ مہرین گے اور کائناتش (نفس لوامہ) جن امور کی ہدایت  
کرتا ہے اون سے کبھی منہ نہ موڑے کہ تو رحمت و برکت کو دروازہ کھل جاتی ہیں۔  
بہت سے کام اور خوجہ صابر سے کام لیسے ہیں جن کی کسی کو کانون کان بھی  
خبر نہیں ہوتی اور اسی سبب سے بعض لوگ ایسے افعال قبیحہ کے کرنے میں جنکی  
افشاں راز کا اندیشہ نہ ہوا حتر از نہیں کرتے لیکن فقط لوگوں کی نظروں کا خیال رکھنا  
اور دوسروں کی رائی میں عمدہ ہونا اصلی خوبی نہیں ہے بلکہ نفس لوامہ میں انسان کا رویہ  
اچھا ہونا اور خود اوس کی اپنی نظر میں اپنا کوئی نیکی ایک نظر نہ انا اصلی عمدگی ہے۔

خود انسان کی  
نظر میں اپنا رویہ  
عمدہ ہونا چاہیے

ترقی دل خوشکن  
ہوتی ہے۔

انسان کی طینت اس قسم کی بیدار کی گئی ہے کہ وہ ایک حالت میں قائم نہیں

سُرخ و کُرتی ہے۔ وہ خوشی جو ایک سیاہی کو میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے ہوتی ہے محفوظ قلعہ نشینوں کو آرام کرسیوں پر نہیں ہوتی۔

مردوں سے زیادہ عورتوں کی عزت کا مسئلہ نازک ہے اور ان کی ساری خوشی اور آرام کا دار ان کی عزت پر ہے۔ عورتوں کی ساری ضرورتوں کے کفیل مرد ہیں اور قدرت نے عورتوں کو امور خانہ داری میں مردوں کا ہاتھ بٹائیوالا اور معاون پیدا کیا ہے۔ مرد کو عورت کی نسبت زیادہ قوت۔ زیادہ علم۔ زیادہ عقل ہوتی ہے اور وہ دنیا میں عورت کی نسبت زیادہ عمدہ زیادہ اعلیٰ کام کر سکتا ہے۔ اس واسطے سوسائٹی کا امن اور حسن انتظام اس میں ہے کہ مرد عورتوں کے محافظ ہی ہوں۔ اس کا عیوض عورتوں کی جانب سے یہ ہوتا ہے کہ عورتیں وفادار اور ثابت قدم رہتی ہیں۔ ان کی عصمت ان کا اصلی جوہر ہے جس عورت نے اپنی وفاداری اور ثابت قدمی کہودی اوس نے اپنی عزت کہودی اور چونکہ آبرو کا پرہیز نہیں آتی وہ خوشی اوس کو پہر نہیں چاہل ہو سکتی جو پہلی حالت میں تھی۔

خوشی انسان کی صحت کو ترقی دیتی ہے۔ کیونکہ افکارات اگر چہ خفیف ہوں اور انقباض اگرچہ کم ہو لیکن اگر متواتر رہے اور دل کو برابر ہلکے ہلکے صدمے پہنچتے رہیں تو خواہ اوس کا باعث کوئی جسمانی تکلیف ہو یا روحانی عذاب ہو۔ جسم کے نازک حصوں کو ایسا صدمہ پہنچتا ہے کہ ایک دن وہ تمام مشین جس کا نام جسم ہے بیکار ہو جاتی اور یہی حال لک ہے کہ بے نشاشت اور خوشی کی حالت میں اوس میں آرام اور سکون رہتا ہے ورنہ یعنی ستاتی ہے پس ہر انسان کا فرض ہے کہ ان اصول کو سوئے جو حقیقی راحت اور خوشی بخشے اور غیر ضروری خیالی تکالیف کو کم کرتے اور ان سے نجات بخشے ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی آرام اور اطمینان سے گزار سکے اور یہی ہر انسان کا مقصد ہے۔

عورتوں کی عصمت  
اُن کی عزت کا  
باعث ہے

خوشی کا اثر

بہترین تہیہ کے پردے میں لیکن جب یہ پردے اوٹھے جائیں گے تو اوس وقت  
ہر شخص اور اوس کے افعال جاننے جائیں گے۔ اوس کی حسرت۔ اوس کا مرتبہ  
وس کی حکومت اوس کا خاندان ذرا کام نہ آئیگا۔

جٹلمین

انسان اس جہان میں اشرف المخلوقات پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن یہ شرف  
بہت کچھ اکتساب پر منحصر ہے۔ یعنی انسان کے رویہ کی درستی پر ہمارے محاورہ  
میں اچکل لفظ جٹلمین عام ہو گیا ہے لیکن اصلی معنی کے خلاف استعمال ہوتا ہے  
ہم ایسے شخص کو جٹلمین کہتے ہیں جو لباس اور معاشرت میں فضول خرچی کرے  
اور نہ یا انگریزی قاعدوں کا پابند ہو۔ انگریزی لباس پہننا۔ چرٹ مینا۔ بے ضرورت  
عینک لگانا۔ کہانے میں چھری کا استعمال کرنا۔ اپنی قومی وضع کی ہر ایک چیز پر ناک  
بھون چڑھانا اور ایسی ہی عجیب عجیب حرکتیں کرنا جٹلمین ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن  
در اصل جٹلمین (شرافت) ظاہری وضع اور فیشن سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ آدمی میں  
اوصاف حمیدہ کی موجودگی کا نام ہے اور جس شخص میں جس قدر زیادہ اوصاف حمیدہ  
ہوں گے وہ اتنا ہی زیادہ جٹلمین ہوگا۔ راست بازی صداقت۔ پرہیزگاری۔ حلم وغیرہ  
کل اوصاف جو علم اخلاق سکھاتا ہے جٹلمین میں پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے رویہ کو  
صرف اس ہی واسطے درست نہیں کرتا کہ دوسرے دیکھیں تو برا نہ کہیں بلکہ اس لیے  
کہ خود اوسکی نظر میں اوس کا کوئی فعل قبیح نہ معلوم ہو اور اوس کا دل اوسے ملاست  
نہ کرے جٹلمین منکسر المزاج ہوتا ہے اور دوسروں کا ادب اور لحاظ کرتا ہے۔ مہربانی  
حلم۔ سنجیدگی۔ اور منانیت اوس کے لیے لازمی خصائل ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی  
چند صفیں ہیں جو ایسے شخص میں جو جٹلمین کا خطاب حاصل کرنا چاہے موجود ہونی چاہئیں  
۱۔ اختلاف رائی کی برداشت اور تحمل کرنا۔ یہ ظاہر ہے کہ تمام لوگ ایک سا بچے کو ڈھٹے  
ہوئے نہیں ہیں ایک ہی ملک کے باشندوں کے خیالات۔ رسم و رواج۔ عادات  
میلان طبع۔ وضع اور طریقہ۔ صورت و شکل میں بہت کچھ اختلاف ہوتا ہے۔ اور جب  
ممالک کا اختلاف بھی ہو تو ہر طبع اور خیالات کا اختلاف بہت بڑھ جاتا ہے۔ ورنہ ملک

تخل

رہ سکتا عروج کی طرف ترقی کر گیا یا حنیض بکبت میں گر گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ترقی خواہ آہستہ آہستہ ہو۔ دلچسپ اور دل خوش کن ہوتی ہے لیکن ہر ترقی میں اتنا خیال رہے کہ علم و عمل دونوں ترقی کریں۔

کسی فعل کے متعلق یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ ہمارا دل کیا چاہتا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمیں کیا کرنا لازم ہے اور یہی بات حقیقی مسرت کی گنجی ہے۔ دنیا میں نیکو کار اور بدکار دونوں طرح کے آدمی ہیں لیکن بدکار کے سب دشمن ہیں حتیٰ کہ اوستے دوست بھی اوس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں خود بچلے زمانہ کی یاد اوان کو تکلیف دیتی ہے دنیا قید خانہ اور موت خوفناک معلوم ہوتی ہے۔

اعمال کی عمرگی  
اصلی ترقی ہے

آوارہ نوجوان اپنے افعال ناجائز کا یہ عذر پیش کیا کرتے ہیں کہ یہ تقاضا ہی عمر ہے لیکن رویہ کی خوبی کے امتحان اور عمدہ اصول پر کار بند ہونے کا زمانہ عمر جوانی ہی ہے۔ ورنہ جب اقدام معصیت پر قدرت نہ رہے اوس وقت اگر انسان نے منہیات سے اجتناب کیا تو فی الحقیقت اوس کا وہ فعل محضت بی بی است از بے چادری سٹیکاکول ہے کہ گویا اچھا ہوتا اگر لوگ اپنے دماغوں سے یہی ایسا ہی کام لیتے جیسا کہ وہ جسم سے لیتے ہیں اور نیکی حاصل کرنے میں بھی ایسے ہی مشغول ہوتے جیسا کہ حطال کرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں یونیا میں ایسے آدمی بہت سے ہیں جنہوں نے خود اپنے تئیں خراب کیا ہے اور ایسے کہ میں جن کو دوسروں نے برباد کیا ہوا انسان نے جتنے شہروں کو برباد کیا جتنے مکانات کی بجلی کی اوتھنی نہ سمندر کے طوفان نے کی نہ زلزلہ کی شدت نے۔ اور جو بربادی کہ خود انسان کے ہاتھ سے ہو وہ زیادہ قابل افسوس ہے۔ ایک اور حکیم کا قول ہے کہ بہت سے لوگ اپنا بہت سا وقت باقی وقت کو مصیبت زدہ کرنے میں گنوا لے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ پرانیان باوی النظر میں بہت دلفریب معلوم ہوتی ہیں اور ایک گہری کی گہری بہت لطف بخشی ہیں لیکن اس ایک گہری کے خط سے عمر بھر کی خوشی پر پانی پیر جاتا ہے۔ دنیا ایک تھیٹر ہے جس میں ہر شخص اپنا اپنا ایک کڑا ہے۔ دولت۔ عزت۔ حکومت اور فرمانبرداری اور ایسی ہی

لیے موجب ننگ اور باعث شرم ہوں۔

۵۔ ارسطو نے عالی ہمت آدمی کی جو تعریف لکھی ہے وہ آجکل غلبہ بینوں کو اختیار کرنی چاہیے وہ کہتا ہے کہ عالی ہمت آدمی فارغ البالی اور بد حالی دونوں میں اعتدال سے رہتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ترقی اور تنزل کیا چیز ہے۔

اس لیے نہ وہ کسی کامیابی پر خوش ہوتا ہے نہ ناکامی پر رنجیدہ۔ وہ نہ خطرات سے بہاگتا ہے نہ خواہ مخواہ خطروں میں پڑتا ہے بہت کم ایسی چیزیں ہیں جنکی اوپر وہ ہوتی ہے جب قوم کے بہت سے افراد میں مکارم اخلاق کی پابندی کا خیال پیدا

خوش رویگی  
تو عزت کا  
سبب ہے

ہو جاتا ہے اور عام طور پر لوگ کم و بیش عہدہ عہدہ عداوت اختیار کر لیتے ہیں تو قومی ترقی اور قومی عزت کا فخر حاصل ہو جاتا ہے اور یہی کل ترقیوں کی بنیاد اور کل ترقیوں سے زیادہ دیر پایہ ہے اور ہر شخص کو ہر کوشش میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی

فائدہ خود غرضی سے نہیں حاصل کیا جائے بلکہ قوم کی عام بہبودی اور سرسبزی اور ترقی مد نظر ہے جو اوصاف کہ ہم حاصل کرنا چاہتے اور حاصل کرتے ہیں ان میں بھی یہ ملحوظ خاطر ہے کہ چونکہ ہم بھی قوم کے ایک ممبر ہیں اس واسطے ہماری ترقی بھی

ایک خاص حد تک قوم کی ترقی ہے۔ اور اصول اخلاق کے جس قدر قواعد ہیں وہ صرف اشخاص کی ذات سے فرد افراد ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان کا تعلق اور ان کا اثر من حیث القوم تمام افراد قوم پر پڑتا ہے اور جو قوم ان قواعد کو نظر انداز کر دی

اور ان پر کاربند نہ ہو پانچوڑی وہ بہت جلدی دنیا میں ذلت و غاری کے رتبہ پر پہنچ جائے گی جب تک قوم کے اخلاق اور قوم کا مذاق درست نہ ہو اس کو دیرپا عظمت اور بزرگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ بڑے بڑے سنگین قلعہ دار قلعہ شکن تو ہیں

محلات اور شاہی عمارتیں اور ظاہری نائیش کی باتیں ترقی کے نشانات نہیں ہیں بلکہ قومی ترقی کے نشانات ہیں قوم کا جو ایسی علم و صداقت ہونا۔ ان میں محنت کی عادت اور وقت کی پابندی ہونا۔ قوانین کی اطاعت و وفاداری اور باجماعت ملوث فیض

اور یہ سیادتیں علم اخلاق سے معلوم ہوتی ہیں۔

کے باشندوں کی زبان۔ مذاق۔ مذہب۔ وضع طریقہ۔ مختلف ہوتا ہے۔ یہ اختلاف ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ آخر ہم میں بھی تو بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے دوسرے لوگ متفق نہیں اور خود ہمیں بھی ضرورت ہے کہ دوسرے لوگ اس اختلاف رائے کے سبب سے ہماری معاونت اور میل المپ نہ چھوڑیں تو ہم کم پورٹ دوسروں کے اختلاف سے اغماض کریں۔ پہلے آدمیوں کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسرے کے عیوب سے چشم پوشی کرتے اور ہنروں کو دیکھتے ہیں وَاَذْهَبُوا لِلْعَوْدِ وَالْاِکْرَامِ ۲۔ عزت و آبرو کا خیال۔ جنٹلمین کو یہ بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جس سے اوس کی بات میں فرق آئے اس سبب سے وہ ہمیشہ راست بازی اور دیانت داری سے کام کرتا ہے۔ اور جو زبان سے کہتا ہے وہی کر دکھاتا ہے۔ اگر ان کہہ دی تو چھری لکیر ہے کہ یہ بات سے نہیں ٹکنا۔ اور اگر ضرورت و مصلحت کے لحاظ سے لفظ نہیں کہنے کی حاجت ہے تو ذرا بھی باک اور تاکی نہیں کرتا۔ وہ لالچ اور حرص کے پہنڈے میں نہیں پہنستا۔ عدالت کے خلاف کرتا ہے۔

خود داری

۳۔ صداقت۔ صداقت جنٹلمین کی زبان کا جو ہر ہے۔

صداقت

۴۔ دولت یا رتبہ کو جنٹلمین سے کوئی لازم نہیں ہے۔ ایک غریب آدمی بھی جنٹلمین ہو سکتا ہے۔ جبکہ اوس کا دل اخلاق پسندیدہ سے معمور ہو اور روزانہ زندگی میں افصال محمود و اس سرزد ہوتے ہوں۔ کیا غریب آدمی دیانت دار ہے۔ راست باز۔ خلیق۔ پرہیزگار۔ ولیہ خود دار۔ بلندوصلہ نہیں ہوتے؟ اور جس شخص میں یہ صفات ہیں جو وہ بیشک جنٹلمین ہے۔ غریب آدمی جس کا دل غنی ہے اوس امیر سے بہتر ہے جس کا دل محتاج و حرج ہے۔ ہو۔ اکثر اوقات دولت بد رویہ کی کاباحت ہوتی ہے اور انسان کا رتبہ بجای بڑا نیگے گھٹا دیتی ہے۔ پست ہمت اور عیش پسند لوگوں کے ہاتھ جب دولت لگ جاتی ہے تو اس سبب سے کہ اون کو اپنی طبیعت پر قابو حاصل نہیں ہوتا اون کے جذبات نفسانی اونہیں ایسی باتوں کی طرف مائل کر دیتے ہیں جو خود اپنی ذات کے لیے اور دوسروں کے

دولت

نہن کی حمایت کے اوس کو برباد کرنے اور خلق خدا میں پھیل چکا کھمبیا اور اون کی عقل و ذکاوت اون کے غرور کو ترقی دینے اور اون کے خود غرض کاموں کی تکمیل میں جس کا الوالعزمی اور بہاوری نام رکھا گیا تھا صرف ہوئی اور آج تک تاریخ کے صفحے اون کے نام خوف سے لیتے ہیں۔

نیک رویہ لوگ مودب بھی ہوتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں میں ادب کی خدمت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اون کے دل پاک اور کسی اعلیٰ خیر کے لئے ہوتے ہیں۔ پرانی یادگاروں اور بزرگوں کی نشانیوں۔ پاک اور متبرک چیزوں۔ پاکیزہ خیالات نیک ارادوں۔ مقدس بزرگوں اور پیشواؤں کا ادب انسان کی سرشت کی صفائی اور صاف باطنی کی دلیل ہے اور یہ انسان کی خوشی کو من حیث الافراد اور من حیث القوم بڑھاتا ہے اور خاندانوں اور گھرانوں میں محبت اور معاشرت میں جس طرح اس سے قائم رہتا ہے اگر اظہار ادب کوئی خیر نہ ہو تو دنیا سے خوش اعتقاد ہی۔ اعتبار اور وقعت اور عزت سب چیزیں مٹ جائیں

نیک رویہ پہلی آنکھوں سے واقعات دنیا کو دیکھتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اوس سے سبق حاصل کرتا ہے۔ وہ بات بات سے ایک تجربہ حاصل کرتا ہے اور یہ تجربہ اوس کی عقل کو بڑھاتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ خدا نے عقل انسان کو بے ضرورت عطا نہیں فرمائی ہے اور خود اعمال کی اصلاح اپنے تجربوں اور عقل سے کرنی چاہیے جس طرح آفتاب اہل جہان کی آنکھوں میں نور بختا ہے اسی طرح نیک رویہ شخص اپنی سوسائٹی کا آفتاب ہے کہ سب کے سب اوس کی ہدایت کی نورانی شعاعوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ جن جن زمانہ گزر رہا تھا ہے وہ کمزور اور بڑا نہیں ہوتا بلکہ اوس کی روحانی طاقت اور اوس کی عقل کی قوت بڑھتی جاتی ہے اور بجائی تکلیف کے بڑھایا اوس سے راحت اور اطمینان بختا ہے۔

انسان کا عمدہ چال و چلن اوس کے کلام و بارہل کرتا ہے اور معاشرت اور نہن کے تعلقات میں سہولت۔ آرام۔ اعتماد اور اطمینان پیدا ہوتا ہے اور لوگ انسان

خوش اخلاق  
اوی کا طالع

خوش اخلاق  
کی برکتیں



خوش رہائی  
کامیابی کی  
اصل ہے

زندگی کے کاروبار اور دنیا کے معاملات میں دانشمندی سے زیادہ خوش  
روئیگی کی ضرورت پڑتی ہے اور دماغ سے زیادہ دل کی قوتوں کا اثر انسان کو  
کامیاب کرتا ہے۔ ذکاوت سے زیادہ خودداری۔ صبر اور پابندی وقت کام آتی ہے  
ایسا ہی ہوتا ہے کہ خوش رویہ آدمی کی شہرت اہستہ ہوتی ہے اوس کے سچے اور  
ہرگز چھپے نہیں رہتے ممکن ہے کہ خود غرضی سے لوگ غلط بیان کریں یا غلط فہمی سے  
اوس کی خوبیوں کو نہ سمجھیں ممکن ہے کہ نکبت و بد قسمتی کا بھی سامنا ہو لیکن صبر اور  
تحل سے یہ دن گزر جاتے ہیں اور پھر زمانہ اوس کا ادب کرتا ہے اور اوس کا  
وہ اعتماد قائم ہو جاتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔

عمدہ رویہ اور نیک چال وطن بغیر کوشش کے نہیں حاصل ہوتے اور عمدہ  
رویہ رکھنے کے لیے ضرور ہے کہ انسان اپنے ہر ایک چھوٹے بڑے فعل کو  
نظر غور سے دیکھتا رہے اور قواعد و اصول کی پابندی کا ہر لحظہ خیال رکھے اول  
انسان کو بہت خواہشیں ستاتی ہیں۔ ان قیود سے دل گھبراتا ہے۔ مزاج میں متن  
پیدا ہوتا ہے۔ لیکن خواہ کتنے ہی مشکلات ستائیں اور نا کامیوں کا سامنا ہو اگر دل  
مضبوط اور عزم مستقل ہے تو ان سب پر فتح حاصل ہوگی صرف یہ کوشش کرنا ہے کہ انسان  
اپنا رویہ درست رکھے اور مکارم اخلاق کا پابند رہے دل کو قوت بخشتا اور نفس طافہ کو ترقی دیتا  
احکام مذہب و علم اخلاق انسان کے رویہ پر بہت عمدہ اثر ڈالتے ہیں۔  
انسان دیانت و راستبازی کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کرتا ہے اور ثابت قدمی  
سے اوس پر قائم رہتا ہے۔ صداقت کا جو ہر ہمیشہ کنند کی طرح چمکتا رہتا ہے اور یہ  
ناممکن ہے کہ لالچ یا نانیس کا رنگ اوسے کہا جائے۔

درستی اخلاق  
کی کوشش  
کامیابی بخشتی  
ہے

مذہب اخلاق  
عقل کا اثر  
انسان پر

بر اخلاق آدمی  
میں ذکاوت  
کا اثر

دیانت و صداقت کے بغیر ذکاوت ایسی ہے جیسے اندھے کے ہاتھ میں تلوار  
دنیا میں بہت سی خوزیریاں اور لوٹ مار صرف اس سبب سے ہوتی کہ جن لوگوں میں  
زور رہتا اور ان میں ایمانداری اور صداقت نہ تھی وہ اپنی عقل کو خلق خدا کے کونٹے اور  
دنیا کو غارت کرنے کے کام میں لاتے تھے۔ انہوں نے اپنی قوت سے بجا گئے



کے کنارے پر آگئی ہے۔ اصول اخلاق کی تعلیم جس قدر عام ہوگی اور لوگوں کے دل خود جس قدر نیک کاموں کی طرف راغب ہوں گے اوستی قدر اذن میں اس قدر قائم رہے گا اور وہ ترقی کریں گے ورنہ قوانین اُن کی خرابیوں کا اندازہ اور جرائم کا استیصال نہیں کر سکتے۔ دنیا میں اقوام کی قوت۔ تہذیب۔ شائستگی ہر علم و فن میں ترقی۔ ہر کمال کا اکتساب اور اخلاقی حالت کی درستی پر منحصر ہے۔ اور اگرچہ ایک وقت ایسا ہو کہ ناشائستہ اشخاص مڑے اڑا میں لیکن زمانہ کچھ عرصہ میں ساری طاقت کو اس طرح خاک میں ملا دیکھا جیسے ایک عالی شان مکان سیلاب کے پوشیدہ اثر سے ایک دم سے گر پڑتا ہے اور بد اعمالی کا نتیجہ جلدی یا دیر میں ملکر سرنگا جب کسی قوم میں زوال آتا ہے تو اُس کے اخلاق خراب ہونے شروع ہوتے ہیں باقی جاہ و مراتب اور مال و دولت اور ظاہری سامان سب کچھ ویسا ہی برقرار رہتا ہے جیسا پہلے تھا۔ اخلاق کا ضعف اُن کی طاقت کو رفتہ رفتہ گھٹا کر بالکل کمزور کر دیتا ہے اور پھر دوسری سربراہ اور وہ قومیں اُن پر قابو حاصل کر لیتی ہیں یہاں تک کہ اُن کی ترقی کے سارے آثار مٹ جاتے ہیں۔

ذہانت و ذکاوت فہم و ادراک حسی و چالاکائی بد اخلاق آدمیوں میں بھی ہوتی ہے لیکن وہ ان آئینے خرابی و قلمبہیلیاں تے ہیں۔ جیسے قزاق کے ہاتھ میں تلوار اور ران کے نیچے عمدہ گھوڑا ہو کہ خوب لوٹے اور بہاگ جائے۔ ایسی شہسواری سے سوار بربادی کے اور کیا ہوگا اسی طرح عقل فساد اندیش بے عقلی سے زیادہ مضر ہے۔ صرف علم اخلاق ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو راہ مستقیم پر قائم رکھتا اور فرائض منصبی ادا کرنا سکھاتا ہے

## ۲۔ امراض نفسانی

اگر انسان کے کسی عضو میں درد یا پھوڑا ہو تو تکلیف کے مارے ساری جان بے کل ہو جاتی ہے اور وہ علاج کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن قلب کی بیماریاں اگرچہ جسمانی بیماریوں سے زیادہ سخت۔ زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ تباہ کرنے والی ہیں بلکہ

عقل فساد  
اندیش

کے چال و چلن بنی سے اوس کی اندرونی حالت اور دلی نیکی اور قلبی صفائی کا اندازہ کرتے ہیں اور اسی لحاظ سے لوگوں کے دلوں میں اوس کی وقعت ہوتی ہے انسان کے چال و چلن سے اوس کا مذاق اور اوس کی سوسائے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ ہر چیز بنائے سے بنتی اور پیدا کیے سے پیدا ہوتی ہے اخلاق حمیدہ ہی عادت اور احتیاط سے قوی اور مستحکم ہوتے ہیں اسی طرح رویہ کی درستی بہت کچھ محتاج پرداخت ہے اور دیگر تمام اوصاف پر اس بات کو مقدم رکھنا چاہیے کہ انسان کا چال و چلن ٹھیک رہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ خوشی۔ ہنر۔ دولت۔ قوت۔ ذکاوت زیادہ اس کا خیال رکھنا لازم ہے کیونکہ وہ اوصاف نیک رویہ کی کے طفیل سے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ صفائی قلب اور نیک رویہ کے بغیر ظاہری طمطراق اور صفائی جس کو عرفاً تہذیب اور تہذیب منی کہتے ہیں بیکار سی اور دام ترزویہ ہے۔

قوم کی حالت  
کن لوگوں سے  
معلوم ہوتی ہے

بڑے بڑے فلسفیوں۔ شاعروں۔ ادیبوں۔ مقنون کو دیکھنے سے کسی قوم کی اصلی کیفیت اور قوم کا اصلی رویہ نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ اوس کے ادنیٰ اسوہ اگر دیکھا کر ضروری پیشہ آدمیوں اور ہر طبقہ کے لوگوں کے رویے سے اوس قوم کی اصلی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ امرا کا طبقہ قوم کی خوش حالی کی اتنی دلیل نہیں ہے جتنا غریب کا وہ طبقہ جو اپنی روزانہ معیشت اپنی قوت بازو سے پیدا کرتا ہے اور یہی لوگ قوم کی طاقت اور قوت ہیں اور ان ہی کی خراب حالت اور کمزوری ملک کی کمزوری ہے۔ قوم کے اکثر افراد میں خواہ امیر ہوں یا غریب بد رویہ کی کا پایا جانا اوس کے برباد ہونے اور اوس کے تشرل کی دلیل ہے۔ جو اوصاف فرد افراد ایک شخص کو معزز بناتے ہیں وہی جب قوم کے اکثر افراد میں پائے جاتے ہیں تو اوس کو معزز و محترم کر دیتے ہیں۔ جب تک افراد قوم عالی حوصلہ۔ بلند ہمت۔ دیانت دار۔ راست باز۔ نیک کردار۔ جری بہادر۔ شجاع نہ ہوں۔ دنیا کی دوسری قومیں ان کو عزت و حرمت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں بلکہ معزز بننے کے لیے ضرور ہے کہ وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح ادا کریں۔ جو قوم رات دن عیش و عشرت میں بسر کرے اور شراب عقلت میں مست رہے۔ وہ برباد

اشخاص جسمانی صحت کے لحاظ سے بہت صحیح بعض علیل اور بعضوں کے امراض قابل علاج اور بعض ناقابل علاج ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض امراض نفسانی آسانی سے جاسکتے ہیں بعض بمشکل اور بعض طبیعت میں ایسے راسخ ہو جاتے ہیں کہ اون کا ٹٹنا محال ہو جاتا ہے لیکن یہ دشواری اس سبب سے پڑتی ہے کہ خود مریض اپنے تئیں مریض نہیں سمجھتا اور وہ علاج کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ کسی مرض کا علاج ناممکن نہیں ہے بلکہ مریض کو مرض کا حال سمجھانا اور اسے علالت کا یقین دلانا ناممکن ہے اور اگر کسی طرح مریض کو یہ خیال ہو جائے کہ واقعی اخلاق ذمہ اوسے تباہ کر رہے ہیں اور وہ اس کے استیصال کی طرف متوجہ ہو تو کوئی مرض ناقابل علاج اور کوئی اخلاق ناقابل تغیر نہیں ہے۔ تغیر اخلاق کے لحاظ سے انسان کی چار حالتیں ہیں۔

۱۔ جاہل محض۔ یعنی وہ شخص جو اخلاق ذمہ کا اس سبب سے مرتکب ہوتا ہو کہ

مریضوں کی  
مختل حالتیں

اوسے اچھے برے کی تمیز ہی نہیں ہے۔

۲۔ جاہل و گمراہ یعنی وہ شخص جو عمل بد کو جانتا ہو مگر عمل صالح کا عادی نہ ہو اور اوسے وہ عمل ہی اچھا معلوم ہوتا ہو یا اوس کی عقل قولے شہوانی اور غضبی کی مطیع ہو رہی ہو۔ لیکن وہ برے کام کو برا جانتا ہو۔

۳۔ جاہل و گمراہ و فاسق یعنی وہ شخص جو اعمال بد کو اچھا جانے اور اونا اعتقاداً مرتکب نہ ہو۔

۴۔ جاہل۔ گمراہ۔ فاسق۔ شریر۔ یعنی وہ شخص جو شر پر اعتقاد رکھنے کے علاوہ اس پر فخر بھی کرتا ہو اور اسے فضیلت جانتا ہو۔

ان میں سے پہلے شخص کا علاج بہت آسان ہے اوس کو تعلیم و تادیب کی ضرورت ہے۔ دوسرے شخص کا علاج کسی قدر مشکل ہے۔ کیونکہ برے کام چھوڑنے اور نیک کاموں کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔ تیسرے اور چوتھے شخص کا علاج محال ہے کیونکہ اوس کو یقین دلانا کہ جو افعال و اعمال وہ کرتا ہے وہ مذموم و قبیح ہیں بہت مشکل کام ہے۔ لیکن جب وہ اپنے اعمال کی بُرائی کو سمجھنے لگے تو پہلے اور دوسرے درجہ میں آجائیں گے اور اس صورت میں علاج ممکن ہوگا۔ اور صحت نفس حاصل ہوگی۔

امراض نفسانی  
کی شناخت میں  
مشکلیں

بہت کم لوگ ہیں کہ اوس کے علاج کی طرف متوجہ ہوتے ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کو امراض نفسانی کی خبر نہیں ہوتی اور انسان کی نظر اپنے عیوب کی شناخت اور امراض کی تشخیص میں بہت غلطی کرتی ہے وہ امراض کو صحت اور عیوب کو ہنہ جانتا اور کچا سمجھتا ہے اور اسے تھمال کرنے کے اہل کی نگہداشت کرتا اور غور کرتا ہے۔ ایک عضبناک شخص اپنی تعریف کرتا ہے کہ مجھ میں ذرا برداشت نہیں۔ ایک بندہ شکم میں بگڑا ہوا ہے کہ میں دو تین آدمیوں کا کھانا اکیلا مضعم کر جاتا ایک مبتلا ہو اور حرص غور توں کی کثرت تعد اوپر خوش ہوتا اور اپنی جوانمردی کی دچاہتا ہے۔ یہی حال کم و بیش ہر مرض کا ہے کہ انسان کو اوس کی طرف اعتنا نہیں ہے اور اسی سبب سے امراض نفسانی کے علاج میں بہت بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اول تو امراض سے واقفیت ہی نہیں ہوتی۔ دوسرے علاج کرنا خود مرخصی۔ ارادے پر منحصر ہوتا ہے لیکن جو شخص تزکیہ نفس کرنا چاہے اور اخلاق حسنہ پیدا کرے سچ مچ خواہشمند ہو اوس کے لئے مشکل نہیں ہے کہ وہ اپنے عیوب سے آگاہ ہو جائے۔ اس واقفیت حاصل کرنے کے چار طریقے ہیں۔

امراض نفسانی  
کی شناخت  
کے طریقے

- ۱۔ استاد سے اپنا حال دریافت کرنا۔
- ۲۔ دوست صادق سے اپنا حال دریافت کرنا اور اوس کو اجازت دینی کہ غلطی پر مشتبہ کرے۔
- ۳۔ دشمنوں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی پر غور کرنا اور جو عیوب اپنے نفس میں فی الواقع پائے جائیں ان کی اصلاح کرنا۔

۴۔ اور لوگوں میں جو بات اپنی نظر میں ناپسندیدہ معلوم ہو اوس کو خود بھی کک کر نیکی کوشش کرنی اسی طرح علاج کی حقیقت اور حسن خلق کی ماہیت معلوم ہونی لازم ہے اور یہ علم اخلاق کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے اور اس واسطے علم اخلاق کا مطالعہ کرنا فرض ہے۔ امراض جسمانی سے بدنی تکالیف ہوتی ہیں اور انسان کا جسم ناکارہ ہے جیسا کہ لیکن روحانی بیماریاں قلب کو ہیکار کر دیتی ہیں اور اس طرح کہا جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ یا لکڑی کو گھس۔ انسان کے طبائع مختلف ہیں جس طرح بعض

افعال نیک عمدہ شرعاً اور عقلاً جائز ہوں گے تو اس خلق کا نام "حسن خلق" ہوگا اور یہ صحت کی حالت ہے۔ اور اگر برے افعال صادر ہوں تو "فلسفہ" اور یہ حالت مرض ہے۔ حسن خلق کے چار رکن ہیں۔ قوت علم۔ قوت غضب۔ قوت شہوت۔ قوت عدل۔ ان کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ قوت علم کے سبب سے انسان اقوال کا صدق و کذب اعتقادات میں حق و باطل اور اعمال میں اچھا بُرا جانتا ہے اور قوت عدل ان تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کی طاقت ہے۔ اگر کسی شخص کے اعضاء میں سے ایک خوبصورت اور دوسرا بد نما ہو تو اس شخص کو خوبصورت نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح اگر نفس میں ایک خوبی اور ایک بُرائی ہو تو وہ کامل نہ خیال کیا جائیگا بلکہ نفس کا حسن اور صحت یہ ہے کہ قوت غضب و شہوت عقل کی مطیع رہیں اور کمالِ عدالت حاصل ہو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قوت غضب و شہوت کا سٹا دینا مقصود ہے کیونکہ اگر یہ قوتیں سٹ جائیں تو دوسرے نقصانات اور دوسری قسم کے امراض پیدا ہو جائیں گے۔ مثلاً قوت شہوی کے بغیر بقا جسم و نوع محال ہے۔ قوت غضب کے بغیر کردہ چیزوں کا دفعہ اور خوشگوار چیزوں کا اخذ ناممکن ہے۔ غرض ان قوتوں کا سٹانا اور نیست و نابود کرنا مقصود نہیں بلکہ اعتدال پر رکھنا مطلوب ہے۔ آئندہ باب میں اعتدال کی دو تو حدود یعنی افراط و تفریط کا بیان ہے۔ شناخت مرض کے بعد علاج اوس کی ضد سے کرنا چاہئے۔ لیکن یہ کام آسان نہیں۔ تلخ روایتی آسان ہے اور نفس پر مجاہدہ اور جبر کرنا مشکل ہے۔ مرض کی شناخت کی ایک ترکیب یہ بھی ہے کہ انسان اپنے نفس کی حالت پر غور کرے کہ کس حالت میں اوسے کیفیت اور لذت حاصل ہوتی ہے اور جو فعل زیادہ سہل اور شیرین معلوم ہوتا ہے اسی کا غلبہ سمجھنا چاہئے۔ مثلاً اگر کام نہ کرنا اور خالی بیٹھے باتیں بنانا اچھا معلوم ہوتا ہو تو کمالی کا غلبہ سمجھنا چاہئے۔ اگر فضول رویہ لٹانا اور غیر مستحقین کو بے دھڑک دیدینا گوارا نہیں معلوم ہوتا تو فضول خرچی کا غلبہ ہے۔ اسی طرح ہر ایک خلق پر غور کرنا اور اوس کی ضد سے اوس کا علاج کرنا لازم ہے یہاں تک کہ نیک کام کی عادت ہو جائے۔

صحت نفس کی تعریف یہ ہے کہ اعتدال قوت عقل اور کمال حکمت حاصل ہو  
 نیز قوت غضب و شہوت عقل کی مطیع رہیں۔ یہ کیفیت دو وجہ سے حاصل ہوتی ہے  
 اول تو طبعی یعنی فطرتاً کسی شخص کا مزاج نیک اور صلح واقع ہوا ہو۔ دوم یہ کہ مجاہدہ  
 اور ریاضت سے نیک اخلاق کی اتنی عادت ڈالے کہ بے تحلف وہ افعال اوس سے  
 صادر ہونے لگیں اور انسان کو اوس میں لذت آنے لگے۔ کیونکہ اگر لذت نہ ہو اور وہ  
 کام شاق گزرے تو نقصان باقی ہے اور ہمیشہ بھگنے سکے گا۔ مثلاً ایک بخیل شخص روپیہ خرچ  
 کر بیٹھے اور بجائے لذت حاصل ہونے کے اوسے انقباض ہو تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سخاوت کا  
 ملکہ حاصل ہو گیا یا کوئی آدمی عبادت کرے مگر بجائے لذت حاصل ہونے کے دل گھبرائے  
 تو وہ شخص عابد نہیں بلکہ ہیمن تک عادت ڈالنی چاہئے کہ اخلاق حمیدہ میں لذت اور قبیحہ  
 سے تکلیف ہو انسان جس کام کی عادت ڈالے وہ اوس کو مزیدار معلوم ہونے لگتا ہے  
 جو ریزا پاتے ہیں لیکن چوری کی چاٹ پڑ جاتی ہے تو باز نہیں آتے تھار بار گھر بار کر کوڑی  
 کوڑی کو محتاج ہو جاتے ہیں مگر جوئے کا چسکا نہیں چھوٹا کو تر باز سارے دن دھوپ  
 میں کھڑے رہتے ہیں اور اوس میں اون کو ایسی لذت آتی ہے کہ دھوپ کی شدت گوارا  
 کرتے ہیں پس جب بڑے اعمال کا یہ حال ہے تو اعمال حسنہ جو روح انسانی کی خاصیت  
 کے موافق ہیں کیونکہ لذیذ معلوم ہونگے۔

صحت و علالت  
 کی حالت

اخلاق کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں۔ اول فعل کا حسن و قبح۔ دوم فعل پر  
 قدرت۔ سوم فعل کی شناخت۔ چارم حسن و قبح میں سے ایک کی طرف رغبت۔ اس لئے  
 کسی فعل کے صرف ظاہر ہونے یا نہ ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی شخص میں وہ  
 خلق موجود یا معدوم ہے۔ مثلاً ایک شخص نام و نمود کے لالچ یا حکام کے دباؤ سے روپیہ  
 دیتا ہے تو وہ سخی نہیں۔ یا کسی کے پاس روپیہ نہیں لیکن اوسکی طبیعت اس قسم کی واقع  
 ہوئی ہے کہ دوسروں کی مدد کر کے یا روپیہ خرچ کر کے اوسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ  
 سخی ہے۔ اگرچہ افلاس کے سبب وہ فعل اوس سے صادر نہ ہوتا ہو۔ غرض نفس میں ایک  
 ایسی ہیئت کا راسخ ہو جانا کہ بلا فکر و تامل افعال محمود یا مذموم صادر ہو سکیں مخلوق ہے۔ اگر یہ

کاموں کو اور انہیں کیا آلہ اعصاب ظاہری کو قرار دیا ہے اور وہ ان ہی کے ذریعہ نساہت و تنبیہ  
 کو پورا کرتے ہیں۔ دماغ کا کام چونکہ کام لینا نہیں بلکہ کاموں کی تنقید و تفتیش کرنا اور ان کا  
 ایسا انتظام رکھنا ہے کہ مصلحت کے خلاف نہ ہو اس لئے اس نے مدد رکات کی تیز  
 کا ذریعہ جو اس کو قرار دیا ہے۔ یہ جو اس قوت ادراک کے آلات ہیں۔ ان میں  
 پانچ جو اس ظاہر ہیں اور پانچ جو اس باطن میں جو اس ظاہر باطنہ۔ سامعہ۔ شامعہ۔ وائلہ  
 لائسہ کہلاتے ہیں اور جو اس باطن حس مشترک۔ خیال۔ فکر۔ وشم۔ ذکر ہیں۔ جو اس  
 ظاہر اور جو اس باطن کے ذریعے سے ادراک جو حکم نتیجاً قائم کرے وہ عقل ہے۔  
 انسان کے تمام قوا کو اس فرمان کی اطاعت فرض ہے اور جب تک عقل تمام  
 قوا پر مطلق ہے اور یہ سب عقل کے ماتحت اپنے فرائض کو انجام دیتے ہیں  
 انسان کا انتظام درست رہتا ہے اور وہ انسانیت کے رتبے سے گرنے نہیں پاتا  
 ورنہ یہ نہ تو باقی تمام تحریکین حیوانات میں ہی پیدا ہوتی ہیں لیکن یہ اپنی تحریکوں پر مشتمل ہوتا  
 نہیں رکھتے کہ انہیں روک سکیں انسان اور حیوان میں فرق پیدا کرنے والی قوت عقل ہے  
 ہے اور عقل ہی کے راستے پر چلنا انسان کا رتبہ بڑھاتا اور اس کو مدارج کمال تک پہنچاتا ہے  
 اس قوت کو جو انسان اور حیوان میں یہ فرق پیدا کرتی ہے قوت لطف کہتے ہیں اور اسی کا  
 نام نفس ملکی، "انفس مطہرہ" ہے یہ قوت تمام امور نظری میں فکر کرتی اور اشیاء میں تمیز کرتی ہے  
 اور اس سے کاموں کی حقیقت میں غور و تامل کرنے اور طبیعت میں صحیح نتائج پر کاربند  
 ہونے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ باقی دو قوتیں بہائم اور انسان میں مشترک ہیں ان میں سے  
 ایک کا نام قوت غضبی ہے جس کو نفس بہیمی کہتے ہیں اس کے اثر سے غصہ اور غضب  
 پیدا ہوتا ہے اور انسان ہولناک اور خوفناک کام کرنے میں دلیری اور جسارت کرتا ہے۔

صل

نفس مطہرہ

قوت غضبی

۱۔ حس مشترک وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے محسوسات حس خمسہ ظاہری یکجا جمع ہونے میں وہم کے ذریعہ سے معانی جزئیہ کا  
 ادراک ہوتا ہے۔ خیال کے ذریعہ سے محسوسات حس مشترک بعد غیب محسوسات مذکور محفوظ ہوتے ہیں۔ نگاہ قوت تخیلیہ محسوسات  
 معانی جزئیہ میں ترکیب و تخیل وغیرہ کا تصرف کرتی ہے۔ نگاہ کا فطری ذریعہ سے مدد رکات قوم وہم محفوظ رہا کرتے ہیں۔



### ۳۔ تہذیبِ قوا، نفسانی

جسم انسان میں جتنے اعضا ہیں وہ کسی نہ کسی کام کے لئے بنائے گئے ہیں ان میں سے بعض عیسوں کی طرح کام کرتے ہیں اور بعض خادموں کی طرح ان احکامات کو بجاتے ہیں جو اعضا ایسی تحریک پیدا کرتے ہیں کہ انسان کسی فعل کا مرتکب ہو۔ اعضا باطنی دل۔ دماغ اور جگر ہیں اور جو اعضا ان باطنی اعضا کے حکم کی تمیل کرتے یعنی اونکی تحریکوں سے متاثر ہو کر کوئی کام کرتے ہیں اعضا ظاہری ہیں مثلاً ہاتھ پاؤں آنکھیں۔ کان۔ ناک زبان۔ جس طرح اعضا ظاہری کے کام جدا ہیں کہ ہاتھ کام کرتے ہیں۔ پاؤں چلتے ہیں۔ آنکھیں دیکھتی ہیں۔ کان سنتے ہیں۔ ناک سونگھتی ہے۔ اسی طرح اعضا باطنی کے کام جو ان افعال کی تحریک کرتے ہیں الگ الگ ہیں۔ مثلاً ایسے کاموں کی تحریک جو کوئی نفع حاصل کرنے یا کسی مضرت کو دفع کرنے کی غرض سے ہون دل سے پیدا ہوتی ہے اور ہاتھ پاؤں وغیرہ اوس کو انجام دیتے ہیں۔ عمدہ عمدہ کھانے کھانے نفیس نفیس شربت پینے فاخرہ لباس پہننے۔ خوشبو سونگھنی۔ سیرو تماشے دیکھنے۔ گانا سننے اور تمام اقسام کی لذتیں اور حظ حاصل کرنے کی تحریک جگر سے پیدا ہوتی ہے اور آنکھیں۔ کان۔ زبان وغیرہ اعضا ان خواہشوں کو پورا کرتے ہیں۔ دماغ کا کام ان دونوں اعضا سے جدا اور زیادہ شریف ہے وہ ان دونوں کے احکامات کو جانچتا اور تمیز کرتا اور پھلے برے کی تصحیح کرنا اور غور و فکر کرتا۔ پچھلی باتیں یاد رکھتا اور نتائج نکالتا ہے۔ دل جگر کی بجا تحریکوں کو روکتا اور ان میں محاکمہ اور تصفیہ کرتا ہے۔ کام کی اس تقسیم کے لحاظ سے دماغ کا مرتبہ زیادہ شریف اور زیادہ اعلیٰ ہے اور اوس کا کام بھی نازک اور بڑی ذمہ داری کا ہے۔ دل و جگر بود دفع ضرر اور اخذ نفع کی تحریکیں پیدا کرتے ہیں دماغ کے ماتحت اور فرمان بردار ہیں۔ باقی اعضا ظاہری بمنزلہ آلات ہیں۔ ان کاموں کے پورا کرنے اور عمل میں لانے کا ذریعہ ہیں۔ دماغ کی اس قوت کا نام جو پھلے برے میں تمیز کرتی اور دل و جگر کی تحریکات کی جانچ پرتال کرتی ہے۔ ”قوت اوراک“ ہے اور دل و جگر کی خواہشات کا نام جو جلب منفعت اور دفع مضرت کی غرض سے ہون ”قوت تحریک“ ہے۔ دل جگر نے اپنے

اعضائے ظاہری  
باطنی کے کام

قوت اوراک  
قوت تحریک



لذو بات کو دیکھ کر بلا وقت لازم کا پتہ لگا نہ سکتے تھے۔

صفائی قسرت یعنی ہین کہ نفس کو بلا اضطراب و تشویش مطلوب کی استخراج کا مکمل جان

حسن تعلم  
حسن نقل

حسن تعلم یہ کہ جو کچھ حاصل کرنا ہو اس کی طرف توجہ کرے گا تاکہ اس کو کہ انسانیت میں غلطی نہ ہو

تحفظ  
تہذیب

حسن عقل اسے کہتے ہیں کہ ہر امر میں بحث کرنے اور حقیقت کے انکشاف  
میں ایسی حد کا خیال ہے کہ نہ تو ضروری باتیں ترک ہو جائیں نہ زائد وغیرہ ضروری داخل ہو  
تحفظ کی تعریف یہ ہے کہ جو صورتیں کہ عقل یا وہم فکر یا خیال کو ذریعہ حاصل کی ہیں مضبوط  
ہیں کہہ کر کے یعنی ہین کہ جو صورتیں حافظہ میں محفوظ ہیں جب چاہے اون کو ظاہر کر سکے  
قوت غضبی کو اتنا قابو میں رکھنا کہ وہ عقل کے حکم کے خلاف نہ کرے اور اگر ضرورت  
ہو تو ہولناک مقامات اور خوفناک موقعوں میں قدم رکھتے ہر اس یا خوف نہ آنے خطرات  
کے مقابلہ کے وقت ثابت قدمی میں ترنزل نہ پڑے شجاعت کہلاتا ہے جب یہ ملک حاصل  
ہو تو اس کے ساتھ اور بہت سے اوصاف حاصل ہوتے ہیں جو بجائی خود ایک ایک  
فضیلت ہیں مثلاً کبر نفس - نجدت و دلیری - بلند ہمتی ثبات - حلم - سکون - شہامت  
تحمل - تواضع - حیثیت - رقت -

کبر نفس

کبر نفس یہ ہے کہ جو حالت انسان پر لادبی طور پر واقع ہو خواہ اچھی ہو یا بری  
تو نگری کی ہو یا افلاس کی - بزرگی کی ہو یا خواری کی نفس کو اوس کی پروا نہ ہو اور جو  
خود انسان کی غلطی سے اوس پر نہیں پڑی اگرچہ بظاہر خراب ہو مگر نفس انسان اوس کی  
طرف ذرا بھی التفات نہ کرے نہ اوسے وح کی پروا ہو نہ ذم کی - نہ دولت کی خواہش  
نہ فقری سے عار نہ زمانہ کے رنگ بدلنے اور اپنی تغیر حالت کا کوئی اثر نہ انفعال لیکن  
یہ حالت بے حیائی کی وجہ سے نہیں بلکہ نفس کے استغنی کی وجہ سے حاصل ہونی چاہیے  
کہ نفس میں ملکات شریفہ کی حقیقت اتنی قائم ہو گئی ہو کہ ظاہری اور عارضی باتوں کی آواز  
پروا نہ رہے اور بزرگی اکتساب کمال کے سبب سے حاصل ہوئی ہو اوس کے لئے  
ایسے عارضی تغیرات ہیچ اور کالعدم معلوم ہوں اور انسان میں اتنی قدرت پیدا ہو جائے  
کہ وہ ملائم اور ناملائم خوشگوار و ناگوار امور کا کیسا تحمل کر سکے۔

اس قوت کے اثر سے دوسروں پر قابو پانے جاہ و مرتبت میں بلندی اور رفعت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ تیسری "قوت شہوی" ہے کہ نفس انار جو بھی کہلاتی ہے۔

قوت شہوی

اس سے شہوت اور طلب غذا کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور کہانے پینے پہلے اور کھانے اور لذت دنیا سے متمتع ہونیکا شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ دونوں قوتیں بقا کا جسم اور بقا نوع کے واسطے عطا ہوئی ہیں۔ ان تینوں قوتوں کو باعتبار کمال کام میں لانا تمام اخلاق کی بنیاد ہے اور انسان کی فضیلت و شرف یا ذلت و خساست کا انحصار ان قوتوں کا پیکار ہے۔ قوت ناطقہ۔ قوت غصی اور قوت شہوی کے اعتدال پر رکھنے اور ان سے حسب مراتب

کام لینے سے تین فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب حرکت نفس ناطقہ اعتدال پر ہو اور طبیعت میں یہ شوق ہو کہ صحیح و یقینی معرفت اور حقائق نفس الامری کی معلومات حاصل کرے تو محال ہوتا ہے اور مسائل علم پر کار بند ہونے سے حکمت حاصل ہوتی ہے جب قوت غصی کو اس درجہ پر رکھا جائے کہ حد اعتدال سے باہر نہ ہو اور اسی قدر تسلط و ترفع حاصل کرے جو عقل کے نزدیک محمود ہے تو اس حرکت سے علم حاصل ہوتا ہے اور یہ طبیعت "شجاعت"

علم و حکمت

علم و شجاعت

حاصل ہوتی ہے اور جب قوت شہوی کو اعتدال پر رکھا جائے اور جس قدر جائز لذت میں اون سے زیادہ حظ حاصل کریں گی خواہش کو ضبط کیا جائے تو "حکمت" حاصل ہوتی ہے اور اوس کے ساتھ ساتھ

عقل و حکمت

عدالت

جس طرح مختلف ادویہ کے باہم ترکیب کرنے سے ایک خاص معجون تیار ہوتی ہے اسی طرح ان تینوں قوتوں کی حفاظت اور ان فضیلتوں کو استخراج و اعتدال سے ایک خاص حالت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ دراصل وہی کمال اخلاق انسانی ہے اس فضیلت کو عدالت کہتے ہیں یہ فضائل جو قوا انسانی کے تحفظ و تسالم سے پیدا ہوتی ہیں تمام انسانی فضائل کی جڑ اور

حکمت کو بنیاد

اصل ہیں۔ باقی اور فضائل فروع کی طرح ان ہی سے پیدا ہوتی ہیں چنانچہ حکمت کے بہت سے پہل ہیں مگر یہ سات زیادہ مشہور ہیں۔ اول ذکا۔ دوم بصیرت فہم۔ سوم صفائی ذہن۔ چہارم سہولت تعلم۔ پنجم حسن عقل ششم تحفظ۔ ہفتم تدبیر۔

مقامات سے سہولت نتیجہ نکالنے اور قضیوں کو جلدی سے سے بیک وقت فرما طلب سمجھ جانے کے لکھ کو ذکا کہتے ہیں۔

ذکا

انسان آزاد ہے اس قوت میں کمال حاصل کرنے سے اور بارہ فضیلتیں پیدا ہوتی ہیں جو تمام اصول اخلاق کی جان ہیں۔ مثلاً حیا۔ رفیق۔ حسن ہمدی۔ مسامت۔ دعت صبر۔ قناعت۔ وقار۔ ورع۔ انتظام حریص۔ سخا۔

حیا یہ ہے کہ جب انسان کو کسی فعل کی برائی معلوم ہو جائے تو وہ اس سبب سے پہرے اس کا ارتکاب نہ کرے کہ لوگ نام رکھیں گے یا ذمت کریں گے۔

رفیق ایسے کاموں کے کرنے کو کہتے ہیں جو واجب تو نہ ہوں لیکن ادب کا کرنا کسی پر احسان کرنا ہو اور نفس میں یہ قوت پیدا ہو کہ ایسے کاموں میں مانع نہ آئے۔

حسن ہمدی۔ کمال حاصل کرنے کی حقیقی خواہش اور سچی رغبت کا نام ہے۔ اختلاف رائے اور باہمی تنازع کے وقت برداشت کرنا چاہیے کہ نہ مسامت کہلاتا ہے

حرکت شہوت کے وقت نفس کا ساکن رہنا اور بے اختیار نہ ہونا دعت صبر کی تعریف یہ ہے کہ خواہش نفس امارہ کا مقابلہ کیا جائے تاکہ نفس قبیح لذتوں میں نہ پڑ جائے صبر و طرح کا ہوتا ہے ایک تو مطلوب پر صبر کرنا یعنی جس چیز کو دل چاہتا ہے اگر

نہ ملے تو بے قرار نہ ہونا۔ دوسرے کمزوریات پر صبر کرنا یعنی اگر ناگوار امور پیش آئیں یا کوئی مشکل پڑے تو جبر نہ کرنا۔ دوسری صورت قوت غصہ کی تہذیب سے تعلق رکھتی ہے۔

قناعت حاجتوں کے دائرہ کو محدود کرنا اور جس قدر آسانی اور جائز طور سے مل سکے۔ مسامت کو کہنا ہے کہ جس قدر فی الواقع ضرورت ہے اس قدر کہانیئے اور اشیاء

جیسا کہ سبب یہ ہے کہ آرائش اور ناپیش کے لئے تمام زمانہ کے نادرات جمع کرے اور مال مستاع نہ صرف ضرورت اس کے پورا کرنے کے لئے حاصل کرے بلکہ جمع کرنا اور امیر نہ ٹھاٹھ دکھانے کے واسطے

وقار و شتاب زدگی اور عجالت سے پہنچ کرے کو کہتے ہیں لیکن عجالت سے پہنچنا اس حد تک جائز ہے کہ مقصد فوت نہ ہو نہ یہ کہ بجا ہی وقار کے سستی ظاہر ہو اور مطلب فوت ہو جائے۔

ورع پرہیزگاری کا نام ہے یعنی نفس اعمال نیک اور افعال پسندیدہ صبر کا رنڈ ہونا اور ان کاموں کے کرنے میں اس سے عداوت نہ ہو اور سستی ظاہر نہ ہو

انتظام نفس کے اس ملکہ کو کہتے ہیں جو کاموں کا اندازہ کر سکتا ہو اور مصالحت کی سبب کا خیال رکھتا ہو۔

**سخن**۔ یہ ہے کہ جب خوف و خطر کا سامنا ہو تو ہر ملناک امور پیش آئیں تو انسان  
 و فرج نہ کرنے لگے اور اس کے ایسے چلنے چلنے میں نہ منتظر کرکے نہیں بلکہ اپنے نفس کو بچاؤ و نجات  
 علم و ہمت کا مرتبہ بہت بڑا ہے اور جب حاصل ہوتا ہے کہ کتاب کمال و طہائیت  
 دنیا و مافیہا حاصل کرنے یا کمزوریات کو دور کر کے لیے یہ انسان کوئی عارضی یا غرضی نفع حاصل  
 کر کے شادمان اور سنی خوشگوار امر کو پیش آنے سے لول ہو سنا تک کہ نہ جان کی پروا ہو نہ مرگ کا خوف  
 ثبات کی تعریف یہ ہے کہ بے غم۔ الم و فکر۔ سختی و تکلیف کے مقابلہ کی قوت پیدا ہو  
 یہ چرین انسان بڑا زیادہ اثر نہ ڈال سکے اور جس قدر صدمہ پہنچا ہے اس سے زیادہ شکستہ خاطر ہو  
 غصہ اور غضب کی کیفیت کو روکنے اور ضبط کرنا یا تحمل کرنے اور علم سے نفس کو وہ طہائیت حاصل  
 ہو جاتی ہے کہ غضب و غصہ کی تحریک جلد ہی تغیر نہیں کر دیتی اور انسان کسی مغلوب الغضب نہیں ہوتا  
 سکون ایسے معاملات اور منازعات میں ثبات قدم کو کہتے ہیں جو دین کی حرمت  
 یا قوم و ملک کی عزت قائم رکھنے کے لیے پیش آئیں تاکہ سخت نہ اوٹھائی پڑے۔  
**شہامت** یہ ہے کہ نفس میں بڑے بڑے کام کرنے کی حرص اور خواہش ایسی  
 پیدا ہو کہ نیک نامی حاصل ہو یا بہت سا ثواب ملے۔

جسمانی تکلیف اور ٹھانا اور راحت و کمی پروا نہ کرنا کہ کوئی علم یا فضیلت حاصل ہو تو  
**تواضع** کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایسی خاکساری اختیار کرے کہ اپنے رتبہ سے گرجائے  
 بلکہ معنی میں کہ اپنے رتبہ پر قائم رہے اور جو لوگ کسی لحاظ سے مرتبہ میں اسے برتر ہیں اور نیز اس میں ترجیح نہ دے  
**حمیت** یہ ہے کہ دین و مذہب کی حمایت یا حرمت و عزت کے قیام اور حفاظت  
 میں کوئی بات نہ اوٹھارے۔ اور جس طرح ممکن ہو محافظت میں سعی کرے۔

**ابنائی حبس** کو مصیبت یا کسی تکلیف میں دیکھ کر قلب کا متاثر ہونا وقت  
 کہلاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ضرور ہے کہ خود دیکھنے والے میں اضطراب بد حالی نہ پیدا ہو  
 حکمت و شجاعت کی خاصیتیں ہیں۔ تیسرے فضیلت عفت ہے جو قوت شہوانی کی  
 تہذیب سے حاصل ہوتی ہے عفت اسے کہتے ہیں کہ قوا و شہوانی عقل کے تابع رہیں اور  
 جہالت و ضرورت ہواؤں سے جائز طور پر کام لیا جائے اور نفس امارہ کی قید اور تابعداری سے

نجدت

علم و ہمت

ثبات

علم

سکون

شہامت

تخل

تواضع

حمیت

رقت

**حسن شرکت**۔ معاملات کی غلبی ہے کہ داد و ستد وغیرہ اس طرح کریں جس سے دوسرے شریک کی حق تلفی یا اون کی ناراضگی کا باعث نہ ہو۔

**حسن قضا** پر تمدن کا انحصار ہے یعنی حسن قضا ایسے کہ لوگوں کے حقوق کی نگرانی اور نگہداشت کرے اور جس قدر جس کا حق ہے وہ اسے پہنچائی کسی کا حق اس کو دینا اس پر احسان کرنا نہیں ہے اور اس کی حق تلفی کرنا گناہ اور باعث مذمت ہے لہذا ادائیگی حق میں احسان جتنا یا حق تلفی کر کے اپنے تئیں نشانہ ملامت بنا خلافت انسانیست ہے تو وہ یہ کہ طیب کلام یا انعام و اکرام یا کسی سب سے نیک و فاضل شخص کو دینی و دنیوی عطا کرے تسلیہ احکام خدا و قواعد شرع کے ماننے کو کہتے ہیں اور یہ ماننا بہر جہد و کراہ ہو بلکہ برضا و غمش اور بحسن قبول ہونا چاہیے۔

**توکل** ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت اور تدبیر سے باہر ہو چکے ہوں جنہیں انسان کو مدد اعلیٰ نہ ہو خدا پر ہوسہ کرنا اور فضول خیالات سے دماغ نہ بیکار ہے اور یہ سمجھ لینا کہ گوا سبب اور تدبیر سے کام لینا ہمارا کام ہے لیکن اس تدبیر کے مطابق نتیجہ پیدا کرنا یا مطلق کے اختیار میں ہے توکل کے یہی نہیں ہیں کہ انسان اسباب مہیا نہ کرے یا تدبیر نہ کرے بلکہ یہی معنی ہیں کہ ان اسباب سے حسبِ نچوہ نتیجہ نکلنا خدا کے اختیار میں جانے۔ بر توکل زانوی اشتہار بندہ یا جن امور میں اسباب تدبیر کام نہ دیتی ہوں ان کو بالکل مضمیٰ الہی پر چھوڑ دے اگرچہ اسباب تدبیر کی ضرورت انسان کوئی کام نہ کرے اور عہدہ پر کسی کا متوقع ہو تو وہ اس سے قیوف کی مانند ہو گا کہ زراعت نہ کرے اور پیداوار کی امید عبادت خداوند تعالیٰ کی عظیم و تجید کرنا اور احکام شرع کی پابندی کرنا ہے۔ اس کے لیے تقویٰ اختیار کرنا اور معاصی سے احتراز ضرور ہے۔

شجاعت اور عفت اور عدالت کے ملکات سے جو فضیلتیں پیدا ہوتی ہیں اون کی اجمالی کیفیت ان تعریفات سے معلوم ہو سکتی ہے ان میں بعض خود انسان کے نفس سے تعلق رکھتی ہیں اور تہذیب اخلاق میں داخل ہیں بعض تدبیر منزل اور سیاست مدین سے متعلق ہیں اور اون کے اکتساب سے دوسروں کے ساتھ مدارات کرنے یا حد تک قائم رکھنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ فضیلتیں تو انسانی کی تہذیب سے پیدا ہوتی ہیں۔

حریت اکتساب مال سے متعلق ہے کہ انسان جائز پیشوں اور طریقوں سے مال حاصل کرے اور ناروا ذرائع نہ اختیار کرے اسی طرح مال کو جائز طور سے نیک مصارف میں صرف کرے فضول اخراجات یا عیاشی میں نہ اڑائے۔

سجائیہ ہے کہ انسان کو مال یا کوئی چیز دوسرے کو دینی گرانہ گزرے لیکن یہ شرط ہے کہ اسی قدر دیا جائے جتنا کہ دینا ضروری ہے اور ایسے شخص کو دیا جائے جو اس کا مستحق ہے قوت ناطقہ شخصی اور شہوی کی تہذیب سے جو خاص کیفیت نفس میں پیدا ہوتی ہے

وہ عدالت ہے یہ کیفیت بھی تنہا نہیں بلکہ بہت سے خصائل محمودہ کا مجموعہ ہے جو اپنے موقع پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ صداقت۔ الفت۔ وفا۔ شفقت۔ صلہ رحم۔ مکافات۔ حسن شرکت۔ حین نقصا۔ اتود۔ تسلیم۔ توکل۔ عبادت ہیں کہ انسانیت کی شان اور شرافت کا خاصہ ہیں انکی تفصیل تو بہت بڑی ہے۔ طوالت کے خیال سے صرف تعریفیات پر اکتفا کرنا مناسب ہے تاکہ ایک اجمالی کیفیت ہو جائے

صداقت دوستی صادق و مراد ہی کہ دوستوں میں کوئی ٹھہ جائے اور رابطہ اتحاد و سقراط و سقراط کہ انسان جو کچھ اپنی واسطے چاہے وہی دوسرے کیلئے چاہے اور جو حالت یا چیز اپنی ناپسند ہو دوسرے کیلئے ناپسند الفت یہ کہ تمام لوگ باہمی معاونت و مہربانی ہوں اور معاملات کی نسبت انکی راسی اور عقائد میں اتفاق ہو و فایہ ہے کہ جو عہد یا وعدہ کرے اوس کو نبھائے اور اپنے قول سے نہ پھرے اور

دوسروں کی جو معاونت یا غمخواری کرنی اختیار کر لی ہے اوس کو چھوڑ دے۔

شفقت دل کا فعل ہے کہ کسی دوسرے شخص کو کوئی مصیبت پیش آجائے تو انسان کو دل پر وہ شخص کا یہ حال دیکھ کر چوڑے لگے اور جھانک اپنی سے مکن ہو اوسکی مدد کرنی اور مصیبت کو گھٹانے پر کمر باندھنے صلہ رحم اپنے رشتہ داروں اور گہ والوں کو اپنے مال اور معیشت میں شریک کرنا یہی قرابت

و رشتہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک صوری اور دوسرے معنوی۔ قرابت صوری مثلاً ان باب یا کوئی رشتہ وار۔ قرابت معنوی استاد و پیر۔ استاد و شاگرد۔ احباب وغیرہ جن سے اگرچہ رشتہ داری کا تعلق نہیں ہو لیکن روحانی تعلقات ہوں۔ ان سب کے ساتھ سلوک کرنا صلہ رحم میں داخل ہے

مکافات یہ ہے کہ اگر کسی سے نفع پہنچے تو اتنا یا اس سے زیادہ نفع اوسے پہنچائے اور اگر ضرر یا نقصان پہنچے تو اوس سے کم نقصان یا ضرر دوسرے کو پہنچائے۔

حریت

سجائیہ

عدالت کا کل

صداقت

الفت

وفا

شفقت

صلہ رحم

مکافات

تنبیہ یا لذات فانی کی عدم سیری سے پیدا ہو محفوظ ہو جاوے۔

سیدہ ریاکار

قوانین نامتہ کی تکمیل - حکمت - شجاعت - عفت - عدالت - پر عمل کار بند ہونے سے حاصل ہوتی ہے اور جس شخص میں یہ صفات کامل ہوں وہ سعید کہلاتا ہے۔ لیکن بعض خام طبیعت اشخاص اصول حکمت پر کار بند تو نہیں ہوتے لیکن اپنے تئیں ویسا ظاہر کرنا اور ظاہر بنوں کو دیکھ کر دینا چاہتے ہیں اور جو لوگ علم اخلاق سے واقف نہیں وہ ان کے قریب میں آجاتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو حکمت حاصل نہیں لیکن وہ مسائل علوم کو طوطے کی طرح حفظ یاد کر لے اور ایسے لوگوں کے سامنے جو خود فراست سے بے نصیب ہیں بی تحقیق دلائل بیان کرتا پھر کہ وہ لوگ اسے بڑا عالم و دانشمند سمجھیں ایسے شخصوں کی حالت اون جانوروں کی سی ہے جو انسان کو دیکھ کر اوس کی سی حرکتیں کرتے لگتے ہیں۔

یہ بعض لوگ عفت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عفت النفس نہیں ہوتے ان کا مطلب نہیں ہوتا کہ لذات شہوانی جو فی الحال میسر ہیں نہ حاصل کریں بلکہ اس سے زیادہ کسی لذت اور عفت کی خواہش ہوتی ہے جیسے موم فریب زاہد کہ انہوں نے زہر کو دام تزویر بنا رکھا ہے۔ تاکہ مزے مزے کی دھوئیں کھائیں یا اور اغراض فاسدہ حاصل کریں یہ بعض لوگ سبب عدم سیری اسباب یا سبب مرض و نقصان شہوت پر ہنگامہ بنے رہیں یا کسی بیماری یا مرض میں مبتلا ہوں بیکار ہو یا کسی خاص لذت سے واقف ہی نہ ہوں تو یہ لوگ عفت نہیں ہیں بلکہ عفت بی بی است از بے چادری کے مصداق ہیں۔

اس طرح سخاوت کا عمل ایسے شخص سے ظاہر ہو سکتا ہے جو مخفی نہ ہو مثلاً خوش غری خوش پوشی - یا تعمیر مکان یا فسق و فجور میں روپیہ برباد کرے یا اس لیے بڑی بڑی زمینیں چندے میں دے کہ اس سے گورنمنٹ میں کوئی رتبہ یا خطاب یا اعزاز حاصل ہو گا یہ سخاوت نہیں تجارت ہے۔ اسی طرح دفع ضرر کے لیے روپیہ دینا یا غیر مستحقین کو دینا سخاوت نہیں ہے بعض لوگوں کو مال کی قدر نہیں ہوتی اور وہ یہ نہیں جانتے کہ جس وقت کوئی ضرورت آپڑے تو مال سے کس قدر حاجت براری ہوتی ہے مثلاً ایسے اشخاص جن کو خود کمایا نہیں پڑا اور بزرگوں کی میراث سے بہت سی دولت مل گئی یہ خوب ل



اور ان کی پوری حقیقت بیان کرنے کے لیے ہر ایک پر ایک بسیط مضمون لکھنے کی ضرورت ہے لیکن کتاب کی ضخامت سب کا مفصل حال بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ بعض لوگوں میں کوئی نیک عادت ہوتی ہے لیکن باقی فضیلتیں نہیں ہوتیں۔ بعضوں سے کوئی فضیلت کسی موقع پر ظاہر ہوتی ہے لیکن اکثر ویسی ہی دوسری موقعوں پر اوس کا اظہار نہیں ہوتا۔ ان لوگوں سے جس قدر نیکی کا ظہور ہو اوسی قدر یہ نیک اور پہلے آدمی خیال کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان کو سعادت نامہ حامل نہیں اور چونکہ حکمت کی عادتیں طبیعت میں راسخ نہیں ہوتیں ان کے خصائل میں زوال آنا ممکن ہے۔ اگر کسی سے یہ کہہ دیا اور دیکھا گیا طبیعت کا جوش ہے کہ ابھی ابرکرم کی طرح برس رہے تھے ابھی کچھ ہی نہیں جس لوگوں کو یہ سعادت نصیب ہو کہ مسائل حکمت اوان کی طبیعت میں ثابت و قائم ہو جائیں وہ ان فضائل کو اپنا شعار بنالیتے ہیں زمانہ اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے صحت و بیماری بکثرت و فراخی سے بگڑ جاتا ہے لیکن ان کے اخلاق میں ذرا تغیر نہیں آتا ان سے کہیں بوجہ جوانی بڑھاپے پریشانی اور قلق کا اظہار کرتے ہیں ان کی ثابت قدمی میں فرق آتا ہے بلکہ شغل و مشغول ہونا، غم و غنا، انتظام و فراق، صبر و توکل، جوانی طبیعت میں ملکہ ہو یا سہمہ وہ ان کے بارے میں مستقامت کا کوئی اثر نہ لگائے نہیں دیتا۔ انہی اور شہر کے طوفان سے کمر و روخت ٹوٹ کر دیوار پر سے گر پڑنے والے ہیں لیکن یہاں اپنی جگہ پر سنبھل جاتے یہ لوگ استقلال و ثبات سے پہاڑوں کی طرح کھڑے رہتے ہیں اور ان کے استقلال کو ذرا جنبش نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ ان کے بارے میں علامہ ابن عربی نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ایک حقیقی لذت ہے جو دوری چیزوں پر نہیں۔ ناکل و مشا رب ریخ و لذتیں ہی نہیں ہیں کہ ابھی نہیں اور ابھی نہیں۔ یہ حامل ہی سہولت ہو جاتی ہیں اور جلد ہی جاتی ہیں۔ ان کتاب سعادت سے جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں اس میں شک نہیں کہ بہت ثمت اور نفسی سے حاصل ہوتی ہیں مگر یہ لذت باقی ہیں کہ ہر حال میں اور ہر وقت میسر رہتی ہیں اور حاکم پر چلتا ہے تو ساری فانی اور غیر حقیقی لذتیں ہی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ یہ لذتیں انسان کو کامل نہ کر سکتی ہیں اور انسانی اوس فکر و رنج و اضطراب۔ تشویش سے جو اسباب ظاہر کے



افراط اور زیادتی کی جانب انفریط اور کمی کی طرف۔ اس طرح ہر فضیلت کے مقابلہ میں دو  
 ردیلتیں پیدا ہوتی ہیں جس میں سے ایک کے مقابلہ میں دوسری تین سطحوں پر پہنچ سکتی ہے۔ جج ججین  
 فکر کرنا لازم نہیں اور میں عقل لڑائی یا جس قدر واجب ہے اس سے زیادہ فکر کرنا سفا  
 ہے اور جن امور میں فکر کرنا واجب ہے اور کو نہ سوچنا اور قوت فکر نہ جان بوجھ کر بیکار  
 چھوڑ دینا یا جس قدر واجب ہے قوت فکر کے استعمال میں بالارادہ کمی کرنا بلکہ ہے۔  
 اسی طرح شجاعت کے خلاف تہور اور چین و ورڈیلتیں ہیں۔ خطرناک مواقع  
 پر بے ضرورت جان جو کہوں میں ڈالنا یا مقتضائی عقل کے خلاف خطر میں بڑا تہور ہے  
 ایسے نظرات کے مقابلہ سے جان چرانا جن کا مقابلہ کرنا فرض ہے یا ایسی نکالیفت  
 حذر کرنا جن سے اس موقع پر حذر واجب نہیں جس میں یعنی بزدلی ہے۔

عفت کے خلاف شرع و محمود و مذموم ہیں۔ جائز مقدار سے زیادہ انعام  
 شہوانی کی طرف مائل ہونا شرع ہے اور لذات ضروری کی تکلیف پوری ہونے پر ہونا محمود  
 عدالت میں افراط و تفریط نہیں ہو سکتی بلکہ عدالت سے انحراف کرنا اور لوگوں کے  
 حقوق یا مال میں خود تصرف کرنا یا لوگوں کو جو اپنے زیر حکم ہوں کسی کی حق تلفی کرنے دینا  
 اور باوجودیکہ وہ لوگوں کو تار ہے ہوں اور کو نہ روکنا جو کہنا آتا ہے۔ جو ظلم ہے خواہ اپنے  
 نفس پر ہو یا دوسرے شخص پر۔ عدالت جامع جمع کمال ہے اور ظلم جامع جمع نقصان ہے۔  
 اسی طرح تمام فضیلتوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جہاں اور میں افراط و تفریط ہوتی اور  
 فضیلت کا رتبہ مفقود ہوا نہ رات دن جسمانی اور شہوانی خواہشات کے پورا کرنے میں  
 مبتلا رہنا۔ لوگوں کو ستانا۔ مال غصب کرنا یا فضیلت ہے نہ جائز لذات سے اپنے تئیں  
 محروم رکھنا۔ پیٹ بھر نہ کھانا غاروں میں رہنا عطلان کون سے جو میسر آسکتے ہیں پر ہیز  
 کرنا اچھے لباس جائز کی جس قدر قدرت ہے نہ پہنا۔ آرام و آسائش سے نہ رہنا  
 نکاح نہ کرنا۔ اپنی قوت بازو سے روپیہ نہ پیدا کرنا اور مال سے متع نہ اوٹھنا۔ کاروبار  
 دینوی چھوڑ دینا فضیلت ہے۔ بلکہ یہ دونوں حالتیں فضیلت سے بہت دور ہیں  
 فضیلت کا رتبہ پہچاننا اور صراط مستقیم پر چلنا آسان کام نہیں ہے بلکہ اس کو کیے

کہو لکھنا تے ہیں ان کو یہ خبر ہی نہیں تھی کہ روپیہ پیدا کرنا کس قدر دشواری اور خرچ کرنا بہت آسان  
 اسی طرح فعل شجاعت ایسے لوگوں سے صادر ہوتا ہے جو اصل شجاع نہیں ہوتے  
 مثلاً کوئی شخص جنگ میں اس سبب سے شریک ہو کہ مال غنیمت خوب ہاتھ لگے گا  
 یا عہدہ میں ترقی ہوگی۔ یوں تو سارے درندے جانور ہی بہاڑ کہاے کے کو دوڑتے ہیں  
 لیکن یہ شجاع نہیں ہیں کیونکہ ان کو اپنے غلبہ اور قوت پر تو ق ہے اس سبب سے دوسرے  
 حکم کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلح اور توانا شخص ایک ضعیف غیر مسلح شخص سے مقابلہ کر کے  
 فتح پائے تو یہ داخل شجاعت نہیں ہے یا اسی طرح جو لوگ کسی بیخ یا تکلیف یا کسی ناامیدی کے  
 سبب خودکشی کر لیتے ہیں یہ سب سے زیادہ نامرد اور بزدل ہیں نہ کہ شجاع کیونکہ شجاع ہر  
 حال میں صابر اور تکلیف میں متحمل ہوتا ہے اور وہ کسی نقصان سے جس کا تذکرہ نامکمل ہو  
 اندوہ نہیں نہیں ہوتا نہ کسی خطرہ سے جو ناگاہ واقع ہو جائے مضطرب ہوتا ہے۔ اسی طرح اوس کا غصہ  
 اور انتقام ہی غیر واجب نہیں ہوتا اور جو لوگ مغلوب الغضب یا سرلیع الانتقام ہیں وہ شجاع نہیں  
 اسی طرح ایسے اشخاص جو عادل نہیں ہیں اور عدالت کی نقل و تارے ہیں ان کا  
 مطلب محض ریاکاری ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں واصل عادل وہ شخص ہے  
 جو اپنی قوتوں کو برابر رکھے تاکہ تمام افعال جو اس سے صادر ہوں بمقتضای عقل ہوں اور  
 حدا اعتدال سے باہر نہ ہوں اور اسی طرح اوس کے معاملات ہی لوگوں کے ساتھ صحیح ہوں۔  
 ہر فعل کا اپنی حد نام نہا فضیلت ہے اور جو فعل اپنے حدود و اندازہ پر قائم ہوگا اوسکی  
 بہت سی صورتیں نہیں ہو سکتیں بلکہ اوس کے خلاف بہت سے درجہ ہو سکتے ہیں یعنی  
 وہ اپنی حد سے جس قدر متجاوز ہوگا اوسی قدر فضیلت سے بعید ہے۔ یہ تجا و خواہ افراط میں  
 ہو خواہ تفریط میں حد فضیلت سے باہر ہے۔ دو مفروضہ نقطوں کے درمیان ایک ہی خطہ تقسیم  
 کینیا جاسکتا ہے اور اس کے علاوہ جس قدر خطوط اس کے دونوں طرف کینچے جائیں وہ  
 غنیمت تقسیم ہوں گے۔ یہی حال فضیلت کا ہے کہ وہ صراط مستقیم پر چلنے کا نام ہے اور جہاں اس میں  
 ڈراکمی زیادتی ہوتی اوسی قدر سید ہے راستے سے انحراف ہو گیا۔ یہ انحراف جس قدر بڑھتا جاتا  
 اوسی قدر رذیلت بڑھتی جاتی ہے۔ ہر کام میں وسط حقیقی سے انحراف دو جانب ہو سکتا ہے

فضیلت و  
رذیلت



یہ سب بڑی باتیں اور تعلیم کی ضرورت سے تاکہ انسان نفسیت کی حقیقت کو جانے  
 اور اس کے اندر جو عیسا عادی ہو انسان باپ - علم - اقلیت - ابرہ - ایک سرپرست کا  
 نہیں سمجھتا۔ یہی سب بچے کی طبیعت کا رنگ دیکھ اور اس کو اصل اخلاق  
 اور ہمارے اور جو وقتیں اور سین ظاہر ہوتے جاتے ان کی تہذیب میں کوشش کرتا جا  
 یے۔ میں سب سے پہلے طلبہ غذا کی تہذیب پیدا ہوتی ہے جن کو بڑا ہوتا جاتا ہے  
 طلبہ غذا کے یہ نظریات اشارات کہتا جاتا ہے اس کے بعد امور تشاکل میں تمیز کرنا  
 سیکھتا ہے۔ ان باپ اور غیروں میں شناخت کرنے لگتا ہے اور جب اس ظاہر و  
 باطن میں ہزار نوٹ آجاتی ہے اور جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں ان کو یاد رکھ سکتا ہے  
 تو ایسی چیزیں کا راز باپ ہوتا ہے واز راہ اس حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً جب مان یاد  
 آتی ہے۔ نور و ما ہے اور کوئی گودین لینا چاہئے تو نہیں ہوتا۔ یا کوئی کھانا لینے کے لئے  
 ہٹ کر تا ہے اور یہ یہ چیزیں ہیں۔ اس کے بعد اس میں قوت غنسی کا ہونا ہوتا ہے  
 جن چیزوں کو بڑا بناتا ہے ان کو دیکھ کر کسی کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ نہیں کر سکتا تو  
 چلاتا اور دوسروں سے مدد چاہتا ہے۔ باوجود چیزیں اور جسے کسی مطلب کے حصول میں آج  
 ان کو دور کرنا پڑتا ہے ان کو قوتوں کے حصول کے بعد یہ قوت نطق کا ظہور  
 ہوتا ہے۔ اور جہاں نیک و بد قبیح و جمیل میں تمیز پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ہوتی ہے۔ بڑی ہو کر  
 یہ قوتیں زیادہ کامل ہو جاتی ہیں لہذا تہذیب اخلاق اسی ترتیب سے ہونی چاہئے۔  
 کہ اول قوت شہوی کی تہذیب کی جائے تاکہ لگہ عفت حاصل ہو اس کے بعد قوت  
 غنسی کی۔ تاکہ شہادت پیدا ہو۔ بعض لوگوں میں اکتاہٹ کا مادہ ایسا قوی ہوتا ہے  
 کہ ان کو یہ باتیں بہت جلدی حاصل ہو جاتی ہیں۔ بعض کم استعدادی کی وجہ سے بد  
 حاصل کرتے ہیں لیکن وقت اور ہمارے سے جو چیزیں ان کتاب کمال سے نہیں پہنچنا  
 نہیں پاسکتے۔ اگر طفولیت میں کسی نے تربیت نہیں کی تو بڑے ہو کر خود کس کمال  
 کرنا اور تہذیب نفس کی کوشش کرنا لازم اور فرض ہے بلکہ جس اپنی کوشش سے انسان  
 حاصل کرے گا وہ زیادہ پائدار اور موثر ہوگا۔ اس ناز میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ انسان

کے معروضات کا مستحق بناتی ہے اور ہر شخص اپنی ذمہ داری کو جس قدر زیادہ  
عمدگی سے ادا کرے وہ اسی قدر اور لوگوں کی نسبت زیادہ اشرقت اور زیادہ علالت  
ہے کیونکہ اپنے فرائض کو باحسن اوجہ انجام دینے کا خیال انسانی زندگی کا پائیدار  
کریا ہے اور اسکی عداوت و خصائل میں ایسی استعداد و صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے  
کہ وہ مرتبہ بہ مرتبہ ترقی کرتا جاتا ہے اور اس عروج پر قائم رہ سکتا ہے جو اس طرح حاصل ہوتا  
ہے کہ وہ روزمرہ کے ضروری کام ہی غولی اور خوش اسلوبی سے پورے ہوتے ہیں  
روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کام دیکھنے کو تو معمولی بات معلوم ہوتے ہیں لیکن بڑے ضروری  
میں اور انکی انجام دہی یہی انسان کی تمام مہبودی کا دایرہ ہے۔

دنیا میں انسان کے مختلف تعلقات ہیں اور اسی سبب سے مختلف قسم کے فرائض  
ہیں۔ سب سے اول تو خداوند عزوجل پر ایمان لانا اور اس کے احکامات کا ادا کرنا فرض  
ہے جو دنیوی اور اخروی مہبودی کا سرشمع تمام حسن اخلاق اور حسن معاشرت جسٹس  
اور حسن سیاست کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد اپنی ذات کا فرض ہے کہ اسے دنیا میں  
خوار اور ذلیل نہ کرے بلکہ اسکی پرداخت کرنی اور اپنی عزت کا خیال رکھنا چاہیے یہ علم اپنی  
ذات کے مالک نہیں ہیں بلکہ خدا اس کا مالک ہے پس اسکی ضمانت یا اس کے  
عطیہ کو خراب اور سوا کرنا بددیانتی یا کفران نعمت ہے اس کے بعد ان باب بہانی بہن  
مسیان یا بیوی۔ قریب و بعید کے رشتہ دار ہیں اور دیگر انسانی جنس جن کے ساتھ ذاتی  
تعلقات زیادہ ہوں۔ مثلاً ہمسایہ استاد و شاگرد۔ دوست و احباب۔ آقا و ملام۔  
بادشاہ و رعیت۔ ہموطن۔ اہل ملک وغیرہ۔

ادائی فرائض  
کی برکتیں

ہر وقت اور ہر موقع پر یہ جاننا کہ یہ فرائض کیا کیا ہیں اور وہ کون کون سے امور ہیں  
جن پر عمل کرنے سے حصول سعادت و معاش و دنیا کی درستی اور سوسائٹی میں امن و صلح قائم ہو  
کہ ہر شخص حسب استعداد و کمال اور مدارج علیہ حامل کر سکے عقل کا کام ہے اور اسی واسطے انسان  
کو عقل عطا کی گئی ہے۔ اگر انسان اپنے فرائض کا خیال نہ کر سکے تو بہت جلد رتبہ انسانی سے  
سے گر کر بہائم میں جا ملے گا۔ ادائی فرض ہماری مصیبتوں کو کم ہماری سہولتوں کو زیادہ۔ ہمارے

لذت ہے۔ دل چوک کی تکلیف ہو تو کہا نے میں مفراتے پیاس کی سختی برداشت  
کرتو پانی اور شربت سے تسکین ہو۔ اول امتلا طبیعت میں گرفتار ہو تو فرحت اخراج  
نفس ہو گری اور سردی ہو تو لباس سے آرام ملے۔ غرض طعام شربت و لباس  
وغیر چیزیں فی نفسہ لذت نہیں ہیں بلکہ بمنزلہ دوا ہیں۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی  
میں مبتلا ہو اور پھر دوا کہا کر چاہا ہونے کی تدبیر کرے تو کیا وہ عقلمند ہے؟ اسی طرح بھوک  
پیاس و شہوت کو بھان میں لانا اور پھر تسکین دینا کوئی دانشمندی نہیں ہے بلکہ فطرتاً اور  
قدرتاً جس قدر پیدا ہوا اس کو باحسن اوجہ تسکین دینا چاہئے بلکہ لازم ہے۔

انسان میں جو خصوصیت اوس کو دیگر بہائم سے ممتاز کرتی ہے وہ قوت علمی و عقلی کا  
کمال ہے یعنی یہ کہ علم حاصل کرے اور موجودات کی حقیقت اور مراتب کو جانے اور اپنے افعال و  
قوارخ مختلفہ میں ایسا انتظام رکھو کہ ان میں موافقت و مطابقت قائم رہے اور یہی وہ سعادت ہے جس کا نام انسانیت

## باب ششم نفس فاطقہ کی تہذیب ۱۔ فرض

انسان دنیا میں مطلق العنان نہیں پیدا کیا گیا بلکہ طرح طرح کے علاقہ کی بندشوں میں  
جکڑا ہوا ہے جس طرح یہ تعلقات مختلف ہیں اسی طرح اون کے برتاؤ میں بھی اختلاف ہے اور  
اوپر ایک کے واسطے ایک خاص لحاظ کی ضرورت ہے اگر یہ لحاظ برقرار نہ رکھا جائے تو فطرت  
عدالت منحرف ہو جائیگا اور دنیا میں بے امنی پریشانی۔ اضطراب پھیل جائیگا۔ انسان کا  
دل تو بہت چاہتا ہے کہ بندشیں جس قدر کم ہوں بہتر اور نہ ہوں تو بہت ہی بہتر وہ آزاد  
کو نہایت پسند کرتا اور فرائض و ذمہ داری کے بارے کہہ رہا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ قدرت  
نے اسے فرائض کی بندشوں میں جکڑ دیا ہے اور یہودی اور مسکین خاطر اور ترقی اور امن کا  
مدار فرائض اور باہمی تعلقات کو باحسن الوجہ انجام دینے پر مبنی رکھا ہے۔ انسان کا اپنی  
ذمہ داریوں کو عمدہ طور سے انجام دینا ہی ایک ایسی صفت ہے جو اس کو اشراف المخلوقات

انسان کے تعلقات  
اور لون کے فرائض





مراتب کو اعلیٰ کرتا ہے۔ ہر کام اور ہر موقع پر اپنا فرض ادا کرنا دشواری نہیں بلکہ انسان کے حق میں عین راحت اور سہولت ہے کیونکہ دنیا کے تشکرات اور پریشانیوں سے اس کی بدولت نجات ملتی ہے جب لالچ یا کمزوری کا سامنا ہوتا ہے تو ادائیگی فرض کا خیال ہی قائم اور مستقل رکھتا اور دلیری و ہمت و جرأت بخشتا ہے۔ ادائیگی فرض کا خیال ہمیشہ راستہ رکھتا ہے۔ ناجائز و سفلے سے اکتساب دولت۔ طلب جاہ جوٹی شہرت۔ زندگی کا کلیں یا فرض انسانیت نہیں۔ بلکہ فرض انسانیت یہ ہے کہ انسان دنیا میں اکتساب سعادت اور عقیدہ بکارا کام کرے اور یہی خیال زندگی کے راستے کو صاف دہل کرتا ہے۔ اطاعت کرنا اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنا۔ مشکوک کی برداشت کرنا خطرات کا مقابلہ کرنا محنت پر قائم رہنا سکہا تا اور بے اطمینانی و تلون مزاج کو روکتا ہے اور جو مفید کام ہم کر رہے ہیں یا جو ہمیں کرنا چاہیے اوس پر کار بند رکھتا ہے۔ بُرائی سے بچنے اور بھلائی کی نشانی خواہش پیدا ہوتی ہے اور تحقیقی خوشی اور غلو مرتب کا جوش طبیعت میں پیدا ہوتا ہے۔ صرف اسی سے ناامیدی دور رہ سکتی ہے اور افسوس و حسرت نہیں اٹھانی پڑتی۔ کیونکہ ایسے شخص کے پاس خواہ دولت اور قوت میں سے کچھ بھی نہ ہو لیکن اوس کا دل مضبوط ہو گا اور اس کی روح لبناش اور قلب مطمئن رہے گا جو قارون کے خزانے سے بھی زیادہ قیمتی ہے جو شخص دنیا میں اپنے فرض کو ادا کرتا ہے وہ اوس منشا کو پورا کرتا ہے جس کے لئے خدا نے اوس کو دنیا میں پیدا کیا ہے اور اس قانون فطرت (فرض کی بجا آوری انسان کو فائدہ پہنچا دیتی ہے کہ وہ اپنے اوج مرتبہ سے نہیں گرنے پاتا اور اگر یہ نہ ہو مصیبت و افلاس۔ لالچ و ایک ذرا سا اشارہ اوس کو کہ اگر خاک میں ملا دیتا ہے۔ ادائیگی فرض انسان کو ایسی توفیق پہنچاتا ہے جو یاد داری و امتداری بخشتا ہے جیسے چوہ اور تیر عمارت کو مستحکم اور قائم کرنے میں فوٹل سار کی اخلاقی عمارت کو پائدار بناتا ہے ورنہ کچی دیوار کی طرح ساری قوت ساری طاقت۔ ساری شہرت ساری ذکاوت۔ ساری مسرت بلکہ محبت ہی ڈھ جاتی ہے جس طرح شیش تیرا کے ٹکٹ ہانپنے سے کسی چیز کے ڈرے پریشان ہو جائیں ادائیگی فرض کا خیال جانتے سمجھنے سے سارے اخلاق کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔



کانشنس  
کے فوائد

انسانی فرائض کی بجا آوری پر اطمینان اور خوشی غلطیوں پر افسوس بغیر تشویش پرست  
بڑائیوں پر حسرت۔ نیکیوں کی خواہش سب نفس لوامہ کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔  
کانشنس ولی جذبات کو روکتا اور باقاعدہ کرتا ہے اور پہلی باتوں کی طرف مائل کرتا ہے  
خود غرضی سے منع کرتا اور باہمی تعلقات اور فرائض کو عمدگی سے نبھانا سکھاتا ہے۔  
کانشنس اخلاق حمیدہ اور ذلیلہ میں صرف تمیز ہی نہیں کرتا بلکہ وہ وسائل بھی بتاتا ہے  
جنگلی سرور سے اخلاق حمیدہ حاصل ہوتے ہیں۔ اور اگر انسان اپنے تئیں کانشنس کے  
حکم کا اتنا بدربنا ہے تو انسانیت کے مدارج علیہ یہ پہنچ جاتا ہے جن لوگوں نے کانشنس  
کی قوت کو برباد کر دیا ہے وہ اخلاقی لحاظ سے ویسے ہی ہیں جیسے کسی کی عقل و حواس مختل  
ہو جائیں۔ دیوانہ آدمی باوجود مصیبت اور کبت کے اپنے تئیں اعلیٰ سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح  
جن لوگوں کے دل کانشنس کے نور سے منور نہیں ہیں۔ وہ جس قدر اوصاف حمیدہ سے  
مسخر ہیں اور تنہا ہی اپنے تئیں نیک کردار خیال کرتے ہیں اور جس قدر حقیقی خوشی سے دور ہیں  
اور تنہا ہی اپنے تئیں خوش جانتے ہیں حتیٰ کہ جتنی غلطیوں میں آلودہ ہیں اور تنہا ہی اپنے تئیں بہلا  
خیال کرتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ انہوں نے راست و غلط کو جاننا ہی نہیں یاد یہ جانتے ہی ہیں  
کہ دنیا میں راست و غلط متضاد ہیں اور راست و غلط کی تمیزی اخلاق کی بنیاد ہے۔ ہاں اگر تخیل  
اوپٹھ جائے تو ہر ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا اختیار کرے مین کوئی برج نہیں۔ مگر کانشنس بتاتا ہے  
کہ دنیا میں راست و غلط دو مختلف چیزیں ہیں اور جن امور سے کہ حقیقی خوشی پیدا ہو اور دل میں  
یشیامانی نہ ہو وہ راست ہیں اور جو دل میں چٹکیاں لیں اور اندرونی خوشی کو برباد کریں وہ غلط ہیں  
انسان اس دنیا میں رہتا ہے اور ناقابل تغیر تعلقات اور قوانین میں گہرا ہوا ہے وہ تعلقات  
کچھ تو خدا سے ہیں کچھ قریب و بعید رشتہ داروں سے کچھ اپنا ہی جنس اور عام دنیا سے۔ اب ان  
تعلقات کے بموجب ارادے اور جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان جذبات کے لحاظ سے  
مستحقین کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ پس اگر ہمارے برتاؤ میں عدالت اور صداقت ہے  
اور ہم اپنے فرائض کو مکمل ادا کر رہے ہیں تو یہ ”راستی“ ہے اور اگر ان تعلقات میں قانون کی  
خلاف ورزی اختیار کی ہے اور ہمارا برتاؤ ان تعلقات میں امن اور اتحاد کو توڑتا ہے تو یہ

واقعی اس کا رتباب درست ہے یا ناجائز عمدہ کام کر کے عادت اختیار کرنے اور  
خراب میدان کو روکنے اور شہوانی طاقتوں کا متاثر نہ کر کے اپنے تہوڑے  
دن تک متواتر سختی اور شہابی اور طبعی پر چکر لٹا کر لیکر جب یہ عادت راسخ ہو جائے گی  
اور جو کام کہ غفلت و غلامی کرنا فرض ہے اس کو فوراً کر کے یہ طبیعت میں آسانی پیدا ہوگی  
تو ہم فرائض کے ادا کرنے میں ذرا ہی وقت نہ معلوم ہوگی

جس قوم میں نے اپنے فرائض ادا کر کے خیال زیادہ ہوتا ہے رہیشہ معراج ترقی پر  
رہتی ہے اور جب تک یہ خیال قائم رہے تندرستی سے ناامید نہ ہوا چاہیے لیکن جب یہ  
لوگوں میں من حیث القوم فرض ادا کر کے خیال نہ رہے اور یہ قوت و لون میں توجہ نہ ہے  
اور وہ تن آسانی یا خود غرضی میں پڑ جائیں تو اس قوم کی حالت بے فکوس ہے اور اس کا قوت  
اور بربادی کچھ دور نہیں ہے۔

### کاشنفس یعنی نفس الامرہ

اِذَا ارَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَاَعْيَاظًا مِّنْ قَلْبِهٖ

انسان کے راہ راست پر لانے اور ہدایت کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے پورے پورے  
سامان مہیا فرمائے ہیں پیغمبر بھی صحیفے اور تہ عقل و تہ دہی اور خود ایک کھٹکادل میں  
ایسا لگا دیا کہ جان آدمی ذرا صراطِ مستقیم سے ڈل گیا اور اس نے ٹوکا۔ یہ قوت مینہ ہے  
کیسے کہ جو ٹوکے سے اچھائی کو بڑائی سے تیار کی کو نور سے بد کرتی ہے اور نیکی کے راستے  
بتاتی ہے۔ یہ قوت جب کسی بڑے کام سے روکتی یا افعالِ شیعہ پر ملامت کرتی ہے  
تو اسے نفسِ لوامہ یا کاشنفس کہتے ہیں۔ یہی قوت ہے کہ جب انسانیت کا کوئی فعل  
ظہور میں آتا ہے تو دل کو مٹی مٹی مسرت اور تسکین بخشی ہے۔ اگر ہم اسکی ہدایت کا ان  
دہر کر سکیں اور اس پر عمل کریں تو یہ قوت ایسی ترقی کرتی ہے کہ ہمارے خیالات ہمارے فعل  
واقعیات چال و چلن پر نہایت عمدہ اثر ڈالتی ہو اور ان کو یا قاعدہ بناتی ہو یا ان کے انشاء  
پر غور نہ کیا جاوے اور نفسِ شہوانی اور قوتِ غرضی کا اتباع کرتے رہیں تو رفتہ رفتہ یہ کم بلکہ گہمی ہو جاتی ہے  
لہٰذا جب خدا کسی بندہ کی بہتری چاہتا ہو تو اسے ایسا کرتا ہے کہ اس کا دل اپنے آپ نصیحت کرنے والا ہو جاتا ہے۔

قوی ترقی ادا  
فرائض سے  
مکن ہے۔

خواہشات پر  
حکمرانی

انسان یا قانون کی آواز سے بالاتر ہے بلکہ حاکم حقیقی کی طرف سے ایک روحانی راہنما کی آواز ہے۔ انسان کے دل میں ہر وقت طرح طرح کی خواہشیں طرح طرح کے ارادے پیدا ہوتے ہیں۔ قوا غصہ کی اقتضا کچھ ہوتا ہے۔ قوا شہوانی کسی اور ہی طرف مائل کرتی ہیں بعض ضرورتیں اور مصیحتیں کسی اور طرف راغب کرتی ہیں اور ضمیر یعنی کائنات سے الگ ایک نیا حکم کرتا ہے اوس وقت انسان حیران ہوتا ہے کہ کس کو اختیار کرے لیکن دانشمندی اور جوانمردی کی بات یہ ہے کہ جو کچھ ہو سو ہو نہایت استقلال سے کائنات کی پیروی کی جائے اور اسی واسطے حکیم مطلق نے یہ قوت انسان میں رکھی ہے اور اگر انسان اپنی عدم توجہی سے اسے کہو کے تو خود وہ ذمہ دار ہے۔ غلط کام کرنے سے بدتر کوئی برائی اور عمدہ کام کرنے سے بہتر کوئی بہلائی دنیا میں نہیں ہے۔ اور برائی سے احتیاج اور اعمال صالحہ کا ارتکاب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ خواہشات پر کائنات نفس ناطقہ حکمران ہو کائنات انسان کے دلی جذبات اور قوا باطنی کا امانی ہے اور اوسکو عقائد حق کی ایسی کرنا سکھاتا ہے۔ اگر انسان کو پورے طور پر یہ خیال ہو کہ اوسے جو کچھ اس جہان میں کرنا فرض ہے وہ اوس سے منہ ہٹ کر موڑے گا اور جو کچھ کرے گا ارادہ ہے اوس کے ہر پہلو کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر اختیار کرے تو انسان اپنے راستہ میں دیر انداز بڑھتا چلا جاتا ہے اور تمام تکالیف اور مشکلات کا بہادرانہ مقابلہ کر کے اپنا مقصد پورا کر کے چھوڑتا ہے۔

### ۳۔ اخلاقی جرات

اخلاقی جرات کی  
تعریف

وہ قوت جو انسان کو ایسے کاموں پر جو حکمتاً جائز اور ضرور ہیں۔ اوائی فرض کے خیال سے کار بند رکھتی ہے اور صداقت وعدالت کے خلاف نہیں کرنے دیتی۔ نیکی شرم یا رعایت یا دباؤ یا لالچ کے سبب سے کسی ناجائز یا ناروا کام کے ارتکاب سے بچاتی ہے اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر چلنے کی محرک ہوتی ہے اور اس راستہ میں جو دقیقہ میں آئیں اوکو مروتانہ سہنے اور ایسا نفع یا سہولت کی پروا نہ کرنے کی جو دراصل جائزہ ہوں یا خلاف شان ہوں بہمت پیدا کرتی ہے۔ اخلاقی جرات کہلاتی ہے۔

مشکل کی  
حقیقت

جس چیز کو ہم اکثر اوقات مشکل یا محال کہہ دیتے ہیں وہ دراصل ایسی نہیں ہوتی بلکہ

”غلطی“ ہے۔ یہ تعلقات اور اودن کے فرائض خواہ ہم جانیں یا نہ جانیں موجود ہیں اور بد قسمتی سے بہت سے فرائض اس سبب سے نہیں ادا کیے جاتے کہ ہمیں اودن کا علم نہیں ہوتا۔ اور کائنات جس فرائض کا علم نہ ہوا وہ تہنیت نہیں کرتا اس لیے جس قدر علم کا ذخیرہ وسیع ہوگا اوستی کا کائنات کمال رہنما ہوتا جائے گا۔

کائنات کو ترقی دینے کا طریقہ

دنیا کے ہر ایک کام میں پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ اس میں ہمیں کیا کرنا ہے یا اودن کہو کہ ہمارا فرض کیا ہے۔ نہ یہ کہ کس چیز سے ہم خوش ہوتے ہیں یا کیا طریقہ آسان ہے۔ نہ یہ کہ لوگوں کی آنکھوں میں کیا اچھا معلوم ہوگا بلکہ یہ کہ بیج کیا ہے اور خدا کی نظروں میں ہمارا فرض کیا ہے۔ اگر یہ نہ خیال کیا جائے تو اچھے اچھے آدمی لالچ اور خود غرضی کا شکار ہو جائیں گے اور ہو جاتے ہیں زندگی کے ہر ایک کام میں ہمیں کائنات کی پیروی کرنی چاہیے۔ کیونکہ کائنات کائنات ہمارے معاملات کو درست اور ٹھیک ٹھیک رکھتا ہے اور ایسا نڈا ثابت کرتا ہے اور ایسا نڈاری ایسی چیز ہے کہ ہم ہر ایک معاملہ میں دکھانی جاتے ہیں۔ غرض معاملات دنیوی اور دینی میں دلی ارادوں اور فوقیت حاصل کرنے کے خیالات میں تجارت کے بازار میں کائنات کے کہنے پر عمل کرنا شاہراہ ترقی اور عزت ہے اور ذمہ داری کا خیال و صداقت کی محبت نہ صرف قوت بخشی ہے بلکہ سرگرمی اور ترقی ہی صحت و درستی۔ سلیقہ و فہمید عطا کرتی ہے۔ اور یہ اوصاف ایک کاروباری آدمی کے لیے۔ نہایت ضروری اور لازمی ہیں۔ چونکہ ہم میں صحیح و غلط میں تمیز کرنا سب سے اہم ہے اس سبب سے ہم بہت سے کام جن کو اچھا سمجھتے ہیں کرتے ہیں اور جن کو بُرا خیال کرتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی کیفیت ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں کی بھی ہے۔ حتیٰ کہ بچے بھی اتنی تمیز رکھتے ہیں کہ جب کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب غلطی ہو جاتی ہے تو اوس سے شرمندہ ہوتے ہیں۔ دنیوی ہر قوم خواہ تہذیب کے کسی درجہ پر کیوں نہ ہو اس میں یہ امتیاز ضروری اور لازمی ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ ایک قوم جس چیز کو اچھا سمجھتی ہے۔ دوسری اوسے بُرا جانے۔ لیکن کسی چیز کو اچھا اور کسی چیز کو بُرا خیال کرنا قدرتا ہر شخص میں پیدا کیا گیا ہے۔ کائنات کا کام یہ ہے کہ اوس کام کے گرتیہ حکم دے جس کو کوئی شخص اعتقاد اچھا خیال کرتا ہے اور جسے بُرا جانتا ہے اوسے منع کرے۔ کائنات کی اوز

کائنات میں مساوات پرانہ نہیں نکال

نہو امید نہیں کہ وہ ناپسندیدہ اور غلط راستہ پر چلنے سے باز رہ سکے دلی کمزوری جسمانی کمزوری سے زیادہ نقصان رسان اور زیادہ خطرناک ہے۔ میدان جنگ میں دوسروں کی دشمنی اسلحہ اور تعداد کی کثرت کے بہرہ سے پرہیز دوسروں کے مال لوٹنے کی طمع میں جو ہر مردانگی و کھانا آسان ہے لیکن دنیا کے میدان میں مشکوک اور وقتوں کے مقابلے میں صرف صدا اور فرض کا ساتھ دینے کے لیے اخلاق اور کائنات کی راہ نمائی کے بموجب نفس کشی کہ زیادہ مشکل اور زیادہ اہم ہے۔ میدان جنگ میں شرکت کی تو کبھی کسی کو ضرورت پڑتی ہے لیکن اس نفسانی اور روحانی جنگ میں ہر وقت ہر شخص شریک ہے۔

بچی بہاری

ایک نیم وحشی اور جنگجو شخص مارنا اور مارنا کیل سمجھتا ہے لیکن اوس میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے لالچ پر روک سکے یا کوئی کام اس سبب سے کر سکے کہ وہ اوس کا کرنا فرض سمجھتا ہے ایسا شخص خواہ کتنا ہی نڈر اور بے خوف کیون نہو اخلاقاً جری نہیں خیال کیا جاسکتا کیونکہ جب زمانہ اس کو مشکوک اور امتحان میں گھیر لیتا ہے تو وہ ثابت قدم نہیں رہتا بلکہ دشمن جو صد اقتداء اور ادائیگی فرض کے واسطے تمام وقتیں اوشٹا اور مشکوکین سہتا اور کوششیں کرتا اور کوئی ناشائستہ یا کمیلہ حرکت اور فعل نہیں کرتا وہ بڑا سہا ہے اور اوس سپاہیوں سے زیادہ شجاع ہے جو جنگوں اور میدانوں میں مارے پھرتے ہیں انسان کا اپنے تئیں صرف اتنا ہی ظاہر کرنا چاہیے کہ فی الحقیقت وہ ہے اور کچھ نہیں ہے وہ نہ بنا ہی اخلاقاً جرأت کی نشانی ہے اسی طرح دیانت داری سے زندگی بسر کرنا فضول و لالچ سے بچنا دوسروں کی حرص نہ کرنا سبالیسی باتیں ہیں کہ اخلاقی حالت کی مضبوطی ظاہر کرتی ہیں کمزور طبیعت اور بے ضابطہ اشخاص ہمیشہ دوسروں کے کہے میں آجاتے ہیں یا خود کو طبیعت کا ادنی رجمان انہیں کسی ایسے کام کرنے سے باز رکھتا ہے جس کو وہ اچھا جانتے ہیں طبیعت کی کمزوری بہت کچھ نقصان پہنچاتی ہے اور بہت سے اطمینان سہولتوں اور خوشیوں پرانی پہنچاتا ہے۔ صراطِ مستقیم ثبات قدم رہنے کے لیے قوت فیصلہ بہت صحیح اور ارادہ بہت مضبوط ہونا لازم ہے۔ قوت فیصلہ کی کمزوری کے سبب انسان نہ تو برائیوں سے بچ سکتا نہ عمدہ باتیں اختیار کر سکتا ہے خوف اور نڈر ہونا ہی اخلاقی جرأت کی ایک نشانی ہے بے خوف ہونے کی عادت ہی تعلیم اور

بعض اوقات  
جو اخلاقی جرأت  
ظاہر کرتے ہیں

خود ہم نے اپنی کمزوری سے اس کو مشکل سمجھ رکھا ہوتا ہے۔ یہ کمزوری اپنا رنگ لاتی ہے اور جو نقصان اس کا نتیجہ ہوتا ہے وہ اوٹھا پڑتا ہے۔ اگر مشین کا ایک پرزہ کمزور ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو ساری مشین بیکار ہو جاتی ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ اگر سختی سے عدالت کی پابندی نہ کی جائے تو بہت سی چھوٹی بڑی وقتیں اگر گہری لیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خصائل جو شان انسانیت خیال کیے جاتے ہیں اگر بے موقع استعمال کیے جائیں تو اپنی حیثیت بدل دیتے ہیں۔ محبت کمزوری طبیعت۔ کفایت شعاری للچ۔ فیاضی فضول خرچی۔ رحم ظلم ہو جاتا ہے۔ اس لیے جو بات مقصد نامی مصدقہ ہو اس پر صداقت سے پابند رہنا چاہیے اور خواہ دنیا اور ہرے اودھ ہو جائے تاہم اس کے خلاف کرنا ہرگز مناسب نہیں بہت سے لوگ صرف اسی سبب سے برباد ہوئے کہ کسی کی خاطر مروت یا شرم کمزوری کے سبب لفظ نہیں زبان سے نہ نکال سکے انہوں نے صرف اپنے تئیں ہی نقصان نہیں پہنچا ہوتا بلکہ کسی دوسرے کی یا اپنی ہی تعلق ہی کی۔ کیونکہ جو ناجائز فائدہ اس مروت یا شرم شخص کو پہنچا یا وہ کسی دوسرے کا حق تھا میرے ایک عمدہ صفت ہے لیکن اس وقت تک حد اعتدال سے باہر دنیا میں جو کچھ ترقیان ہوئیں وہ جسمانی طاقت اور تہور سے زیادہ اخلاقی جرات کی بدولت ہوئیں۔ بیل اور گھوڑے میں انسان سے زیادہ جسمانی طاقت اور شیر اور چیتے میں بہت زیادہ تہور ہے لیکن وہ جرات جو اخلاق کو قوی و مستحکم کرتی ہے ان میں نہیں ہے۔ وہ جسمانی طاقت جو دنیا میں خونریزی کرنے اور لوگوں کی جان و مال کو معرض خطر میں ڈالنے یا غارت کرنے میں صرف ہوئی ہو یا بجائی فائدہ کے ضرر ہو چکا ہے بلکہ وہ جرات جو چپ چاپ اپنا کام کیے جاتی ہے وہ جرات جو حصول مقصد میں مجتہد اور ادا داری فرض۔ ماری بہاری بوجہ اور بڑی بڑی تکالیف خاموشی اور رستانت سے برداشت کر لیتو۔ سب سے زیادہ بہادر مری اور شجاعت کی دلیل ہے۔ ہر حال میں۔ کی جرات۔ ہر حالت میں انصاف کرنے کی طاقت ہر کام میں دیانت داری دکان۔ ہر حالت میں للچ کو روکنے کی قوت۔ ہر فرض کو ادا کرنے کی خواہش۔ اخلاقی جرات۔ صحیح علامات ہیں اور جس مرد یا جس عورت میں یہ قابلیت

اخلاقی جرات  
کے فوائد

جو شخص کسی مینار پر چڑھنا چاہتا ہے وہ زمین کی ہر ایک سیڑھی پر ایک ایک کر کے چڑھتا ہے  
یہی حال ترقی کا ہے کہ رفتہ رفتہ حاصل ہوتی ہے محنت کے بعد صبر سے انتظار کرنا اور  
اضطراب میں کام خراب نہ کرنا ترقی کا راز ہے۔

استقلال  
کے فائدے

دنیا میں کوئی بڑا کام کرنے اور نام و نمود حاصل کرنے یا کسی بڑی کامیابی حاصل  
کرنے کے لیے ضرور ہے کہ طبیعت میں استقلال کے ملکہ کو راسخ کیا جائے۔ صرف بڑے  
بڑے کاموں ہی پر منحصر نہیں یہ صفت چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی بہت مدد دیتی ہے اور  
انسان کے ہر فعل سے ظاہر ہوتی ہے۔ مستقل مزاج آدمی بہت سے ناگوار اور مشکل امور  
پر فتح پالیتے ہیں اور ہر کام جس کا ارادہ کر لیں خواہ دیر ہی میں کیوں نہ ہو۔ کر کے چھوڑتے  
ہیں۔ ناامیدی اون کے پاس نہیں پہنچ سکتی اور وہ خوف و خطر کا نام نہیں جانتے۔ وہ جس کام  
پر کمر بستہ بن جائے ہیں اوس میں پوری توجہ پوری کوشش سے کام لیتے ہیں اور جب تک  
پورا نہ کر لیں انہیں چین نہیں آتا۔ حصول مدعا کی دھن اون کو ایسی لگی ہوتی ہے کہ کوئی مشکل  
اونہیں اپنے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتی۔ جو لوگ کسی کام کو مشکل سمجھ کر نہیں کرتے یا  
ادھورا چھوڑ دیتے ہیں اہل میں اون کو وہ کام کرنا مقصود ہی نہیں ہوتا۔ اون کے ارادے  
بہت متزلزل ہوتے ہیں اور سچے دل سے وہ کسی مقصد کو حاصل کرنا نہیں چاہتے ایسے  
لوگ متلون مزاج اور غام طبیعت کہلاتے ہیں مستقل مزاج آدمی بہت سوچ سمجھ کر ایک مدعا  
میں کمر لگا لیتا ہے لیکن جب وہ اوس کے حصول کی کوشش شروع کر دیتا ہے تو یہ حاصل کیے  
بغیر نہیں چھوڑتا۔ امید زندگی کی روح ہے لیکن استقلال و راہی و استحکام کو بغیر کوئی امید ہی نہیں ہوتی  
مشکلات کے مقابلہ کرنے سے بہت سی مشکلین آسان اور بہت سختے حل ہو جاتی ہیں  
اور بہت سی باتیں جو پہلے محال بلکہ ناممکن معلوم ہوتی تھیں ممکن ہو جاتی ہیں لیکن جو لوگ ہر کام  
میں ہاتھ ڈالتے ڈرتے ہیں اور ذرا اسی وقتوں کی برداشت کرنے سے دم چراتے ہیں ان کو  
ہر کام مشکل اور ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ کامیابی کا راز یہ ہے کہ اول تو جس کام کے لیے جو وقت  
مناسب اور مقرر ہے اوس کو نہ ٹالا جائے اور جو کام شروع کیا جائے اوس کی تدابیر کو بھی  
سوچ سمجھ کر اوس کے پورا کرنے میں پوری قوت صرف کی جائے انسان کو اپنی رائی اور اپنے

کامیابی کا راز



مشق سے بڑتی ہے اور کسی جزئی حقیقت کے صحیح اندازہ کر لینے سے اوس کا خوف جاتا رہتا ہے۔ اکثر خوف خیالی ہوا کرتا ہے اور تخیل ایسی صورتیں پیدا کر لیتا ہے جن کی نسبت یہہ گمان ہوتا ہے کہ ہمیں آزار دین گی لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ وہ صورتیں پیش آئیں جن کو کون کو خطرات کا مقابلہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے وہ خیالی اور وہی خطرات کی ذرا پرواہ نہیں کرتے۔ وہی خطرات چاہے کبھی واقع ہوں لیکن دور سے ایسا ڈراتے ہیں کہ بزدل آدمی کا خون خشک ہو ہو جاتا ہے۔

خوف دل کی بیماری ہے

بزدلی اور خوف دل کی بیماری ہے اور برسی چیز ہے خواہ جہانی کمزوری ہو یا دل کی کمزوری دو فوہایت شرمناک اور بدنامی اور ان میں ایک قسم کی کراہت اور سفاہت پائی جاتی ہے۔ ایسا دنیا میں کونسا شخص ہے جس پر تکالیف اور مصائب نہ پڑتی ہوں لیکن اس حالت میں بھی انسان کو ضبط اور خود داری سے کام لینا اور اپنی وقت کو قائم رکھنا چاہیے اخلاقی جرات کی عورتوں میں بھی بہت ضرورت ہے۔ یہ عورت کی محافظ اور نگہبان ہے اوس کی عقل کو سبب اور اوسان کو ٹھکانے رکھتی ہے اور اوسکی عزت و آبرو بڑھا رکھتی ہے۔ حسن صورت چاندنی کی طرح چاروں میں زائل ہو جاتا ہے لیکن دل کی صفائی اور رویہ کی خوبی جو جو بڑا پائے زیادہ بڑھتی جاتی ہے اور اس کی چمک کسی کم نہیں ہوتی۔ پاکدامن بچے مستعد جفاکش۔ اشخاص کی مثالیں دنیا میں ہمیشہ قائم رہتی ہیں اور ان کے نام اور ان کے کاموں کے افسانے تاریخ کے صفحوں پر لکھے جاتے ہیں۔ اونکی زندگی دوسروں کے لیے چراغ ہدایت ہے کہ لوگ ان کی مثال پر چلتے اور ان کی طریقہ پر کار بند ہوتے ہیں۔ مستعد اور جری آدمی دنیا کے راہنما دنیا کے حکمران ہوتے ہیں۔ اور کمزور طبیعت والوں کا ان کے بعد کوئی نام و نشان ہی نہیں جاتا۔

اخلاقی جرات کی عورتوں میں ضرورت

## ۴۔ استقلال

ترقی خواہ کیسی ہی عمدہ اور اعلیٰ کیون نہ ہو اور اوس کے حصول کے لیے خواہ کتنی ہی سعی کی جائے ایک دفعہ ہی حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ جس طرح کسان بچہ کو فصل کا انتظار کرتا ہے اسی طرح سعی کو کوشش کے نتیجہ کے لیے صبر و استقلال سے انتظار کرنا چاہیے۔

کامیابی کے لیے استقلال ضرور ہے



مشکل انسان کو  
پختہ کرتی ہیں۔

انسان سہولت و متن آسانی۔ آرام و راحت سے نہیں بلکہ مشکل و وقت میں رہنے اور مصیبتیں جھیلنے سے آدمی بنتا ہے۔ وقتیں انسان کے لیے بہت سی کام دیتی ہیں جو دنیا کا جو ہر چمکا دیتی ہیں یا استاد ہیں کہ مارا مار کر دانش و عقل سکھاتی ہیں انسان کامیابی سے زیادہ ناکامی سے ہوشیار ہوتا اور تجربہ حاصل کرتا ہے دنیا کی بڑی بڑی ایجادوں اور بہتیم بالمشائ کا مومن کے آغاز میں ہمیشہ پہلے ناکامی تھی جو لوگ بلا سعی و کوشش کے دنیا میں فتح حاصل کرتے ہیں وہ عزت حاصل نہیں کرتے۔ وقتیں چاہے کمزور آدمی کو ڈرامین لیکن عالی ہمت اشخاص میں بہت زیادہ کرتی ہیں اور وہ مصائب کے مقابلے میں مردانہ و اکہڑی رہتے ہیں مشکلات کا درسہ صرف افراد انسانی ہی کے لیے اخلاق کا سبق آموز نہیں ہے

مشکل تو ہوں گی  
ہمت بڑھاتی ہیں

بلکہ اقوام کے لیے بھی ایسا ہی مفید اور کارآمد ہے کیونکہ جب وہ مشکلوں میں گرفتار ہو جاتی ہیں تو ان سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اور نئی نئی تدبیریں سوچتے اور ایجادیں کرتے ہیں ان کی ہمت و جرات از سر نو دگر آتی ہے اور کبھی وہ سرنا تہہ پر رکھ کر جان پر کیسے جاتے ہیں اور ملک کو ظلم و ستم جو ر و قعدی برامنی اور جبر سے رہائی دیتے ہیں جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو انسان یا تو پہلے کی نسبت زیادہ زوہ حال ہو جاتا ہے یا زیادہ خوش حال بن جاتا ہے اگر وہ اس مشکل سے دب گیا تو ہمیشہ کے لیے گھبرا کر رہا ہو گیا اور اگر اس نے ہمت و جرات سے کام لیا اور مشکل پر فتح پائی تو اس کی طاقت۔ جرات۔ عزم۔ تجربہ۔ علم بہت بڑھ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک شخص معرکہ کا زرارین رہ کر سہا ہی بن جاتا ہے اور پھر اسے میدان جنگ سے ڈر نہیں لگتا اسی طرح الو العزم انسان کو ایک مشکل پر عبور کر کے دوسری مشکلات آسان معلوم ہونے لگتی ہیں

عادت

اول اول طبیعت پر جبر کرنا اور اقتضا و طبیعت کے خلاف کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب عادت پڑ جاتی ہے تو وہی افعال جو پہلے مشکل معلوم ہوتے تھے سہل معلوم ہونے لگتے ہیں۔ عادت سخت سے سخت کام کو اتنا آسان کر دیتی ہے کہ اس کے کرنے میں ذرا سی وقت اور تکلیف نہیں معلوم ہوتی۔ پتھر پھوٹے سارے دن پہاڑ کاٹتے ہیں مگر ذرا نہیں تھکتے۔ ہر کارے بارش دھوپ اور سردی میں راتوں کو ڈاک کے خرچے لیکر میلوں پہاڑ جاتے ہیں اور ذرا سہی اونہیں تکلف نہیں ہوتا۔ یہ اعضا ہی جسمانی کی عادت کا نتیجہ ہے اسی طرح اگر قوار

ارادہ کو ایسا غیر متزلزل نہیں ہو رہا جیسے کہ تنگدلی کی طرح پانی کی رواور ہوا کے چھوٹنے سے بہتا اور اڑتا پھرے بلکہ ایک مدعا غور و فکر کے بعد مضبوطی قائم کر کے اس کے حاصل کرنے میں کامل سعی کرے فوجوان آدمی جب ایک مدعا اچھی طرح سے قائم کر لیں اور اس کے حاصل کرنے کے لیے صحیح راستہ پر چلیں تو ضرور حصول مراد میں کامیاب ہوتے ہیں جب انسان اس عمر میں پہنچ جائے کہ صحیح و غلط میں تمیز کرنے لگے اس وقت اس کو اپنی زندگی کے لیے کوئی کام کوئی مدعا معین و قائم کرنا لازم ہے۔ اگر اس وقت انسان استقلال کی عادت نہ ڈالے گا۔ تو آئندہ اس کی طبیعت میں الوالعزیز مستعدی و قوت نہ ہوگی اور اس تمام افعال غیر متظم پریشان نامکمل صادر ہوں گے۔ استقلال ایک کام کے پیچھے چلنے کی قوت کا نام ہے۔ اس کام کی اچھائی یا برائی قوت تمیز اور عقل پر منحصر ہے۔ اگر استقلال افعال ذہنیہ میں ہے تو مذموم ہے اور مساعی جملہ میں ہے تو محمود ہے۔

کسی کام کے کرنے یا کسی مقصد کے حاصل کرنے میں متواتر سعی کرنے میں ہی استقلال کام نہیں آتا۔ بلکہ استقلال کا دوسرا پہلو عزیمت نامہ ہے خصوصاً لالچ کے روکنے میں اور عہد پر قائم رہنے میں استقلال کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ انسان خواہشوں اور لالچ سے بچنا نہیں ہے بہت سے موقع ایسے پیش ہوتے ہیں کہ اس کو کسی ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے پر ہی ناجائز مغفقت کے حاصل کر لینا موقع ملتا ہے ایک طرف لالچ اس کے دل کو گھیرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف کائنات اس کو روکتا ہے مستقل مزاج آدمی کائنات کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ اپنے عہد اور ایمان کی ہدایت پر قائم رہتا ہے اور جو استبدازی میں ٹھہرانے اس سے نہیں گزرتا۔ لالچ اور خیالات فاسد اس پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ جس طرح تیر کو چونک نہیں لگتی اسی طرح اغراض دنیہ اس کے دل پر اثر نہیں ڈال سکتے اگر انسان ایک دفعہ ان لالچوں کو مردانہ وار روکے تو پھر اس میں ہمیشہ طبیعت پر قابو رہے گا ملک پیدا ہو جاتا ہے اور اگر ایک بار مغلوب ہو گیا تو پھر سبب نہ ملتا مشکل پڑ جاتا ہے۔ یہ عادت ذوالعمر میں جلدی پڑتی ہے کیونکہ اس زمانے میں طبیعت ملکات روئیہ سے مغلوب نہیں ہوتی اور اس میں ہر قسم کے تغیر و اصلاح حاصل کرنے کی قوت ہوتی ہے۔

چلنے والے۔ دوسروں کی رائے کے تابع۔ عاجز اور غافل ہوتے ہیں اور ان میں غنیمت نامہ کا نام نہیں ہوتا یا یہ صفت بہت کم ہوتی ہے۔ اس واسطے یہ ضرور ہے کہ استقلال کی عادت ڈالی جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس صفت کو ترقی دی جائے اس کے بغیر آزاد می حاصل ہوتی ہے نہ خصائل میں پائیداری اور استقامت۔ غنیمت نامہ کے بغیر انسان امر حق کو اس مرتبہ پر نہیں قائم رکھ سکتا جو اس کے شایان ہے نہ انسان کے اخلاق ایسے سخت ہو سکتے ہیں کہ ان میں کبھی فرق نہ آئے۔

غنیمت نامہ کے لئے  
علم و قوت تیز کی  
ضرورت ہے

غنیمت نامہ چونکہ اس سخت ارادہ کا نام ہے جو کسی کے بدلے نہیں بدل سکتا اس واسطے یہ عادت اگر بے سوچے سمجھے اختیار کی جائے اور صرف نیک و قابل اختیار امور میں اس کا استعمال نہ کیا جائے تو یہ صفت افعال قبیحہ کے صدور بلکہ مستحکم ہونے کا آلہ بن جاتی ہے اور نہایت مصرت پہنچاتی ہے۔ مثلاً اگر غنیمت نامہ ظالموں میں ہوگی تو ان کے جبر و تعدی کی انتہا نہ رہے گی۔ اگر لٹیروں میں ہوگی تو ان کی غارتگری اور بربادی کی حد نہ ہوگی اس واسطے کسی رائے یا کسی فعل کو اس قدر استحکام کے ساتھ اختیار کرنے سے پہلے اس کے ہر ایک پہلو پر غور نظر ڈالنی ضرور ہے اور یہ سوچ لینا چاہئے کہ یہ فعل جو ہم اختیار کرتے ہیں دراصل محمود ہے اور کائنات یا نفس ناطقہ یا عقل کے اقتضا کے موافق ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ ہماری ذات اور ان تمام اشخاص کے لئے جن پر اس کا اثر پڑ سکتا ہے مفید اور اصول اخلاق کے لحاظ سے محمود ہوگا جو لوگ اپنے غم پر یا استقلال قائم رہنے کی عادت ڈالنا چاہتے ہیں ان کی نظر وسیع اور رائے صائب ہونی چاہئے اور پہلے بھلے برے کی تمیز حاصل کرنا اور افعال قبیحہ اور اعمال حسہ میں شناخت اور امتیاز کرنے کی قوت پیدا کرنا لازم ہے اور اس کے لئے علم کی ضرورت ہے۔

غنیمت نامہ  
کے فوائد

فی الحقیقت طبیعت انسان میں دولے متضاد موجود ہیں جن کا مبدأ نفس قبیحہ اور نفس شہوانی ہیں۔ خواہشات شہوانی کے خراب اثرات کو روکنے اور جذبات پر قابو رکھنے کی ہر وقت ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر ان خواہشوں کو جلد نہ روکا جائے گا تو طبیعت پر اس قدر حاوی ہو جائیں گی کہ ان کا ترک کرنا شدید محال ہو پس غنیمت نامہ یعنی افعال و اقوال کی نگہداشت ہی ایسی

دلی اور رمانی کی محنت کی عادت ڈالی جائے تو وہ ایسے ہی مشاق اور عادی ہو جاتے ہیں  
 اور یہ ثابت واستقلال کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ عادت کا اثر پہلے کچھ ہی نہیں معلوم ہوتا  
 اور انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ اوسین کوئی نئی کیفیت ابھی یا بری پیدا ہو گئی ہے لیکن جب  
 ترک عادت کرے اوس وقت معلوم ہوتا ہے کہ انسان عادت کے شکنجہ میں کس قدر جکڑا  
 ہوا ہے۔ محنت۔ دیانت۔ خود داری۔ خود اعتمادی۔ بلکہ تمام قوت عملی کا دار و مدار صرف  
 مسائل کے جاننے پر نہیں بلکہ عادت پر ہے۔ جس شخص کو استقلال کی قوت حاصل ہے  
 وہ نیک کام کر سکتا ہے بری باتوں سے بچ سکتا ہے مصیبت کے وقت اوس کا جال و جلن اور بھی  
 چمک جاتا ہے اور صرف اس عادت کے طفیل وہ ناکامی کے وقت پریشان نہیں ہوتا اور ثابت قدم رہتا

### ۵۔ عزیمتِ تامہ

ایک حکیم کا قول ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے اوس شخص سے بہتر  
 جو ایک شہر پر قبضہ رکھے اپنے آپ پر قبضہ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے مزاج میں ایسا  
 تلون نہ ہو کہ ذرا سی بات اوس کے ارادوں کو توڑ دے یا ذرا سالالچ یا تہوڑا سا خوف یا کوئی  
 فساد کی امید یا نقصان سے بچنے کی خواہش اوس کی کسی صحیح رائی کو جو کسی امر کی نسبت  
 ایک دفعہ قرار پائی ہے بدل دے بلکہ طبیعت میں ایسا استقلال پیدا ہو جائے کہ لیک بار  
 جو دل میں ہٹان لے یہ کسی طرح اوس سے نہ ٹٹے اور جو ارادہ کیا ہے اوس مقصد کو حاصل کر کے  
 چھوڑے۔ اسی کا نام عزیمتِ تامہ ہے۔

ارادہ

بعض لوگوں کے ارادے اور عزم ایسے ضعیف ہوتے ہیں کہ وہ بہت جلد ایک حالت  
 سے دوسری حالت پر بدل جاتے ہیں اور یہی حال ان کی رائی کا ہوتا ہے کہ کبھی کچھ ہے اور  
 کبھی کچھ۔ وہ کسی امر کی سیچ یا بڑے کام کے اختیار یا ترک کرنے میں ذرا سی  
 سائل نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو دوسروں کا اثر یا دن کی رات ہی نہایت آسانی سے اپنی طرف  
 پھیر لیتی ہے یا ان کے خیال کو بدل دیتی ہے۔ وہ اگر کسی بڑے کام پر نہیں ٹکے تو کسی سہلی  
 بات پر جی قائم نہیں رہتے یہ سب کہ کسی چیز کی حقیقت ان کی طبیعت پر نقش نہیں ہوتی اور  
 وہ جانتے ہی نہیں کہ عزم یا عزم کیا ہے یا ایسے آدمی کمزور طبیعت کے توجہ دوسروں کے کہنے پر

تلون

کوئی انعام کوئی لالچ کوئی ڈر کوئی خوف حتیٰ کہ کوئی ضرورت بھی اوس کو باز نہیں کر سکتی  
عزیمت تامہ خود انسان کے اپنی طبیعت پر اختیار اور اقتدار حاصل کرنے سے حاصل  
ہوتی ہے اور انسان صرف اپنی کوشش سے اس میدان میں قائم رہ سکتا ہے اگر دوسرے  
لوگ اسے سہارا دیں بھی اور دنیا کی شرم یا سوسائٹی کے دباؤ سے وہ کچھ روز سنبھلا  
بھی رہے تو جب وہ روک جاتی رہے گی تو فوراً گر جائے گا۔

خاندانی شرافت - مدرسہ کی تعلیم - ملک کا قانون اور لوگوں کا رتبہ بلند نہیں کر سکتا  
جنہوں نے اپنے اختیار کی باگ خواہشات نفسانی کی پابندی میں یہی جیسی خوشیاں جو شہر  
جذبات کے پورا کرنے سے ہوں انسانیت کو کہہ دیتی ہیں اور تمام قوتوں میں کمزوری اور تزلزل پیدا کرتی  
دنیا کے ہر کام کے حصول کے لیے خواہ وہ دنیوی ترقی اور بہبودی کی غرض سے ہو

کامیابی کا راز

یا اخروی نجات اور سعادت دارین حاصل کر کے لیے ہر طلب صادق اور غم بالجرم اور استقلال  
کو بہت بڑا دخل ہے کسی کام کے کریم کا مصمم ارادہ کر لیا جائے تو کامیابی کا نصف درجہ  
حاصل ہو جاتا ہے تمام مشکلیں اور دقیقین جو تذبذب اور دودلی کی حالت میں یہاں تک طرح سدا رہ  
ہوتی تھیں جو انموذوں کے مستقل ارادوں کے سامنے ہوا ہو جاتی ہیں کسی کام میں بہت  
نہ ہارنا اور برابر پوری سعی اور کوشش کیے جا کر کامیابی کا یقینی طریقہ ہے۔ عالیٰ حوصلہ و  
جو کسی کا عار اوٹھانا نہیں چاہتے اپنے طائر ہمت کے پروال کو دیکھتے رہتے ہیں اور خواہ  
کتنا ہی نازک وقت کیوں نہ ہو صرف اپنی قوت بازو پر یہ دوسرے کرتے ہیں اور جن میں بلند چوکی  
اور ہمت و مستعدی نہیں ہوتی وہ بڑے بڑے ارادے کرتے ہیں لیکن ان کی باتیں ہی نہیں  
ہوتی ہیں کہیں کر کے کچھ نہیں دکھاتے اور جو کام شروع کرتے ہیں اوس میں پورا نہیں ڈالتے  
منصوبے باز رہتے ہیں لیکن کھیل کو ایک ہی نہیں پہنچتا بلکہ اکثر قصد تو شروع ہی نہیں ہوتے  
اور یہ تمام ناکامیاں عدم استقلال اور فقدان عزمیت تامہ سے ہوتی ہیں۔

عزیمت تامہ  
خوشحالی

اپنی طبیعت پر قابو رکھنا بہت بڑی کامیابی ہے اور جب یہ قوت راسخ ہو جاتی ہے  
تو اس سے بہت سی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تیز رو اور شوخ کہوڑے پر سوار ہونا اور  
اوس کو قابو میں رکھنا کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے اور اگر کسی غریب لہو جانور پر سوار ہو کر پہرین

چیز ہے کہ انسان کو انسان کامل بناتی ہے لہٰذا گوئی الحکیم حکیم اُحییٰ لقلب جمیع شہواتہ  
محتاط شخص کبھی خواہشات کے جھوکن سے نہیں ڈگمگاتا بلکہ ہمیشہ تحمل و استقلال کو کام میں  
لاتا ہے اور اپنے ارادہ و افعال و احوال پر قابو رکھتا ہے صرف احتیاط ہی تمام خوبیوں کی جڑ  
ہے اور احتیاط ہی ایسی چیز ہے کہ لالچ اور ناہیہ افعال سے بچا سکتی ہے خواہشات طبعی  
پر فتح پائی ملک پر فتح پائے۔ نئے سے زیادہ مشکل اور زیادہ قابلِ تحسین ہے اور جب تھوڑی سی  
مشق اور تھوڑے سے زمانہ میں طبیعت پر قابو حاصل ہو جاتا ہے تو خود داری - اعتدال  
استقلال - انکسار - پابندی قواعد - کفایت شعاری - پرہیزگاری اور اوراد و صاف حمیدہ  
حاصل ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ ذرا گراں نہیں گزرتے - کیونکہ  
عادت قانون قدرت کی طرح اطلاق پر اثر ڈالتی ہے اور تمام و صنائع و احوال کو نامعلوم طور پر  
شائستہ و مرتب اور پسندیدہ کر دیتی ہے۔ یہی زندگی کو اُمید اور مسرت کی نظر سے دیکھنا چاہیے  
یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ اول ہی سے بشارت نیک خراج خوش طبعی کی عادت ڈالیں  
یا انقباض فکر اور تشوئی کی - پس جہانِ انسان کی طبیعت میں عادت کو بڑا دخل ہے اور کسی بھی  
بری عادت کا اختیار و ترک اقتدار بشری میں ہے تو جو لوگ طبیعت کے محکوم بن کر خصائل  
رویلہ اختیار کر لیتے ہیں وہ معذوبین سمجھے جاسکتے۔ عادت معراجِ کمال پر پہنچاتی اور عادت  
برباد کر کے چھوڑتی ہے اس لئے لازم ہے کہ انسان خود اپنے واسطے عمدہ قواعد مقرر کرے  
اور ان پر سختی سے کار بند ہو کر انسانیت کے فرائض ادا کرنے کی کوشش کرے۔ جن  
لوگوں نے دنیا میں اعلیٰ اعلیٰ ترقیان کی ہیں وہ اپنے انضباط پر ہمیشہ سختی سے کار بند رہے ہیں  
اور جس قدر زیادہ پابندی کی ہے اسی قدر اخلاقی حالت میں ترقی ہوئی ہے۔ کیونکہ تحمل  
احتیاط اور خود داری شاہراہ زندگی کو صاف کر دیتے ہیں اگرچہ دنیا میں ترقی و کماوت اور  
عقل سے ہوتی ہے مگر انضباط اور پابندی کی عادت کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔

وہ شخص نہایت جواہر ہے جس نے اپنے تئیں ایسی ایسی عادتوں کا پابند کر رکھا ہے  
جو نیکی کے راستے سے کبھی بھٹکنے نہیں دیتیں اور جو ارادہ وہ ایک بار کر لیتا ہے اس سے  
لے کوئی شخص حکمت والا نہیں کہلایا جاسکتا جب تک کہ اپنی تمام خواہشوں پر قابو نہ پالے۔

دورانِ صرف  
پرورش سے  
کامیاب نہ ہو

مرتبہ کو قائم رکھتی ہے یہ طبیعت کی ایک شریف تحریک ہے جو ترقی کیسے کی تحریک اور مومن بحال ہے خود دار آدمی کہی اپنے جسم کو گناہ سے اور دل کو خراب خیالات سے الودہ نہیں کرتا اور ہمیشہ صفائی صبر محل - پرہیز گاری - احتیاط محنت - اخلاق حسنہ اور اصول مذہب کا پابند رہتا ہے وہ ہمیشہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کرتا ہے اور اسے خیال رہتا ہی کہ کوئی کام اوس سے ایسا سرزد نہ ہو جو اوس کی عزت میں دہشتہ اور نام میں تہ لگانے والا ہو وہ اپنے تئیں حقیر نہیں جانتا اور اپنے افعال و اقوال سے اپنے تئیں ذلیل نہیں کرتا - وہ حیوان کی طرح زندگی گزارنے پر قانع نہیں ہوتا بلکہ اوس کا دل ہمیشہ اپنے مختار مرتبہ کا خیال رکھتا کیونکہ اپنے تئیں ذلیل جاننا یا حقیر خیال کرنا نہ صرف اپنی نظر میں بلکہ اور دن کی نظر میں بھی اصلی پایہ سے گرا دیتا ہے۔

خود داری سے اظلاس دور نہیں ہوتا لیکن وہ دنایت اور ابتذال جو جامعندی اور تنہی کا خاصہ ہے کہ ہو جاتا ہے اور کسی غریب آدمی کا ثابت قدم رہنا اور لالچ کو روکنا یا افعال ذلیل سے اجتناب کرنا اوس کی عزت قائم رکھتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ نہ صرف نفس میں سے برائیوں کو دور کرے یا خراب جذبات کو روکے بلکہ خوبون کو ترقی دے اور اون کی پرورش خود داری اور خود پسندی میں یہ فرق ہے کہ خود داری تو اصلی اور سچی لیاقت اور مرتبہ کا لحاظ کرنا اور اوس کو ترقی دینا سکھاتی ہے اور خود پسندی ذاتی مرتبہ یا غوی کو مبالغہ سے جتلاتی ہے جو بربادی اور شرم کا باعث ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خود داری اور خود پسندی میں امتیاز قائم رکھنا ذرا مشکل کام ہے مگر خود دار شخص کہی دوسروں کی ہیکالی سے اپنا مقابلہ نہیں کرتا اور کردار کے لوگوں کو حقارت سے نہیں دیکھتا بلکہ ذاتی جوہر و کمالات خاک میں ملنے سے بچاتا اور اون کو ترقی دینے کی سعی کرتا ہے۔ وہ اپنے افعال و اقوال کو ایسا ضبط کرتا ہے کہ اوس سے خلاف شان کوئی حرکت صادر نہیں ہوتی۔

خود داری اور  
خود پسندی میں  
فرق

انکسار

انکسار فی الواقع عمدہ صفت ہے اور ضرور ہے کہ ہم اپنے عجز اور بے کمالی کا اعتراف کریں لیکن یہ اس لیے ہے کہ ہم پر خود غلط نہ ہو جائیں یہ کہ اپنے مرتبہ سے کم اور ذلیل حالت پر اکتفا کریں اور خیالات کو پست کر دیں اگر ایسا کریں گے تو ترقی کر نیکی طبعی تحریک مٹ جائیگی۔



تو ذرا بھی بشارت نہیں ہوتی یہی حال طبیعت کا ہے کہ اوس کے تون کو روکنا اور اپنا روکنا  
 قائم کرنا سترت بخشتا ہے۔ عزیمت پر محال کرنا کوئی آسان کام نہیں لیکن کوئی کام نہیں مستحق اور غما  
 پہ پہل نہ ہو جاتا ہو۔ انسان کو آزادی چاہی معلوم ہوتی ہے اور خود اپنے عین قید کرنا اور اپنی طبیعت  
 پر جبر کرنا بہت بڑا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ آزادی حقیقی آزادی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر انسان اپنی  
 طبیعت کو اس طرح مطلق العنان چھوڑ دے تو اس کی غلطیاں سخت سخت مصائب میں پہنچا  
 دیتی ہیں پہلے تو دل کا کہا کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس کا نتیجہ نکلتا ہے تو ہر چیز  
 بھی بہت بھگتنا پڑتا ہے جب تک انسان پاکیزگی سے زندگی بسر نہ کرے جب تک اپنا  
 وقت مفید کاموں میں صرف نہ کرے اوس کو حقیقی خوشی کی امید نہ کہنی چاہیے۔ دل کو  
 پاکیزہ اور عمدہ خیالات سے معمور کرنا اس طرح زندگی بسر کرنا کہ گزشتہ زمانہ کا خیال کر کے  
 افسوس و حسرت نہ ہو بلکہ خوشی پیدا ہو اور آئندہ زمانہ کی نسبت عمدہ عمدہ امیدیں ہوں اور  
 وہ امیدیں ہی خلاف قیاس نہیں بلکہ ممکن الحصول ہوں فکر۔ انقباض۔ تشویش سے دل  
 آزاد رہے۔ ہر می خواہشوں کو روکنا اور شہوانی قوتوں کو اعتدال سے نہ بڑھنے دینا اور  
 طبیعت میں نیک کاموں کا میلان پیدا کرنا انسان کو کامیابی بخشتا ہے اور اس کا میانی  
 حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے جس طرح کپڑا رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اسی طرح خیالات  
 کا رنگ طبیعت پر چڑھتا رہتا ہے جسے خیالات ہوں گے ویسا ہی ظہور ہو گا پانی کو صاف  
 رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوس میں مٹی اور کوڑا نہ کرنے پائے یہی حال دل کی صفائی کا ہے  
 کہ اوس میں بڑے خیالات داخل ہونے ہی نہ پائیں اور عزم و استقلال اس پاکیزگی کو قائم کرے

#### ۴۔ خود داری

خود داری کی تعریف یہ ہے کہ انسان ایسے افعال سے باز رہے جو اوس کے  
 مرتبہ اور پوزیشن کو گھٹانے والے اور اوس کو دوسروں کی نظر میں ذلیل کرنے والے ہوں  
 اپنی عزت قائم کرنا اور اپنی ذات کو عالم میں موثر بنانا یا جو رتبہ کہ سوسائٹی میں حاصل ہے اس  
 قائم رکھنے کی کوشش کرنا خود داری ہی اور یہ عظمت پیش بینی احتیاط اور استقلال سے حاصل ہوتی ہے  
 خود داری انسان کے واسطے ایک غلت ہے جو اوس کا مرتبہ ظاہر کرتی اور اوس

خود داری کی  
 تعریف

خود داری کے  
 اوصاف



ظہر پر کام میں لانے کی عادت ہونی چاہیے من طلب شیا وجہ وجد  
 اگر سراج کام میں درست کی ضرورت ہے تو تمام سعی موجودہ مشکل کے دور کرنے  
 صرف کرنی چاہیے نہ کہ مشکلوں کے حل کرنے سے ہی جوڑوں میں یا بلندی سے اپنے آگے  
 کو تبدیل کر دین۔ دنیا میں بڑے بڑے کام۔ بڑی بڑی فتوحات بڑی بڑی دریافتیں  
 اعلیٰ اعلیٰ ایجادیں مشکلیں سے سر بہونی ہیں مگر ہر نئی مشکل ایک نئی معلومات اور مسرت کا  
 منبع ہوتی ہے۔ مشکلیں حصول مادی میں سدا رہ نہیں بلکہ مہر ہوتی ہیں کیونکہ شوق کی آگ  
 بھڑکتی ہے اور دماغ میں زیر کی اور حل مشکلات کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا  
 ہے کہ ان مشکلات نے محنت اور برداشت کی غیر معمولی قوت پیدا کر دی اور ذکاوت و ذہانت  
 کے دروازے کھول دئے لوگوں نے دولت اور ذاتی قوت کے اندازہ کرنے میں غلطی کی  
 ہے۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ دولت کو بکار آمد جانتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دنیا میں دولت  
 ایک حد تک بکار آمد ہے لیکن نہ اتنی جس قدر کہ خود اعتمادی اور ذاتی قابلیت۔ یہ ایسے  
 جوہر ہیں کہ انسان کو دنیا میں عزت اور ناموری عطا کر دے کہ اسے ہاتھ ہیں۔ یہی قابلیت ہے

لایق و قابل آدمی گزرے ہیں جنگی پیش بہا تصانیف اور اعلیٰ خیالات سے ہم اپنے دل و  
 دماغ آراستہ کرتے ہیں یا جن کی پیش قیمت ایجاد اور نادر صنایع دنیا کی تہذیب و نشانی  
 اور اسکی ترقی کی نشانیاں ہیں دولت مند آدمی نہ تھے بلکہ انہوں نے اپنی محنت و جانفشانی  
 اور اپنے ذاتی جوہر و نام روشن کیا اور وہ کام کیے کہ آج ایک عالم ادن کے کمال  
 کا مداح اور نمونہ ہے۔ دولت انسان کو تن آسانی آرام طلبی سکھاتی اور عیش کا بندہ بنا دیتی  
 ہے اور وہ اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ کسی وقت بھی مشکل کے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں  
 رہتا اور اس کے دل کا وہ جوش جو انسان کو بلندی اور عروج کی طرف او بہارتا ہے سرد  
 ہو جاتا ہے۔ دولت مند کی حالت میں یہی جو لوگ الو العزمی کے کام کرتے ہیں ادن میں تھکنا  
 و بہت پیش بینی دور اندیشی کے جوہر موجود ہوتے ہیں۔

خود داری اور خود اعتمادی ایسے اوصاف ہیں کہ انسان کو مقروض ہونے سے روکتے

ہے جس نے طلب کیا کسی شے کو اور اس کے لیے کوشش کی اس نے پایا

غلام غلامی  
 انسان کو خوش  
 رکھتی ہے

بہرہ و توفیق

خود داری تکبر اور مذلت کا درمیانی درجہ ہے اور اسی کا نام تواضع ہے۔ تکبر اپنے نفس میں ایسے اوصاف فرض کر لینے کہتے ہیں جو فی الواقع نہ ہوں اور مذلت اپنے ذوقی اوصاف کو ذلیل کرنے اور ناقدر دانی کا نام ہے اور یہ دونوں مذموم ہیں۔ تواضع یہ ہے کہ دوسرے شخص کی ایسی عزت کی جائے جس کا وہ مستحق ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ اوس کے مقابلے میں اپنے تئیں ذلیل کیا جائے اگر ایک عالم اپنے سے کم رتبہ عالم کو اپنے بعد درجہ دے تو خود داری اور تواضع کے خلاف نہیں لیکن اگر اوسے جاہل سمجھے تو تواضع کے خلاف ہی یا اپنے سے بڑے عالم کو کچھ نہ جانے تو تکبر ہے۔ تکبر اور خود داری میں تمیز کہ نا قوت تیز اور عقل کا کام ہے اور اپنے مرتبہ پر قائم رہنا انسان کا۔

### ۷۔ خود اعتمادی

خواہ فرائض ہوں یا تہمتیں اگر اپنے ہاتھ پاؤں نہ ہلائے جائیں اور انسان اپنی ذات تکمیل کا بہرہ نہ کرے تو کبھی پوری نہیں ہو سکتا ہمیشہ وہ لوگ ناکام رہے ہیں اور رہنے چاہئیں جو اپنے کام دوسروں کی امداد یا اوروں کے بہرہ پر چھوڑ دیں۔ مشہور ہے کہ کسی کبریٰ اور کون ڈلے کہاں اگر یہ فقرہ خود غرضی یعنی بزرگان کو گون کے واسطے جو زمانہ کی رفتار اور لوگوں کے عادات سے ناواقف ہیں اچھا سبق آموز ہے کہ اگر وہ اپنے کام ٹھیک اور مرضی کے مطابق پورے ہونے چاہتے ہیں اگر وہ دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں اگر زندگی کو بکار آمد اور مسرت بخش بنانے کی آرزو ہے۔ غرض اپنی آرزوؤں اور فرائض کی تکمیل کی تمنا رکھتے ہیں تو اپنی محنت اپنی جانفشانی اپنی گہمبانی۔ اپنی پرداخت۔ اپنی لیاقت۔ اپنے وسائل۔ اپنی استعداد۔ غرض اپنی ذات پر بہرہ و سرکین اور بہت محنت۔ استقلال اور پابندی اوقات سے کام لینا ضرور اور ان کو عمدہ عمدہ پہل ملین گے۔ ہماری غرض خواہ کسب کمال ہو یا فرائض منطقیہ اور اگر نہ۔ یا تجارت و صنعت و حرفت میں ترقی۔ یا حصول دولت غرض کوئی کام ہو پوری طاقت اور محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ انسان کو متحمل و دانش مند کرنا ہی غرض ہے کہ وہ اپنی مراد تک پہنچ سکے مگر محنت کرنے اور ذرائع کو مناسب

اپنی ذات پر بہرہ

دوسروں کی  
معاذت کا  
بڑا اثر

بہت بلند دار کہ پیش خدا و خلق باشد بقدر رحمت تو اعانت با تو  
جو مدد کہ دوسرے لوگوں سے ملے وہ بجای تقویت دین کے دل کو کمزور کرتی ہے  
کیونکہ طبیعت دوسروں کا سہارا دہندہ ہتی اور غیروں کی معاذت کی ایسی عادی ہو جاتی ہے  
ہے کہ خود کوئی کام نہیں کر سکتی خود اعتمادی کی قوت جب قوم کے بہت سے افراد میں ہو جائے  
تو قومی ترقی اور قومی بہبودی کا سبب ہوتی ہے اور جو قوم کہ دوسروں کی معاذت کی  
محتاج ہیں وہ ہمیشہ رعایا بن کر رہتی ہیں اور رعایا ہی نہایت کمزور نہایت زلیل اور نہایت  
بے وقعت۔ رفتہ رفتہ اون میں سے یہ قوت ہی سلب ہو جاتی ہے کہ وہ خود کوئی کام کر سکیں  
بلکہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں گورنمنٹ کی دستگیری اور اعانت کی محتاج رہتی ہیں یہاں تک کہ  
وہ خود اپنے بخون کو تعلیم ہی نہیں دے سکتیں جو شخص انہماک ہند کسی شخص یا کسی  
قوم کی مدد کرنے پر تیار جاتے ہیں وہ دراصل اون کو کمزور کرتے ہیں۔ خواہ ایک شخص ہو یا ایک  
قوم صرف اپنے دل اور اپنی ذات کی قوت پر بہرہ رسہ ہی ترقی کرتا اور پایہ بلند کرتا ہے۔  
خود اعتمادی میں قوت فیصلہ اور مستعدی کی بہت ضرورت ہے جن لوگوں میں ان  
دونوں اوصاف کی کمی ہوتی ہے وہ اپنی راہی۔ اپنے کام۔ اپنی قابلیت اور اپنے ذرائع پر  
بہرہ رسہ نہیں کر سکتے ایسے لوگ کسی تہم بالشان کام کا ارادہ ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں  
ہیں تو اون کو یقین نہیں ہوتا کہ ہم اس کو پورا کر سکیں گے۔ یہ اکثر بڑی تربیت کا اثر ہوتا ہے  
کہ عموماً والدین اولاد کے کل کاموں کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتے ہیں اور بچوں کو کسی معاملہ  
میں عقل یا ہمت نہ پانے کو کام میں لایا کاموقع نہیں ملتا۔ اس طرح یہ صفات اون میں پیدا ہی  
نہیں ہوتے اور دوسروں کے سہائے کام کرنا کی عادت ایسی راسخ ہو جاتی ہے کہ جب وہ دنیا  
کے میدان میں کام کرے تو چھوڑ دے جاتے ہیں تو ایسے پرندے کی طرح ہوتے ہیں جو مدد سے  
تفص میں بند ہو اور اوس کے پروبال شل ہو گئے ہوں۔

خود اعتمادی  
کی تعلیم

ناکامی کی ایک وجہ یہی ہوتی ہے کہ لوگ بہت جلدی نتائج نکلنے کی امید کرتے ہیں اور  
اگر اس قدر جلدی کامیابی نہ ہو تو شکستہ خاطر ہو جاتے ہیں یہ قوت استقلال کی کمی کا نتیجہ ہے  
وہ علم یا قیامت کو تجارت کی شے سمجھتے ہیں اور اگر وہ فوراً خاطر خواہ داموں پر نہ بکے تو اون کا دل

ہیں کیونکہ اس کا دل نہیں ہانگا کسی کا ممنون ہو اور اوروں کی دولت سے فائدہ اوٹھلے  
بلکہ ہمت کا شہباز اپنے ہی پرو بال کو دیکھتا رہتا ہے اوس سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ لالچ کو  
دل میں جگہ دے اور بغیر استحقاق کسی چیز پر یا قبضہ کرے یا کسی کی حق تلفی رو کر کہے۔ وہ  
سفارش سے نہیں بلکہ لیاقت سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے اوس کی غیرت نہیں گوارا کرتی  
کہ اور تو اور اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں پر یہی بہرہ دے کرے اور سچہ ہے کہ وہ بہرہ  
کے قابل ہوتے ہی نہیں کہی امید نہ رکھنی چاہیے کہ کوئی دوسرا شخص خواہ کیسا ہی قریبی  
ہو کچھ کر گیا پسکین کا قول ہے کہ خود واری و خود اعتمادی ایسے چشمہ سے پانی مینا اور دستخوا  
سی کہنا اور معاش کیواسطے خود محنت کرنا سکھاتی ہے صبرک علی الاکتساب اخذ من صبرک علی الاکتساب  
انسان کی عادتوں پر ہزاروں طرح کے اثر اور پرتو پڑتے ہیں مختلف مثالیں اور مسائل۔  
لوگوں کے حالات اور سوانح عمری۔ کچھ دیکھی اور سنی باتیں۔ علم ادب و کتب۔ احباب کے  
جلسہ پڑوسیوں کے حال وچلن۔ دنیا کے تمام کاروبار اور اشیاء مختلف منظر خود آبا و اجداد کی  
میلٹ اور سلیم کاوریہ باتیں عادات پر نامعلوم اثر و اثر لکریا ہمت پیدا کر گئی ہیں لیکن  
اگرچہ یہ امور نہایت موثر اور قوی ہوتے ہیں مگر اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ انسان اپنے بہلے  
کاموں اور بہبودی کا خود ہی کارکن ہے اور اگرچہ اور لوگوں کی چیز خواہی کسی قدر کیوں نہ ہو مگر صرف  
اپنی مدد آپ ہی کیے بن آتی ہے۔

اپنے ہاتھ پاؤں۔ اپنے وسائل۔ اپنا رویہ۔ اپنی تدبیر پر بہرہ دے کرنا اور متوکل علی اللہ  
مشکلات کا مقابلہ کرنا ہی طاقت۔ ہمت اور زندگی ہے اور جہان ہمت ہی ہنودہاں کیسی  
بے بسی اور بے یاری اور بے مددگاری اور ساری حرمان نصیبی اور یالوسی کے سامان  
جمع ہیں۔ عالی ہمت آدمی پانی کی رو کی طرح اپنا راستہ آپ تلاش کر لیتے ہیں اور صرف  
خود منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پار لگا دیتے ہیں  
عالی ہمت لوگوں کا ہر ایک کام اپنی وقعت اپنی قوت۔ اپنی لیاقت اپنی آزادی کی دلیل  
ہوتا ہے اور خواہ مخواہ لوگ ان کی دل سے عظمت عزت کرتے ہیں بلکہ خدا ہی دینی عزت اور ان کی مدد کرتا ہے  
لے اکتساب پر مبرک اس بات سے بھلو بہتر ہے کہ یاروں کے پاس حاجت لے جائے۔

بلند ہمتی

ہیں۔ یاہ، غرض اور مردہ دل اشخاص جن کو قوم کی حالت کی خبر ہی نہیں۔ اور وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ قوم کی ترقی یا تنزل کیا چیز ہے اور افراد انسانی پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اور چونکہ بعض اتفاقات سے خود اوزن کی حالت (اگرچہ بلحاظ سامان ظاہر ہو) دوسروں کی نسبت کسی قدر بہتر ہوتی ہے قوم کے درد کا احساس انہیں نہیں ہوتا۔ لیکن نتائج سے یہ لوگ محفوظ نہیں رہ سکتے۔ زمانہ کی جکی چھوٹے بڑے سب کو یکساں پستی ہے اور جب قومی ترقی کے چشمے بند ہو جاتے ہیں تو سارے کے سارے تشنہ لب رہ جاتے ہیں۔ وہ ذلت و غاری کے قعر میں گر پڑتے ہیں اور نیکت و جہالت کی تاریکی ایسا گھیر لیتی ہے کہ پھر یہ لوگ اپنی حالت کو بھی نہیں دیکھ اور سمجھ سکتے۔

### ۸۔ محنت

سنگل شگفتہ شہسود این بلغ غراوے کس بے ہناؤ خاں پند است از و سگے انسان زمین پر رہتا ہے اور صانع قدرت نے انسان کے آرام و آسائش کی کل چیزیں اسی زمین پر پیدا کی ہیں۔ مگر ایسی چیزیں بہت کم ہیں اور فی الحقیقت انہیں ہیں کہ بغیر محنت کے یا ہاتھ پاؤں ہلائے بقدر کافی حاصل ہوتی ہوں یا قابل استعمال ہوں۔ قدرت نے اپنے انعامات کی اجرت محنت مقرر کی ہے جو شخص قدرت کے آئنا ہی انعام پائے۔ بڑے بڑے آدمی جن کے نام آج شہرہ کے آسمان کے ستارے ہیں یوں ہی اس معراج کمال تک نہیں پہنچے بلکہ یہ کمال ولیاقت۔ عزت و شہرت نہایت عرق ریزی اور سعی سے حاصل ہوئی ہے ممکن ہے کہ کوئی شخص نہایت ذہین اور تیز فہم ہو مگر کمال بغیر محنت حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صورت زیر کی اور ذکاوت سے بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور محنت تھوڑی ذکاوت و ذہانت سے آخر میں بہت کچھ حاصل کر لیتی ہے ہر شریف نوجوان کے لئے تن دہی اور سعی و محنت و مشقت اور وقت کو مناسب طور پر کام میں لانا فرض ہے۔ اوائل عمر میں دل میں شوق طبیعت میں ولولے۔ خیالات میں الوا العزمی۔ دماغ میں طاقت ہاتھ پاؤں میں سکت

محنت انعامات  
قدرت کی اجرت ہے

چھوٹ جاتا ہے لیکن نہیں وہ کم ہو کر درخت ہو کہ اگرچہ وہ زمین سے لائی لیکن بہت بڑھتا ہے اور مزید بڑھتا ہے  
 انسان کو اپنی زندگی کا ایک مدعا قرار دینا چاہئے اور جہاں تک اس کے اعتدال میں  
 ہو اس کو اعلیٰ اور برتر قرار دے اور تمام جائز وسائل اس کے حاصل کرنے کے استعمال کرے  
 اعلیٰ مرتبہ کے حصول کی کوشش ہی انسان کو یا ضرور کسی قدر اعلیٰ بنائی بغیر نہیں چھوڑتی یا  
 اگر وہ اقصیٰ الغایات ترقی پر نہ پہنچے تو یہی اس میں ایک خاص درجہ تک پہنچ جاتا  
 اور شاید ان سے بہتر نتائج جنہوں نے کسی بلند مقصد کی طرف آنکھ اوٹھا کر بھی نہیں دیکھا  
 جو لوگ ترقی کی سعی نہیں کرتے وہ اس حالت پر قائم نہیں رہ سکتے جس پر وہ ہیں بلکہ اوپر  
 گر پڑنے کے ایک حالت پر قائم رہنے کے لیے بھی ہاتھ پیر ہاتھ دھر کر بیٹھنا نہیں بلکہ  
 ترقی کی کوشش کرنی چاہیے اگر ایک تہہ ہو امن اچھا لا جائے تو یا تو وہ بلندی کی طرف چلے جائے  
 یا زمین کی طرف گرے گا یا ناممکن بات ہے کہ بغیر زمین پر گرنے وہ کہیں قائم رہ سکے۔ دنیا میں ہی  
 بحال افراد انسانی بلکہ اقوام کا ہے جو لوگ اپنی کسی حالت پر قانع ہیں یا جن کو کاروں اور  
 افسرہ دلی یا ناامیدی یا کسی سبب سے زیادہ ترقی کا خیال نہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی  
 موجودہ حالت قائم رہے گی بلکہ روز بروز اس قدر انحطاط ہوتا جائے گا کہ ایک روز وہ خاک میں  
 مل جائیں گے۔ موجودہ حالت کو سنبھالنے کے لیے سب سے بہت اور کوشش کی ضرورت  
 ہے۔ گاڑی کو آگے ڈھکیلو وہ ضرور بڑھے گی اور اگر نہ بڑھے گی تو پیچھے تو نہ بنے گی۔ ہماری  
 قوم میں ایسے کم ہمت اور مردہ دل لوگ موجود ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اب ہم کچھ کر رہے  
 نہیں سکتے اور اگر کوئی قومی یا علمی خدمت کرنے کا ہوا ہو جائے تو اس پر ہنستے اور اس کی  
 کوششوں کو فضول و بیکار بتاتے ہیں قوم میں ان لوگوں کا وجود درخت کے کیڑوں کی  
 مانند ہے۔ جو درخت کو کھاتی اور پہلو ان کو خراب کرتے ہیں۔ یہ خود تو کام کرنا اور شریک ہونا  
 چاہتے ہی نہیں بلکہ کام کرنے والوں کی ہمت کو بھی توڑنا چاہتے ہیں اور اگر ایسی جماعت  
 کی کثرت سے کوئی مفید تجویز نہ چلے یا قوم کو کوئی نقصان پہنچے تو یہ لوگ اس کو اپنی  
 دور اندیشی اور اصابت راجی مچا کر کرتے ہیں۔ یہ خیالات ایسے کم فہم لوگوں کے  
 زیادہ ہوتے ہیں جن میں کسی کام نہ ہو مگر لیکن اپنے تین عقائد ظاہر کرنا چاہتے

کوشش

کم ہمتی قوم

سفر کا

ہے

نہیں بنایا۔ اور آزادی اور خودداری کی عزت قائم رکھی۔ جو لوگ چھوٹے چھوٹے درجوں سے ترقی کر کے مارج حکیم پر پہنچتے ہیں اون کو شرمندہ نہ ہونا چاہئے بلکہ فخر کرنا چاہئے۔ کہ اون کی ذاتی قابلیت اور استعدادی نے اون کو اعلیٰ رتبہ پر پہنچایا خواہ دولت ہو یا علم یا کسی طرح کی قابلیت و لیاقت محنت ہی سے حاصل ہوتی ہے انسان کے واسطے کاہلی شرم کی بات ہے نہ محنت کیونکہ کاہلی دل کو اس طرح کھاتی ہے جیسے لوہے کو زنگ۔ کاہلی عصمت اور صحت اور مسرت سب کی دشمن ہے اور تمام سرسبز امیدوں کو اس طرح بہا کر لی جاتی ہے جیسے سیلان آب نو میدہ پودوں کو کاہلی ہی نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے۔ بلکہ تمام بے نتیجہ اور حقیر مشاغل جو محض وقت گزارنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اسی میں داخل ہیں۔ کاہلی دل کے واسطے زہر اور خراب جذبات کا منبع اور مردانگی و دلیری کی دشمن ہے اور جوانی کی طاقتوں کو نزاکت و کمزوری سے بدل دیتی ہے۔ کاہل اور تندرست آدمی لالچ اور گناہ سے بہت کم بچ سکتا ہے۔ پس مصروفیت شیطان کو دور بھگانے کا بھی ایک آلہ ہے۔

کاہلی امراض نفسانی میں و بار کے مانند ہے اور بچائے خود ایک دوزخ ہے اگر کسی گڑھے میں پانی ٹک جائے تو اس میں کیرے اور کیچڑے بہ کثرت پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح ایک کاہل آدمی کے دل میں خراب اور زہریلے خیالات بھرے رہتے ہیں اور اس کی روح ناپاک ہو جاتی ہے۔ مرد ہو یا عورت جب تک وہ کاہل ہے جب تک سوائے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے پان کھانے حقہ پینے۔ سگار اڑانے کے وہ کچھ نہیں کرتے تو خواہ وہ کسی حالت کسی رتبہ۔ کسی حیثیت کے کیوں نہ ہوں اور خواہ نعمت ہائے دنیا میں سے ساری چیزیں اون کو کیوں نہ حاصل ہوں اور خواہ دوسروں کی نظروں میں وہ تمام زمانہ سے زیادہ خوش قسمت کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں اور تمام اسباب راحت جو دنیا میں کسی خوش قسمت سے خوش قسمت کو مل سکتے ہیں اور انسان کا دل جن کی خواہش کر سکتا ہے اون کے پاس کیوں



ہوتا ہے دنیا کے بکھڑے بھی کم ہوتے ہیں اُمیدیں اور جوش و خروش ہمت کے بازوؤں میں پرواز کی قوت پیدا کرتے ہیں اور سبقت یا اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے ہمسری کا شوق محنت پر مائل کرتا ہے اگر اس میلان کو فوراً کام میں لایا جائے اور سچے دل سے محنت کی جائے تو بام مراد تک پہنچنا کچھ بات نہیں ہے۔ دو بخیر دولت اور محنت سرانجام امور دنیا میں مدد دیتی ہیں مگر لوگ دونوں کی حقیقت سے پورے پورے واقف نہیں۔ دولت پر ضرورت اور حقیقت سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور محنت پر کم۔

محنت صرف غریب آدمی ہی کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ جو لوگ دولت دنیا سے مستمع ہیں وہ بھی اگر صحت لیاقت اور نام آوری کے مزے اٹھانے چاہتے ہیں یا دنیا میں نام و نمود پیدا کرنا چاہتے ہیں تو محنت کریں اور اپنا نئے جنس کو فائدہ پہنچائیں۔ شریف طبیعت اور نیک طبیعت اشخاص خواہ کیسے ہی فارغ البال کیوں نہ ہوں ان سے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ صرف بیکاری یا لڈائڈ دنیوی کا حظ اٹھانے ہی میں اپنا وقت صرف کریں اور دنیا کو اپنے وجود سے کوئی فائدہ نہ پہنچائیں۔ ہاں کمینہ طبیعت لوگ ایسے باتوں پر قانع ہوں تو ہوں۔ کیونکہ اگر ظاہری و باطنی قوار کام میں نہ لائے جائیں تو ان کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ اَلْفَرَاعِ مِنْ شَانِ الْاَمْوَاتِ وَ الْاَشْتَغَالِ مِنْ شَانِ الْاَحْيَاءِ۔

کام خواہ کیسا ہی محنت کا اور کیسا ہی سخت کیوں نہ ہو سرت بخش اور ترقی کا مد ہوتا ہے۔ جسمانی محنت بدن کو صحیح اور تندرست رکھتی ہے اور دماغی محنت دل کو تسکین بخشی تشویش و فکر دور کرتی ہے۔ معزز اور غریب آدمی کے واسطے محنت خواہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو عیب نہیں۔ بلکہ باعث عزت ہے کیونکہ اوس نے اپنی روح اور اپنے دل کو دوسروں کی دستگیری اور امداد کا غلام

لے بیکار رہنا مردوں کا کام ہے اور کام میں لگا رہنا زندوں کا ۱۲

مردوں  
جن  
میں

اوس کی برداشت نہ کر سکیں مضر ہے۔ اعتدال سے محنت خواہ کیسی ہی سخت کیسی ہی مشکل کیون نہ ہو مفید صحت ہے تمام محنتیں جن میں امید شامل ہے صحت بخش ہیں اور جن کاموں کی تکمیل پر کوئی امید پوری ہوتی ہو اوّلین محنت کرنے سے جس قدر کامیابی ہوتی جائے اُتنی ہی خوشی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور تکمیل کی مسرت کا تو کیا پوچھنا ہے۔

محنت  
بھیل

محنت ہی انسان کو کمال تک پہنچا سکتی ہے۔ محنت ہر طرح کے علم و فضل میں یدِ طولیٰ بخشی ہے۔ محنت قومیت شرافت و بزرگی کا انعام دیتی ہے۔ محنت اون جوہروں کو جو قدرت نے طبیعت میں ودیعت رکھے ہیں بڑھاتی اور ظاہر کرتی ہے۔ محنت ہی ان جوہروں کی کمی کو پورا کرتی۔ مشکلوں کو سہل کرتی ہے۔ صرف محنت ہی سے طبعی جودت اور فہم کا اظہار اور مناسب استعمال ہو سکتا ہے۔

باقاعدہ

خواہ دماغی محنت ہو یا جسمانی اعتدال سے متواتر کرنی چاہئے تاکہ کمال صحت اور خوشی نصیب ہو یا ان اگر محنت اس قدر بڑھ جائیگی کہ ہاتھ پاؤں اور دماغ تھکتے تھکتے کام کے نہ رہیں تو کیا کرایا بھی برباد ہوگا۔ طلباء جو یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر باوجود اس قدر محنت کے کہ صحت کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں تاکہ کام رہتے ہیں اوس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ محنت نہیں کرتے۔ عموماً شروع سال ہیکاری اور تباہل میں گزارتے ہیں اور آخر میں ایک دم سے ہفتوں کا کام دنوں بلکہ گھنٹوں میں نکالنا چاہتے ہیں یہ محنت مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ مستقل فرائج اور پابند قاعدہ اشخاص ابتدا کے پہلے روز اُسی قدر محنت کرتے ہیں جس قدر کہ آخری دن جبکہ نمائش اور امتحان کے میدان میں قدم رکھنا ہے۔ اگر طلب صادق اور فرائج پر قابو حاصل ہے طبیعت میں شروع ہی سے پابندی قاعدہ اور محنت کی عادت ڈالی گئی ہے تو دنیا میں کسی قسم کی ترقی اور حصول کے واسطے تھکانیوالی محنت کی ایک دن بھی ضرورت نہیں پڑتی۔

نہ جمع ہوں لیکن جب تک وہ کاہل ہیں اور کو خوشی حاصل نہ ہوگی اور ان کے جسم بالکل  
دل کو کبھی چین نصیب نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ طبیعت کسلند۔ دل مضطرب۔ اعصاب ہلکے ہوں  
معلوم ہونگے۔ یہ لوگ ہر وقت ناسازی فراج اور بیماری کی شکایت کیا کرتے ہیں۔ اور  
دنیا سے خفا معلوم ہوتے ہیں۔

مصروفیت سے نہ صرف جستی اور بشارت آتی ہے بلکہ غم غلط ہوتا ہے۔ اور  
پریشانی اور بُرے خیالات طبیعت کو آلودہ نہیں کرتے۔ کام کے بعد آرام زیادہ محسوس  
ہوتا ہے۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کے واسطے بھی مصروفیت لازم ہے۔  
عورتیں بھی اگر کاہل ہیں تو خواہ کسی حالت میں ہوں آرام اور دنیا کی لذتیں کتنی ہی  
مہتا کیوں نہ ہوں جب تک سست اور کاہل پڑیں یا بیٹھی رہیں گی کبھی خوش اور  
بشارت نہ ہونگی۔

محنت سے  
بچنا مصیبت  
زیادہ کرتا ہے

جو لوگ محنت سے بھاگتے ہیں اور مشکل کا مقابلہ کرنے سے بچتے ہیں مشکلین  
اور ہی پر اور زیادہ پڑتی ہیں۔ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ صرف مشکلوں سے  
بچنے یا آرام طلبی کی خاطر محنت سے کنارہ اختیار کرتے ہیں اور کو تکالیف سے بچتے  
نہیں دیتی اور کمزوری روز بروز بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ جن بڑے بڑے امور کو  
ترک کر کے صرف معمولی باتوں پر اکتفا کیا تھا اب رہ معمولی باتیں بڑی اور عظیم  
معلوم ہونے لگتی ہیں اور ان کا پورا کرنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے دل و دماغ  
کی قوتیں جو پہلے عظیم الشان اور مفید امور پر صرف ہوتیں اب خیالی مشکلات اور  
بے اثر و بے سود امور پر صرف ہوتی ہیں اور دل کو بیچ و تاب میں ڈالتی ہیں مفید  
امور پر محنت کرنے سے تو اوس کے اچھے اچھے پھل ملتے ہیں۔ صحت۔ عقل۔ علم۔  
دولت۔ عزت۔ شہرت۔ لیاقت کو ترقی ہوتی ہے اور انسان کمال کے قریب  
پہنچتا ہے۔ طبیعت کو خوشی اور فرحت حاصل ہوتی ہے اور کاہلی کی مرہا ہے  
کہ کچھ نصیب نہیں ہوتا اور تسکین کے بدلے انقباض بڑھتا جاتا ہے۔

دنیا میں کام کرنا نہ نہیں ہے ہاں اس قدر محنت کرنی کہ قواء اور صحت

افراط محنت سے  
بچنا اور متدین  
محنت سے متفرغ رہنا

محنت مدح و تحسین اور بقا و نام کا سبب ہوتی ہے  
 جب محنت کا ذکر کیا جائے تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ محنت آدمی سے ایک مزدور  
 مراد ہے کہ وہ صرف اپنے ہاتھ پاؤں کو کام میں لاتا ہے بلکہ جو شخص اپنے دماغ کو کام  
 میں لاتا ہے وہ سب سے بڑا کام کرتا ہے۔ جو شخص ایک عہدہ تصویر بناتا ہے یا کوئی  
 دلچسپ کتاب تصنیف کرتا ہے وہ بھی محنت کرتا ہے اگرچہ اس کی محنت بنی نوع  
 انسان کے لئے ایسی ضروری نہیں ہے جیسی کہ کسان یا چرواہے کی محنت ہے  
 لیکن وہ بھی سوسائٹی کے لئے ایک دلی تفریح یا روحانی غذا کا سامان مہیا کرتا ہے  
 دولتمند آدمیوں کو خواہ ایسے کاموں میں محنت کرنے کی ضرورت نہ ہو جس میں کہ  
 غریب اور محتاج لوگ محنت کیا کرتے ہیں لیکن ان کے واسطے محنت کے اور  
 مشاغل ہیں دنیا میں ہزاروں ایکڑ زمین اور لاکھوں اشرفیان اور جواہرات مل سکتے  
 ہیں لیکن علم اور عقل کسی کا ورثہ نہیں اور یہ اپنی ہی محنت سے حاصل ہوتا ہے  
 امیر آدمی تنخواہ دار نوکروں سے اپنے معمولی کام لے سکتا ہے لیکن یہ کسی کا کام  
 نہیں ہے کہ اس کے بدلے پہنچنے اور غور کرے بلکہ دماغی کام اس سے خود کرنا  
 چاہئے۔ اور دماغ کی اصلاح کے لئے محنت کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ کیونکہ  
 محنت کی عادت خداوند تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو اطمینان آرام اور آسائش  
 بخشی ہے۔

جو کام کہ دیانت داری سے کیا جائے اور جس کا نتیجہ خلاف اخلاق حسنہ نہ ہو  
 معزز اور شریف ہے خواہ یہ کام ہاتھ سے لیا جائے یا دماغ سے اگر دل صاف ہے  
 تو کسی کام کے کرنے میں ہاتھ میلے اور خراب ہو جائیگا مضائقہ نہیں کیونکہ دلوں کی  
 ناپاکی ہاتھوں کی نجاست سے زیادہ مضرت رسان ہوتی ہے۔

#### ۴۔ وقت کی قدر

وقت را غنیمت دان آن قدر کہ بتوانی حاصل از حیات اینجا یکدم است۔ نادانی  
 روپیہ تو روپیہ اگر ذرا سی چیز بھی جاتی رہتی ہے تو کیسا طبعیت کو ملال ہوتا ہے

وقت کو کام میں  
 لانے کے قابل ہے

بے صبری کام  
خراب کرتی ہے

بعض اوقات تلون بے صبری اور اضطراب بھی کام خراب کرتا اور سعی سے باز رکھتا ہے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر سعی میں خفیف کامیابی بھی حاصل ہوتی جاتی ہے تو ضرور ایک دن مطلب برآئیگا۔ کیونکہ درازا ملکر کامل ہو جاتا ہے اور کمال فراسی چیز نہیں۔ داندہ داندہ شود انبار۔ قطرہ قطرہ شود دریا۔ بے صبری اور جلدی سے نہ تو عمدہ کام ہوتا ہے نہ وہ کبھی تکمیل تک پہنچتا ہے۔ مستقل باقاعدہ محنت اگرچہ آہستہ ہو عجلت سے بہتر ہے۔ یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ عجات سے وقت کم صرف ہو گا کیونکہ کسی کام کو بآہستگی کامل اور بہتر کرنا جلدی کرنے سے اچھا ہے۔ کسی کام میں طبیعت کو الجھانا اور دق ہونا اور بے صبری سے اُسے پورا کرنے کا شوق کرنا کام کو خراب۔ طبیعت کو پریشان کرتا ہے اور اس میں صحت بھی خراب ہوتی ہے اور اگر تباہ شد دل جمعی اور اطمینان و سکون سے کام لیا جائے اور مناسب طور سے فکر کو کام میں لایا جائے تو بہت مناسب ہے۔ اور قوا کو ایسا ہی قوت دیتا ہے جیسا کہ صاف ہوا۔

بارم سعی میں ناکامی بھی واقع ہوتی ہے مگر ناکامی پر دل چھوڑنا نہیں چاہئے علاج یہ ہے کہ دوبارہ زیادہ محنت زیادہ استقلال سے پھر سعی کر چوٹی کی فتح حاصل کرلو دست از طلب نذارم تا کار من برآید یا تن رسد بہ جانان یا جان ز تن برآید محنت اگر بے قاعدہ اور حد سے زیادہ کی جائے تو وبال اور بار ہے اور اگر جرم کی پاداش میں کی جائے یا لیجائے تو نرا ہے۔ لیکن باقاعدہ اور معتدل محنت عزت اور خوشی کا سبب ہوتی ہے۔ اگر دنیا میں کوئی شخص محنت نہ کرتا تو تہذیب اور شائستگی کے سامان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ انسان سے جو عظیم الشان کام لہجہ پاتے ہیں وہ سب اوس کی محنت کا نتیجہ ہوتے ہیں علم ادب۔ فنون لطیفہ۔ سائنس۔ میں جو چیز زیادہ اعلیٰ زیادہ عمدہ زیادہ بکار آمد۔ زیادہ دلفریب ہے وہ محنت کا نتیجہ ہے محنت کوشش کو بار آور کرتی اور مصیبت سے نجات دیتی اور نام روشن کرتی ہے۔ جو لوگ کسی نیک اور اعلیٰ ارادہ سے محنت کرتے ہیں اون کے واسطے

باقاعدہ محنت  
کے فائدے

اور اسی طرح کاموں کا ایک انبار لگ جائیگا۔ اور چاروں طرف کثرت مشاغل کا ایسا غلبہ ہوگا کہ دماغ پریشان ہونے لگیگا۔ اس لئے سب سے بہتر اصول یہ ہے کہ جو کچھ آج ہو سکے وہ کل پرست رکھو کیونکہ اگر اس وقت کوئی دقت سرانجام کا میں پیش آرہی ہے اور اس کام کو چھوڑ دینے کو دل چاہتا ہے تو آئندہ وہ وقت خود بخود سہل نہ ہوگی۔ ہاں زیادہ پیچیدہ ہو جائیگی۔ ہوشمند لوگ موجودہ کام کو موجودہ وقت میں مستعدی سے کرتے ہیں اور آئندہ وقت میں آئندہ کام کے لئے تیار رہتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کرتے کہ جلدی میں کاموں کو ادھورا اور نامکمل چھوڑ دیں۔ اپنی طاقت اور وسائل کو خوب جانچ کر اطمینان اور سنجیدگی سے تکمیل میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور شروع کرنے سے پہلے ہر ایک پہلو کو سوچ سمجھ لیتے ہیں۔ مشکلین ان کا دل نہیں توڑتین بلکہ اور مستعد کرتی ہیں کیونکہ باقاعدہ اور بالترتیب کام کرنے کی لیاقت مشکلوں کو فتح کر لیتی ہے اور عمدہ نتائج پیدا کرتی ہے۔

کام کو آہستگی سے کرنا بہتر ہے۔ مگر نہ کاہلی کی آہستگی اچھی ہے نہ کام خراب کرنے والی جلدی۔ ہاں سلیقہ اور چالاکی دونوں ہوں تو بہت عمدہ بات ہے۔ اول کام میں کامل مہارت پیدا کرنی چاہئے۔ اور جب یہ حاصل ہو جائے تو جلدی کا ڈر نہیں بلکہ خود بخود کام ہاتھ سے جلدی نکلنے لگتا ہے۔ مہارت اور سلیقہ کے معنی یہ ہیں کہ سرانجام امور عمدہ اور کامل اور جلدی بھی ہو

در مذہب طریقت خامی نشان کفر است آری طریق رندان خاموشی است وحشتی ہر وقت کیلئے  
جو لوگ وقت کی پوری پوری قدر کرتے ہیں وہ ہمیشہ مستعد رہتے اور ایک کام ہے

وقت کی نہایت پابندی کرتے ہیں۔ کیونکہ کاروبار میں خواہ کوئی پیش کیوں نہ ہو ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہوتا ہے۔ اور ہر ساعت ایک خاص کام کرنا گویا اس وقت کا فرض ادا کرنا ہے۔ اور اگر یہ عادت اختیار کر لی جائے تو مشکلین سہل اور کام بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ ورنہ ایسی ایسی پیچیدگیاں پڑتی ہیں

مگر وقت کہ روپیہ اور دولت سے بڑھکر قیمتی ہے اور تمام دنیوی اور اخروی بہبودوں کا سرمایہ ہے رات دن بیکار صرف ہوتا ہے اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اس کے تلف ہونے پر پشیمان ہوتے ہوں یا اسے پورا پورا کام میں لاتے ہوں سچ یہ ہے کہ وہ وقت کی قدر و قیمت ہی کو نہیں جانتے۔ دنیا میں ہر ایک نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے لیکن وقت کی تلافی ممکن نہیں اور جو لوگ وقت کو فضول گزار دیتے ہیں ایک نہ ایک دن ضرور خمیازہ بھگتتے ہیں۔ سب سے زیادہ غمگین اور حسرت آلود خیال ہی ہوا کرتا ہے کہ یہ کام ہو سکتا تھا مگر نہ کیا۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہر وقت کسی مفید اور بکار آمد طور پر صرف کیا جائے۔ وقت تو ایک نہ ایک طرح گزرتا ہے مگر مفید کام نہ کئے تو فضول مشاغل طبیعت میں دخل پیدا کر لیتے ہیں۔ ذرا سا کام بھی جو اپنی ذات یا دوسروں کو فائدہ یا خوشی پہنچائے۔ طبیعت کو فرحت و تسکین بخشتا اور دل میں بشارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ سنیکا کا قول ہے کہ ”ہم تنگی وقت کی شکایت تو بہت کرتے ہیں مگر صرف اس طرح کرتے ہیں گویا وہ ختم ہی نہ ہو گا یا اکثر ایسے کام کرتے ہیں کہ ہمیں کرنے ہی نہ چاہئے تھے یا کچھ بھی نہیں کرتے غرض کام کا کام نہیں“ اگر وقت کو کام میں لائیں اور مناسب امور مناسب اوقات پر کئے جائیں تو محنت کے پھل دن دو دن اور رات چو گئے ملتے ہیں جو شخص اپنے وقت کی قدر نہیں کرتا وہ اپنے ساتھ ادن لوگوں کا وقت بھی برباد کرتا ہے جو کاروبار میں اس کے شریک ہوں اور کام کی بے قاعدگی سے جو نقصانات ہوتے ہیں ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ کاہلی کا میلان طبیعت پر جلدی قبضہ کر لیتا ہے اور اکثر بجاے اس کے کہ تفریح کام کے بعد اختیار کی جائے کام سے پہلے ڈھونڈھنے لگتے ہیں۔

کاروبار میں باقاعدہ ہونا اور عین وقت پر پورا کرنا ہی کامیابی کی ضروری شرط ہے۔ ہر ایک کام کے واسطے ایک وقت اور ہر ایک وقت کے لئے ایک کام ہے۔ اگر موجودہ کام کو اسی وقت نہ کریں تو دوسرے وقت دو کام اکٹھے ہو جائینگے



اگر انسان تضييع اوقات اور کاہلی اختیار کرے تو وہ خود اپنا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا دل برباد ہو جاتا ہے۔

طالب علموں  
کا وقت

طالب علم اور کاروباری آدمی کو کاہلی کی عادت سے سخت اجتناب کرنا چاہئے بلکہ اگر فرصت کا وقت ملے تو اس کو بجاے ظاہری آرائش کے باطنی آرائش اور اصلاح میں صرف کرنا مناسب ہے سخت سے سخت محنت میں بھی اگر باقاعدہ کام کیا جائے تو فرصت کا وقت ملتا رہتا ہے۔ اور اکثر معمولی کاروبار میں تو بہت فرصت نکل سکتی ہے مگر اس کو بھی بے سود نہ کھونا چاہئے۔ فرصت کے وقت کو کام میں لانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس سے سیلف امپرووٹ میں صرف کریں۔ جو وقت کہ روزانہ فضول گپ شپ یا سستی میں بسر ہوتا ہے اگر مطالعہ میں صرف کیا جائے تو تھوڑے دنوں میں کسی خاص سائنس کی عمدہ لیاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور دراصل تعلیم وہی ہے جو بلا معلم حاصل ہوتی ہے مدارس میں کورس کی تعلیم صرف ابتدائی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ فائدہ نہیں پہونچاتی کہ سیلف ایجوکیشن کا مادہ پیدا کر دے مہذب اور وحشی آدمیوں میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ وہ اپنے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور روز بروز اعلیٰ حالت اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اور یہ ہزاروں برس سے جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔ عقلمند آدمی کے لئے۔ وقت دولت۔ عزت۔ ثروت۔ قوت مسرت سب کچھ اور جو لوگ اوقات ضائع کرتے ہیں ضرور ایک نہ ایک دن اپنے کئے پر پتیا میں گئے اور اس وقت قدر معلوم ہوگی۔

کام کرنے کا سب سے عمدہ اصول یہ ہے کہ جو کام آج ہو سکے وہ کل پر نہ چھوڑا جائے ورنہ جو دقیقین کہ آج پیش آرہی ہیں۔ توقف کرنے سے اور زیادہ ہونگی۔ مستعد آدمی آج کا کام آج انجام دیتے ہیں اور کل کے لئے کاموں کے واسطے تیار ہو بیٹھتے ہیں۔ تاکہ حیات استعار کی چند روزہ مدت میں وہ اپنے کسی فرض کے ادا کرنے میں قاصر نہ رہیں اور زندگی کا پورا پورا طعم اٹھا سکیں

کہ سلجھانا مشکل پڑتا ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ کسی فرض کا خیال ہو اور پابندی اوقات کا لحاظ نہ ہو۔ تضييع اوقات تو وہ بُری بلا ہے کہ اوس سے عمدہ عمدہ ارادے اور تدابیر بڑے بڑے مفید کام لوگوں کی جائداد و مال و دولت بلکہ جان قوموں کی عزت اور خوشیاں تک خاک میں مل جاتی ہیں اور صرف پابندی وقت نہ ہونے کے سبب ہمیشہ ناکامی اور حسرت اُٹھانی پڑتی ہے۔

بے وقت  
بے اعتبار

یہ مانا کہ کوئی وقت فرصت اور فراغت کا بھی ہونا چاہیے کیونکہ انسان کو تفریح طبع کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن اوس کے لئے بھی ایک خاص اور محدود وقت ہے اور وقت کو کام میں لانا ہی ایسا امر ہے کہ خاطر خواہ فرصت اور فراغت میسر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اگر ناکمل کام ہر وقت موجود رہیں گے تو اطمینان کہاں بلکہ ہمیشہ جلدی گھیرا ہٹے اور مشکل ہی پڑی رہیگی۔ کسی کا قول ہے اور بالکل سچ ہے کہ با وقت باعتبار اور بے وقت بے اعتبار ہے۔ جو شخص وقت کا پابند نہیں ہے کاروبار میں بھی ضرور بے قاعدہ اور سست ہوگا پھر بھلا ایسے شخص پر کون اعتبار کرے اور ضروری معاملات کیونکر اوس پر چھوڑ دے جا میں۔ اس طرح ایسا شخص ایسا بے اعتبار ہو جاتا ہے کہ لوگ کام کو ملتوی کرنا پسند کریں مگر اوس کے ہاتھوں کام کو خرابی میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ایسے شخص کے ساتھ خود اون کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے جو اشخاص پابند وقت ہیں وہ نہ صرف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اون کو اپنے وقت کا لحاظ ہے بلکہ دوسروں کو بھی اون کے وعدہ پر اعتماد ہوتا ہے اور وہ گویا اون کے اوقات کی بھی نگہداشت کرتا ہے۔

تضييع اوقات

تضييع اوقات دنیا میں سب سے بڑی فضول خرچی ہے۔ کیونکہ اس سے ایسی چیز ضائع ہوتی ہے جس کی پھر تلافی نہیں ہو سکتی۔ لو تھر کا قول ہے کہ انسان کا دل ایک چلتی ہوئی چکی کے مانند ہے کہ جب تک اوس میں کوئی چیز پڑی رہے تو وہ اوسے پیستی ہے اور اگر کچھ نہ ہو تو اپنے تئیں پس ڈالتی ہے

پہونچتی ہو تو نفع مطلوبہ حاصل کرنے یا اوس مضرت و نقصان کو دور کرنے کے لئے یہ قوت جوش میں آتی ہے۔ اس کا جوش کوہ آتش فشان کا سا جوش ہوتا ہے کہ دھلتے انگارے نکلتے ہیں اور جہان جہان تک اون کا اثر پہونچتا ہے جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہیں۔ قوت غضبی کی خاصیت یہ ہے کہ نقصان پہونچنے سے پہلے اسباب نقصان یا مضرت کو دفع کرنا چاہتی ہے مثلاً اگر کوئی سانپ دکھائی دے تو اوس کے کاٹنے سے پہلے انسان اوس کو مار ڈالتا ہے۔ اور اگر کوئی نقصان یا مضرت پہونچ جائے تو انتقام لینے سے دل میں ٹھنڈک پڑتی ہے۔ اور اکثر اوقات انتقام لینے کی خواہش اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ انسان اس کے پیچھے اپنے دوسرے دینی و دنیوی نقصان کر بیٹھتا ہے۔

قوت غضبی  
کی قدرت

اگر قوت غضب خبی ہو جائے تو انسان اور اوس کی ترقی دنیا میں سے بہت کچھ مٹ جائے گی۔ حیوانات او سے کھا جائیں۔ طبیعت میں امنگ خواہش۔ اور جوش۔ رہے اور انسان ایسا ماتھ پر ماتھ رکھ کر بیٹھے کہ تمدن و تہذیب کے آثار مٹ جائیں اس لئے عقلمند آدمی غضب کو بالکل مٹانا نہیں چاہتے بلکہ اوس کو حد اعتدال پر رکھنا چاہتے ہیں اور اس فضیلت کا نام ”عقل“ ہے

بے غیرتی

غضب جب حد اعتدال سے کم ہو تو انسان بے غیرت ہو جاتا ہے اوسکو تنگ و ناموس تک کا پاس نہیں رہتا۔ وہ اپنی حالت کو سنوارنا اور اپنے درجہ کو ترقی دینا نہیں چاہتا بلکہ دناؤ پر راضی و قانع ہو جاتا ہے۔ اور ایسے شخص کو بے غیرت یا بے حمیت کہتے ہیں۔ اور یہ صفت دنیا میں بہت مذموم ہے اسکی انتہا یہ ہے کہ انسان کمینہ لوگوں سے ذلت اٹھاتا ہے اور ہمیشہ خوار اور ریسوا رہتا ہے نہ اوس کو اپنے حسب و نسب کا خیال ہوتا ہے نہ اپنے گھر کی پستی و در کی بے غیرتی کی پروا ہوتی ہے۔ کوئی بُری بات او سے ناگوار نہیں سے پہلی قسم اور وہ دیکھتا اور سکوت کر جاتا ہے۔ یہ تمام علامتیں ضعیف ہونی ہو تو غصہ آنا بجا حلم میں داخل نہیں اگر یہ حالت ہو تو انسان کو اپنے اپنی غصہ آنے کی کوئی وجہ

ساقی ہے اک تبسم گل فرصت بہار ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بکھریں

## باب ہفتم نفس غضبی کی تہذیب

۱۔ حلم

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصَّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي كَمَلَتْ  
نَفْسُهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔

حلم مشکل ہے

حلم کہنے کو تو چھوٹا سا لفظ ہے لیکن جیسا کہ میں آسان ہے ویسا ہی عمل کرنے میں مشکل ہے کیونکہ جس وقت حلم کی ضرورت درپیش ہوتی ہے اس وقت انسان کی عقل غصہ کے مارے قابو میں نہیں ہوتی اور جب عقل ہی درست نہ ہوگی تو انسان کسی امر کے نفع یا نقصان کو کیا سوچے گا اور جب آتش غضب سے دل و دماغ ہی ٹھکانے نہ ہوں تو حلم کی طرف راہ نمائی کون کرے؟ دنیا میں کوئی کام اتنا مشکل نہیں ہے جیسا کہ اپنے تئیں روکنا۔ بد لگام گھوڑے کو لیجانا۔ مست ہاتھی کو قابو میں کرنا۔ بلکہ ملک کے فتنہ و فساد کو فرو کرنا آسان ہے لیکن غصہ کی آگ کو فرو کرنا اور اشتعال طبع کے وقت غصہ پی جانا بہت زیادہ مشکل ہے لیکن حصول سعادت کا شوق اور ریاضت ایسی چیز ہے کہ وہ اس دیو کو بھی قابو میں کر لیتی ہے۔ اور جو شخص غصہ جیسی سرکش اور نافرمان بھوت کو قابو میں کرے وہ سب سے زیادہ بہادر سب سے زیادہ شجاع ہے اور جس شخص کی عقل ایسے موقع پر بجا رہے وہ سب سے زیادہ عقیل ہے۔

قوت غضبی کی  
خاصیت

انسان کو جو قوا و قدرتا عطا ہوئے ہیں ان میں ایک قوت غضبی ہے اور جب انسان کو کسی نفع کے حاصل کرنے سے روکا جائے یا کوئی نقصان یا مصرت اس کو

۱۔ احیاء علوم جلد ۳ باب ۵ کسی کو کچاڑ دینا پہلوانی نہیں ہے پہلوانی وہی ہے جو غصہ کے وقت اپنے

ماتا ہے اپنا منہ پٹتا ہے۔ نادان بچوں اور بے زبان جانوروں کو مارتا ہے  
 حیوانات کو گالیاں دیتا ہے غرض خاصہ مجنوں ہو جاتا ہے اور یہ ساری باتیں  
 اس سبب سے پیدا ہوتی ہیں کہ انسان کو اپنی طبیعت پر قابو نہیں۔ اور وہ غصہ  
 کی آگ میں جل رہا ہے۔

قوت غضبی کے  
 لحاظ سے انسان  
 کے طبائع میں  
 اختلاف

قوت غضبی کے لحاظ سے انسان کے طبائع چار قسم کے واقع ہوئے ہیں۔  
 ۱۔ بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ اون کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلدی اُتر جاتا ہے۔  
 ۲۔ بعضوں کو غصہ تو جلدی آتا ہے لیکن پانی کی لہر کی طرح ادھر ظاہر ہوا ادھر غائب  
 ۳۔ لیکن بعض ایسے بدطینت ہوتے ہیں کہ جلدی غصہ ہوتے ہیں اور اون کا  
 دل کسی طرح صاف ہی نہیں ہوتا۔

ان میں پہلے سب سے بہتر دوم متوسط اور سوم سب سے بُرے ہیں۔  
 ۴۔ چوتھی قسم اور ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ دیر میں غصہ ہوتے ہیں لیکن ٹھنڈے  
 بھی دیر میں ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دل میں بہت عرصہ تک کینہ رہتا ہے۔

کس حالت میں  
 غصہ جائز یا  
 ناجائز ہے۔

بہ انسان کی خلقت اور طبیعت میں داخل ہے کہ اسے بعض چیزیں مرغوب  
 اور بعض ناپسند ہوں۔ مرغوب اشیاء سے انسان کو محبت ہوتی ہے اور اُس کے  
 چھن جانے یا حاصل نہ ہونے سے اس کو غصہ آتا ہے۔ انسان کو جن اشیاء کے  
 ساتھ محبت ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل تو وہ جو سب کے لئے ضروری  
 ہوں مثلاً غذا۔ لباس۔ مکان وغیرہ۔ دوم وہ جو کسی کے لئے بھی ضروری ہوں  
 مثلاً انسان کی واقعی ضرورت سے زیادہ سامان۔ جاہ و جلال۔ خدم و حشم۔  
 سوم وہ اشیاء جو بعض کے لئے ضروری اور بعض کے لئے غیر ضروری ہوں مثلاً  
 کتاب عالم کے لئے ضروری اور جاہل آدمی کے نزدیک بیکار ہے۔ ایک پیشہ ور  
 کے آلات دوسرے کے لئے بیکار اور غیر ضروری ہیں۔ ان اشیاء میں سے پہلی قسم  
 کی چیزوں کے فقدان یا عدم تیسرے پر اگر انسان کی حق تلفی ہوئی ہو تو غصہ آنا بجا  
 ہے۔ لیکن اگر حق تلفی نہیں ہے تو خواہ کتنا ہی محتاج ہو غصہ آنے کی کوئی وجہ

اور غیرت و حمیت کو قوت دینی لازم ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو غصہ کی بات پر غصہ نہ آوے وہ گدھا ہے اور جو منانے سے نہ منے وہ شیطان ہے۔

شدت غضب  
کے اسباب

اسی طرح غضب حد اعتدال سے زیادہ ہونا خرابی۔ رسوائی۔ بربادی۔ پشیمانی کا باعث ہوتا ہے۔ اور انسان اکثر شدت غضب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان میں شدت غضب کی خاصیت کئی سبب سے ہوتی ہے:-

۱۔ انسان فطرتاً مغلوب الغضب اور زود رنج۔ سریع الانقمام ہو جیسے کبارو کہ ذرا آگ دکھائی اور بھک سے اڑی۔

۲۔ ایسے لوگوں کی صحبت کا اثر جو نازک مزاجی پر فخر کرتے ہوں اور بات بات پر غصہ کرنے کو شجاعت و جوا مردی جانتے ہوں۔ اس پر ہم یہ صحبت کے اثر سے انسان کے دل میں یہ یقین راسخ ہو جاتا ہے کہ غصہ داخل عقابعت ہے اور وہ اوس پر فخر کرتا ہے بے عقل اور کمزور بتلے آدمی اس کا اور میں زیادہ مبتلا ہوئے ہیں مثلاً بچے بہ نسبت بڑے آدمیوں کے عورتیں بہ نسبت مردوں کے جملہ بہ نسبت فضلاء کے جلدی غصہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۳۔ اس کے علاوہ تکبر۔ عجب۔ مزاح۔ ضد۔ فریب۔ حرص۔ حصول مال و جاہ وغیرہ بھی غضب کو ترقی دیتے ہیں۔

جس وقت انسان کو غصہ آتا ہے اوس وقت اوس کی عجب طرح کی حالت بن جاتی ہے۔ رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں۔ افعال غیر منظم اور بے ترتیب صادر ہوتے ہیں زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔ اور کچھ کچھ کہنے لگتا ہے۔

حالت غضب

آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ اور منہ میں جھاگ آ جاتے ہیں۔ ایسے فحش کلام کہنے لگتا ہے کہ اگر غصہ اترنے کے بعد خود دہرائے تو اسے شرم آئے بڑوں کا ادب اور چھوٹوں کا لٹی ظہنیں رہتا۔ مار پیٹ۔ قتل و غارت شروع کر دیتا ہے اور کسی پر بس نہ چلے تو خود اپنے کپڑے پھاڑنے لگتا ہے۔ اپنے جسم پر دو ہتھڑ

۲۔ دوسرے کی عزت ناگوار ہونا۔ ۳۔ دوسرے کی حقارت۔ ۴۔ تعجب۔  
 ۵۔ فقدان مقصد کا خوف۔ ۶۔ نیت چاہ و رتبت۔ ۷۔ خباثت نفس۔  
 حاسد اپنی بڑائی اس طرح نہیں چاہتا ہے کہ خود اس کی حالت ترقی کرے  
 بلکہ اس طرح چاہتا ہے کہ مسود کی حالت گھٹ جائے اور اس سبب سے مسود  
 سے عداوت رکھتا ہے۔ حاسد کے کینہ کا سبب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کو  
 کیون کوئی نعمت حاصل ہوئی۔ اس لئے وہ بے سبب مسود کی تخریب کے چھپے  
 پڑ جاتا ہے۔ اگر خود کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تو آفات ناگمانی اور تغیرات  
 روزگار کا منتظر اور خواستگار رہتا ہے۔

تنگ دل اور تنگ ظرف اشخاص میں یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی  
 کامیابی دیکھ کر جلتے ہیں اور اگر کسی شخص کو اپنے مفید اور بڑے ارادے میں  
 ناکامی ہو تو اس سے اون کو ایک خوشی اور راحت کی سی کیفیت محسوس ہوتی  
 ہے۔ اون کے دل میں حسد کی آگ ایسی مشتعل ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی  
 الو العزمی یا نیک ارادوں پر ہنستے اور کوششوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ یہ  
 لوگ ایسا خیال کرتے ہیں گویا اگر کسی کو اپنے ارادہ میں کامیابی ہو تو خود ان کا  
 نقصان ہوگا۔ اور کسی کی تعریف سنا کر تو ان کے پٹنگے لگ جاتے ہیں خصوصاً  
 جس صورت میں وہ ان کا حریف بھی ہو تو اشتعال طبع کا کیا پوچھنا ہے۔ شاید کسی  
 شخص کے واقعی عیوب ان کی نظر میں قابل معافی ہوں مگر یہ گناہ کہ وہ ان سے  
 ہتر کام کرتا ہے قابل معافی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو نکتہ چینی کرنے میں بڑی  
 خوشی حاصل ہوتی ہے خصوصاً بڑے آدمیوں کی عیب جوئی کرنا تو فخر سمجھتے ہیں  
 اور بجائے اون کی اچھی مثالوں سے فائدہ اٹھانے کے اون کے ہنروں پر  
 خاک ڈالنا چاہتے ہیں۔

جن اشخاص کے اغراض مشترک ہوں ان میں زیادہ حسد ہوتا ہے مثلاً  
 دو سو کنون میں۔ چچا زاد بھائیوں میں۔ ایک ہی شے کے سوداگروں میں جو



ہنہیں۔ دوسری قسم کی اشیاء کے فقدان پر اگر حرص و انگیزہ نہ ہو تو انسان کو غصہ نہ آئیگا۔ کیونکہ بیکار یا زیادہ ضرورت چیز کا رہنا یا جانا دونوں برابر ہیں۔ لیکن تمدن اور معاشرت کے اصول کے مطابق جو اشیاء کہ انسان نے جائز وسائل سے حاصل کی ہیں اگرچہ یہ افراط ہوں اوس کی ملک ہیں۔ وہ مستحق ہے کہ وہ ان سے تمتع حاصل کرے اور اون کو قبضہ میں رکھے۔ اسی طرح تیسری قسم کی اشیاء جس شخص کی جائز ملک ہیں اگر اوس کے پاس سے کوئی لینا یا غصب کرنا چاہے تو قوت غضبی کا ہیجان بجا ہے۔ لیکن اگر وہ اشیاء کسی ایسے شخص کی جائز ملک ہوں جو اون سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اوس شخص کو جو اون سے فائدہ اٹھانا جانتا ہے خطا ہونے اور جہین لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

جن حالتوں میں قوت غضبی کا ہیجان جائز ہے۔ اول میں بھی غضب کو عقل کا مطیع رکھنا چاہئے۔ اور غصہ میں اس قدر جوش نہ آئے کہ وہ حد سے بڑھ جائے اور اگر کبھی ایسا ہو کہ غصہ حد اعتدال سے تجاوز کرنے لگے تو انسان میں اتنی طاقت ہو کہ اوس کو روک سکے اور اس میں انسان کو مشقت یا

تکلیف نہ معیار حق کیفیت کو ”حلم“ کہتے ہیں۔ یہ عادت ابتدا میں یہ صفت اور مشق سے حاصل ہوتی ہے اور انسان کو اول اول غصہ پینے کے لئے خون کے سے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ لیکن جب عادت پڑ جاتی ہے تو حلم کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے۔ اور قوت غضبی مطیع اور فرمان بردار بن جاتی ہے۔

قوت غضبی کا جوش ایک تو ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جن کا قوی یا ضعیف کوئی سبب ہو لیکن اس کی مثل ایک اور آگ بھی ہے جو بے سبب سلگتی ہے اس کا نام ”حسد“ ہے۔ حسد یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر جلے اور یہ چاہے کہ وہ نعمت اس کے پاس سے جاتی رہے خواہ اس سے حاسد کو کچھ بھی نفع نہ ہو۔ یہ آگ محسود کو نہیں بلکہ حاسد کو جلاتی ہے کَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْخَطْبَ۔ حسد کے کوئی سبب ہیں۔ ا۔ دوسرے سے عداوت

دوسروں سے انتقام لے جب خود بھی اسی سزا کا مستوجب ہو یا ہو سکتا ہو پس جو لوگ کینہ پروری کرتے ہیں یا انتقام کے بہت خواہان ہیں وہ جس قدر اپنے دشمن کو نقصان پہنچاتے ہیں اسی قدر غضب کی آگ اون کو بھی جلاتی ہے اور جو لوگ اپنی فراخ حوصلگی یا کشادہ دلی سے پروا نہیں کرتے اور غصہ کر دیتے ہیں وہ دشمنوں کو دوست بنا لیتے ہیں۔ اور اون کے محاسن اخلاق کا ایسا نقش و شمنون کے دل پر چماتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی غلطی پر چمکتے ہیں۔

نیست جا درینہ مانے صاف رنگ کینہ را گرد از آتش تہی سنگے کہ میناے شود جو لوگ دوسروں کو معاف نہیں کرتے وہ اوس ہی پل کو توڑتے ہیں جس پر سے اون کو خود بھی گزرنا ہے۔ کیونکہ عضو جرائم کی ضرورت سب ہی کو ہوتی ہے۔ انسان اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور حقیقت شناس اور انصاف پسند آنکھ سے دیکھے بات یہ ہے کہ انسان بعض اوقات ذرا سی بات پر بہت ہی برا فروخت ہو جاتا ہے اور شکایت کے دفتر کے دفتر دل میں بھر لیتا ہے۔ لیکن اگر ذرا انصاف سے اہلیت پر نظر کی جائے یا اوس وقت شکایت کو ٹال کر دوسرے دن اسی بات کو دیکھو تو کیا ہی دل بول اٹھتا ہے کیا یہ سزا کا مستحق اور قابل درگزر ہے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ فی الحقیقت کوئی ناسزا امر کسی شخص سے سرزد ہوا۔ تو بجائے توہین کرنے کے یہ کیا برا ہے کہ اوس کا ذکر بھی نہ کیا جائے۔ بدگو اور بد باطن اشخاص اور لوگوں پر بہت نکتہ چینی کرتے ہیں اور مضحکہ اڑاتے ہیں بہت ساتھ دیتے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ کل اپنی باری آنے والی ہے اور پھر من صحیحات و صحتا بہتر طریقہ یہ ہے کہ غصہ اور طیش کے وقت ذرا تحمل سے کام لیں اور انتقام

کو دوسرے وقت پر منحصر رکھیں لیس من عادۃ الکرام ام سرعۃ الانقیام کیونکہ جب غصہ فرو ہو جاتا ہے تو اپنی غلط فہمی خود سوچنے لگتی ہے۔ اسی طرح تحریر یا تقریر میں دل شکن الفاظ اور سخت کلامی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مبادا پھر

۱۷ بزرگ اس بات کے غور نہیں کہ بدلا لینے میں جلدی کریں ۱۲

ایک ہی جگہ تجارت کرتے ہوں۔ ایک ہی پیشہ کرنے والوں میں۔ لیکن کسی کی علم حالت اور نعمت پر حسد کرنا بیوقوفی ہے کیونکہ اس سے حاسد کو توبہ و نجات نہیں اور محسود کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ محسود کی نعمتیں جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہیں اسی قدر حاسد کا رنج و تعب بڑھتا جاتا ہے۔ کوئی شخص اپنے تئیں بے فائدہ تخلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن حاسد بے فائدہ جلتا اور رنج کرتا ہے۔ محسود کو اگر یہ علم ہو کہ فلان شخص مجھ سے حسد رکھتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ خدا نے مجھے ایسی نعمت دی کہ دوسرے جلتے ہیں۔ تو پھر خود رنج کر کے دوسرے کو خوشی دینا کمان کی عقلمندی ہے۔ انسان اپنے دشمن کے لئے رنج و مصیبت چاہتا ہے لیکن حاسد خود رنج میں پڑتا اور دوسرے کو خوشی بخشتا ہے۔ محسود کا نہ دنیا میں کوئی نقصان ہے نہ آخرت میں اوس کو گناہ بلکہ وہ دونوں جگہ اچھا ہے۔ حسد سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ انسان اپنی حالت پر غور کرے اور اوس کو ترقی دینے کی کوشش کرے دنیا میں کوئی ادنیٰ درجہ کا شخص اس طرح عزت نہیں حاصل کر سکتا کہ دوسرے بھی ویسے ہی کم درجہ ہو جائیں۔ اور کوئی بڑا آدمی نہ رہے بلکہ وہ اپنی حالت اور اپنی کوشش سے اتنی ترقی کر سکتا ہے کہ دوسروں کے برابر ہو جائے بلکہ اوس سے بھی بڑھ جائے البتہ کسی نعمت کے حصول کی خود بھی کوشش کرنا اور دوسروں کا سارنہ۔ عزت۔ علم۔ دولت وغیرہ حاصل کرنے کی خواہش کرنا بری بات نہیں ہے بلکہ مستحسن صفت ہے کہ طبیعت میں ترقی کی تحریک پیدا کرتی ہے۔ اسی کا نام درغبطہ یا منافست ہے۔

قدرتی مصائب سے زیادہ لوگوں کی دلخراش مدارات یا توہین یا غلطی کا سہارنا اور انتقام نہ لینا کام رکھتا ہے اور چونکہ اس میں طبیعت پر زیادہ جبر کرنا پڑتا ہے لہذا زیادہ مستحسن اور بہادری کا فعل ہے۔ دنیا میں ایسا کونسا بشر ہوگا جو غلطی نہ کرتا ہو یا کم و بیش کوئی نقص نہ رکھنا ہو۔ پھر وہ کس لئے سے

جتاتے ہیں اکثر نوجوان آدمی جن کو زمانہ کی فضیلت سے آگاہی نہیں ہوتی کچھ تھوڑی  
شد بد حاصل کر کے بہت غرور کرنے لگتے ہیں اور چلو بھر پانی میں گز بھرا پھل کر  
چلتے ہیں۔ مگر یہ غرور نہ صرف مورد طعن بناتا ہے بلکہ اکثر ترقی میں بھی سدراہ ہو جاتا  
ہے۔ کسی عقلمند آدمی کا قول ہے کہ اپنے تئیں سب سے بجز خیال کرو مگر خود ہیں  
شخص کی نظر اول اپنے ہی پر پڑتی ہے اور وہ بھی ایسے اوصاف پر جو درحقیقت  
اوس میں نہ ہوں۔ انکسار تمام خوبیوں کے حق میں وہ تاثیر رکھتا ہے جو پانی  
اشجار کے حق میں۔ انکسار نخوت کے خیال کو فوراً طبیعت میں سے نکال ڈالتا  
ہے۔ بن لوگوں کو خداوند عالم نے تمیز اور قابلیت دی ہے وہ کبھی سر غرور بلند  
نہیں کرتے۔ صداقت کے طالب ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتے ہیں یعنی جو اون کو  
حاصل کرنا ہے اوس کی فکر کرتے ہیں وہ مڑ کر نہیں دیکھتے کہ حاصل شدہ پر کھولیں۔  
علم کا سمندر بے پایان اور لا انتہا ہے کون اوس کی حد تک پہنچ سکتا ہے  
پھر اوس میں سے ایک قطرہ پیکر سمندر کو خالی کر دینے کا دعویٰ کرنا جہالت ہے۔  
سچ یہ ہے کہ جس قدر زیادہ علم حاصل ہو اوسی قدر اپنی لاعلمی اور ہیچدانی معلوم ہوتی  
ہے۔ جو لوگ ایسے عمدوں کا یا ایسے کمالوں کا دعویٰ کرتے ہیں جن سے وہ بے نصیب  
ہیں۔ تو اون کی کس قدر ہنسی اڑتی ہوگی جب یہ قلعہ کھل جائے کہ وہ صرف جھوٹ  
اور باتیں ہی باتیں تھیں۔ اس سے جہالت کا اعتراف بہت بہتر ہے کیونکہ اور اون  
کی نظروں میں حقارت نہیں ہوتی۔ اور بہت اس کمی کے پورا کرنے پرائل ہتی ہے  
جب کوئی شخص اپنی زیادہ تعریف کرتا ہے یا اپنا زیادہ ذکر کرتا ہے اور یہ جتنا  
ہے کہ اپنے خیال میں اوس نے اپنا رتبہ سب سے اعلیٰ سمجھ لکھا ہے تو ضرور اوس کا  
حضحکہ اڑتا ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ اگر اور لوگ تعریف بھی کریں یا کسی خوبی کی  
قدر افزائی فرمائیں تو شیخی کا اظہار نہ کیا جائے بلکہ اون کی تعریفوں پر انکسار کا  
اظہار کرنا چاہئے۔ عمدہ عمدہ خصلتیں انکسار ہی سے طبیعت میں پیدا ہوتی ہیں  
اور انکسار ہی کی وجہ سے طبیعت میں قائم رہ سکتی ہیں۔ ورنہ غرور وہ آگ ہے کہ

عالم اپنی جہت  
کو جانتا ہے

پھر پختا نا پڑے تو وہ الفاظ واپس نہیں آ سکتے۔ تلوار کے زخم بھر جاتے ہیں پر زبان کا زخم نہیں بھرتا۔ انسانیت یہ ہے کہ دشمنوں سے دوستانہ سلوک کیا جائے۔ غصیل اور کینہ پرور کو سنجیدگی سے۔ بخیل کو فیاضی سے جھوٹے کو صداقت سے تسخیر کرو۔ اور یہی حقیقی فتح ہے۔ مَنْ قَابَلَ السَّيِّئَةَ مِنْ عَدُوٍّ بِالْحَسَنَةِ فَقَدْ اِنْتَقَمَ

صبر

مصیبت۔ تکلیف۔ توہین۔ ظلم۔ غرض ہر ناخوش گوار امر طبیعت پر قابو رکھنا اور اس رنج یا آزار کو بغیر اظہار شکایت۔ یا ناراضا مندی بغیر عوض و انتقام برداشت کرنا صبر ہے۔ ہر شخص کو اپنی مدت حیات میں کچھ نہ کچھ مشکلین پیش آتی ہیں یا زمانہ تھوڑا بہت تلخ کامی کا مزا چکھتا ہے۔ نہیں بلکہ قدرت امتحان میں ڈالتی ہے۔ لیکن جو امر و مصائب میں صبر و استقلال سے کام لیتے ہیں۔ اور جب صبر و استقلال کا دامن مضبوط پکڑ لیا جاتا ہے تو وہ تکالیف کم اور آسان ہو جاتی ہیں۔

سختی دوران بفیض نرم رونی میکشم سنگھا بارانی آب ست میناے مراے

ایسے موقعوں میں جگہ اذم نہ رہے بلکہ وہ ایسی حالت اختیار کریں کہ مصائب ایسی تڑپا کہ بہتر ہے صبری کی جائے اور رو دیر بی اختیار کریں کہ مصائب زیادہ خوفناک اور جان و مال معلوم ہونے لگتی ہے۔ صبر کرنا سخت محنت کرنے سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ یہ جان پر ضبط کرنا ہے بلکہ جان کو برباد کرنا ہے جو وقت یا روپیہ یا محنت کے برباد کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

۲۔ انکسار

اکثر نام تربیت یافتہ اور ناشائستہ اشخاص خود پسندی اور خود بینی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر میں اپنی خوبیاں بہت جیتی ہیں اور بعض اوقات تو وہ اپنے میں ایسے اوصاف تصور کر لیتے ہیں جن سے کوسوں دور ہوں اور پھر خوبی یہ ہے کہ خواہ مخواہ سرافتخار بلند کرتے ہیں اور اور لوگوں پر اپنی بڑائی

لے جس کسی نے اپنے دشمن کی بڑائی کا بدلا بھلائی سے کیا تو بے شک بدلا لے لیا ۱۲

بلکہ اوس کی محافظ بھی ہے حکومت کرنے کو دل تو سب کا چاہتا ہے مگر جو لوگ اطاعت کے فوکر نہیں ہوتے وہ عمدہ حاکم بھی نہیں بنتے۔ اور جو ٹھیک ٹھیک اطاعت کرنا جانتے ہیں وہ ٹھیک ٹھیک حکومت بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ غیر مطیع شخص یہ نہیں جانتا کہ حکومت کی حد کیا ہے۔

بزرگوں کی  
اطاعت

اطاعت میں سب سے اوّل حق والدین اور قریبی رشتہ داروں کا ہے اور اسی سبب سے گھر اطاعت سکھانے کا پہلا مدرسہ ہے۔ والدین خواہ بلیغاً ممتربت اور خواہ بلیغاً عمر و تجربہ اولاد پر بزرگی رکھتے ہیں لہذا اولاد کو اون کی اطاعت لازم ہے اور والدین کا فرض ہے کہ صرف اون کو پرورش ہی نہ کریں بلکہ ملکہ اطاعت اولاد میں پیدا کریں۔ تاکہ وہ آئندہ سوسائٹی کے بیکار آمد ممبر اور ملک و قوم کے لئے بہترین نعمت ہوں۔ اگر اولاد اپنی بزرگوں کا کمانہ مانے یا اون کی شکر گزار نہ ہو۔ اگر یہ نہ جانے کہ والدین کی اطاعت ہماری سعادت اور بہبودی کا باعث ہے تو اوس گھر میں خوشی اور امن و آسائش کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ نہ اون لوگوں سے آئندہ زندگی میں سوسائٹی کا عمدہ اور امن جو ممبر ہونے کی توقع ہو سکتی ہے جو شخص محبت اقرباء کے نرم رشتوں کا پابند نہ ہو اور اون کی موافقت نہ کرے تو حقوق تمدن کی سخت پابندیاں کب برداشت کر سکیگا۔ نہ وہ اچھا کارکن ہوگا نہ اچھا کارفرما۔ گھر کے بعد مدرسہ ادب اور اطاعت آموز ہوتا ہے۔ معلم وہ بزرگ ہیں کہ والدین نے اولاد کو اپنی تعلیم و تربیت سے نکال کر ان پر بھروسہ کیا ہے پس معلمون کا فرض اطاعت سکھانا اور شاگردوں کا کام اطاعت کرنا ہے۔ کیونکہ استاد جو کچھ کرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف طلباء کی بہبودی اور بھلائی کے مقصد سے ہوتا ہے اور بغیر تربیت اور تنبیہ کے کوئی عمدہ عادت نہیں پیدا ہوتی۔ آج کل آزادی کا بہت چرچا ہے اور اس میں شک نہیں کہ انسان کے لئے آزادی بہت عمدہ چیز ہے لیکن جب ہی تک عمدہ ہے کہ آزادی کی حد تک رہے۔ یعنی یہ کہ ہر انسان کو اپنے ایسے ذاتی کاموں میں جس کا اثر دوسروں پر نہ پڑتا ہو

اطاعت نہ  
کے امن کا  
ضروری۔

تمام حسن و خوبی پر پانی پھیر دیتا ہے۔ جن لوگوں کے پاس علم کا تھوڑا سا ذخیرہ ہے یا متاع ہنر کم ہے وہ اکثر خود بین اور نمائش پسند ہوتے ہیں۔ لیکن علم و ہنر کے جوہری جن کے دل و دماغ فراست و دانش کے آبدار جواہرات سے آراستہ ہیں جانتے ہیں کہ علم کے بے پایاں سمندر میں حقیقت کے بے انتہا آبدار موتی ہیں جو ہاتھ نہیں لگے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے یہ نسبتاً بہت کم ہے جو فخر و مباہات کے قابل تو کیا ذکر کرنے کے لائق بھی نہیں۔ اس طرح جون جون اون کا علم بڑھتا جاتا ہے وہ اوس کی کمی کی حقیقت سے واقف ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے جب نو جوان طالب علم الکتاب علم یا ہنر پر متوجہ ہوں تو اون کو اس طرف بھی نہایت توجہ کرنی چاہیے کہ اون کے دل میں غرور نہ پیدا ہو ورنہ وہ شاہراہ ترقی میں رجعت فتمری کریں گے۔

### ۳۔ اطاعت

سب سے زیادہ ضروری سبق جو طفولیت میں حاصل کرنا چاہئے ”اطاعت“ ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جب ہم سے زیادہ لائق اور قابل راے ہم کو راستہ بتائے تو ہم اپنی راے کو چھوڑ دیں۔ اور اوس کی پیروی کریں۔ اطاعت کا یہ یاد سوسائٹی میں متحدہ طور پر کام کرنے کی بنیاد ہے۔

عموماً جو قواعد مقرر کئے جاتے ہیں وہ عوام کی بھلائی اور ہیویدی کے لئے ہوتے ہیں اور اگرچہ کسی خاص شخص کی شرکت قواعد اور قانون بنانے میں نہ ہو، الا مدنی حالت میں امن جب ہی رہیگا جب ہر شخص اپنے فرمان روا اپنے حاکم اپنے بڑے کا کہا ماننے آزادی صرف اس قدر جائز ہے جہاں تک کسی شخص کی ذاتیت سے تعلق ہے لیکن اگر تمدن میں آرام مطلوب ہے اور سوسائٹی میں سکون اور باقاعدگی درکار ہے تو کوئی شخص اون بندشوں سے آزاد نہیں ہو سکتا جو اوس کو اتحاد اور وحدانیت کے رشتہ میں جکڑتی ہیں۔ اور جو شخص سوسائٹی میں زیادہ ممتاز ہے وہی زیادہ پابند اور مطیع ہے کیونکہ وفادارانہ اطاعت اوس کے لئے نہ صرف فرض ہے

اطاعت  
کے معنی

قوانین کی  
اطاعت



اوس کو اعتدال پر قائم رکھا جائے۔ قوت شہوانی میں اعتدال رکھنے سے عفت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی کھانے پینے اور نکاح کے معاملات میں اعتدال رہتا ہے۔ عفت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان لغوائے جائزہ کا ایسا تارک ہو کہ گھاس پات کے سوائے کچھ نہ کھائے۔ عمر بھر نکاح نہ کرے۔ بھوکوں مر جائے۔ پیاسا ہو تو پانی نہ پئے۔ نیند آئے تو آرام نہ کرے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہو تو وہ قانون حکمت سے ناواقف ہوگا اور احکام شریعت کے خلاف کرنے والا ہوگا <sup>۱</sup> لَا تَرْهَبُوا نَيْتَةً فِي الْوَسْطِ لَا تَرْهَبُوا نَيْتَةً فِي الْوَسْطِ میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو انسان کو جائز تمتعات سے روکتا ہو بلکہ افراط اور تفريط سے روکتا اور خلاف قاعدہ اور خلاف قانون استعمال کرنے سے منع کرتا ہے مثلاً شریعت میں یہ حکم نہیں ہے کہ کھانا نہ کھاؤ۔ پانی نہ پیو۔ نکاح نہ کرو۔ بلکہ یہ حکم ہے کہ ان تمام امور کو اعتدال سے بجالاؤ۔ <sup>۲</sup> يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْسَبُوا دُخُولَ طَيْبَتٍ مَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ كُنتُمْ فِي سَبِيلِهِ فَتُدَبِّرُوا الْأَعْمَالُ وَمَا ظَنُّوا أَنَّهُمْ يَخْلُفُونَ وَلَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ كُنتُمْ فِي سَبِيلِهِ فَتُدَبِّرُوا الْأَعْمَالُ وَمَا ظَنُّوا أَنَّهُمْ يَخْلُفُونَ۔ مرے مرے کے کھانے پیسنے کی سطح کے قریب بہت سا آجاتا ہے اور پیو مگر شراب سے پرہیز کرو تاکہ عقل و جلدی ضائع ہو جاتی ہے۔ جب یہ عمل شروع عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں مگر وہ محسوس ہوتی ہے اور بہت دیر بعد بہن اپنی کے کسی عورت کو اپنے پاس مبت ہے۔ فی الحقیقت شراب آدمی کو سردی سے نہیں اتنی کثرت نہ ہو جائے کہ دوسرے پہلے ایک گلاس شراب اس لئے پیتے ہیں کہ سردی کا روبرو سے جاتے رہو۔ <sup>۳</sup> يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ كُنتُمْ فِي سَبِيلِهِ فَتُدَبِّرُوا الْأَعْمَالُ وَمَا ظَنُّوا أَنَّهُمْ يَخْلُفُونَ۔ بہت سی حالتوں میں سردی کو روکنے کے لئے الکحل و کاتیبیٹ کو خطوات میں مضر بھی ہے میں ایسے بہت سے توانا اور قوی آدمیوں اعلیٰات تھوڑی کالطف نہیں اس سبب سے برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ بہت

۱۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے کہ فی کل کے پینے سے نشاط پیدا ہوتی ہے لیکن اوس کے انہیں حرام مت کرو اور حد سے تجاوز نہ کرے۔ <sup>۲</sup> طیبہ تم کو دیا دے کھاؤ اور خدا سے ڈر۔ <sup>۳</sup> طیبہ ہیں انھیں کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔

۱۔ استی آجاتی ہے۔

اختیار حاصل ہے کہ چاہے سو کرے۔ لیکن سوسائٹی میں رہ کر وہ اون قواعد اور بندشوں سے آزاد نہیں ہو سکتا جو تمام لوگوں کے امن و آسائش قائم رکھنے کے لئے مقرر و مسلم ہیں۔

## باب ہشتم نفس شہوانی کی تہذیب ۱۔ عفت

نفس شہوانی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان میں ماکل و مشارب اور ناکح کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ اُن لذائذ کو ڈھونڈھتا ہے جو ان اشیاء سے حاصل ہوں یہ قوت انسان میں بقا، ذات اور بقا، نوع کا سبب ہے قدرت جو خواہش انسان میں پیدا کرتی ہے اوس کے واسطے وافر سامان مہیا فرمادیتی ہے انسان کی اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے بھی اوس نے بہت کثرت سے سامان اور لطیف اشیاء پیدا کی ہیں جن سے وہ حظ اوٹھا سکتا ہے۔ خود انسان میں بھی یہ قوت ہے کہ قدرتی اشیاء میں تصرف کرتا ہے اور اون کو اپنے طور پر ترکیب و یک طرح طرح کے فریدار کھانے پکاتا ہے۔ مشربت بناتا ہے۔ آرائش و تزئین کے سامان مہیا کرتا ہے تاکہ لذت میں زیادہ افراط اور حظ میں زیادتی ہو۔

انسان میں  
خواہشات شہوانی  
کی ضرورت

انسان کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے پیچھے پڑتا ہے اوس میں افراط و تفریط کا خیال نہیں رکھتا اور جب اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے تو اوس فعل کی حکمت مفقود ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی وہ فائدے بھی جاتے رہتے ہیں جو قدرتی قوت کو اعتدال سے کام میں لانے میں متصور تھے۔ وہ جب نفس شہوانی کے تقاضوں کو پورا کرنے بیٹھتا ہے تو درجہ اعتدال سے گزر کر شہوت پرست ہو جاتا ہے اور کسی جائز و ناجائز حظ کو حاصل کرنے میں باک نہیں کرتا۔ اس لئے یہ ضرورت پڑتی ہے کہ انسان کو روکا جائے اور

افراط و تفریط

ہوش میں نہ آیا اور اس حالت میں مر گیا“

شراب کی خواہش

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر ایک بار شراب پی جاے تو پھر نہیں چھوٹی اور اور زیادہ پینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ تھوڑے دن بعد ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ پھر پینے سے نیت ہی نہیں بھرتی اور اگر کوئی شخص نہ پئے تو دل پر سخت جبر کرنا پڑتا ہے۔ مقدار کو بڑھانے کی خواہش اس سبب سے پیدا ہوتی ہے کہ دل یہ چاہتا ہے کہ جو کیفیت پہلے آئی تھی پھر حاصل ہو یہ خواہش خلاف فطرت ہے کسی غذا کو خواہ کتنی ہی عمدہ کیون نہ ہو یہ دل نہیں چاہتا کہ کھائے جائیں لیکن الکحل کا خاصہ ہی نرالا ہے کہ جون جون پیو اور پینے کی خواہش بڑھتی جاتی ہے اور پھر یہ خواہش بھی اس درجہ کی ہوتی ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو لیکن ہاتھ سے پیالہ نہ چھوئے۔ اس لئے شراب کے پہلے ہی پیالہ سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

الکحل مزہ

الکحل میں یہ بڑی خرابی ہے کہ اس کا اثر اولاد میں بھی آتا ہے اور اولاد میں ایک بیماری جس کو ”الکحل مزہ“ کہتے ہیں پیدا ہوتی ہے۔ مان باپ کو چاہئے کہ ذرا سوچ سمجھ کر شراب پیا کریں۔

شراب بدن کی

تحلیل و ترکیب

میں خلل ہے

شراب کا ایک بہت بڑا اثر یہ بھی ہے کہ جسم کی تحلیل کم ہو جاتی ہے اور فضلات اوس قدر نہیں نکلے جتنے کہ نکلنے چاہئیں۔ کاربانک ایسڈ گاس شش سے کم نکلتا ہے، خلقتاً حیوان کا جسم ہر وقت بدلتا رہتا ہے یعنی بعض اجزاء تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور اوس کی جگہ اوس مادہ سے جو غذا سے حاصل ہوتا ہے دوسرے اجزاء بنتے رہتے ہیں۔ اگر یہ عمل رُک جاے اور بدل مایہ تحلیل نہ ہو تو طبیعت اپنا کام اچھی طرح نہیں کر سکتی۔ الکحل کا خاصہ ہے کہ خون میں اکیسجن کی مقدار کو کم کرتی ہے اور کاربانک آکسڈ زیادہ پیدا کرتی ہے اس سبب سے جو غذا کھائی جاے وہ اچھی طرح جزو بدن نہیں ہوتا۔ الکحل میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جو بدن کی ترکیب اور ترمیم ہستی پر اچھے نہ الکحل دماغ، شجاع، عضلات اور خون کی ساخت میں داخل ہو سکتی ہے پی جائے لٹی اون کی ترکیب میں خلل انداز ہوتی ہے۔

تو دماغ اور نخاع پر اوس کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ انسان کا قابو عضلات کی حرکت ارادی پر نہیں رہتا غیر منظم اور ضعیف حرکتیں اوس سے صادر ہونے لگتی ہیں۔ سید بچلنا محال ہوتا ہے۔ چلتے میں پاؤں لڑکھڑاتے ہیں اور قدم قدم پر پاؤں ڈگمگاتے ہیں یہ دوسرا درجہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور حالت شروع ہوتی ہے کہ دماغ اتنا مختل ہو جاتا ہے کہ سوچنا سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ بات کرنا مشکل ہوتا ہے۔ زبان سے ٹوٹے ٹوٹے فقرے نکلتے ہیں اور تمام حرکات ارادی پر قابو نہیں رہتا۔ اس کے بعد چوتھی حالت ہے جس میں دماغ بالکل معطل ہو جاتا ہے اور غور ایسا بے حواس ہو کر پڑ جاتا ہے کہ اوسے تن بدن کے بھی ہوش نہیں رہتے۔

تیز شراب

کھانے کے بعد اگر تھوڑی سی کمزور شراب پی جائے تو وہ کھانا اچھی طرح ہضم کر دیتی ہے لیکن اگر کوئی تیز شراب کھانے کے بعد یا کھانے کے ساتھ پی جائے تو ہاضمہ کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ اگر خالی معدہ میں شراب پیئے تو معدہ کی یافت کی رطوبت تحلیل ہو جاتی ہے۔ معدہ میں خلش پیدا ہوتی ہے اور معدہ کے بعض اجزاء میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر مدت تک یہ ورم قائم رہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ غذا ہضم نہیں ہوتی اور الکحل کے استعمال سے بہت سے امراض پیدا ہوتے اور جو انون کو مبتلا کر لیتے ہیں“

”الکحل کے استعمال سے اتنی طاقت نہیں رہتی کہ انسان کسی سخت محنت کا تحمل کر سکے“

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شراب دماغ کو چست و چالاک بنا دیتی ہے اور قوا دماغی کو تقویت دیتی ہے لیکن یہ تقویت عارضی ہے اور یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ منشی اشیاء کا اثر قوا دماغی کو قوت نہیں بخشتا“

”شراب کے استعمال نے رفتہ رفتہ برے اثرات سے نوجوانون کو جن میں بہت سے کام کرنے کی قابلیت تھی بیکار بنی مثلاً سورا کا گوشت مارا ہے اور بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی نے بہا کرتی ہے اور صحت کو تو پھر کبھی

ہمسروں کی حیا جاتی رہتی ہے۔ انسان زیادہ باتیں کرنی شروع کرتا ہے اور اس کو اس میں اپنے تمام راز ظاہر کر دیتا ہے دیانت اور عزت کے خلاف اس کے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اور بعض اوقات ظلم و ستم بھی کر بیٹھتا ہے اس سبب سے شرع نے شراب خواری سے منع فرمایا ہے **فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا**۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر تھوڑی سی شراب پی جائے تو کام خوب ہوتا ہے اور طبیعت چست و جلاک رہتی ہے لیکن یہ خیال غلط ہے ڈاکٹر چرڈسن کی رائے ہے کہ ”دماغی کام کرنیوالوں کے لئے شراب سے زیادہ کوئی مضر شے نہیں ہے اور جن لوگوں کو جسمانی کام زیادہ کرنا پڑتا ہے وہ بغیر شراب پئے زیادہ مستعدی سے کام کر سکتی ہیں اور کم تھکتے ہیں“ شراب کے علاوہ اور بہت سی اشیاء ہیں جو نشہ کے لئے استعمال ہوتی ہیں اور کم و بیش سب ہی مضر صحت ہیں مثلاً افیون خواب آور زہر ہے۔ ہندوستان میں افیون کھانے کی عادت بہت پھیلی ہوئی ہے افیون اعصاب پر بہت شرارت سے اثر کرتی ہے۔ تھوڑی سی کھالی جائے تو درد کو افاقہ ہوتا ہے زیادہ کھانے سے سینہ آتی ہے۔ اگر تھوڑی سی افیون کھائیں تو اوّل دماغی قوتیں حرکت میں آتی ہیں لیکن پھر اس کے برعکس عمل شروع ہو جاتا ہے اور بدنی اور ذہنی قواؤں میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ افیون کھانے کی خوفناک عادت کے جاری رکھنے سے عمر بھر کے لئے دماغی اور بدنی قوت تباہ اور برباد ہو جاتی ہے اور جسم کے کل اعضاء کے کام میں خلل پڑ جاتا ہے۔ قوتِ ماضیہ کم ہو جاتی ہے بھوک گھٹ جاتی ہے غذا مزہ نہیں دیتی۔ جسم کے عضلات گھٹنے لگتے ہیں جلد میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور جلد سکڑ جاتی ہے اور مصیبت زدہ انسان قبل از وقت بڑھا ہو جاتا ہے۔

گانچہ اور بھنگ بھی انسان کو بدست کر دیتے ہیں اور ان سے بھی صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور خلاف اخلاق افعال سرزد ہوتے ہیں۔

افیون

گانچہ اور بھنگ

لے ان دونوں (جو شراب) میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ نہیں اور ان دونوں کا گناہ فاسق

سے بڑھا ہوا ہے ۱۲

”ہر سال ہزاروں آدمی شراب کی دہ سے مرتے ہیں اور شراب خواروں سے نیکو  
اس قسم کے حادثے ہوتے ہیں کہ کوئی کنوئین میں ڈوب مرا۔ کوئی پہاڑ سے گرا۔  
کوئی دریا میں ڈوب گیا۔“

شراب کے متوالے جب بہت سی پی جاتے ہیں تو رات بھر باہر پڑے رہتے  
ہیں سردی میں اکڑ جاتے ہیں اور ملک امراض میں گرفتار ہو جاتے ہیں کبھی الکحل کا  
غیر طبعی جوش یا نشہ کی شدت اون کو خود کشی کا ملزم بناتی ہے اور بعض نشہ بازوں  
کی ساری زندگی پاگل خانہ میں بسر ہوتی ہے۔

بازار میں جو عام طور پر ایسی دق ملتا ہے یہ اور کبھی بدتر ہوتا ہے یہ نہایت بد ذائقہ  
اور نشہ دار عرق ہے۔ اور اس میں الکحل کے سوا اور زہریلے مادے کبھی ملے ہوئے ہوتے ہیں  
شراب کی کثرت سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں منجملہ اون کے امراض فیل  
بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ بد ہضمی۔ دل کی بیماریاں۔ دق۔ سل۔ ذیابیط  
اعصابی بیماریاں۔ صرع۔ سکے۔ بے خوابی۔ ہڈیاں۔ جنون۔ گردہ اور جگر کے  
امراض۔ وغیرہ۔

بعض حکماء کا خیال ہے کہ شراب کی کثرت سے قوت متخیلہ پریشان ہو جاتی ہے  
جسم نحیف اور قوا باطنی کمزور ہو جاتے ہیں۔ غم و استغلال ساتھ چھوڑ دیتے ہیں  
اور قوت فیصلہ بالکل کم ہو جاتی ہے اور انسان کا ذرا بھی بس نہیں رہتا کہ وہ اپنے  
قوا و شہوانی کو روک سکے۔ اور اک و فہم میں کمی آ جاتی ہے اور ساری دماغی قوتیں  
ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ خود داری کا زمانہ ہو جاتا ہے خود اعتمادی کا نام بھی یاد  
نہیں آتا اور دل کا ہل سستی۔ بلکہ خواری کے دریا میں ڈوب جاتا ہے۔ اور انسان  
سے ایسے شرمناک افعال صادر ہوتے ہیں جن سے پرہیز گاری کے زمانہ میں وہ خود  
نفرت کرتا اور بھاگتا تھا۔ اسی سبب سے جس قدر شراب خواری کی کثرت بڑھتی جاتی  
ہے جرائم کی تعداد بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جب شراب اپنا اثر کرنا شروع کرتی  
ہے تو سب سے پہلے بے شرمی کا سامنا ہوتا ہے۔ چھوٹوں کا لحاظ بڑوں کا ادب

امراض جو شراب  
سے پیدا ہوتے  
ہیں

شراب خور  
اوصاف  
کھوتے ہیں

استعمال مضرب ہوتا تو وہ ”ناپرہیز گاری“ نہ کہلاتی۔ پرہیز گاری سے جو مسرت اور لذت حاصل ہوتی ہے ناپرہیز گار آدمی اُس سے آشنا نہیں ہوتا۔ وہ قیام پذیر لذت کو ایک فانی اور سریع التغیر لذت کے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اور خسرا لکھتا ہے۔  
والاخرہ بخاتا ہے۔ ✓

### ۳۔ عصمت

مقالہ دوم کے باب نکاح میں عصمت کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ قدرت نے نکاح کی خواہش انسان کو اس واسطے عطا فرمائی ہے کہ انسان کے دونوں گروہوں یعنی مرد و عورت میں ہوا فقت و اتحاد رہے اور ان کے ذریعہ سے بنی نوع انسان قائم رہے انسان کے علاوہ دیگر حیوانات میں بھی یہ خواہش ہے لیکن وہ اکثر اس سے سوائے قیام نسل کے دوسرا فائدہ نہیں اٹھاتے۔ انسان اپنے ساتھی سے ہر طرح کی مدد و معاونت حاصل کرتا ہے۔ جو اس کے اُکرام و آسائش اور خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ اور تمدن و معاشرت کی راحتیں اس کو تو تک کامل نہیں ہوتیں جب تک مرد و عورت دونوں کے مہیا اور فرماہم کرنے میں کوشش نہ کریں۔ اور اپنی کوششوں میں سے ایک دوسرے کو حصہ نہ دیں۔ لیکن جہاں انسان میں بہت سے نقص ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ وہ لذائذ کے حاصل کرنے میں بہت غلطی کرتا ہے وہ یہ جانتا ہے کہ لذت طریقہ استعمال سے زیادہ فساد حاصل ہوتی ہے اس سبب سے وہ عورتوں کی کثرت کی خواہش کرتا ہے۔ اور ایک بیوی پر قساع نہیں ہوتا۔ بعض اوقات بد بختی سے کئی بیویاں بھی اسے محدود نہیں رکھ سکتیں۔ اور وہ حفظ نفس کی خاطر جہاں بس چلتا ہے۔ جاتا ہے۔ جس انسان کی یہ حالت ہو وہ حیوانات سے بدتر ہے کیونکہ حیوان اپنے جوڑے کے سوا دوسری طرف بہت کم میل کرتے ہیں اور اس سبب سے ان میں کوئی جنگ ایسی نہیں ہوتی جو زر۔ زمین۔ زن کے لئے ہو۔ لیکن انسان کی تاریخ میں

خواہش نکاح  
کی ضرورت

انسان کی  
غلطی



تنباکو

تنباکو کے اجزا کی تاثیر یہ ہے کہ وہ غنودگی - درد سر - دل اور پٹھون میں لرزہ زبان پر گرمی - حلق اور منہ میں خشکی پیدا کرتا ہے۔ اس کا ایک جز نکوٹین ہے جو اس قدر قوی زہر ہے کہ دوسگار میں جس قدر اُس کی مقدار ہوتی ہے اگر ایک دفعہ ہی خون میں مل جائے تو انسان ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ جب پہلے ہی پل تنباکو پیا یا کھایا جائے تو یہ تاثیریں اپنا رنگ دکھاتی ہیں اور متلی اور قے پیدا ہوتی ہے۔ تنباکو سے خون کی گردش خصوصاً دماغی خون کی گردش غیر منظم ہو جاتی ہے اور پہلے دوران سر اور اُس کے بعد درد سر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جب انسان اس زہر کا عادی ہو گیا تو پھر اس کو ایسی علامات معلوم نہیں ہوتیں اور وہ بے تکلف سگار پر سگار اور چلم پر چلم اڑائے جاتا ہے۔ یا چنگیان بھر بھر کر پان میں زردہ ڈالتا ہے اور کھا جاتا ہے۔ لیکن نکوٹین جیسا قوی زہر بغیر اپنا اثر کئے نہیں رہتا اور ایک عرصہ کے بعد تنباکو کا بہت عادی بے خوابی - اختلاج قلب اور ایسی ہی ایسی بلاؤں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اوائل عمر میں تنباکو کے استعمال کی عادت ڈالنا - دل و جسم کے منو کو روکتا ہے اور نوعمر لڑکے اگر اس کی عادت ڈالیں تو بدہضمی - اختلاج قلب - اعصابی انتظام میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے تنباکو پینے کی عادت کو کبھی شروع ہی نہیں کرنا چاہئے۔ جو طالب علم تنباکو پیتے ہیں وہ اپنی جسمانی دماغی اور ذہنی قوتوں کو کمزور کر لیتے ہیں اور تنباکو نہ پینے والوں کی نسبت گھائے میں رہتے ہیں۔ جب ایک بار تنباکو پینے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر یہ لت چھٹائے نہیں چھٹی۔

پہیزگاری

لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اوامرو نو ابھی کی پابندی نہ کرنے اور عیش اڑانے میں اس زندگی کی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں لیکن اون کا یہ خیال غلط ہے۔ پہیزگاری میں جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں وہ نا پہیزگاری میں نہیں ہو سکتیں اگر نا پہیزگاری انسان کو حقیقی مسرت پہنچا سکتی یا بنی نوع انسان کے لئے اُس کا

دن نے اس خلیط میں اپنی صحت کا نقشہ ان کیا اور قبل از وقت موت نہ مر  
 چکا۔ یا تمام روپیہ پر یاد کر کے آخر کار مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ اور تمام دنیا نے  
 ان کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا۔ اور اسی سبب سے شرف نے اس کی  
 سخت مخالفت فرمائی اور شدید عذاب اس کے لئے خدا نے تیار کیا۔ مگر کہ  
 رَاكَ تَقْرَأُ الزَّكَاةَ كَأَنَّكَ فَاحِشٌ ذُو كُنُفٍ فَكَفَّرْنَا بِكَ وَأَنْتَ مِنَ الْبَارِئِينَ  
 پاک دامن! اختیار کرتے ہیں وہ اپنے کمر کی چار دیواری میں تکلف نہ اور یہ تین  
 پائے ہیں کیونکہ ان کو وہ سرت نعیم ہوئی ہے جو حقیقی ہمدرد کے اظہار محبت  
 سے پیدا ہوتی ہے۔ طبیعت میں وفاداری اور ثابت قدمی کا خیال خوشی پیدا کرتا ہے  
 اور وہ بے حیائی کی مذلت سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ افعال شیعہ کے اظہار  
 سے بچانے کے لئے انسان کو حیا عطا ہوئی ہے اور اگر انسان اس قوت کو ترک کرے  
 تو ہمیشہ پاک دامن رہ سکتا ہے۔

حیا وہ قوت ہے جو خواہشات نفسانی کے روکنے کے لئے اس واسطے مستعمل  
 کی جاتی ہے کہ دوسروں کی نظروں میں تذلیل نہ ہو۔ حیائیک بخشی اور پاک دامن  
 کی محافظ ہے حیا ایک روحانی قوت ہے جو ناجائز اور بے شرمی کے افعال سے  
 بچانا چاہتی ہے۔ اس کا احساس اس قدر تیز اور جلدی ہوتا ہے کہ کسی مضرت  
 میلان یا عمل قبیح کے ارتکاب کا خیال آتے ہی یہ قوت حرکت میں آتی ہے اور  
 تمام ایسے موقعوں کی شرکت سے جن میں اپنی آلودگی کا ذرا سا احتمال بھی ہو  
 بچاتی ہے۔ حیا کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان برے کاموں کو علانیہ کرتا ہو اس  
 سبب سے شرمائے کہ لوگ دیکھیں گے تو برا کہیں گے بلکہ اس کا اعلیٰ درجہ وہ ہے کہ  
 اگر کسی کی اطلاع یا دیکھنے کا خوف نہ بھی ہو تو بھی بُرائی کو بالطبع مکروہ سمجھے اور خیال کرے کہ  
 خداوند تعالیٰ جو حاضر و غائب یکساں دیکھتا ہے ہمیں دیکھ رہا ہے بلکہ خود اپنی نظر میں  
 اپنے برے کام ایسے بدنما معلوم ہوں کہ اگر کسی اور سے نہیں تو خود اپنے سے حیا آئے  
 لے زنا کے پاس مت جاؤ بے شک وہ بے حیائی اور ناراضی کا کام ہو اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

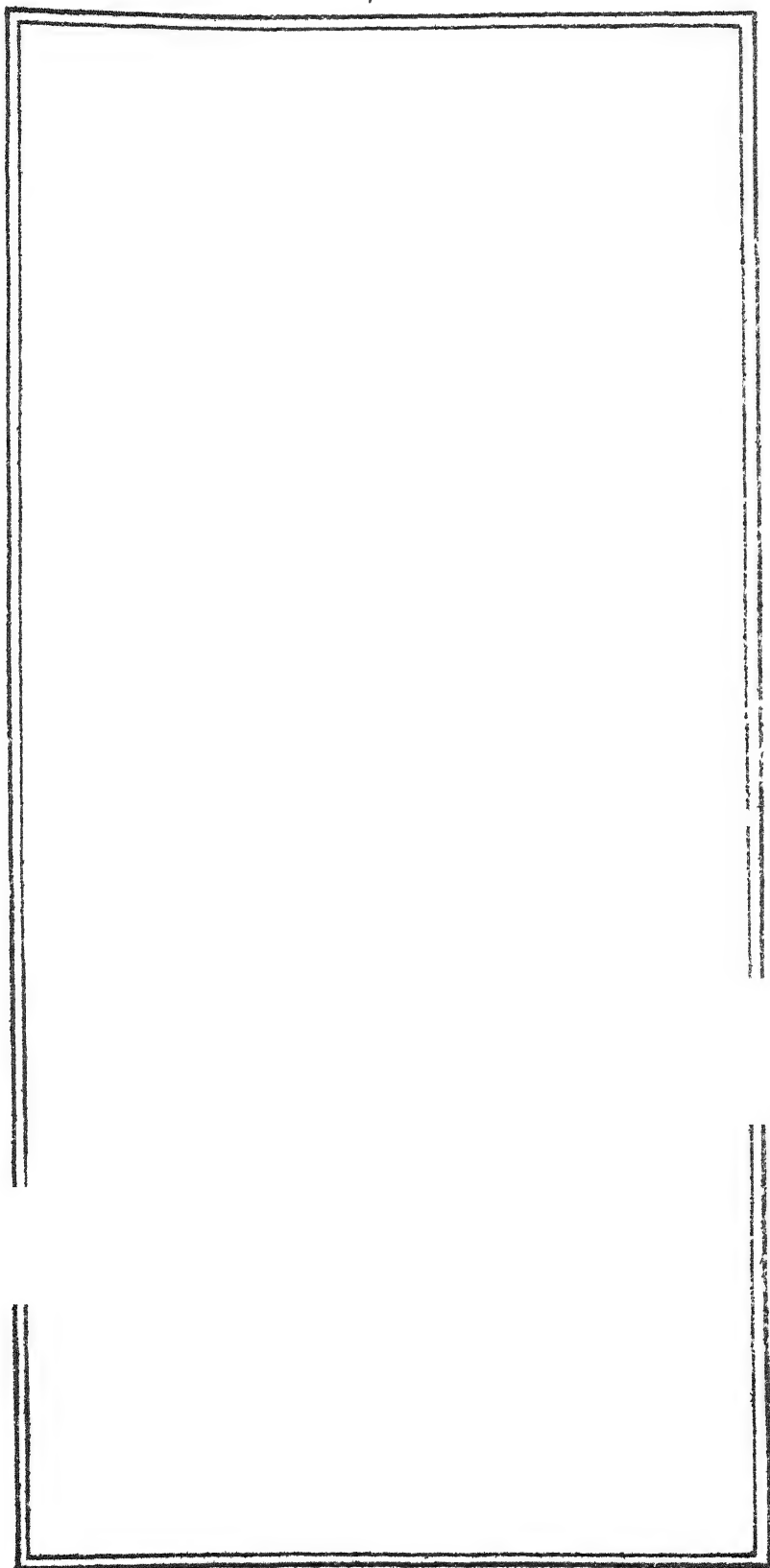
یہی صدمات و اوقات موجود ہیں کہ ایک عورت کی خاطر سخت سے سخت جنگ جہاد ہوئے ہوں۔ ملک کے ملک تباہ ہو گئے ہوں۔ راج پاٹ لٹ گئے ہوں۔ اور قوموں کی بہبودی اور عزت پر پانی پھر گیا ہو۔ ہزاروں گنگے خون پانی کی طرح بہ گئی ہوں۔ اور کروڑوں روپیہ آتش بازی کی طرح سامان جنگ میں پھینک گیا ہو۔ اور ان سب کا نتیجہ ایشیائی۔ حسرت۔ ناامیدی اور مذمت ہو۔ اور بے شک جو شخص جائزہ تمنا کو چھوڑ کر ناجائز کی طرف میل کرے وہ کبھی راحت خوشی آرام و مسرت نہیں پاسکتا۔

۷  
حرص

انسان اپنے ناکردنی افعال کے چھپانے کے لئے بہت سے عذرات گھڑ لیتا ہے اور جب وہ عصمت کی حدود سے باہر نکلتا ہے تو بھی ایسے ہی نامعقول عذرات بیان کرتا ہے لیکن فی الحقیقت سوائے حرص کے اور کوئی سبب نہیں ہوتا۔ کمزور طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اصلی اور پائیدار لذت سے زیادہ عارضی شدید لذت کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے جو غذا میں بدن کی پرورش کرتی ہیں اگر پھسکی ہوں تو انسان سے نہیں کھائی جاتیں لیکن اچار اور چٹنی کے نام سے اوس کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ اگرچہ ان میں پرورش بدن کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح بازاری عورتوں کی نمائش۔ تزئین اور شوخی اوسکو زیادہ گرویدہ کرتی ہے نسبت ایک مہذب اور سنجیدہ بیوی کے۔ اور جب ایک بار وہ حرص کے میدان میں پہنچ جاتا ہے تو اوس کی عقل گم ہو جاتی ہے اور اوس پر مرض پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ تمام خوبصورت عورتوں سے تمتع حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اپنی صحت کا اپنے روپیہ کا اپنی عزت کا اپنی خوشی کا خون کرتا ہے۔ جو حفظان بازاری عورتوں سے حاصل ہوتا ہے وہ بہت عارضی ہوتا ہے۔ کیونکہ اصل حظ محبت میں ہے اور ظاہر ہے کہ ان عورتوں کو محبت نہیں ہوتی اور وہ اپنی محبت روپیہ کے بدلے اس طرح فروخت کرتی ہیں جیسے کوئی سوداگری کی شے۔ ہزاروں مثالیں ایسی نوجوانوں کی موجود ہیں۔

مقاله دوم

تدوین و تدوین



# مقالہ دوم

## تدبیر منزل

### باب اوّل

#### امور نافعہ

#### ۱۔ گھر کی عام حالت

تدبیر منزل حکمت کا ایک حصہ ہے اس میں اون تدابیر اور اصول سے بحث ہے جو ایک گھر کے رہنے والوں کے باہمی تعلقات اور روابط میں محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ تاکہ اون لوگوں میں محبت و انس قائم رہے۔ اور وہ آرام و خوشی ملاپ اور سنجوگ سے بسر کریں اور باہمی حقوق کا خیال رکھیں۔ کتاب حجۃ الالباء میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک بحث تدابیر نافعہ کے بیان میں لکھی ہے جس میں منزل اور تمدن کے اصول پر بحث فرمائی ہے ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کرتا ہے وہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تدابیر ادنیٰ اور دوسرے تدابیر اعلیٰ۔ تدابیر ادنیٰ تو وہ ہیں جو ادنیٰ طبقہ کے لوگ مثلاً بیابان۔ پہاڑ اور چھوٹے چھوٹے دیہات میں رہنے والے اشخاص اختیار کرتے اور عمل میں لاتے ہیں۔ تدابیر اعلیٰ وہ قوانین میں جو بڑے شہروں کے رہنے والے اشخاص جن کے تجربہ اور تعلقات بہت وسیع اور جن کے اخلاق کامل اور عقلیں صحیح ہوتی ہیں وضع کرتے ہیں ان تمام تدابیر کا نام جو حوائج انسانی کے رفع کرنے کی غرض سے کی جاتی ہیں ”تدابیر نافعہ“ ہے یہ

تدبیر

تدابیر ادنیٰ و

تدابیر اعلیٰ





تفوق کا خوانان ہوتا ہے۔ اور اس سبب سے وہ بیوی بھی کرتا ہے تو حسین۔  
 پکاتا ہے تو مصالحہ دار۔ مکان بناتا ہے تو عالیشان۔ لباس پہنتا ہے تو ذخیرہ۔  
 چلتا ہے تو سواری میں اور وہ بھی جلوس کے ساتھ۔ غرض اصلی ضروریات سے  
 زیادہ آرائش و نمائش کا سامان مہیا کرتا ہے۔

چونکہ انسان کی عقلوں کے درجے مختلف ہیں اس سبب سے بعض لوگ  
 سے ایسے عقلمند اور دقیقہ شناس ہوتے ہیں۔ کہ وہ خود عمدہ اور مفید تدابیر کا استعمال  
 کرتے ہیں۔ اور بعض خود کوئی تدبیر نہیں نکال سکتے لیکن جب وہ حکما کی باتوں  
 کو سنتے اور حکیمانہ کاموں کو دیکھتے ہیں تو ان کو آسانی سے سمجھ لیتے ہیں اور ان  
 کا رہنمائی ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خود ان لوگوں کو بھی باطنی طور پر  
 معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے رفع کی ترکیب نہیں سوچ سکتی۔ اس سبب سے  
 اس کی اُلجھن اور تلاش رہتی ہے۔ اور جب ترکیب معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر ان کے  
 عقل اسے تسلیم کر لیتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص کچا اناج کھاتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ  
 کوئی تدبیر اس کی اصلاح کی ہے کہ یہ خوب ہضم ہونے لگے۔ اب وہ کسی ایسے  
 شخص سے ملے جو کچا کھانا اور مصالحہ ڈالکر مزیدار بنانا جانتا ہو تو یہ شخص فوراً  
 اس حکیم کی تدبیر اختیار کر لے گا کیونکہ یہ تدبیر اس کے علم اجمالی کے موافق ہو گی۔  
 یہ ”تدابیر نافعہ“ جو انسان حوائج کے رفع کے لئے عمل میں لاتا ہے۔

ہیں اور روز بروز نئی ایجاد ہوتی جاتی ہیں مثلاً

- ۱۔ لغت کا ایجاد کرنا کہ انسان اپنا ما فی الضمیر بیان کر سکے اور دوسروں کو
- مطلب سمجھ سکے۔ یا حروف کا اختراع جس کے وسیلہ سے دور بیٹھے لوگ دوسروں کے
- مطالب سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے ہی ڈاک۔ ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف وغیرہ ہیں۔
- ۲۔ گرمی اور سردی سے بچنے اور ذخیرہ جمع کرنے کے لئے مکانات بنانا۔
- ۳۔ اکتساب معاش کے لئے زراعت کرنا۔ درخت بونا۔ کنوئیں کھودنا۔
- ان کاموں میں بہائم سے کام لینا۔ یا آلات اور کلین ایجاد کرنا۔

تدائیر انسان کے دل میں وقتاً فوقتاً بطور الہام کے خداوند تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر روز ایسی نئی نئی ایسا دہوتی ہوتی ہیں جو پہلے موجود نہ تھیں۔ رفتہ رفتہ یہ ایسا بہت عام ہو جاتی ہیں اور ہر شخص ان کو استعمال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ضروریات زندگی میں داخل ہو جاتی ہیں۔ تدائیر نافعہ مبدع فیاض سے صرف انسان ہی کو الہام نہیں کی جاتی بلکہ حیوانات کو بھی الہام کی جاتی ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی کو پھولوں سے رس چوس کر شہد بنانا۔ پرندوں اور دوسرے جانوروں کو اپنا گھر بنانا۔ بچوں کی پرورش کرنا۔ شکاریوں سے بچانا۔ سب قدرت نے بطور الہام سکھایا ہے۔ جس طرح حیوانات کی تمام نوع کی ضروریات یکساں ہیں اسی طرح انسان کی ضروریات نوعی یکساں ہیں اور قدرت نے تمام نوع انسان کے دل میں حوارج کے سرفع کرنے کی تدبیریں الہام فرمائی ہیں۔ لیکن نوع انسان میں ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اوس کے افراد عقل و تدبیر میں باہم مساوی نہیں۔ کوئی زیادہ عقلمند ہے کوئی کم۔ اون کے میلان بھی مختلف ہیں ایک کی عقل ایک کام میں زیادہ لڑتی ہے اور دوسرے کی فکر دوسرے کام میں خوب کام کرتی ہے۔ انسان قدرتی اشیاء میں تصرف و تغیر بھی کرتا ہے یعنی اون کی صورتوں کو بدل کر اپنی حاجت و ضرورت کے مطابق بنا لیتا ہے۔ ان ہی وجوہ سے انسان کی تدائیر میں یہ امور اور اضافہ ہو گئے ہیں۔

- ۱۔ حیوانات کی آمادگی کسی طبعی خواہش یا خارجی احساس کے سبب سے ہوتی ہے مثلاً بھوک پیاس وغیرہ کے باعث لیکن انسان عقلی منفعت کے وجہ سے آمادہ ہوتا ہے مثلاً وہ چاہتا ہے کہ معاشرت اور تمدن کا عمدہ انتظام کرے۔ اپنی تہذیب نفس کرے۔ اپنی عزت و وقعت یا محبت لوگوں کے دونوں میں قائم کرے۔
- ۲۔ حیوانات صرف اسی قدر کوشش کرتے ہیں کہ حاجت رفع ہو جائے مثلاً پیٹ بھر جائے۔ پیاس بجھ جائے۔ لیکن انسان کار بر آری کے علاوہ لذت و خوشنمائی

حیوان اور انسان  
کی آمادگی میں  
فرق

رفع حاجت کے  
علاوہ انسان  
لذت و خوشنمائی  
اور تفریق بھی چاہتا ہے

تو خوردون میں اطاعت۔ بھائی بہنوں میں موالست۔ رشتہ داروں میں مہربانی  
تواضع اور ایثار۔ میان بیوی میں اُلفت۔ پاس عصمت۔ در سب میں باہمی  
صدقت حسن سلوک و ہمدردی۔ تاکہ ہر شخص کو دنیا کی تکالیف اور بوجھوں سے  
ایک تسکین دہ اور دل بہلانے والی جگہ مل سکے جہاں اسے یقین ہو کہ میرے  
سچے غم غلط کرنے والے اور بچ و راحت میں شریک ہونے والے موجود ہیں۔  
جس گھر میں محبت نہیں خواہ وہ محل ہو یا قلعہ لیکن جسم بے روح ہے اور گھر کے  
نام کا مستحق نہیں۔ کیونکہ گھر قلعہ کی طرح بیرونی دشمنوں اور حملہ آوروں کی عدوی  
سے پناہ نہیں دیتا۔ بلکہ وہ دنیا کے افکار اور دنیا کی تشویش سے ایک با امن  
اور تسکین دہ مقام ہے۔ تسکین دہ صاحب فرماتے ہیں کہ اچھا گھر جنت کے مانند  
ہے یعنی جہاں میان بیوی بھائی اور بہن بچے اور ماں باپ طرح طرح سے ایک  
دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور پھر بد بھی ایسی کہ اگر کوئی کر نہیں سکتا۔ کیونکہ  
اور کسی کو نہ تو ایسی خدمت کے موقع مل سکتے ہیں نہ کسی کو عادات ہی سے  
ایسی واقفیت ہوتی ہے اور نہ کوئی اہل منزل کی طرح خون اور گوشت و پوست  
میں خلقی طور پر شریک ہوتا ہے نہ باہمی عزت و اکبر و بہبودی۔ شہرت۔ اقبال مندی  
ناموری۔ بھلائی کا دلی خواستگار ہوتا ہے۔ صرف اہل منزل ہی ہیں کہ ایک  
کی خوشی ناموری۔ بہبودی۔ شہرت اقبال مندی کو سب اپنا فخر اور اپنی بھلائی  
خیال کرتے ہیں۔ ایک کی مصیبت سے سب کا دل دکھتا ہے بلکہ خود مصیبت  
میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ایک کے خراب اعمال اور نالائقیان سب کو ذلیل و  
خوار کرتی ہیں۔ اور ان کی پاکی طبیعت شرافت اور قوت خود سب کا پایہ بلند  
کرتی ہے۔ اور پھر باہمی اداائے فرائض فردوس تو کیا چیز ہے خدا تک پہنچاتے  
ہیں۔ اچھے گھر میں اچھے اور بُرے گھر میں بُرے اخلاق انسان کی طبیعت میں  
نامعلوم طور پر جاگزیں ہوتی ہیں۔ مدرسہ کی تعلیم کا نمبر گھر کی تعلیم کے بعد ہے اور  
اس کے بعد دنیا کا نمبر ہے۔ جہاں عملاً کام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ عورت ہو یا مرد

۳۔ بہائم کے پوست۔ درختوں کی چھال۔ روئی۔ ریشم۔ وغیرہ اشیاء سے لباس بنانا اور اس کے لئے کلین اور آلات ایجاد کرنا۔

۴۔ عورت کو بذریعہ نکاح اپنا معین بنانا جس میں دوسرے فراحت تکسین تاکہ وہ خانگی ضرورتوں میں کام دے۔ اور اولاد کی پرورش اور تربیت میں مدد کرے۔ سواری اور شکار کے لئے جانوروں کا مطیع کرنا اور سدھانا۔

۵۔ باہم مصنوعات کا تبادلہ کرنا۔ یا روپیہ کے ذریعہ سے خرید و فروخت کرنا۔

۸۔ جس شخص کی رائے درست۔ عزت و قوت زیادہ ہو اس کو حاکم یا بادشاہ

بنانا۔ ایسے قوانین جاری کرنا جس سے باہمی تنازعات کا فیصلہ ہو سکے ظالمین کو ظلم سے روکا جائے۔ حفاظت ملک کے لئے آلات حرب بنانا۔ فوج قائم کرنا وغیرہ

ان تدابیر نافعہ میں بعض تدبیر منزل سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض تمدن سے

تدبیر منزل گھر کے ان تعلقات کی درستی کا نام ہے جن پر انسان کی راحت منحصر ہے

اگر کسی شخص کا چال و چلن یا اس کے عام اخلاق معلوم کرنے ہوں تو اس کا برتاؤ

قریبی رشتہ داروں کے ساتھ دیکھو کہ وہ اپنے روزمرہ کے فرائض اون کے ساتھ

کس طرح ادا کرتا ہے۔ وسیع دنیا کے تعلقات کی نگہداشت اور بڑی سوسائٹی میں

داخل ہونے کی قابلیت تمام انبائے جنس سے مناسب طور پر سلوک کرنے کا ملکہ

خانگی حقوق اور خانگی فرائض کی بجا آوری سے حاصل ہوتا ہے۔ گھر سب سے

پہلا مدرسہ ہے جہاں تہذیب اخلاق کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ اور تمام شریف جذبات

بدن کے ساتھ نشوونما پاتے ہیں۔ تمام خوبیاں اور قابل قدر عادتیں جو مودی بکمال

ہیں اور جن کا اثر بیرونی دنیا پر پڑتا ہے۔ گھر میں پیدا ہوتی ہیں اور اگر یہاں پہلی

فرائض ادا کئے جائیں تو طبیعت میں محبت بنی نوع اور ادائے فرائض اور اعتدال

اور غور و پرداخت اور ایثار کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ کنفیوسیس کہا کرتا تھا کہ

اگر خانگی فرائض اچھی طرح ادا کئے جائیں تو کہیں جا کر قربانی چڑھانے کی ضرورت

نہیں۔ مبارک ہے وہ گھر جس کے مکینوں میں باہمی سلوک ہو۔ بزرگوں میں شفقت ہو

گھر کا اثر

باعث ہوتی ہیں۔ ایک باہمی محبت ہے جسپر کل نظام کا دار و مدار ہے۔ دوسرے ایک دوسرے پر اعتماد کرنا ہے۔ اگر گھروالے ایک دوسرے پر اعتماد نہ کریں گے۔ باہم صداقت نہ برتیں گے تو ہمیشہ ان کو دقتوں کا سامنا رہیگا۔ ذرا ذرا سے امور میں شبہات پیدا ہوں گے جن کا نتیجہ سوائے بے لطفی، بے اطمینانی کے کچھ نہیں ہوتا تیسرے تحمل ہے اگر یہ نہ ہوگا تو بات بات میں جھگڑے قضیہ پیدا ہوں گے اور شکر بخیاں پھیلین گی۔ گھر کی خوبی تو یہ ہے کہ گھر کے باہر جو تکالیف اور خدایطبع امور برداشت کرنے پڑتے ہیں ان سے یہاں امن و راحت ملے کہ گھر کے قضیہ ٹٹے ہر وقت ناک میں دم رکھیں۔ گھر کے کل لوگوں میں باہم محبت اور دوست ہونے سے سب ایک دوسرے کے معین و شریک حل رہتے ہیں۔ اور ہر ایک کے وہ تعلقات جو دوسرے گھروالوں کے ساتھ ہیں قسماً ہم رہتے۔ اور وہ سب محبت کی مستحکم زنجیروں سے جوڑے رہتے ہیں۔

## ۲۔ محبت

وہ کشش اور وہ جذبہ جو افراد انسان کو ایک دوسرے کی طرف راغب کرتا ہے ”محبت“ کہلاتا ہے۔ کوئی شخص خواہ تہذیب کے کسی درجہ پر کیوں نہ ہو محبت کے اثر سے خالی نہیں ایک جنگلی اور وحشی انسان کے دل میں بھی اپنی بی بی اپنی اولاد اور اپنے مکان کی خواہ وہ ایک غار ہی کیوں نہ ہو ایسی محبت ہے جیسے ایک ایک تہذیب۔ شائستہ اور لائق شخص کے دل میں۔ محبت ایک فطرتی قوت ہے جو مختلف اشخاص کو باہم انس کے رشتہ میں باندھ دیتی ہے۔ اس قوت کا اثر ہر زمانہ میں یکساں رہا ہے اور جب تک دنیا قائم ہے اس ہی طرح قائم رہے گا۔ کیونکہ محبت کو انتظام عالم اور حسن معاشرت و تمدن میں قانون اور عدالت سے زیادہ دخل ہے۔ قانون کی بندش عارضی اور مجبوری کی ہوتی ہے۔ اور انسان اس بندش سے گھبراتا اور اس کے توڑنے کے لئے موقع ڈھونڈتا ہے۔ لیکن محبت کی بندش حقیقی پائیدار اور خوش گوار ہوتی ہے۔ اور کوئی شخص محبت کو توڑنا

آگے چلکر وہ جیسے ہونگے یا ہوتے ہیں اوس کا انحصار بیشتر اسی ابتدائی تربیت پر ہوتا ہے۔ جو انہوں نے گھر یا مدرسہ میں حاصل کی ہے اگر ان کو گھر میں یا مدرسہ میں تربیت و تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا اور اسی طرح بے تربیت اور ناشائستہ وہ اہل دنیا میں داخل ہو گئے ہیں تو خود ان پر اور اس سوسائٹی پر جس کے وہ ممبر ہیں افسوس ہے۔ سب سے بہتر گھر وہ ہے جہاں کا انتظام۔ جہاں کی تعلیم۔ جہاں کی تربیت۔ جہاں کی تادیب سب اچھے اصول پر مبنی ہو۔ اخلاقی تربیت قانون قدرت کی طرح اثر کرتی ہے اور جو لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں ان کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔

رئیس منزل

دنیا میں ہر ایک نظام کے لئے ایک رئیس ضرور ہوتا ہے جو تمام مصالح و نظم کا ذمہ دار ہو اسی طرح ہر گھر میں ایک شخص رئیس منزل ہے جو گھر کے مصالح و انتظام کا مریض و ذمہ دار ہوتا ہے اوس کو تمام گھر والوں کی خصلت اور طبیعت سے اچھی طرح واقف ہونا لازم ہے تاکہ اگر انتظام میں کوئی خلل پڑے تو اسے دور کر سکے۔ صاحب خانہ کی ذمہ داریاں بہت وسیع اور اہم ہیں لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ اپنی خانگی ذمہ داریوں سے واقف نہیں یا ان کو ضروری نہیں سمجھتے صاحب خانہ کو لازم ہے کہ وہ اپنے گھر کے چھوٹے بڑے سب کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو اور اپنے مزاج سے ان کو آگاہ کرے اہل منزل کے نظام حال اور معاش کے امور کا خیال رکھے اور ان کو سمجھائے بچھائے۔ ڈرانے دھمکانے صلاح و مشورہ تادیب و توبیخ نرمی و درشتی سے سیدھے رستہ پر لگائے رکھے تاکہ امور معاشرت کی پیچیدگیاں رفع ہوں اور حصول معاش اور وصول کمال ہر کے اسباب ہر وقت ہتیا اور میسر رہیں۔

گھر ایک چھوٹی ٹیسی دنیا ہے اور اس میں بڑے بڑے فرائض کی انجام دہی ہوتی ہے۔ مبارک ہے وہ گھر جس میں محبت صداقت مہربانی اور پرہیزگاری کے اصول پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ کئی خصلتیں ہیں جو اہل منزل کی بہبودی اور ترقی کا

انتظام خانگی  
محبت و اعتماد  
کی ضرورت ہے

سارے مزے اور ساری خوشیاں بغیر محبت کے پہنچ نہیں بلکہ یہ بھی اس وقت زیادہ  
 پر لطف ہو جاتی ہیں جب اون لوگوں کے ساتھ ہوں جن سے انسان کو محبت ہوتی ہے  
 محبت انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور سب سے پہلے جو جذبہ اس سے ظاہر ہوتا ہے  
 وہ محبت ہے۔ شیر خوار بچہ جس میں خود غرضی یا اپنی ذاتی محبت کا نام بھی نہیں ہوتا۔  
 مان یا اپنے پالنے والے کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اور اس سے ملکر اس کو جو  
 راحت نصیب ہوتی ہے وہ دنیا کی کسی نعمت سے نہیں ملتی بلکہ وہ کسی اور نعمت کو  
 جانتا ہی نہیں۔ اس محبت کو ”محبت طبعی“ کہتے ہیں محبت کا یہ جذبہ جو اس وقت  
 پیدا ہوتا ہے کبھی نہیں جاتا۔ طفولیت میں مان باپ سے زیادہ محبت ہوتی ہے  
 جو ان میں بیوی سے۔ بڑھاپے میں اولاد سے اور عمر کے ہر ایک حصہ میں بھائی بہن  
 دوست آشنا اور رشتہ داروں سے۔ ملک و قوم کی محبت سمجھ بچتہ ہونے کے بعد  
 پیدا ہوتی ہے اور بلند نظر۔ صاف باطن۔ نیک سرشت لوگوں پر اس کا زیادہ اثر ہوتا  
 ہے۔ مان باپ کو اولاد سے جو محبت ہوتی ہے یہ بھی طبعی ہوتی ہے اور اس سے  
 زیادہ ہوتی ہے جتنی کہ اولاد کو مان باپ سے ہو۔ باپ اپنے فرزند کو اپنا ایک حصہ  
 یا اپنی نقل تصور کرتا ہے اور اس ہی سبب سے یہ چاہتا ہے کہ اس میں وہ کمال  
 پیدا ہو جو مجھ میں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور اگر کسی باپ سے یہ بیان کیا جائے  
 کہ آپ کا بیٹا آپ سے زیادہ لائق ہے تو اس کو گران نہیں گزرتا بلکہ خوش ہوتا  
 ہے۔ بھائیوں میں جو محبت ہوتی ہے وہ مان باپ یا اولاد کی محبت سے کم ہوتی  
 ہے کیونکہ بھائی مرتبہ اور سبب وجود میں شرکت رکھتے ہیں اور یہ شرکت کسی قدر باعث  
 منانعت ہو جاتی ہے۔ ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ بھائی اچھا یا دوست  
 جواب دیا کہ بھائی اگر دوست نہ ہو تو کس کام کا ہے! پھر بھی بھائیوں میں قدرتا  
 اتنی محبت ہوتی ہے کہ دوستوں کی محبت کی یہ مثال دیجاتی ہے کہ گویا وہ  
 بھائی بھائی ہیں۔ اس کے علاوہ استاد شاگرد۔ ہمسایہ۔ آقا نوکر۔ پادشاہ و  
 رعیت۔ حاکم و محکوم۔ غرض افراد انسانی کے بہت سے فرقوں میں بھی محبت ہوتی

محبت طبعی

محبت کے  
مدارج



اور کھونا پسند نہیں کرتا۔ نظام شمسی کا انحصار کشش پر ہے اور تمام سیاروں کی سلامتی کا برا کشش ثقل کی بظاہر ہے اس ہی طرح تمام انسانوں کی سلامتی من اور ربانہ کا انتظام محبت پر منحصر ہے اگر ایک دن محبت دنیا سے مفقود ہو جائے تو بد نظمی برپا دی۔ خونریزی۔ ویرانی پھیل جائے۔ مان باپ اولاد کو مار ڈالیں اور پرورش کئے بارے سے شک و شبہ ہو جائیں اولاد دانہ بین کی خدمت گزار سی چھوڑ دے اور آزاد ہو جائے۔ نماندہ بیویوں کو اور بیویان خاوندوں کو چھوڑ دیں اور علیحدہ ہو جائیں۔ آقا پرانی نوکروں کا حق خدمت بھول جائیں اور روزینہ بند کر دیں۔ نوکر پرانی آقاؤں کا حق نمک بھلا دیں اور اگر ذرا تنخواہ میں دیہ لگے تو ان کو تکلیف اور مصیبت میں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ لوگوں کو وطن سے اٹس اور قوم سے محبت نہ رہے وہ اس کی سرسبزی اور بہبودی کی ذرا بھی پرواہ نہ کریں۔ نہ کوئی قوم اور ملک کی حمایت کرے۔ نہ مذہب اور ملت کی پاس داری۔ غرض رابطہ محبت اٹھتے ہی دنیا میں ہل چل مچ جائے اور نظام امور میں ایسا فرق آجائے جیسے کشش ثقل یا کشش اتصال کے گم ہو جانے سے اجرام سماوی اور اجرام سفلی کا انتظام اور ترکیب خراب ہونی متصور ہے۔

انسان کے علاوہ حیوانات میں بھی فطرت نے یہ مادہ عطا فرمایا ہے ایک چھوٹے سے چھوٹا پرندہ اور بڑے سے بڑا درندہ جانور اپنے جوڑے اور اپنے بچے سے محبت کرتا ہے۔ کبوتر کو اپنے آشیانہ سے اتنی محبت ہوتی ہے۔ کہ وہ کوسنوں کی مسافت طے کر کے اپنے گھر میں آتا اور خوش ہوتا ہے۔ پرند جانور دانہ پانی کی تلاش میں دن کو کوسوں نکل جاتے ہیں لیکن شام کو اپنے ہی آشیانہ میں اگر بسیرا لیتے ہیں۔ گھوڑا گتتا۔ بلی اور سارے پلاؤ جانور اپنے پالنے والے سے محبت کرتے ہیں۔ اُسے دیکھ کر خوش ہوتے اور اس کے پاؤں پر لوٹتے ہیں یہ ساری حرکتیں محبت کراتی ہے جس کا اثر دلون پر اتنا قبضہ کر لیتا ہے کہ حکومت نہیں کر سکتی۔ بیشک محبت بے تلوار کے گوشت کرتی ہے۔ محبت روح کا نور اور زندگی کی روشنی ہے دُشیا کے

حیوانات میں  
محبت

محبت کا اثر



اہل منزل کے ساتھ ہوتی ہے۔ سچی محبت حسین پرہیزگاری شامل ہو (اور انسان کو اہل منزل کے ساتھ ایسی ہی محبت ہوتی ہے) انسان کی اخلاقی حالت کی عمرگی اور طبیعت کی صفائی کی دلیل ہے کیونکہ وہ انسان کو خود غرضی۔ ریاکاری۔ اور ایسے ہی بہت سے اخلاق ذمیمہ سے بچاتی اور ایثار اور بلند نظری سکھاتی ہے۔ اور وہ محبت جس کا اقتضا بزرگوں کا ادب اور ان کی قدر و منزلت کرتا ہو۔ انسان کے اخلاق کو زیادہ پاک اور اس کے رتبہ کو زیادہ بلند کرتی ہے اور اس کو نفس سستی کی غلاطت سے نکل کر پاک اور منزہ کر دیتی ہے ایسی محبت خوش اخلاقی۔ ہمدردی۔ اعتبار۔ اعتماد۔ یگانگت۔ پیدا کرتی ہے۔ یہ محبت جو ابتدائیں اہل منزل کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ بعد میں بڑھتے بڑھتے دوست اقرباء اور پھر اس کے بعد ملک و قوم کی بھی خواہی تک پہنچ جاتی ہے۔ گویا وہ ایک شمع ہے کہ گھر میں روشن ہوتی اور سارے جہان کو متور کرتی ہے۔ اور وہ بے ریا محبت جو ملک و قوم کے لیے ہونہن میں آسائش اور قومی ترقی کا باعث ہوتی ہے۔ اس طرح محبت۔ عقل کی تیزی اور خیالات کی وسعت کا بھی باعث ہے اور محبت کا چراغ نہ صرف دل کو ہی روشن کرتا ہے بلکہ دماغ کو بھی۔

عاشقی رنج است و مردان را بسینہ راحت است  
سلسلہ بند است و شیران را بہ گردن زیور است

## باب دوم

(اقربا)

۱۔ محبت والدین

بچوں کا فرض ہے کہ اپنے والدین سے محبت رکھیں اور ان کا ادب کریں اور یہ جانیں کہ جو کچھ وہ ہمارے واسطے یا ہمارے ساتھ کرتے ہیں اگرچہ تنبیہ و تادیب ہی

بزرگوں کا  
ادب اور  
اطاعت

محبت ارادی

اسباب محبت

ہے۔ یہ ”محبت ارادی“ کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ محبت کسی طبعی جوش یا غیر اختیاری حالت کے سبب پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی غرض یا غایت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اغراض جو افراد انسانی کو محبت کے رشتہ میں جکڑتی ہیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ لذت۔ نفع۔ خیر۔ یہ اغراض جس قدر زیادہ قوی ہوں گے اس ہی قدر زیادہ محبت ہوگی۔ اور ان اقسام کے اختلاف کے لحاظ سے محبت کا قیام بھی مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً لذت سہل الحصول اور سریع الزوال شے ہے اس سبب سے جس محبت کی غرض لذت ہو وہ جلدی پیدا ہوتی اور جلدی ہی جاتی رہتی ہے اور نفع چونکہ دیر میں حاصل ہوتا ہے اور جلدی جاتا رہتا ہے اس سبب سے جو محبت نفع پر مبنی ہو دیر میں پیدا ہوتی اور جلدی متغیر ہو جاتی ہے۔ لیکن خیر کا یہ حال نہیں اہل خیر میں ایک روحانی ہواںست ہوتی ہے اور اس سبب سے وہ جلدی دوست ہو جاتے ہیں اور چونکہ ان میں محبت بلا کسی خاص غرض کے ہوتی ہے اس میں کبھی زوال اور تغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں ہواںست طلب لذت یا نفع کے سبب سے شروع ہوتی ہے اور پھر تہہ بمرتبہ خیر کی طرف رجوع کرتی ہے اور ایسی مستحکم ہو جاتی ہے کہ عمر بھر نہیں جاتی۔

محبت خوشی  
بخشتی ہے

محبت خوشی کا سرچشمہ ہے کیونکہ محبت اخلاق کے صرف روشن پہلو کو دیکھتی ہے اور ہمیشہ اس کا رخ خوشی کی طرف رہتا ہے۔ محبت خوشی کے خیالات کو ترقی بخشتی ہے گویا جن دلوں میں محبت ہے وہ ہمیشہ مسرت بخش آب و ہوا میں رہتے ہیں یہاں تک کہ محبت کی تکلیف بھی خوش گوار ہوتی ہے اور اس کے آنسو بھی شیریں ہوتے ہیں۔ خوشی کا یہ حصہ جو ہر انسان کو بلحاظ انسان ہونے کے معمولاً حاصل ہوتا ہے زیادہ تر ان لوگوں کی تعداد پر منحصر ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں یا جن سے وہ محبت کرتا ہے اگر دوسرے لوگوں کے ساتھ محبت کا میل جول نہ ہو تو دنیا کی بڑی بڑی کامیابیاں بھی اگرچہ دیانت داری سے حاصل کی گئی ہوں مسرت و انبساط میں زیادتی نہیں کرتیں اور اس قسم کی محبت انسان کو زیادہ تر

وہ بیدریغ اولاد کی تعلیم میں خرچ کر دیتا ہے اور اگر اولاد کوئی کمال حاصل کرے تو اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ کہ میری محنت نیک لگی۔ اور باپ کی تمام خوشی اس میں ہے کہ وہ اپنے بچہ کو سعادت مند دیکھے۔ پس جب ہم غیروں کے ذرا ذرا سے احسان کا گن مانتے ہیں تو مان باپ کے اتنے احسان کا شکریہ ہم سے کس طرح ادا ہو سکتا ہے اولاد کی ناسپاسی اور ناسعادتمندی سے مان باپ کو غصہ نہیں آتا بلکہ رنج ہوتا ہے اور ان کا اظہار ناراضی و غصہ کرنا صرف اولاد کی ہی خواہی کے واسطے ہے نہ کہ اظہار حکومت کے لئے بھلا جن لوگوں کو اتنی محبت ہو کہ اولاد کی ذرا سی بیماری سے بچیں ہو جائیں ان کی ذرا سی تکلیف انہیں ناگوار گزرے کہیں دشمنی کر سکتے ہیں۔ اور شخص کہ اپنے مان باپ کے ساتھ اچھے سلوک نہیں کرتا وہ کسی کے ساتھ بھلائی نہ کریگا اور جو ایسے گھر ہیں جہاں سب اوس پر جان چھڑکنے والے ہوں اتفاق و آرام سے نہیں رہ سکتا وہ دنیا میں کہیں آرام سے نہ رہ سکیگا۔ اور کسی شخص کو اس آرام اور محبت کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ والدین کے بڑھاپے اور احتیاج کے زمانہ میں اون کی خدمت کرنی احسان نہیں ہے بلکہ فرض ہے کیونکہ انہوں نے ان دنوں میں خدمت کی ہے جبکہ اولاد نہایت ہی کمزور حالت میں تھی اور اوس کو جو توانائی اور قوت حاصل ہوئی انہی کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔ اولاد مان باپ کی خاطر خواہ کیسی ہی تکلیف اٹھائے مگر اس تکلیف کے برابر نہیں ہو سکتی جو والدین کو تربیت اور پرورش اولاد میں اٹھانی پڑتی ہے پس اولاد کی خدمات نہ احسان ہیں نہ قابل شکریہ بلکہ اداائے فرض ہیں۔ مان باپ کے قریب ہی قریب استادوں کا درجہ ہے اس سے دوسرے درجہ پر دیگر سرپرستوں بزرگوں اور رشتہ داروں کا حق ہے اور یہ سب ادب اطاعت اور محبت کے مستحق ہیں۔ جو لوگ اپنے رشتہ دار بزرگوں کا بلکہ بزرگ ہم عصروں کا ادب اور لحاظ کرتے ہیں اور انکے پاک یا عالی خیالات یا بزرگ کاموں کی قدر کرتے ہیں وہ ضرور شریف اور نیک ل ہیں

مان باپ کی خدمت فرض ہے۔

ہو ہماری ہی بھلائی اور ہماری ہی بہبودی کے لئے ہے اور دلسوزی اور محبت ہی  
اُن کو اوس فعل پر مجبور کر رہی ہے۔ لہذا اون کے حکم سے انحراف کرنا اپنے پانوں  
میں آپ کھڑی مارنا ہے ”بزرگوں کی زبرد تو بیج عقل کو تیز کرتی ہے اور اگر بچے  
اپنی مرضی پر چھوڑ دئے جائیں تو ان میں کم عقلی کی وجہ سے بُری عادتیں راسخ  
ہو جائیں گی اور وہ ننگ خاندان ہون گے۔ ناسپاس اولاد جو والدین یا بزرگوں  
کی اطاعت نہیں کرتی (اور بزرگ بھی ایسے جنہوں نے بیکسی اور بے بسی کے  
زمانہ میں آپ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر پالا اور بفرط مہربانی و شفقت ہمیشہ اپنے  
سے زیادہ اولاد کو آرام دیا) وہ نافرمانی والدین کی شامت سے تمام دنیا کی نظر میں  
حقیر و ذلیل رہے گی کیونکہ والدین کی محبت نہ صرف بدلائل عقلی واجب ہے بلکہ  
نیچرل ہے اور ان سے محبت نہ کرنا قانون قدرت کے خلاف کرنا ہے۔ مان باپ سے  
محبت اور ان کی اطاعت ہی نہیں بلکہ اُن کا ادب کرنا بھی شرط انسانیت ہے۔  
اگر کسی شخص نے ہم پر کوئی احسان کیا ہو تو اس کے ساتھ اس کی ضرورت کے قوت  
احسان نہ کرنا ناشکر گزاری اور ناسپاسی ہے۔ جس قدر زیادہ کسی کے احسان ہوں  
اوس کی ناشکری اتنی ہی زیادہ نا انصافی ہے والدین اولاد پر جس قدر احسان کرتے  
ہیں اس سے زیادہ کون کرے گا۔ مان باپ کے طفیل وہ پیدا ہوئے ان کی ہی شفقت  
و محنت سے پرورش پائی انہی کی بدولت تعلیم و تربیت پائی اور عقل و تمیز نصیب  
ہوئی۔ بچہ شکم مادر میں اس کے خون سے پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہو کر اس کا دودھ  
پیتا ہے۔ مان ہزاروں طرح کی تکلیفیں بچے کی نگہداشت میں اٹھاتی ہے۔ اور ایسے  
زمانہ میں اس کی خبر گیری کرتی ہے جب کہ وہ اپنے منہ سے دودھ بھی نہیں مانگ سکتا  
تھا۔ اس کو بچہ کے آرام و آسائش کا اتنا خیال ہوتا ہے کہ رات دن وہ اس ہی کے  
کام میں غلطان و سپان رہتی ہے اور اپنی تکان کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتی۔  
جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں والدین اپنی عمر بھر کی کمائی ان کی تعلیم و تربیت میں  
خرچ کر دیتے ہیں۔ باپ نے جو سرمایہ مدتوں میں ہڈیاں پیل پیل کر جمع کیا تھا

مان باپ  
کے احسانات

یہ شکایت ہوتی ہے کہ بھائی اپنے مال اور جائیداد میں اُن کو حصہ نہیں دیتا۔ دینا  
 میں کون ہے جو اپنے مال میں سے دوسرے کو حصہ دیتا ہو تو یہ شکایت باقی  
 تمام زمانہ سے بھی ہونی چاہئے کہ اپنے مال میں ہمیں کیوں نہیں تصرف کرنے دیتے  
 دوسری طرف اس بھائی کا یہ حال ہے کہ نوکر سے ذرا سا کام نکلے تو انعام و اکرام  
 سے نہال کر دین۔ غیروں میں سے کوئی سیدھے مسہ بات کرے تو شکریہ میں نہ لکھتے  
 بھیجیں لیکن اگر بھائی اپنی جان بھی بٹا کر دے تو ذرا قدر نہیں۔ گویا بھائی اس  
 قابل نہیں کہ اس کو غیروں کی طرح بھی دوست بنایا جائے۔ اگر دیکھا جائے تو  
 ایک مان سے پیدا ہونا۔ ایک گھر میں رہنا۔ ساتھ پرورش اور تربیت پانا ایسی  
 باتیں ہیں کہ بہت کچھ محبت و موافقت پیدا کرنے والی ہیں۔ لیکن غلط فہمی اس  
 تاثیر کو مٹا دیتی ہے اور اول میں باہم غیروں سے بھی بدتر جھگڑے اور قہصیہ ہونے  
 لگتے ہیں۔ بھائیوں کو تو اس طرح مل جل کر رہنا چاہئے کہ ایک دوسرے کی معاونت  
 کریں اور ترقی میں مدد ہوں نہ کہ دوسرے بھائی کسی ترقی کو روکیں یا اُسکے کاموں  
 میں رخنہ ڈالیں۔ خداوند تعالیٰ نے دو ہاتھ دو پانوں دے دیے ہیں تاکہ ایک ہاتھ  
 دوسرے کو کام میں مدد دے۔ ایک پانوں دوسرے کو چلنے میں سہارا دے۔  
 ان سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہاتھ کوئی کام کرنا چاہے تو دوسرا ہڑامت  
 کرے اور ایک پانوں دوسرے پانوں کو چلنے میں اڑھٹکا لگائے۔ یہی حال بھائیوں  
 کا ہے کہ ہر حال میں ایک دوسرے کے ہاتھ پانوں کی طرح معاون و مددگار ہوں  
 یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جو چیز فائدے اور آرام کے لئے  
 بنائی ہے وہ مضرت اور نقصان پہنچانے والی بن جائے۔ ہاتھ پانوں آنکھیں  
 کان اگرچہ دو دو ہیں لیکن ان کے کام پھر محدود ہیں ہاتھ ایک ہی وقت میں دو  
 چیزوں تک جو دور دور رکھی ہوں نہیں پہنچ سکتا۔ پانوں ایک وقت میں  
 ایک قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں طے کر سکتے۔ آنکھیں پیٹھ کے پیچھے کی چیزوں کو  
 نہیں دیکھ سکتیں لیکن جب دو بھائیوں میں محبت و اتحاد ہو تو کوئی فاصلہ اُن کو

ادب باہمی رشتہ داروں خاندان اور گھر کے ممبروں - شہر کے باشندوں قوم کے لوگوں میں برابر خوشی کا باعث اور ترقی کا مد ہے۔

## ۲۔ برادرانہ محبت

بھائی بہنوں کے حقوق محبت اور مہربانی پر مبنی ہیں۔ بڑوں کو چھوٹوں کی مدد کرنی ان کو راہ راست بتانی اور خطروں سے بچانا۔ اور چھوٹوں کو اطاعت کرنی اور شکوہ ادا کرنا چاہئے اور سب پر فرض ہے کہ ایک دوسرے کی خوشی کے زیادہ کرنے کی سعی کریں کیونکہ انہوں نے ایک ہی والدین کی محبت کا حظ اٹھایا ہے اور ایک ہی طریقہ زندگی میں پلے ہیں۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ گھر میں جن جن فضائل کی بنیاد طبیعت میں پڑتی ہے وہ ایسی مستحکم ہوتی ہے کہ زندگی بھر قائم رہتی ہے اب جس طرح چھوٹے بھائی بہنوں سے سلوک کیا جاتا ہے اس ہی طرح لیکن زیادہ وسعت سے دنیا کے معاملات میں اوروں کے ساتھ ہوگا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ لوگ آبائی ترکہ اور مالی تقسیم کے کارن طبعی تعلق محبت اور مسرت اتفاق کو چھوڑ دیتے ہیں اور قدرت کے ورثہ کو ترک کر کے روپیہ کے لالچ سے برادرانہ الفت قطع کر دیتے ہیں جن کی یہ حالت ہو کہ برادرانہ تعلقات نہ نبھاسکیں ان سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ قوم اور ملک کے لئے وہ وفادار ثابت قدم اور محب ثابت ہوں گے۔ کیونکہ ان کے دل میں مرے سے محبت کا مادہ ہی نہیں ہے اور جب ایسا قومی تعلق ان کو ایسے محدود حلقہ میں درجہ اعتدال پر نہ رکھ سکا تو جب تعلقات کا دائرہ وسیع ہوگا تو رشتہ الفت کا باقی رہنا ناممکن ہے۔

تقسیم وراثت کے جھگڑے اکثر بھائیوں کو کشیدہ کر دیا کرتے ہیں۔ اگر بھائی اپنے حقوق کا خیال رکھیں اور عدالت سے انحراف نہ کریں تو کوئی رنجش کی بات پیدا نہیں ہو سکتی لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک وارث جس قدر لینا چاہتا یا لیتا ہے دوسرے اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں یا خود زیادہ لینا چاہتے ہیں۔ یا اکثر

اورادہ محبت  
قومی محبت کی  
اصل ہے

وراثت کے  
جھگڑے

ان احتیاط اور غم سے کام لو۔ پیش بینی کی لالٹین لیکر عقل سلیم کی پیروی کرو۔ یاد رکھو کہ اخلاق کے جتنے سبق پڑھائے گئے ہیں وہ اسی دن کے لئے ہیں۔

بہاؤدین کوئی مشکل نہیں جس کی تدبیر نہ ہو کوئی مرض نہیں جس کا علاج نہ ہو ان کوئی شے نہ ہو جو علاج سے ناواقف ہو یا پرہیز نہ کرے تو وہ جائے اس عمر میں ایک فطرتی چوٹ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آنکھیں کسی اچھی صورت کو دیکھتے ہی محو نظر ہو جاتی ہیں۔ اور بانپس یا سنگار کے ایک ایک ادا پر توجہ سے نکتہ چینی کرتی ہیں۔ شوق اور ولولے سینہ میں بھڑکتے ہیں۔ اور غیر معمولی تکلیف دہ خواہشیں دل و دماغ پر ایسا اثر ڈالتی ہیں کہ بعض اوقات استقلال کے قدم جا دکھ مستقیم سے بھی بھٹکا دیتی ہیں۔ اور اسی سبب سے یہ زمانہ جس قدر خوش نما ہے اتنا ہی خوفناک۔ عوہتیں بھی اس فطرتی قانون سے خالی نہیں مگر قدرت نے ان کی سرشت میں شرم و حیا رکھی ہے۔ کہ وہ جب اُس وادی میں پہنچتی ہیں تو خود بخود اپنے سایہ سے بھڑکنے لگتی ہیں۔ آنکھوں میں حیا پیدا ہو جاتی ہے۔ دل میں شرم و حجاب آتا ہے اور اسی لحاظ سے قدرت نے ان کو شرف دیا ہے کہ مردوں کو پرہیزگار اور باحیا رہنے کے لئے پابندی اور غریمت تا تم کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر بچے کو بدقسمتی دھککا دے تو پرہیزگاری اور حیا کو اٹھانا اور جہلی شرم کو مشکل سے توڑنا پڑتا ہے قدرت کا کوئی فعل فائدہ اور حکمت سے خالی نہیں حیوانات میں اس مادہ سے بھی بہت سے ضروری کام لئے جاتے ہیں اور اصل پوچھو تو بقائے نسل کا سبب یہ ہی ہے۔ لیکن کوئی کام کیوں نہ ہو فی نفسہ نہ اچھا ہے نہ بُرا۔ صرف اس کا طریقہ استعمالی خواہ مدارج استکمال پر پہنچنا کر اشرف و اعلیٰ بنائے اور خواہ صراطِ مستقیم سے پھیر کر حنیضِ بکبت میں گرائے شریعت نے اسی سبب سے قوتوں سے عمر پھل حاصل کرنے اور ان کو مفید طور پر کام میں لانے کے طریقے سکھائے ہیں اور طبیعت پر بیجا جبر کرنا نہیں بلکہ اس کے انعامات کا پورا پورا حظ اٹھانا اور سچی مسرت اور تسکین حاصل کرنا سکھایا ہے۔ اور اس ہی لئے نسر مادیہ کہ



باہمی معاونت سے ہمیں روک سکتا۔

## باب سوم

تاہل

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا  
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً

مناکحت کی  
خواہش

سولہ سترہ برس کی عمر سے دل میں وہ شعلہ بھڑکنا شروع ہوتا ہے جس کو  
جوشِ جوانی یا ولولہ کہتے ہیں۔ یہ آگ اگر مناسب وقت پر نہ بجھائی جائے تو ۲۷-  
۲۸ برس کی عمر تک عموماً نہایت زور سے بھڑکتی رہتی ہے۔ یہ زمانہ اخلاق کے لحاظ  
سے نہایت نازک اور خطرناک زمانہ ہے۔ کہ اس جوشیلے سمندر میں سے پاک و امن  
گزرنے کے لئے نہایت احتیاط۔ نہایت خود داری اور اعلیٰ درجہ کی پیش بینی و عینیت  
اور پابندیِ مذہب اور مکارمِ اخلاق کی ضرورت ہے۔ جوانی کے خوش نما پھولوں  
میں شہوانی کانٹے اس طرح چھپے ہوئے اور کثرت سے ہوتے ہیں کہ احتیاط کا  
دامن ذرا سی چوک میں پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں پارسائی  
اور پاکیزہ خیالات کی دھجیان اڑ جاتی ہیں۔ یہی زمانہ ہے کہ بہت سے روشن خیال  
لوگوں کا پوشیدہ پہلو تاریک اور دھندلا نظر آتا ہے یہی زمانہ اس کو گناہ اور  
بے احتیاطی سے تاریک بنا دیتا ہے۔ اگرچہ دوسرا پہلو روز روشن سے زیادہ منور  
مجلی کیون نہ ہو۔ اسی زمانہ کی بے اعتدالیان آخر عمر میں حسرت و افسوس سے  
خون رولاتی ہیں اور کوششیں ہمیشہ متاسف اور بنجور ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ بعض  
اوقات ناامیدی ایسی دل پر چھا جاتی ہے کہ انسان اپنی جان سے بیزار ہو جاتا ہے  
نوجوانو جب عشق کے سمندر میں تلاطم برپا ہو تو ترددِ امنی سے بچنا ایسا نہ ہو کہ جوانی  
تو چار دن کی چاندنی کی طرح ڈھل جائے۔ اور پھر بقیہ عمر دستِ افسوس ملتے گزرے

ملے اور اُس کی (اللہ) نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تمہارے لئے اوس نے تم میں سے جوڑا پیدا کیا تاکہ  
تم دونوں سے آرام پاؤ اور اوس نے تمہارے درمیان دوستی اور رحمت قائم کر دی ۱۲



واپسی سے قبل اس کے آرام اور آسائش کے سامان کما حقہ غوی اور نہایت کفایت شعاری سے مہیا کر کے رکھے۔ اگر نوکر چاکر بن بھی تو وہ آقا کی غیر ماضی اس کی موجودگی سے زیادہ غنیمت جانتے ہیں۔ اور پھر دل میں وہ محبت اور محبت میں وہ دلسوزی وہ ہمدردی وہ سلیقہ کمان! کیا نوکر بیماری میں بیمار دوا میں یا مصیبت میں رفاقت اور خدمت ایسی دلسوزی سے باوجود نینو ادب میراؤ نہ زکر کر سکتے ہیں۔ جیسے بیوی یا اولاد۔ علاوہ ازیں اگر اولاد کی خواہش ہے بیوی کرنی ضرور ہے یہ ضرور ہے کہ شادی سے قبل آمدنی اس قدر کافی ہو کہ بیوی اور اولاد کو تنگی معاش نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی مستقل آمدنی یا فردوری غریبانہ حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل ہے تو یہ حالت بھی شادی کی مانع نہیں۔ لوگ شادی کے متعلق خیالی ضرورتوں اور غیر ضروری اخراجات کو مد نظر رکھ کر اپنی قدرت سے زیادہ بوجھ اٹھانے سے گھبراتے ہیں یا کسی ایسی جگہ شادی کرنی چاہتے ہیں جو ان کی حیثیت سے زیادہ ہو اور اس لئے ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی ظاہری حالت ایسی بنائیں جو ان کی دسترس سے باہر ہے اس صورت میں شادی بجائے راحت کے کلفت کا سبب ہوگی اور ہوتی ہے اور جن لوگوں نے اس قسم کی غلطی سے تکلیف و نقصان اٹھایا ہے۔ وہ بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے فقط شادی کو اس نقصان کا سبب بتاتے ہیں۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے کہ مرد کو لایق و فائق بیوی اور عورت کو عمدہ شوہر ملے جس کے ساتھ وہ امن اور اطمینان سے زندگی بسر کرے اور قسمت کے بھلے برے میں دونوں شریک ہوں۔ لیکن یہ ساری خوشیاں اور ساری برکتیں اس ہی وقت حاصل ہوتی ہیں کہ شادی مناسب وقت پر اور مناسب طریقہ پر کی جائے اور شوہر و زوجہ ہم مذاق اور ہم خیال ہوں۔

شاید ہمندرسے موتی نکالنا آسان ہے لیکن اچھی بیوی ڈھونڈنا مشکل اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اچھی بیویوں کا کال ہے۔ نہیں بلکہ ان سے آگہی حاصل کرنے کے

فَاتَنَحَّوْا مَا كَاتَبَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ لِيَكُنْ نِكَاحٌ كِي شَرْطُ ضَرُورِي هِيَ - اور  
اس لئے قرار دی ہے کہ اس کے بغیر نہ محفظ ناموس ممکن تھا نہ سوشل لائف  
میں امن - ورنہ نسل انسان خانگی خوشیوں اور خانہ داری کے بیشمار آرام اور  
برکتوں سے بالکل محروم ہو جاتی فضلُ الْحَكِيمَةِ لَا يَخْلُو عَنْ الْحِكْمَةِ -

تاہی کے  
آرام

خداوند تعالیٰ نے عورت کو مرد کا مددگار بنایا ہے اور ان دونوں کو اُلفت  
کے رشتہ میں بھڑا تاکہ ازدواج کے ذریعہ سے ایک دوسرے کی کمی کو پورا کریں اور  
پھر دونوں کی خوشیاں بڑھتی جائیں - مرد کا کہلاتا ہے تو عورت اس کو سلیقہ اور  
ہنرمندی سے اُٹھاتی اور محنت اور کفایت شعاری میں مدد دیتی ہے - چاہتی ہو  
سچی دوست ہے اور عصمت خوشی و فاداری آرام و تسکین کا سرچشمہ ہے تنہائی  
میں رفیق ہے مصیبت میں ساتھی - مشکون میں مددگار - بیماری میں آرام دہ -  
خانہ داری میں زمین تجاویز میں مشیر اور دنیا کے کمزوریات میں تسکین کا منبع جو  
غریب مصیبت زدہ کسان یا فردور کے لئے بھی ایسی ہی دل خوشکن اور آرام دہ  
ہے جیسے کہ امیر کبیر اور متول آدمی کے لئے - جب دو دل محبت کے رشتوں میں  
پھنس جاتے ہیں تو ہمدردی - معاونت اور دنیاوی خوشیوں کے دریچہ دلون پر  
کھل جاتے ہیں - اور آپ کچھ اور ہی بنساط حاصل ہوتے لگتا ہے - جس سے  
اس وقت تک واقفیت نہ تھی - اس میں شک نہیں کہ نئے امتحان اور نئے نئے  
افکار بھی پیدا ہو جاتے ہیں مگر ساتھ ہی عمدہ عمدہ پھل بھی ملتے ہیں جن سے ان افکار  
کی تلافی ہوتی رہتی ہے - مانا کہ متاہلانہ زندگی کے افکار وسعت تعلقات کے سبب  
زیادہ ہوتے ہیں - لیکن تجربہ کی تکالیف اس سے بڑھی ہوئی ہیں - پاکدامنی ماور  
محفظان صحت کے علاوہ بھی دیکھا جائے تو مجر شخص ایک خانہ بدوش ہے جسے  
کسی جگہ وہ اصلی آرام اور دلچسپی نہیں جو متاہل شخص کو اپنے گھر میں ہوتی ہے -  
کون ہے جو اس کے پیٹھ پیچھے اس کی دایبسی کا شوق سے انتظار کرے - اور اسکی  
لے پس نکاح کو قدم اون عورتوں سے جو تم کو اچھی معلوم ہوں علیہ حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا -

ہو تو اس پاکباز لڑکی کے دل سے پوچھے جس نے آنکھ کھول کر اپنے تئیں ایسے بارکد  
 سے وابستہ دیکھا اسی طرح لڑکی کے اوضاع اور اطوار پسندیدہ نہیں تو اس بد نصیب  
 لڑکے کی ساری خوشیاں اور سارے آرام خاک میں مل گئے۔ اولاد کی طفولیت  
 میں شادی کرنی اس کو بڑی خوشی سے محروم کرنا اور اس کی حق تلفی کرنی ہے۔  
 کیونکہ ہر ایک چیز اس ہی زمانہ میں دل خوش کن اور پر بہار معلوم ہوتی ہے جس  
 زمانہ کے وہ شایان ہو۔ بچے جس قدر مٹھائی کھلونے لیکر خوش ہوتے ہیں جامداد  
 سے نہیں ہوتے۔ لیکن بڑے ہو کر وہی کھلونے ان کو حقیر معلوم ہونے لگتے ہیں  
 اور ان کی وسیع نظر اس سے کسی قدر زیادہ بیش قیمت چیز پر ٹھہرتی ہے۔ غرض  
 عمر کے ساتھ ساتھ مختلف جذبات طبیعت میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ جذبات  
 اس وقت پورے ہوں تو خوشی بچتے ہیں نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔  
 والدین طفولیت میں اولاد کی شادی کرتے ہیں اس لئے کہ اس تقریب سے  
 ان کا دل خوش ہوگا مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ خوشی اولاد کا حصہ ہے نہ کہ الین  
 کا۔ بڑے ہو کر جب دلون میں شوق اور جذبات پیدا ہوں گے تو یہ موقع ان کو  
 کیونکر ملیگا۔ کیونکہ قدرت کا یہ خاصہ ہے کہ جو بے تمنا ملے اس کی خوشی نہیں  
 ہوتی۔ بلکہ خوشی کے واسطے ضرور ہے کہ پہلے آرزو ہو اور پھر حصول۔ چند اور خرابیاں  
 بھی قبل از بلوغ شادی میں واقع ہوتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ بچے چونکہ زیادہ نازک  
 ہوتے ہیں ان میں اموات بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ لہذا کم عمر جو ان کی تعداد زیادہ  
 ہوتی ہے۔ تکمیل بنو سن رشد قبل شادی کرنے سے اولاد بھی کمزور اور بیمار پیدا  
 ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔ کیونکہ خام حالت میں پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسری شکل  
 یہ پڑتی ہے کہ ماں باپ چونکہ خود کم سن ہوتے ہیں ان کو پرورش اور نگہداشت کا  
 سلیقہ نہیں ہوتا اور یہ خرابی کیا کم ہے کہ بچپن کی شادی حصول اور اکتساب کمال  
 سے محروم رکھتی ہے کیونکہ کچھ تو دلی توجہ منقسم ہو جاتی ہے اور کچھ تعلیم میں پورا وقت  
 صرف نہیں کیا جاتا۔ اور پھر عیال اور اطفال کا فکر درجہ کمال تک پہنچنے سے پہلے

ذرائع مفقود ہیں اچھی بیویان کبھی ایسے لوگوں کے پتہ بندھتی ہیں جو ان کے لایق نہ ہوں  
 اس ہی طرح کبھی اچھے مردوں کو ایسی بیویان ملتی ہیں جن کی وجہ سے عمر بھر مصیبت  
 میں رہتے ہیں۔ جو ان کے خیالات عادات اور حالات کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔  
 اس کا برا نتیجہ سب سے پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ میان بیوی میں اُلفت نہیں ہوتی۔  
 اور ایک دوسرے کی صحبت ناگوار خیال کرتے ہیں۔ بیوی تو مرد کو آرام پہنچانے  
 اور گھر کا انتظام کرنے سے غفلت کرتی اور بد خلقی اور کج ادائی کرتی رہتی ہے۔  
 اور مرد تنگ ہو کر اپنے لطف صحبت کے واسطے اور مجلس ڈھونڈھتا ہے۔ اور  
 اس طرح وہ تامل جیتے جی کا دوزخ اور عمر بھر کی قید سے بدرجہا معلوم ہوتا ہے۔ میان  
 بیوی کی نا اتفاقی کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے۔ وہ والدین کی بُری مثال دیکھ کر  
 اس حالت کو داخل معاشرت یا ضروری اور معمولی چیز خیال کر کے اس سے اجتناب  
 نہیں کرتی۔ بلکہ اس ہی راستہ کو اختیار کرتی ہیں۔ یہ خرابی اس وجہ سے پیدا ہوتی  
 ہے کہ رسم و رواج کی پابندی نے ان دو شخصوں کے اختیارات جو ہمیشہ قسمت کی  
 ایک سی حالت گزارنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں سلب کر لئے ہیں۔ اس سے پہلی  
 خرابی تو یہ واقع ہوتی ہے کہ شادیاں قبل از وقت کی جاتی ہیں۔ کہ زوجین اپنے حقوق  
 اور غائداری کے فرائض سے آگاہ نہیں ہوتے یا اس قدر عرصہ کے بعد کی جاتی ہیں  
 کہ ضبط خواہشات پر قادر نہیں رہتے۔ بڑی عمر میں شادی سے ایک یہ خرابی بھی  
 واقع ہوتی ہے کہ ان کے خیالات اور عادات چونکہ سنجے اور راسخ ہو جاتے ہیں۔  
 اس واسطے ایک دوسرے کی طبیعت کی موافقت نہیں کر سکتی نہ دوسرے کے  
 مذاق اور پسندیدگی کو قابل لحاظ خیال کرتے ہیں۔ ہندوستانی سوسائٹیوں میں  
 بچوں کا بیاہ کرنا اور ان کا ہرہ دیکھنا بڑی محبت اور خوشی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن  
 افسوس ہے کہ اکثر صورتوں میں بچائے محبت کے دشمنی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں  
 غیر سنجے حالت میں ہوتے ہیں۔ اور کسی کے عادات اطوار چال و چلن اخلاق کا پورا پورا  
 حال نہیں کھلتا۔ اگر بڑا ہو کر وہی لڑکا جاہل ناشایستہ نکٹھو بد اخلاق بد چلن بد اطوار

شادی قبل  
از وقت

ان امور پر لحاظ کر کے اوصاف حمیدہ کی جانچ پرتال کر لی جایا کرے خواہ شادی کرینوا  
خود تلاش کریں خواہ اون کے بزرگ اللہ نیا متاع و خیر متاع اللہ نیا  
المزاة الصالحة اوپر کے بیان سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ بزرگون کو اس کام  
میں دخل نہ دیا جائے اور ان کو دودھ کی مکھی کی طرح علیحدہ کر دیں۔ کیونکہ یہ طریقہ بھی  
خرابی سے خالی نہیں ہے۔ اور سب سے بڑی خرابی تو یہی واقع ہوگی کہ چونکہ یردہ  
کی رسم اور رواج زیادہ ہے شریف اور قابل لڑکے اچھی لڑکیوں سے تو واقفیت  
ہونگے نہیں اور میدان طبع ان کے ساتھ وابستہ کر دے گا جن کو جوش طبع نے جوانی  
کی اُننگوں میں پسند کر کے ان کی خرابیوں سے دانستہ اغماض کیا ہو۔ لیکن جب وہ  
جوش ٹھنڈا پڑ جائیگا اور وہ عیب سو جھنے لگیں گے تو پشیمانی اور خانہ ویرانی کے سوا  
کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہاں بزرگ اپنی صلاح اور انتخاب میں شادی کرنے والے کی رائے  
اور پسندیدگی دریافت کر لیا کریں اور ان کو اپنے انتخاب کی پوری پوری کیفیت سے  
آگاہ کر دیں۔ اگر ان کا وہاں میلان نہ ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ لیکن  
مشکل تو یہ واقع ہوتی ہے کہ لڑکیاں حد طفولیت سے ذرا زیادہ قدم رکھتے ہی  
عورتوں سے بھی پردہ میں رکھی جاتی ہیں۔ خصوصاً ان عورتوں سے تو پورے پردہ  
کے فرائض ادا کئے جاتے ہیں جن کے خاندان میں آئندہ اُن کو ایک ممبر بن کر رہنا  
تجویز کیا جاتا ہو۔ یا اُن لڑکوں سے چھپا دی جاتی ہیں (اگرچہ پہلے سامنے ہوتی تھیں  
جن کی قسمت کا شریک جن کے مال و دولت گھر بار دل و جان مصیبت و راحت کا  
ساتھی راز دار مشیر رفیق ہوتا ہے اور دنیا کی گاڑی گھسیٹنے کے لئے قدم بقدم چلتا ہے  
بھلا اس صورت میں فراجون کی واقفیت اور اوصاف سے آگہی کیونکر حاصل ہو  
اور جب یہ نہیں تو پسندیدگی اور محبت ایک اتفاقی فعل ہے ہو یا نہ ہو جس کا نتیجہ  
یہ ہے کہ صرف رسم و رواج کے سبب باقی زندگی کا آرام صرف اتفاق پر رہ گیا۔ اور  
غیر اختیاری ہو گیا۔ اس لئے ضرور ہے کہ انتخاب لائق اور دانا لوگوں کے سپرد کیا جائے

علم دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی اچھی متاع صالحہ بیوی ہے ۱۲

اقتساب معاش کے پھندوں میں پھنسا دیتا ہے۔ لڑکے علوم و فنون کی ماہیت سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں تو لڑکیوں کو خانہ داری کا سلیقہ نہیں آتا۔ غرض جب تک دونوں بچتہ نہ ہو جائیں شادی رحمت نہیں رحمت ہوتی ہے۔ شادی کرنے سے پہلے لڑکا لڑکی دونوں میں اتنی قابلیت ہونی چاہئے کہ وہ جانیں کہ اب ہم زندگی کے کس حصہ میں قدم رکھتے ہیں اور وہ کیا ہے اور اس کے فرائض کیا ہیں اور کون کون سے تعلقات پیدا ہوں گے جن سے اس وقت تک سروکار نہ تھا۔ کیونکہ شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ یہ تو وہ تعلق ہے جو جان کے ساتھ جاتا ہے اور پھر تعلق بھی ایسا کہ دونوں ملکر ایک ہی خیال کئے جاتے ہیں۔ اس سبب سے اگر شاہی حسب دلخواہ نہ ہو تو عذاب بھی عمر بھر کا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ ماں باپ اولاد کا شریک قسمت اپنی پسند کے موافق انتخاب کرتے ہیں نہ اولاد کی پسند کے لحاظ سے سوشل لائف میں خرابی کی جڑ یہ ہے کہ میان بیوی کے خیالات میں فرق ہو۔ اسلئے ضرور ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی لیاقت خیالات۔ مزاج۔ عادت۔ حالات سے پوری پوری واقفیت رکھتے ہوں۔ تاکہ ان میں کوئی اختلاف واقع نہ ہو جو شکر بخشی اور فقدان محبت پیدا کرے۔ میان بیوی کے لئے آرام کی لازمی شرط ہے محبت۔ اور محبت کے لئے پسندیدگی ضروری ہے۔ ہر ایک شخص کا میلان طبع جدا ہے حتیٰ کہ زمانہ کے اثر سے ماں باپ اور اولاد کے مذاق میں بھی فرق ہوتا ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو اوصاف والدین نے پسند کئے ہیں اولاد بھی ان کی ویسی ہی قدر کرے اور شاید یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ جاہل اور اصول شادی سے ناواقف والدین جن کی تعداد زیادہ ہے ایسی ایسی باتوں کا لحاظ کرتے ہیں جو کم مفید اور کم قابل لحاظ ہیں اور ان امور کا خیال بھی نہیں آتا جو حقیقی خوشی اور آرام بخشنے والے ہیں اور اس ہی کا نتیجہ کہ گاہ گاہ میان بیوی میں سلوک اور سنجوگ نہیں ہوتا۔ اس خراب طریقہ کا مفصل حال بیان کرنے یا اس پر نکتہ چینی کرنے کے بجائے شاید یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ شادی کے اصول اور انتخاب کے طریقے بیان کئے جائیں تاکہ نسبت ڈھونڈتے وقت

شادی سے قبل  
حقوق زوجیت  
کا علم ضرور ہے

انتخاب میں ان  
باپ کی رائے کے  
ساتھ اولاد کی  
رائے بھی شریک  
ہونی چاہئے

کرتے ہیں جس شادی میں محبت نہیں وہ شادی نہیں وہ کبھی آئندہ زندگی کے تفکرات کی برداشت نہ کر سکیں گے۔ ایک اولاد ہی ہے کہ نعمت عظمیٰ اور عطیہ بانی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو بیوی سے محبت نہیں ہوتی۔ اُن کو اولاد سے بھی التفات کم ہوتا ہے یا کثیرالازدواجی کی صورت میں چاہتی بیوی کی اولاد بھی زیادہ لاڈلی ہوتی ہے۔ عادات کا اختلاف وہ بُری بلا ہے کہ چاہے کتنی خوبیاں کیوں نہ ہوں ملاپ ہونا محال ہے وہ خوبیاں خوبیاں ہی نہیں معلوم ہوتیں۔ یا اُن کا اثر کمزور اور تھوڑے عرصہ کے لئے ہوتا ہے۔

۲۔ عمر۔ عموماً ایسا ہوتا ہے اور ہونا چاہئے بھی کہ بیوی میان سے عمر میں کچھ چھوٹی ہو۔

۳۔ صحت۔ یہ سب سے بڑی اور ضروری شرط ہے کیونکہ بغیر صحت اور توانائی کے نہ انتظام خانہ داری درست رہ سکتا ہے نہ اولاد صحیح و سالم پیدا ہوتی ہے روز روز کی تکلیفیں ستاتی ہیں اور افلاس کی حالت میں تو خدا کی پناہ۔ جان و بال ہو جاتی ہے۔ وہ عورتیں جو اپنے تئیں گوط بھٹپے اور زیور سے آراستہ و پیرستہ کرتی ہیں اون کو سمجھ لینا چاہئے کہ اصل حسن صحت میں ہے۔ جب ہاتھ پاؤں لاغر اور نحیف ہوں گے چہرہ پتھر مدہ اور زرد رنگ ہوگا تو زیور اُسے کیا سنوار سکتا ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف جب ہر ایک عضو میں مناسب موزونیت اور قوت و صحت ہوتی ہے۔ تو خواہ مخواہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اس ہی طرح لڑکوں کی صحت کا خیال بھی ضروری ہے صحت نہ صرف معاش میں ان کی مدد کرتی ہے بلکہ وہ اون نظروں میں بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں جن کی چشم مست نے ان کے دل میں گھر کر رکھا ہو۔

۴۔ خاندان اور نجابت۔ نجابت خاندانی کو دولت سے بڑھ کر خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمیشہ اپنے برابر کا خاندان ڈھونڈنا چاہئے کیونکہ اگر ذلیل و خوار میں شادی کی جائیگی تو عزت و آبرو میں فرق آئیگا۔ اور اگر اپنے سے زیادہ



اور عورتوں سے پردہ کی رسم اٹھا کر پوری تفتیش کی اجازت دی جائے۔ اگر ناواقفیت کی حالت میں شادی ہوئی تو بزرگوں کو یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ ہماری لڑکی اچھی جگہ گئی بلکہ اس بچاری کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ ان کم قدری سے دیکھی جاتی ہے۔ اس پر نام رکھ جاتے ہیں۔ خاوند کی بے التفاتی سے جیتے جی دوزخ میں ہے۔ جو شاید دوسری جگہ اگرچہ ظاہری حالت ایسی نہ ہوتی لیکن پورے احترام خوشی اور عزت سے رہتی اور محبت کے وہ پھل حاصل کرتی جو قلبی تسکین اور متاہل زندگی کی برکتیں ہیں۔

مشاطہ

ہماری سوسائٹی میں تلاش بہت ہی ناکارہ ہاتھوں میں سپرد کی گئی ہے جو نہ صرف قانون شادی سے بے خبر اور جاہل مطلق ہیں۔ بلکہ خود غرضی سے مکاری اور دھوکہ فریب جھوٹ کی پٹیا میں یہ مشاطیوں اپنا کمال اس میں دکھاتی ہیں کہ کسی لعل کو پتھر سے ٹکرائیں۔ ان کی بڑی کوشش یہی رہتی ہے کہ چاہے مردہ بہشت میں جائے یا دوزخ میں ان کو حلو امانڈ حاصل جائے کہ انہوں نے اونچے گھر نسبت کرادی ان کی کینہ کن غظیہ۔ تلاش کا یہ طریقہ جس قدر مضر ہے ظاہر ہے۔ ایک دانشمند آدمی کو ہمیشہ کا ساتھی وہ ہی اچھا معلوم ہوتا ہے اور وہ ہی مناسب بھی ہے۔ جو اس کی طبیعت اور مذاق اور عادات کے موافق ہو جو اصول مذہب اور اعمال حسنہ کا پابند ہو جس کا دل قوی اور جسم صحیح اور تندرست ہو اور جسکی صورت اور جس کے مزاج نے دل میں گھر کر رکھا ہو۔ اور جس نے نیک پاک اور بے عیب زندگی بسر کی ہو۔ تاکہ اس کے ساتھ صرف چند روز ہی گچھے نہ اڑیں بلکہ تمام عمر چین اور آرام سے کئے۔

اولاد و خلاق

۱۔ غرض سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ دونوں کی عادات اور خیالات میں تباہی نہ ہو اور یہ باہمی سلوک اور سنجوگ اور افراط محبت کی بنیاد محبت وہ چیز ہے کہ دنیا کی مشکلیں سہل تکلیفیں راحت انقباض بشارت سے بدل دیتی ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کی مصیبتیں بلا شکایت برداشت



عذراور کوئی سبب اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے کافی دلیل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص اتنا بے حیا ہو تو انسان نہیں حیوان ہے۔ ہندوؤں کی یا کد امن بیویاں میان کے ساتھ سستی ہونا گوارا کرتی تھیں۔ لیکن زندہ رہ کر دوسرے مرد کی عبور و مرور دیکھنا گوارا نہ تھا۔ ہندو بیویاں مسلمان پاکدامنی پر دھتہ لگائے اور مان باپ بھائی بہن عزیز و اقارب کے نام کو بٹہ لگانے سے مر جانا ہزار درجہ بہتر ہے۔ اولاد کو مان باپ کی اطاعت اور عزت کرنی فرض ہے۔ لیکن ایسی مان کی اولاد جس نے خاندان بھر کا نام ڈبو دیا ہو جس نے خود اولاد کی عزت کو مٹایا ہو کیا خاک اسکی فرمان برداری اور عزت کر سکتی ہے۔

۶۔ پرہیزگاری۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ ہمارے ملک میں شریف خاندان کے پرہیزگاری لوگ اس صفت سے اکثر متصف ہیں۔ بعض مرد تو شاید چوری چھپے کہیں دو ایک جرعہ شراب کے پی جاتے ہوں لیکن بی بیان خواہ پھوڑ ہوں۔ بد سلیقہ ہوں۔ بد زبان ہوں۔ لیکن بادہ خوار نہیں۔ مان جو لوگ ولایتی بیویاں کر کے لاتے ہیں یا جو بازاری عام عورتوں سے نکاح کے تعلقات پیدا کرتے ہیں شاید ان کو یہ چیز بھی ضروریات زندگی کی طرح مہیا کرنی پڑتی ہو۔ لیکن اگر کسی اور سبب سے نہیں تو صرف اس ہی سبب سے اس فرقہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کہ ان میں پرہیزگاری نہیں ہوتی۔ عورتوں ہی پر کیا منحصر ہے۔ بادہ خوار مرد بھی ہمیشہ خوار رہتے ہیں۔ اور اس قابل نہیں ہوتے کہ کوئی نیک بخت عورت ان کے پتے بندھنا پسند کرے۔ اگر مشکل کام آپڑے اور اس کے لئے کسی آدمی کی تلاش ہو تو کون ایسے مرد یا عورت کا انتخاب کریگا۔ جو شراب میں مخمور ہو۔ جسے دو قدم چلنا محال ہو۔ جس کے ہاتھ پاؤں زبان قابو میں نہ ہوں اور کون یقین کریگا کہ ایسا کام ایسے مرد یا عورت کے ہاتھوں اچھی طرح پورا ہوگا؟ دنیا کی گاڑی کا چلانا آسان کام نہیں۔ اس میں قدم قدم پر دقتوں کا سامنا ہے۔ پھر کیوں کر ایسا شخص اس کے لئے انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ جو عالم بدستی میں اپنے ہوش و حواس سے کام نہ لے سکتا ہو! فرض کرو کہ ایک

معتز خاندان میں شادی ہوگی تو وہ نظر حقارت سے دیکھیں گے۔ شرافت خاندانی اگرچہ اعتباری بات ہے۔ لیکن یہ ایسا اعتبار ہے۔ کہ تمام دنیا کی قومیں اس پر فخر کرتی ہیں اور اکثر صورتوں میں ان اوصاف کا اثر جو ایک خاندان میں خصوصیت سے زیادہ ہوتے ہیں اولاد پر پڑتا ہے۔ اور آبا و اجداد کے اخلاق کا اثر اولاد کو ملتا ہے۔ شرافت خاندانی شرافت ذاتی سے زیادہ رتبہ پر نہیں ہے لیکن اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سلسلہ میں اکثر افراد کسی نہ کسی جہت سے دوسروں سے امتیاز رکھتی ہیں۔ شرافت خاندانی تمدن اور سوسائٹی میں انسان کا رتبہ ظاہر کرتی ہے۔ اور اس رتبہ سے گرنا۔ اس کے لئے اپنی وقعت کا کم کرنا ہے۔

عصمت

۵۔ عصمت۔ آپ آئینہ لباس تن آئینہ بود و جامہ بہر جہانست تن خوبان را  
عصمت وہ بیش بہا جوہر ہے کہ بغیر اس کے چاہے ساری خوبیاں اور دنیا بھر کا جہیز کیوں نہ ہو لیکن شادی کے قابل نہیں۔ کامل عصمت یہ ہے کہ اگر بدلی اظہی اور بد شرمی کا لفظ بھی کان میں پڑے تو لب پر مسکراہٹ تک نہ آئے۔ اس کو خیال سے سننا تو درکنار رہا۔ بد اطوار عورت سے تو واقفیت پیدا کرنی بھی بُری ہے کجا کہ شادی کرنا۔ کوہٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب میں کسی چنچل چھو کری کو دیکھتا ہوں تو اس سے گپ شپ لڑانے کو تو میرا بہت جی چاہتا ہے مگر اُسے بیوی بنانا تو خیال بھی میرے پاس نہیں بھٹکتا۔ عصمت تمام بد قسمتی اور مصیبتوں کا عوض ہے یہ ایک ایسی چیز ہے کہ ہو تو کامل یا نہ ہو تو بالکل نہیں۔ بے عصمت عورت کبھی اعتبار کے قابل نہیں۔ جب اُس نے ایک سے ناجائز بے تکلفی اختیار کر لی تو پھر تو اوروں سے اختلاط کرنے میں کیا باک ہوگا۔ اگر کسی شخص کو خدا نخواستہ یہ شبہ ہو کہ اس کی بیوی کے اطوار خراب ہیں تو نہایت تحمل اور استقلال سے کام لینا چاہئے اور جب تک جرم پایہ ثبوت کو نہ پہنچ جائے۔ کسی رنجش۔ غصہ یا افسوس کا اظہار مناسب نہیں۔ البتہ ثابت ہونے پر اس سے بالکل علیحدگی اور کنارہ کشی اولیٰ سہ بدکار عورت کے ساتھ زندگی کی کسی حالت میں رہنا مرنے سے بدتر ہے۔ اور کوئی

خوش اور صحت کو بھی دست رکھتی ہے جو عورتیں گھر کے کاموں کو ماتحت تک نہیں لگاتیں۔ ان کو قلت اشتہا۔ درد سر۔ اعضا شکنی۔ دل کی گھڑبڑ۔ سستی اور اس قسم کی شکایتیں اکثر ستایا کرتی ہیں۔ اور جب اوقات گزاری کے لئے مشغول ضرورت ہوتی ہے تو یا تو ماموں سے ادھر ادھر کی ضرب اخلاق کہانیاں سنتی ہیں یا کھڑکی یا دیوار پر سے ہمسایہ سے باتیں کرتی ہیں۔ نوکروں سے کوئی کام جب تک اس کی نگرانی نہ ہو پورا نہ ہوگا۔ بلکہ وہ ہمیشہ ہی کوشش کرتے رہیں گے کہ ماتحت پائون نہ ہائیں اور لوٹ لوٹ کر کھائیں۔ کوئی کام کیا بھی تو خراب ناکارہ اُلٹا۔ نفع کی جگہ نقصان۔ غرض ہر وقت مشکوک کا سامنا ہوگا۔ اور صرف اس وجہ سے کہ گھروالی کاہل اور سست ہے۔

کوئی کام کرنا صرف صحت جسمانی کے لئے ہی ضرور نہیں ہے بلکہ دل کے واسطے بھی اکسیر ہے۔ بیکار عورت ہمیشہ بد مزاج۔ لڑا کو۔ چڑچڑمی اور فضول خرچ ہوتی ہے۔ اس کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کے لحاظ سے وہ اگر مردہ نہیں ہے تو خوابیدہ ضرور ہے۔ اور زہ عورت جو اپنے گھر کا کام خود کرے اور خود ہر ایک چھوٹے بڑے کام کی نگرانی رکھے وہ سارے گھروالوں کے لئے باعث خوشی اور باعث آرام ہے۔ اور جو بچے اس کے زیر تربیت ہوں وہ بھی عمدہ سبق حاصل کر سکیں گے۔ گھروالی میں خود کام کرنے اور دوسروں سے کام لینے کی لیاقت ہونی چاہئے۔ گھر کا آمد و خرچ برابر رکھنا۔ ہر ایک چیز قاعدہ اور قرینہ سے ضرورت کے مطابق صرف کرنی۔ گھر کی چیزوں کو بالترتیب صاف و آراستہ رکھنا۔ اور نوکروں پر دانشمندانہ حکومت کرنا۔ اور ان سے کام لینا عورت کا فرض ہے۔ اور ایسے انتظام خانہ داری کے لئے عورت میں خود کام کرنے دوسروں سے کام لینے کی لیاقت۔ سلیقہ۔ تربیت اور نگہداشت کی قوت۔ پیش بینی۔ دور اندیشی۔ سمجھ۔ تمیز ہونی چاہئے۔

۸۔ کفایت شعاری۔ کفایت شعاری کے معنی یہ ہیں کہ فضول خرچی نہ ہو۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ طبیعت میں سبیل ہو۔ اور تن کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی دینے کو

شخص بستر مرگ پر پڑا ہو اور اپنی اولاد کو ایک ایسے اتالیق اور سرپرست کی نگرانی میں چھوڑنا چاہتا ہو جو بچوں کو اچھی طرح تعلیم دے۔ لڑکوں کو نیک راہ چلائے۔ لڑکیوں کو سلیقہ۔ شعور اور اچھی اچھی باتیں سکھائے تاکہ بچے عزت اور آبرو حاصل کریں اور جو مال و متاع وہ چھوڑتا ہے ایسے انتظام سے صرف کرے کہ پس ماندوں کو تکلیف نہ ہو اور جائیداد کی نگرانی اور انتظام ایسا اچھا رہے کہ وہ برباد نہ ہونے پائے تو کیا وہ شخص شراب خوار اور ناپربیز کا شخص کو بچوں کی اتالیقی اور گھر کے انتظام کے لئے انتخاب کرے گا؟ ہرگز نہیں! لیکن اگر یہ شخص خاوند یا بیوی ہو جس کے ہاتھ میں قدرتنا سارا سرانجام چھوڑنا ہے تو اس شخص کی تکلیف کا کیا اندازہ ہوگا۔ جب ہم ایک ناپربیز کا لڑکے کو بھی رکھنا پسند نہیں کرتے۔ تو اپنے گھر بار کا شریک کس طرح بنا سکتے ہیں۔ ناپربیز کا شخص صرف اوروں ہی کو تکلیف نہیں دیتا۔ بلکہ اپنے تئیں بھی مضرت پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اس کی یہ خراب عادت اس کو دنیا میں کسی کام کا نہیں رکھتی اور اس کا لڑکھو آخر کار برباد ہو جاتا ہے۔ پربیز گاری تمام خوبیوں کی جڑ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان بھلی باتیں سیکھ رہی نہیں سکتا نہ کوئی بھلا کام کر سکتا ہے۔ دوسروں پر اس کی صحبت وہ برا اثر کرتی ہے جو زہریلی ہوا صحت پر۔

۱۔ محنت کشی۔ محنت سے یہ مراد نہیں کہ کوئی شخص اکتساب معاش کی بعض نئے کچھ کام کرے۔ بلکہ اون لوگوں میں بھی جن کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہو کچھ نہ کچھ محنت کی عادت ہونی چاہئے۔ نوابوں اور امراء کی بیٹیاں بھی سنتی یا کاہل ہو سکتی ہیں۔ زندگی کی کوئی حالت ایسی نہیں ہے جس میں ایک بیوی کی محنت گھر کی بہبودی اور زوجین کی مسرت کا باعث نہ ہو۔ کیونکہ اگر بیگم صاحبہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہیں اور کسی کام پر توجہ نہیں کرتیں تو نوکر و نوٹیلوں سے امید نہ رکھنی چاہئے کہ وہ کچھ کام ٹھیک طور پر کریں گی۔ بلکہ وہ اور کاہل ہو جائیں گی عورتوں کے لئے محنت کرنی اور گھر کا کاروبار خود انجام دینے کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے مردوں کو تحصیل علم اور اکتساب معاش کی اور یہ عادت عورتوں کے دل کو

محنت کی  
عادت

ہر ایک چیز کے بیش بہا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہاں بدن اور لباس صاف اور اچھا  
 رہنا لازم ہے۔ شاہی بیاہ کے موقع یا کسی تقریب کی ضرورت سے ہنا و شوکر اچھا  
 ہو جانا اور نفاست میں قدم رکھنا اور بات ہے۔ اس سے مرد کا دل نہیں خوش ہوتا  
 بلکہ دن رات ہر وقت صفائی اور پاکیزگی ہونی چاہئے۔ صفائی ظاہری تہذیب  
 اور شائستگی کی نشانی ہے۔ اگر کوئی شخص میلی اور خراب حالت سے کسی جلسہ  
 میں جاسے تو لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور کوئی پاس بٹھانے کا بھی روادار  
 نہیں ہوتا۔ ایک شخص پر منحصر نہیں اقوام کی تمیز کا اندازہ بھی ان کی افراد کی صفائی  
 اور نفاست سے اس ہی طرح کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ علم اور سائنس کی ترقی سے انکی  
 ترقی یافتہ ہونے کا اندازہ کرتے ہیں۔ اور جس قدر کوئی قوم زیادہ تہذیب ہوگی  
 اس ہی قدر اس میں صفائی اور پاکیزگی کا لحاظ زیادہ ہوگا۔ دوم صفائی اور  
 پاکیزگی صحت اور تندرستی قائم رکھتی ہے اور بہت سی بیماریاں جو بدن یا دل کو بریا  
 کرنے والی ہیں یہ انہیں ہونے دیتی۔ صفائی ظاہر سے طبیعت میں پاکیزہ خیال  
 پیدا ہوتے ہیں اور طبیعت شائستہ امور کی طرف راغب رہتی ہے۔ اور اپنے  
 آس پاس کی تمام چیزوں کو صاف اور باقاعدہ مرتب دیکھ کر طبیعت کو جو لبت  
 اور حظ حاصل ہوتا ہے وہ تخیل پر بہت بڑا اثر ڈالتا ہے۔ لباس کے متعلق  
 امیروں کی عادات کا پچھنا تو مشکل ہے۔ کیونکہ وہ بے ضرورت صرف نمائش  
 کے لئے بھی تبدیل لباس کیا کرتے ہیں۔ ہاں اوسط درجہ اور غریبوں کی شناخت  
 ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی لڑکی اپنے کپڑے نا صاف اور بے مرست رکھے تو کیونکر امید  
 کی جاسکتی ہے کہ وہ خاوند کے کپڑے صاف اور درست رکھنے کی تکلیف گوارا  
 کرے گی۔ اس کا مضائقہ نہیں کہ کپڑے موٹے اور کم قیمت ہوں مگر باسلیقہ سے ہوں  
 وقت کے موافق اور صاف ہوں۔ تو جانتا چاہئے کہ صفائی اور خوش سلیقگی کا مادہ  
 ہے۔ اور اگر خاص اس امر میں بد سلیقگی ظاہر ہو تو اور امور میں بھی سلیقہ کی  
 امید نہ رکھنی چاہئے۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ لوگ ان کی طرف سے بظاہر توجہ

بھی دل نہ چاہئے۔ بلکہ کفایت شعاری یہ ہے کہ غیر ضروری اخراجات سے احتراز کیا جائے۔ کفایت شعاری خواہ امیری ہو یا غریبی دونوں حالتوں میں اچھی ہی ہے۔ بہت سے امیر آدمی جن کے ہاں دولت کے کھتے بھرے پڑے تھے فضول خرچی کے طفیل روٹیوں سے محتاج ہو گئے۔ اور اگر میان بیوی دونوں فضول خرچ ہوں تو بہت مشکل اور وسط درجہ اور غریب آدمیوں کے لئے تو کفایت شعاری گویا فرض عین ہے۔ اور غضب ہے اگر ان کی بیویاں امیرزادیوں کی حرص کریں۔ اور ساری کمائی گوٹھ اور پٹھ میں رائیگان کر دیں۔ مرد کو یہ پہچانتا بھی آسان نہیں کہ جس لڑکی کو اسکی طبیعت نے ہمیشہ کا ساتھی پسند کیا ہے وہ کفایت شعار ہے یا فضول خرچ لیکن پھر بھی اگر نظر غور و تعمق سے طبیعت کے میدان کا اندازہ کیا جائے تو ضرور کچھ نہ کچھ پہچل سکیگا۔ اول تو لباس کی طرف غور کرو کہ آیا لباس رتبہ سے زیادہ پریشان و شوکت رہتا ہے یا موافق۔ دکھاوے کی اشیاء زیادہ استعمال کی جاتی ہیں یا مفید بکار آمد اور جو میدان اس وقت معلوم ہو وہ عمر بھر رہیگا۔ اگر کسی لڑکی کی ایسی عادت معلوم ہو کہ عمدہ کھانے عمدہ پہننے زیورات میں فضول روپیہ خرچ کرنے اور غیر مفید کاموں میں دولت برباد کرنے کی عادی ہے تو جان لو کہ جس دن اسکے ہاتھ میں میان کی دولت آئی چار دن میں برباد کر دیگی۔ اس موقع پر یہ خیال ہے کہ طبیعت کے میدان کو اس کی آمدنی کے وسائل کے ساتھ موازنہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ جو چیز ایک شخص کے واسطے فضول خرچی ہے دوسرے کے لئے نہیں۔

صفائی

۹۔ صفائی۔ بعض پلیدہ طبیعتوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ورنہ کس کا جی چاہیگا کہ میل کچلی عورت یا مرد سے محبت پیدا کرے۔ خصوصاً وہ شخص جس کی اپنی طبیعت میں نفاست ہو ایسے جلس کے ساتھ کیونکر گزارہ کر سکتا ہے۔ آنکھیں تو یہ ڈھونڈتا کہ بیوی کی صورت دلفریب ہو اور دلفریبی اور غلاظت یک جا ہم نہیں ہو سکتی۔ پھر جوگ کیا خاک ہو۔ بعض مرد اپنے پیشوں کے سبب سے ہر وقت صاف نہیں ہو سکتے لیکن گھر میں اگر ہر چیز میں صفائی اور بیوی کی پاکیزہ شکل دیکھ کر سب کا دل خوش ہوتا

میں انتظام خانہ داری کی واقفیت کی اس قدر ضرورت ہے کہ سب سے پہلے کسی لڑکی کے اوصاف میں اس ہی صفت کو دیکھنا چاہئے۔

انتظام خانہ دار  
آرام بہو بنانا

انتظام خانہ داری کی قابلیت تمام گھر کے آرام و آسائش کے لئے ضروری ہے گھر کے ادنیٰ ادنیٰ کام بہت بڑے آرام اور آسائش کا باعث ہوتے ہیں اور گھروالی کی توجہ کے بغیر دست بہنیں ہوتے۔ جس طرح مردوں کو ملازمت تجارت مزدوری یا کسی پیشہ کی خبر گیری رکھنی اور اس کے کاموں کو باحسن وجوہ انجام دینا ضروری ہے۔ اسی طرح عورتوں کو سینا پر دنا۔ کھانا پکانا۔ بچوں کی نگہداشت اور پرداخت اور گھر کی ہر ایک چیز کی خبر گیری اور اس کو سلیقہ سے برتنافرض ہے۔ اگر بیوی میں یہ قابلیت نہیں تو گھر میں جس قدر زیادہ دولت ہوگی اتنی ہی زیادہ ابتری ہوگی اور جس قدر زیادہ نوکر اور مائیں ہوں گی اُسی قدر زیادہ کاموں میں بد انتظامی اور دیر ہوگی۔ جس قدر زیادہ انائیں اور مائیں ہوں گی اُسی قدر بچے زیادہ بے تربیت کشیف۔ بداخلاق ہونگے۔ غرض جس قدر زیادہ سامان مہیا ہوں گے۔ اس ہی قدر زیادہ ہر ایک چیز بے ترتیب اور ناقابل استعمال ملیگی۔ اور ضرورت کے وقت تکلیف رہیگی۔ بلکہ انتظام خانہ داری کی عمدگی اسپر منحصر ہے کہ خود بیوی کو اس کا خیال رہے۔

کوئی کام جو بالکل نوکر دن کے اختیار میں چھوڑ دیا جائے عمدہ اور وقت پر نہیں ہوتا۔ بیوی کی لیاقت اور تمکنت کی یہ نشانی نہیں ہے کہ سارے دن بیٹھی پان کھایا کریں اور دوپار خوشامدی عورتیں بیٹھی جھوٹی سچی باتیں بنائیں۔ بلکہ عورت کا فرض یہ ہے کہ اس کا بہت سا وقت گھر کے کام کاج میں صرف ہو۔ گھر کے باہر کے کام مرد کے ذمہ ہیں۔ اور گھر کے اندر کے عورت کا حصہ ہیں جو عورتیں کھانا پکانیکا کام بالکل ماماؤن پر چھوڑ دیتی ہیں۔ مغلائین اور درزی جگہ کپڑے سیٹے ہیں۔ انائیں جن کے بچے پالتی ہیں۔ وہ خانہ داری کے لحاظ سے بیکار ہیں۔ ایسی عورتیں بیکار خدمتگاروں کو اس لئے اکٹھا کر لیتی ہیں۔ کہ انکے



نہیں کرتے۔ لیکن دل میں یہ امور ایسے نامعلوم طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ کہ یہ شہر  
 ہی نہیں ہوتی کہ کس وجہ سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور جو تکلیفیں اُن وجہ سے  
 پیدا ہوتی ہیں۔ بعض کو تہ اندیش ان کو بھی دیگر اسباب پر محمول کر دیتے ہیں۔  
 لیکن غور سے دیکھو تو یہ معلوم ہو جائیگا۔ کہ عورت کی بدسلوکی انتظام خانہ داری  
 کی خرابی اور چیزوں کے خراب اور برباد ہونے کا سبب ہوتی ہے اور اس سے  
 مردوں کے دل میں القباض اور حقارت اور کراہت پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ  
 ان میں اس کے جاننے کی لیاقت نہ ہو حسن اکثر محبت اور دل بستگی کا سبب  
 ہوتا ہے۔ لیکن حسن بڑھا پے میں نہیں قائم رہ سکتا۔ ثان طبعیت کی صفائی اور  
 اس کی خوبیاں ہمیشہ رہتی ہیں۔ حسن سے اگر محبت پیدا ہوتی ہے تو صفائی سے  
 محبت قائم رہتی ہے انسان تو انسان کوئی پتھر بھی صاف کیا ہوا اور تراشا ہوا ہو  
 تو نظر کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور عمارت کی محراب میں لگایا جاتا ہے۔ ورنہ وہی پتھر  
 ہے کہ ٹھوکرین کھانا پھرتا ہے۔

انتظام خانہ داری  
 کی لیاقت

۱۔ انتظام خانہ داری کی لیاقت۔ اس لیاقت کے بغیر کوئی  
 عورت چاہے کسی نواب ہی کی بیوی ہو غریب ہے۔ شرفا میں یہ دستور ہے کہ  
 نوک اپنی لڑکیوں کو سینا پر ونا کھانا پکانا۔ اور گھر کے کام دھندے سکھاتے ہیں۔  
 اور اس میں شک نہیں اس سے ان کے خاندان میں آرام اور عزت کو ترقی ہوتی  
 تھی۔ گھر کے بہت سے کام ایسے ہیں کہ مائیں اور مغلانیان اون کو نہیں کر سکتیں  
 اور ان میں مردوں کو مداخلت کرنا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اور جو لڑکی خود کوئی  
 کام کرنا نہیں جانتی۔ وہ بڑی ہو کر کسی سے کیونکر کام لیگی۔ جو شخص کچھ کام کرنا  
 نہ جانتا ہو یا جس نے کوئی کام نہ کیا ہو وہ اوروں سے وہ کام نہیں لے سکتا۔  
 آرام اور خوشی کا انحصار زیادہ تر اون لوگوں کے اطوار پر منحصر ہے۔ جو خدمت کرتے  
 ہیں اور ان کے اطوار اور اوصناع پر گھر کی بیگم کا پر تو پڑتا ہے۔ جن کے ماتحت  
 وہ لوگ کام کرتے ہیں اور جن کے ساتھ وہ گھر میں رہتے ہیں۔ اوسط درجہ کے لوگوں

دوسروں کی طبیعت پر دل فریب اثر ڈالنے کی قوت ہو حسن صورت ہے۔ عورت  
 میں حسن ایسا ہی ضرور ہے۔ جیسا کہ چراغ میں نور یا گل میں رنگ و بو جس طرح  
 آفتاب کی روشنی تمام دنیا کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور رکھتی ہے۔ اسی طرح  
 حسین بی بی اپنے خاوند کے دل کو دنیا بھر کے خراب لالچوں کی تاریکی سے  
 بچائے رکھتی ہے۔ یہ مسئلہ ہے کہ دنیا میں ایک سے ایک بہتر ہے۔ لیکن اگر شادی  
 سے قبل کسی کی صورت اچھی طرح دل میں گھر کر چکی ہے۔ اور محبت نے پورا اثر  
 کر لیا ہے۔ آنکھیں جس کی صورت دیکھنے سے اور دل تعریف کرنے سے سیر نہیں ہوتا  
 تو اس کے لئے وہی سب سے اعلیٰ ہے۔ خداوند تعالیٰ نے پسندیدگی کے پیمانہ  
 مختلف بنائے ہیں۔ اور اس سبب سے دل کسی میں جو ادا پسند کریتا ہے۔ اُسے  
 سب سے زیادہ عمدہ اور نفیس خیال کرتا ہے۔ لیکن اگر پہلے سے پسندیدگی نہیں  
 ہے تو آئندہ حسن صورت پسند آنا ایک اتفاقی بات ہے ہو یا نہ ہو۔ اسی سبب  
 سے حکماء کی یہ رائے ہے کہ شادی سے پہلے دیکھ لینا ضرور ہے۔ امام غزالی رحمۃ  
 اللہ علیہ کتاب کیمیاے سعادت کے اصل دوم باب دوم میں لکھتے ہیں :-  
 ”اولیٰ آن بود کہ زن را پیش از عقد ببیند تا پسندد۔ و آنگاہ عقد کند کہ الفت  
 امیدوار تر بود“ شاہ ولی اللہ صاحب کتاب حجتہ اللہ باللہ میں تحریر فرماتے ہیں  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خُطِبَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَرْأَةِ  
 فَانْشِطْ عَيْنَكَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَنْدَعُوهُ إِلَى رُكَا حِجَّاهَا فَلْيَفْعَلْ وَقَالَ قَرِئَةُ  
 أُخْرَى أَنْ يَوْمَ دَمَ بَيْنَكُمَا وَقَالَ  
 هَلْ مَرَّ أَيْتُهُمَا فَإِنْ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ  
 شَيْءٌ - أَوْ قَوْلُ السَّبَبِ فِي اسْتِخْبَابِ  
 النَّظَرِ إِلَى الْخَطُوبَةِ أَنْ يَكُونَتْ

ہے کہ جب کوئی تم میں سے کسی عورت سے  
 نکاح کا پیام دے تو پس اگر وہ شخص اوس  
 چیز کو جو اوس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی  
 باعث ہو دیکھ سکے تو دیکھ لے۔ اور فرمایا  
 کہ یہ بات تم دونوں میں الفت قائم رہنے کے لئے  
 انسب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تہذیب  
 تو نے اُسکو دیکھ بھی لیا ہو کہ انصار کی آنکھوں کی عیون تھیں  
 میں کہتا ہوں مخطوبہ کو دیکھ لینا اس واسطے مستحب کیا گیا ہے

خاوند کی کھائی کو بیدردانہ اٹھائیں۔ اور گھر کی رونق اور آسائش کو خاک میں ملائیں۔ اور جس قدر ایسے خدمتگاروں کا گروہ بڑھتا جاتا ہے۔ اسی قدر ہر ایک کام کی ضرورت اور تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ سلیقہ مند بیوی اپنے گھر کو ایسا صاف پاکیزہ اور دلکش اور آرام دہ بنا سکتی ہے کہ جب اس کا خاوند تمام دن کی تکلیف اور مشقت اور کاروبار کے مشاغل سے فرصت پا کر گھر میں آئے۔ تو اس کو یہاں مسرت و راحت ملے اور وہ اپنے گھر کو نہایت صاف اور نہایت باقاعدہ اور منظم دیکھ کر خوش ہو اور اسے معلوم ہو کہ دنیا میں ایک جگہ ہے جہاں کشمکش مشاغل سے اسے پناہ مل سکتی ہے۔ اگر یہ بین تو خاوند کی حالت قابل انسوس ہے خواہ وہ امیر کبیر ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ہمیشہ بے گھر ہے اگرچہ محلوں میں رہتا ہو۔

اخلاق حمیدہ

۱۱۔ اخلاق حمیدہ۔ شادی سے قبل کسی کے اخلاق کی جانچ پڑتال کرنی بڑی مشکل ہے۔ اور اگر کسی طرح جاننا ممکن ہو تو زود بچ عورت سے پرسن لازم کر بعضوں کے مزاج تو اس طرح کے خراب ہوتے ہیں کہ چاہے کوئی بات نہ ہو مگر بیگیم صاحب کا منہ پھولا ہی رہتا ہے۔ اور آپ ہی آپ خاموش بیٹھی طیش کھایا کرتی ہیں۔ خوئے بد کا ہش جان۔ بعضوں میں یہ عادت ہوتی ہے۔ کہ بات بات پر گلہ بات بات پر شکایت اور پھر شکایت اور گلہ بھی بے وجہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں ضبط اور عقل نہیں۔ نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہونا ہے۔ کہ مرد اپنے نطفہ صحت کے لئے کوئی اور جلیس ڈھونڈے اور گھر میں گھسٹا رہے ناگوار معلوم ہو۔ جن لوگوں کو قسمت سے خوش اخلاق بیویاں مل جاتی ہیں۔ جو سیان گئے گھر آنے پر اظہار مسرت کرتی ہیں اوس کے پریشان خیالات کو اپنی دلکش ادائوں سے دور کر دیتی ہیں وہ مرد اپنا بہت سا فرصت کا وقت اپنے گھر میں صرف کرتے ہیں۔ دنیا میں تریا ہٹ مشہور ہے اور یہ دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے۔

۱۲۔ حسن صورت۔ کسی شخص کے شکل و شمائل کی وہ خوبی جس میں

حسن

اخلاق اور تذاہیر منزل اور سیاست مدن کی واقفیت ایک عمدہ شوہر بننے کے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ اور جب تک خود مرد قابل نہ ہوں وہ نیک اور لائق بیوی کی کہا حقہ کبھی قدر نہیں کر سکتے۔ ایک مثل ہے۔ کہ ”چاہ آسان نباہا کل ہے“۔ شاید کسی خاص حد تک یہ بیچ ہو لیکن شادی کے بعد مرد و عورت دونوں کو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ ہم ایک ایسی گاڑی میں جوتے گئے ہیں جس کی منزل لب گوہر ختم ہوتی ہے اور دنیا کی راحت اور آرام اور متاہل زندگی کی ساری برکتیں ہماری باہمی سنجوگ باہمی ملاپ بہرہ رومی اور باہمی محبت پر منحصر ہیں۔ جب تک مرد و عورت دونوں محبت کی رستی میں جکڑے ہوئے نہ ہوں اور ان میں کامل اتفاق اور اتحاد نہ ہو۔ متاہلانہ زندگی کی اہم ذمہ داریوں کو اچھی طرح سے ادا نہیں کر سکتے۔ جس میان کے دل میں بیوی کی اور جس بیوی کے دل میں میان کی محبت نہ ہو وہ میان بیوی نہیں ہیں۔ جو شخص اپنی بیوی کے ہوتے کہیں اور اپنے دل کا پہلا ڈھونڈے وہ اپنی سچی راحت اور حقیقی آرام ہی کا خون نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خاندان میں بے التفاتی۔ نا التفاتی۔ اور تمام قسم کی بُرائیوں کا بیج بوتا ہے۔ وہ اپنی اولاد اور اپنے چھوٹے رشتہ داروں کے لئے ایک بُری مثال قائم کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی دل آزاری کا ہی مجرم نہیں ہے۔ بلکہ اس نے فارغ البالی اور عیش کے زمانہ میں بیجا گلچہرے اڑا کر وہ تمام حقوق کھود لئے ہیں جن کی رو سے عورت پریشانی یا بیماری یا کسی اور قسم کی مصیبت کے دنوں میں وہ اپنی ہمیشہ کی ساتھی کی دلجوئی اور مدد اور بہرہ رومی بلکہ شرکت مصیبت کا مستحق تھا۔ دنیا میں ناجائز تعلقات یا آوارگی کے روکنے کے لئے اس سے بہتر تجویز نہیں کہ مرد خود اپنی خواہشات کو روکین اس گناہ کے پھیلانے کی عورتیں اتنی مجرم نہیں ہیں جتنے خود مرد ہیں۔ عصمت مردوں کا بھی ایسا ہی عمدہ جوہر ہے جیسا عورتوں کے لئے جو لوگ اس جوہر کو کھو کر حفظ اور مسرت ڈھونڈتے ہیں وہ اندھے ہیں کہ اپنی آنکھیں کھو کر در بھیک مانگتے ہیں ”یار درخانہ ومن گرد جهان میگردد“ کیا یہ

مردوں میں  
عصمت ر  
پاکدامنی کی  
ضرورت

النَّزْجُ عَلَى سَرَّوَيْتِهِ وَإِنْ يَكُونُ  
 أَبْعَدَ مِنَ التَّدَامِ الَّذِي يَكُونُ  
 إِنَّ إِنْ تَجِدَ فِي السَّحَابِ وَكَهْ يُوَافِقُهُ  
 فَلَمْ يَزِدْهُ وَاسْتَمْسَكَ لِلتَّلَافِي  
 إِنَّ سَرَّ أَنْ يَكُونُ تَزْجُهَا  
 عَلَى شَوْقٍ وَنَشَاطٍ أَنْ وَافَقَهُ  
 وَالرَّجُلُ الْحَكِيمُ لَا يَلْجِئُ مَوْلَاهُ  
 حَتَّى يَتَيَسَّلَ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ قَبْلَ  
 وَلَوْ جِهَ

کہ دیکھ لینے کے بعد جو سراج واقع ہوگا ہوشیار  
 کے ساتھ ہوگا اور وہ ندامت جو بلا دیکھے تھا  
 سراج کر لینے اور طبیعت کے موافق نہ ہونے اور  
 پھر اسے رو نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے ایسے وقت میں  
 پیش نہیں آتی۔ اور دیکھنے کے بعد اسکو رو کر آسمان  
 ہوتا ہے۔ دوسرے ایسے وقت میں سراج شوق اور نشاط  
 کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ وہ اسکی طبیعت کے موافق  
 ہوتا ہے۔ اور عقلمند آدمی جب تک کسی چیز کی بھلائی بڑی  
 پہلے معلوم نہ کر لے اسکا اقدام نہیں کرتا۔

آئندہ اس وقت کے میدان یا منافرت کا اثر ہمیشہ رنگ دکھاتا ہے۔ اگر  
 خدا نخواستہ اس وقت منافرت زیادہ ہو تو پھر دیگر خوبیوں سے آگہی کا عوت نہیں  
 ملتا۔ یا وہ خوبیاں خوبیاں ہی نہیں معلوم ہوتیں۔ لیکن جب کسی کی دل فریب  
 صورت اور ادائیں تسخیر کر لیتی ہیں۔ تو اخلاق اور بد سلیقگی کے نقص بھی کم  
 دل آزار ہو جاتے ہیں۔

حسین بی بی اپنے غریب خاوند کی تسکین اور تسخیر کے لئے اُس امیر زراعی  
 سے زیادہ بہتر ہے۔ جس سے عہدہ عہدہ زیورات اور جواہرات سے اپنے تئیں آراستہ  
 کیا ہو۔ اور بد شکل عورت کو چونکہ اپنے تئیں اچھا بنانے کے لئے زیادہ عہدہ زیورات  
 اور لباس فاخرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سبب سے وہ حسین عورت کی نسبت  
 زیادہ فضول خرچ بھی ہوتی ہے۔ لیکن ”یک صورت زیبا بہ از ہر اخلعت ویا“  
 اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام صفات حمیدہ عطا فرمائے تو کیا بڑی بات  
 ہے ورنہ مذکورہ بالا اوصاف میں سے جس قدر زیادہ حصہ کسی کو ملا ہے اُس ہی قدر  
 وہ قابل قدر ہے۔ اور تلاش میں اتنا ہی خیال رکھنا مناسب ہے کہ یہ اوصاف  
 کس درجہ تک پائے جاتے ہیں۔ مردوں میں بھی خصائلِ رفیلہ سے پرہیز اصول

بد صورتی فضول  
 خرچ پیدا کرتی  
 ہے۔

نفاق و اتحاد

آفرین ہے ! اور اس میں شک نہیں کہ اگر مرد قوانین شریعت کی پابندی کریں اور عورتوں کے حقوق نگاہ رکھیں تو عورتوں کی برابری کی مثالیں ہر نسل میں مل جائیں صرف نان نفقہ کی کفالت سے بیوی کے پورے حقوق ادا نہیں ہوتے۔ اور انسان بیوی کی پوری خدمات کا مستحق نہیں بن جاتا۔ اس وقت تک متاہرانہ زندگی کی خوشیاں اور راحتیں پوری پوری نصیب نہیں ہوتیں جب تک میان بیوی نے ایک دوسرے کے دل میں گھر نہ کر لیا ہو۔

شادی کے بعد خواہ بیوی کیسی ہی ملے اس کو ستانا اور آزار دینا کیلئے بلکہ وحشیانہ حرکت ہے۔ بلکہ شروع ہی سے باہمی رویہ ایسا ہونا چاہئے کہ خوش اخلاقی۔ خندہ پیشانی محبت اور اخلاق کی ادائیں۔ روز بروز زیادہ گرویدہ کرنی جائیں یہاں تک کہ ایک عرصہ کے بعد جب شادی کو کافی مدت گزر جائے تو یہ محبت اور اخلاص طبیعت میں راسخ ہو جائے۔ ابتدا میں چونکہ اجنبیت زیادہ ہوتی ہے لہذا اول ہی سے پوری سرگرمی اور اطاعت و اخلاص کی توقع کرنا بیجا ہے مان اس مطلب کے حصول کے لئے اگرچہ بہت محنت ہو لیکن نہ اقوال سے بلکہ افعال اور باہمی رویہ سے ہر وقت ہر ضرورت کو اچھی طرح پورا کر کے اور آرام آسائش محبت خاطر داری کا لحاظ کر کے اس طرح پیش آنا چاہئے کہ یہ ثابت ہو سکے کہ دنیا میں بیوی کو خاوند سے اور خاوند کو بیوی سے زیادہ کوئی چیز عزیز و قابل ترجیح نہیں ہے۔ اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی عزت اور حرمت ہے۔ حتیٰ کہ یہ اعتقاد طبیعتوں میں راسخ ہو جائے اور دل محبت کی بندشوں میں جکڑ جائے عادت طبیعت ثانی ہے۔ اصول صداقت کا شروع ہی سے لحاظ کیا جائے تو پھر اس میں ہی ایسا لطف آنے لگتا ہے۔ کہ خود دل میں اس راہ چلنے کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ عورتوں کے دل زیادہ نازک ہوتے ہیں ان کی طبیعت پر ذرا سے رنج اور ذرا سی خوشی کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور خاوند کی ذرا سی بے التفاتی یا بے اعتنائی کا اثر ان کی طبیعت پر زیادہ آزار دہ ہوتا ہے۔ عورت اپنی آزادی

ممکن ہے کہ جو ظاہری اور عارضی محبت اُنہوں نے تھوڑی دیر کے لئے بہت سا معاوضہ دیکر خریدی ہے کوئی عمدہ پھل دیگی ہے۔ اقدام معاصی اور حصول لذات شہوانی دین و دنیا دونوں میں ندامت اور پشیمانی و بربادی کا باعث ہے۔ اگر انسان طبیعت کو خلاف شرع امور سے نہیں روکتا اگر اسے اپنے اوپر اتنا قابو حاصل نہیں۔ کہ منہیات سے اجتناب اور اوامر کی پابندی کرے۔ اگر اس کے قوائے شہوانی قوائے عقلیہ کے مطیع نہیں تو وہ مرتبہ انسانی سے گر کر مراتب ہیمیمہ کو پہنچ گیا ہے۔ وہ ایسا ایسے زندان میں گرفتار ہے جہاں مکر و فریب کی زنجیریں جھوٹی محبت کے جال بکرا سے جکڑے ہوئے ہیں جہاں پر فسوں عشوہ و ناز اور ناپاک تزیین نے دھوکہ کی طبع بن کر زہریلے اثرون کو چھپا رکھا ہے۔ بدکردار شخص کی پیروی جب اپنے حقوق کو پورا ہوتے نہیں دیکھتی تو وہ بھی خاوند کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھتی اور اس کے دل سے اس کی عزت۔ وفاداری۔ رعب۔ اداس فرائض کا خیال جاتا رہتا ہے۔ خاندانی عزت۔ شرافت و نجابت۔ پاس تنگ نام کے لئے مردوں کی پاکدامنی بھی ضروری اور لازمی شرط ہے۔ اور یہ مردوں کی سخت غلطی ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنے فرقہ کے کفر کردار سے ایسا انعام حاصل کیا ہے۔ گویا ان کی نعرشیں اگر ان کا جوہر نہیں تو ایسی معمولی بات تو ضرور ہیں جن سے خاندان کے ناموس پر کوئی بڑھ نہیں لگتا۔ لیکن فی الحقیقت یہ مردوں کی ہٹ دھرمی ہے اور عورتیں اس ہٹ دھرمی سے واقف ہیں۔

اگر مرد خود بے مروتی اور غفلت شعاری اختیار کرتے ہیں۔ اگر اولاد کے اوضاع و اطوار میں بے قاعدگی ہے۔ اگر خود ان کو اپنا گھرا چھا نہیں معلوم ہوتا اور اس میں ان کو کوئی دلچسپی نہیں۔ تو قصور وار وہ خود ہیں اور ان کو سارے بُرے نتائج بھگتنے چاہئیں۔ لیکن خوش قسمتی سے دنیا میں ایسی پاک نفس عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی بداطواری کے سبب کیسا ہی انگاروں پر کیوں نہ لوٹیں۔ لیکن آبرو پر جان دیدیتی ہیں۔ ان کی بہت مردانہ کو ہزار



# باب چہارم

## اولاد

### ۱۔ پرورش اولاد

بچے باغ زندگی کے پھل پھول ہیں کہ شجر حیات والدین کی زمینت اور خاندان کے دل بہلانے اور خوشی بخشنے کا ذریعہ ہیں۔ ان کے پیارے پیارے حرکات۔ بھولی بھولی باتیں۔ دلفریب صورت۔ مان باپ کی خوشی کا چشمہ اور غم غلط کرنے کا آلہ ہے۔ امید جو انسان کی دلی تسکین اور اطمینان کا ذریعہ ہے۔ نو نھال اولاد کو دیکھ کر قوی ہو جاتی ہے۔ اور دل میں ڈھارس بندھتی ہے۔ کہ عصا بے پیری موجود ہے۔

بچوں کا مشتاق ہونا یا ان سے محبت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انسان کے دل میں عاجز مخلوق کے ساتھ رحم اور ہمدردی کرنے کا مادہ ہے۔ جو شخص اپنی اولاد سے محبت نہیں کرتا اس سے یہ امید فضول ہے کہ وہ بنی نوع انسان میں سے کسی اور سے محبت و معاونت کا ہتھوڑا کریگا۔ پرورش اولاد مشکل اور سخت کام ہے۔ لیکن اس کی محبت اس مشکل کو سہل اور سختی کو راحت سے بدل دیتی ہے حکمت بالغہ الہی نے حیوانات میں بھی یہ قوت اس سبب سے رکھی ہے۔ کہ اون کی محنتوں کو سہل اور خوشگوار کر دے۔ حیوانات چونکہ مدنی بالطبع نہیں ہیں پرورش کا زمانہ ختم ہوتے ہی ان کی محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان چونکہ مدنی بالطبع ہے۔ اس کے تعلقات عمر بھر قائم رہتے ہیں۔ اس لئے اس کی محبت میں زیادہ استحکام ہے۔ اسی محبت کے سبب سے والدین پرورش اور تربیت میں وہ تدابیر اختیار کرتے ہیں جن سے بچوں کے دل قوی ہوں اور ان کی

اپنے آرام بلکہ دنیا کے ہر ایک نیک و بد حالت کو ترک کر کے اپنی ساری امیدیں اپنی ساری خوشیاں اور زندگی بھر کا ریخ و راحت خاوند کی عنایت اور محبت پر چھوڑ دیتی ہے۔ اس کی مصیبتوں میں ثابت قدمی سے ساتھ دیتی ہے۔ مصائب میں خدمتگار کی کرتی ہے۔ کون ایسا شخص ہو گا کہ ایسے رفیق کی دل جوئی نہ کرے۔ اور اس کے حق میں ذرا سا بجا آزار بھی روارکھے۔ اس ہی طرح سے بیوی کا فرض ہے کہ شوہر کی اطاعت اور رضا جوئی کرے۔ مرد و عورت کا محکوم نہیں ہے اور کوئی عورت امید نہیں کر سکتی کہ کوئی مرد بے وجہ عورت کے حکم کو جو وہ بے سوچے سمجھے صرف ناز برداری کے زغم میں کہہ دے اٹھا سکیگا۔ بلکہ عورتوں کا فرض ہے کہ خاوند کی فرمان کی بجا آوری کرے۔ کسی عورت کا یہ شیخی بگھارنا کہ میرا خاوند مجھ سے ڈرتا ہے یا میری بجا باتیں سنتا ہے اور مجھ سے دبتا ہے فخر نہیں ذلت ہے۔ اگر عورت کی زبان سے کوئی ناشائستہ یا نامناسب لفظ نکلے۔ یا عورت مرد کے ایسے کاموں میں جو عورت کی قابلیت سے زیادہ یا اس سے غیر متعلق ہوں خواہ مخواہ دخل دے تو مرد کو حق ہے کہ اسے روکے۔ جو مرد اپنی بیویوں سے اس طرح دبتے ہیں اور ان کے ایسے محکوم ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کی فضیحت کیا کریں اور یہ سنا کریں یا وہ حاکمانہ یا خاوندانہ برتاؤ کریں اور یہ اٹھائیں یا بیوی کی کسی غلطی یا بیوقوفی پر اس کو تنبیہ نہ کر سکیں تو وہ ناز برداری نہیں کرتے بلکہ غلامی کرتے ہیں۔ جن کی نہ سوسائٹی میں عزت ہے نہ عزیز واقربا میں وقعت نہ خدمتگار اور ہمسایوں میں حرمت اور صرف میان ہی کی آبرو ہی نہیں جاتی بلکہ دانشمند ایسی بیویوں کو بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

ہر گھر کا ایک سردار ہوتا ہے اور جس شخص کے سپر ساری ذمہ داریوں کا بوجھ ہے وہی گھر کا سردار ہو سکتا ہے۔ اور چھوٹے بڑے سب کو اس ہی کی بات ماننی چاہئے اگر مرد اس استحقاق کو چھوڑ دین تو اوّل ذلت اور پھر بربادی کا سامنا ہے۔



کاٹ کر اس کے رزق میں شریک کر لیا ہے۔ لیکن اس سے کب ہو سکے گا کہ بچے  
 بچے سے زیادہ دوسرے بچے کو دودھ پلائے۔ یا اپنی اولاد سے زیادہ دوسرے بچے  
 کی نگہداشت کرے۔ جب مان بچے پالنے سے دل چڑائے تو انا کہ پرانی اولاد کی ایسی  
 کیا لگی ہے کہ پوری پوری نگہداشت رکھے۔ غرض چونکہ اناؤں۔ ماماؤں۔ مانیوں  
 کو بچوں سے اپنی اولاد کی سی محبت نہیں ہوتی وہ مان باپ کے سامنے تو دکھاؤ  
 کو بچے کے صدقہ واری جاتی ہیں۔ لیکن غیبت میں اس کی نگہداشت کی ویسے  
 پروا نہیں کرتیں۔ اور نہیں کر سکتیں۔ جن اناؤں یا ماماؤں کو اولاد سے محبت  
 ہو بھی جاتی ہے۔ تو پرورش کے زمانہ کے اختتام میں اتنی مدت تک ساتھ رہنے  
 سے ہوتی ہے۔ برخلاف مان کے کہ اس کو محبت پیدا ہوتے ہی ویسے ہوتی ہے۔  
 جیسی آخر میں۔ پس نازک وقت میں کہ پرورش اور نگہداشت کی زیادہ ضرورت  
 ہے۔ مان کی سی دلسوزی اور محبت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ نقصان میں رہتا ہے۔  
 ایک مان کا دودھ ایک بچے کی پوری غذا ہے۔ انا کو دیکر دوسرے بچے تک ساتھ  
 شریک کرنا دونوں کی حق تلفی اور بے انصافی ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انا کچھ عرصہ کے بعد چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ اور اسے اولاد  
 مان کا دودھ خشک ہو جاتا ہے۔ اور ہر بچہ اُس انا سے مانوس ہو جاتا ہے۔ کچھ بچوں  
 کے مارے اور کچھ پالنے والی کے غم میں بچے کی جان کے نالے پڑ جاتے ہیں۔  
 ناسمجھ بچے جب انا اور اس کے بچوں کی صحبت میں رہیں گے تو ظاہر ہے کہ سو  
 آوارگی کے اور کیا سیکھیں گے اور اس وقت آوارگی کا بیج ان کی طبیعت میں ہو جا  
 جائیگا تو بڑے ہو کر اس کے نکالنے اور اخلاق حسنہ پیدا کرنے کے لئے کتنی دقت  
 اٹھانی پڑے گی۔ زمانہ میں شرافت اور نجابت کی پرستش اس اعتقاد پر مبنی ہے  
 کہ شریفوں کی اولاد میں عمدہ خون اور شریف سوسائٹی کے سبب قدرتا عمدہ اخلاق  
 ہوتے ہیں۔ پس بچے کو رذیل اور کم ذات عورت کا دودھ پلانا اس میں طبعاً اخلاق  
 ذمہ کا پیدا کرنا ہے۔ ایک یونانی حکیم کا قول ہے کہ ”اپنے بچے کو غلام کے ماتھے

مان سے  
 بچے سے  
 نہیں کرتے

بعض ماماؤں  
 کی عورتوں سے  
 مان بچے کو  
 دودھ پلاتے ہیں۔

اناؤں کی رشتہ  
 داریا خلاق ہوتے ہیں۔

عادۃ میں سنویرین۔ اور ہمیشہ ان کی خوشی میں ترقی ہوتی رہے۔ بچوں کی ایسی نگہداشت کرنا جس سے شروع ہی سے وہ شائستہ تندرست اور باشاہانہ رہیں۔ آسان کام نہیں ہے۔ بچوں کی مزاج کی پرداخت بہت توجہ سے کرنی چاہئے اور ان کے دل میں ایسی قابلیت پیدا کی جائے کہ وہ ماں باپ کے منشاء کو سمجھ سکیں اور ان کے اشاروں پر چلیں۔

اولاد کی پرورش صرف اس خیال سے نہیں کی جاتی کہ اولاد بڑی ہو کر ماں باپ کی خدمت کرے گی۔ بلکہ وہ اس تکلیف و نگہداشت کا عوض ہے جو ان کے ماں باپ نے خود ان کی پرورش و تربیت میں اٹھائی تھی۔ بچے اللہ کے معصوم اور لاچار بندے ہیں اور اس لئے یہ قاعدہ مقرر فرمایا ہے کہ بے کسوں کی پرورش صاحبان قوت و قدرت کی مدد سے ہوا کرے پس عاجز بچوں کو حتی المقدور اچھی حالت میں رکھنا اور ان کی بہبودی کے لئے سعی کرنا ماں باپ کا فرض منصبی ہے۔ بچوں کی جسمانی صحت اور آئندہ اوصاف کی بنیاد بہت کچھ پرورش ہی کے زمانہ میں رکھی جاتی ہے اور ماں باپ کی لیاقت اور تجربہ کے استعمال کا وقت اولاد کی پرورش اور تربیت کے وقت سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے پرورش کی تکلیف کو کم کرنے کے لئے یا پون کہو کہ اپنے فرائض کی سجاویری میں کوتاہی کرنے کے لئے۔ بچوں کی ابتدائی پرورش اور تربیت بھی انہوں کے سپرد کر دی جاتی ہے اور بچہ سب سے پہلے ایک کثیف عورت کے سپرد و دودھ پلانے کے لئے کیا جاتا ہے بچہ کی غذا اللہ تعالیٰ نے ماں کی چھاتی میں پیدا کی ہے اور یہی غذا اس کے مزاج کے موافق اور اس کے حق میں مفید قرار دی ہے۔ لیکن اپنے سینہ سے جدا کر کے دوسرے کی گود میں بچہ کو دینا اکثر تن آسانی یا انظار امارت کی غرض سے ہوتا ہے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ماں میں یا تو محبت مادری کی کمی ہے یا سبب جہالت پرورش کے اصول سے واقفیت نہیں انا خود بچہ دار ہے اوس کے دل میں خود مامتا کی آگ لگی ہوئی ہے۔ صرف تنخواہ یا معاوضہ کے لالچ سے گو اس نے مجبوراً دوسرے بچہ کو اپنی اولاد کا حلق

اولاد کی پرورش

بچوں کو انہوں کے سپرد کرنا مضرب ہے۔

وجود سے سوسائٹی کو ذرہ سا بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جو لوگ غیر قوم کی عورت کے ہاتھ میں اپنا بچہ دیتے ہیں۔ وہ گویا اپنی قوم سے ایک شخص کو کم کرتے ہیں۔

مدارس کی تعلیم خواہ کچھ بھی ہو جو اثر کہ اس ابتدائی زمانہ کی گھر کی مثالین دیکھ کر بچہ کی طبیعت پر پڑا ہے۔ وہ آئندہ جوان مرد یا عورت ہو کر ان کی طبیعت سے نکلنے والا نہیں۔ گھر سوسائٹی کا آئینہ ہے۔ اور جب وہ اپنے ایک سرپرست کو ایک خاص مذہب۔ خاص زبان۔ خاص خیالات۔ خاص طرز معاشرت۔ کا دیکھیں گے۔ تو ان باتوں سے ان کو اجنبیت اور مغایرت نہ رہیگی۔ اور جب کہ سرپرست بھی وہ ہو۔ جس کی گود میں وہ کھیل کھیل کر بڑے ہوئے ہوں۔ اور جس سے ان کو مان سے زیادہ محبت ہو تو اس کی ہر ایک ادا سے مغایرت تو کجا موافقت ہوگی۔ یہ سچ ہے کہ بڑے ہو کر بھی انسان دوسری قوموں سے ملتا جلتا اور ان کے اوضاع و اطوار سے واقفیت پیدا کرتا ہے۔ لیکن اہل دانش جانتے ہیں کہ خیالات کے راسخ اور خصائل کے پختہ ہونے کے بعد جو ایسی واقفیت حاصل ہوتی ہے تو بعض خام طبیعتوں کا تو کہنا نہیں ورنہ اس کا اثر ایسا قومی نہیں ہوتا کہ ان کو پرایا نہ سمجھے۔ لیکن یہ بچے جنہوں نے آنکھ کھول کر یہ باتیں دیکھیں اس سے بالکل متاثر ہو جاتے ہیں۔ طفولیت کے زمانہ میں پرورش و تربیت کے طریقہ سے خواہ اچھی ہو یا بُری مفید ہو یا غیر مفید۔ عادات۔ خصائل۔ خیالات۔ رائے۔ مسائل اور اصول جو تمدن اور معاشرت کی بنیاد ہیں۔ قائم ہوتی ہیں۔ پروفیسر بلیسکی بیان کرتے ہیں کہ اپنی قوم سے محبت کرنے کی اصل یہ ہے کہ اپنے ہاں کی ذرا ذرا سی عمدہ بات سے محبت ہو اور یہ محبت بچپن ہی میں پیدا ہو سکتی ہے۔ بڑے ہو کر محبت کا یہ دائرہ بھی وسیع ہو جاتا ہے اور قومیت کی بنیاد قائم ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کے دل میں زمانہ طفولیت میں نیشیلیٹی کی اصل قائم نہ کی گئی ہو۔ ان کے بڑے ہو کر اس کی امید رکھنی طلب محال ہے۔ مان علالت یا دودھ کی قلت یا کسی وجہ سے بھی بعض اوقات بچہ کو دوسروں کی گود میں دیتی ہے۔ لیکن اپنے

پرورش کراؤ تو ایک غلام کے بدلے تمہارے پاس دو غلام ہو جائیں گے۔  
 اس سے بھی زیادہ بدتر ہے غیر قوموں کے ہاتھ میں بچوں کی پرورش اور  
 تربیت کا سپرد کرنا۔ ہمارے ملک میں امراء کے ہاں یہ قاعدہ ہوتا چلا ہے کہ عیسائی  
 یا پورپین عورتیں نرس مقرر کی جاتی ہیں۔ اور بچہ کم وبیش بالکل ان کے ہاتھوں  
 میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یورپین نرس اس خیال سے کہ وہ تعلیم یافتہ اور بچہ کی  
 پرورش کے قاعدہ سے واقف ہوتی ہے۔ شاید دسی غیب جاہل انا کی نسبت  
 بہتر ہو۔ بلکہ شاید بچہ کی صحت اور خدمت کا ان جاہل ماؤں سے بھی بہتر انتظام  
 کرے جن کی ناقابلیت کے سبب بچہ اُن غیر قوم اور غیر مذہب عورتوں کے سپرد  
 کیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی بیش قرار تنخواہ کی بہت تعلیم یافتہ عورت مقرر کی گئی ہے  
 تو وہ یہ بھی کریگی کہ بچہ کو شروع ہی سے انگریزی باتیں کرنا اور انگریزی معاشرت کا  
 پابند ہونا سکھا دیگی۔ یہ باتیں خواہ اچھی ہوں یا بُری یا خواہ کسی قدر اعلیٰ درجہ پر  
 کیوں نہ حاصل ہوں۔ بچہ کو ایسی عورتوں کے سپرد کرنے سے وہ بہت بڑا جوہر  
 جاتا رہیگا جو اس کے لئے انسانیت کی شان ہوتا۔ اور جو نہ صرف اس کے لئے  
 بلکہ اس کی تمام قوم کے لئے فائدہ کی چیز ہے۔ یعنی ”قومیت و اخوت“ انسان  
 کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جو کچھ آنکھ سے دیکھتا ہے اس کا اثر اس کے دل پر  
 ان باتوں سے زیادہ ہوتا ہے جو وہ کانوں سے سنے اور بچوں کے دل میں وہ  
 باتیں جو وہ دیکھیں نقش ہو جاتی ہیں۔ اور ان کو جو کچھ علم حاصل ہوتا ہے وہ بیشتر  
 آنکھوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور ان کو تو کیا دوسروں کو بھی نہیں  
 معلوم ہوتا کہ چپکے ہی چپکے ان کی طبیعت کی رنگ اختیار کر رہی ہے۔ اس وقت  
 ان کو ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ جو کچھ دیکھیں اور سنیں اور سیکھیں غرض جو  
 نقش ان کے دل میں جمے ویسا اثر پیدا کرے۔ جیسا آگے چلکر ان کو بنانا ہے  
 غیر قوموں کے ہاتھ میں پرورش پالنے والے بچے چاہے آسمان کے تارے ہو جائیں  
 لیکن قوم کے غیر خواہ ممبر نہیں ہو سکتے۔ اور جب ان میں نیشلیٹی نہ ہوگی تو ان کے

غیر قوموں کی  
 عورتوں کے ہاتھ  
 میں بچہ کی پرورش  
 سپرد کرنا اثر

تیسرے درجہ پر کھانے کا انتظام ہے۔ لوگ بچوں کو بہلانے کی خاطر کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز دیدیتے ہیں۔ بے وقت اور مضر صحت چیزیں کھانے سے ان کے معدے خراب ہو جاتے ہیں۔ اور تندرستی میں فرق پڑ جاتا ہے۔ انائین تو اپنی جان چھٹانے کو اور کچھ نہیں تو سوکھی روٹی کے ٹکڑے ہر وقت ان کو دے کر بہلاتی ہیں۔ اس طرح بچوں کی نیت خراب ہو جاتی ہے کہ ہر وقت وہ کھانے کو مانگے جاتے ہیں۔ بچوں کے کھانے کے اوقات مقرر کرنے لازم ہیں۔ اور ان کی عمر اور مزاج کے لحاظ سے طاقت بخش اور عمدہ غذا دینی چاہئے۔ بدن کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دودھ اون سب کو پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح انڈا بھی جسم کی پرورش کرنے میں مفید ہے۔ گوشت طاقت بخشتا ہے۔ پتے پھل بہت مفید ہوتے ہیں۔ لیکن کچے اور گلے سڑے نہایت مضر صحت ہیں

چاء اور کافی صغیر سن بچوں کو مفید نہیں ان کو دودھ اور کھیر کھلانی چاہئے بچوں کو روز نہلانا اور ان کے کپڑے بدلتے رہنا مفید صحت ہے۔ چارے کے موسم میں گرم کپڑے پہنانا اور ہوا سے بچانا اور گرمی میں دھوپ میں ٹخنے پانوں ننگے سر پھرنے سے منع کرنا چاہئے۔ بجائے اس کے کہ بچوں کے لئے گھٹا کر کے کے قیمتی کپڑے یا سونے چاندی کے زیور بنانے میں روپیہ ضائع کیا جائے بہتر ہے کہ ان کے لئے بہت سے سادہ جوڑے تیار کر لئے جائیں۔ اور روزانہ کپڑے بدل دئے جائیں صاف لباس جو ان کی صحت کو برقرار رکھے۔ ان کے ہاتھ قیمتی لباس سے بہتر ہے۔ صبح کے وقت گرمی میں ٹھنڈے اور چارے میں سموسا ہوئے پانی سے نہلانا اور بدن کو ملکہ صاف کرنا لازم ہے۔ تھکن۔ بخار۔ اور کھانے کے بعد ٹھنڈے پانی سے نہلانا نقصان دیتا ہے۔

چھوٹے بچوں کے لئے کھیلنا کوونا۔ اوچھلنا۔ چلنا پھرنا چیخنا ہنسنا ہی ورزش ہے۔ اور ان کو کبھی منع نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ ایسے کھیلوں میں جس میں بھاگنے دوڑنے کی ضرورت پڑے بچوں کو لگانا چاہئے تاکہ ورزش اچھی طرح ہوتی ہے۔



بچے کو اپنے پاس رکھنا اور اس کو بازار کا دودھ وغیرہ طبی طریق پر دینا۔ زیادہ مفید اور زیادہ سہل ہے بنسبت اس کے کہ اُسے انا کو دیکر مان کی چھاتی سے علیحدہ کیا جائے۔

ان کی محبت

جب بچے ذرا ہوش سنبھالنے لگتے ہیں تو وہ اپنے تئیں اناؤں کے پاس دیکھتے ہیں۔ اور اپنی ساری حاجتیں اور ضرورتیں ان سے وابستہ اور ان ہی سے پوری ہوتی ہوئی پاتے ہیں۔ تو وہ قدرتاً مان سے زیادہ انا سے محبت کرتے ہیں بڑے ہو کر انہیں سکھانا پڑتا ہے کہ مان سے محبت کرنی فرض ہے تو چاہے سمجھ آجانے کے سبب وہ مان کا زیادہ ادب کرنے لگیں۔ لیکن مان کی محبت کا وہ طبعی جوش جو بچپن میں پیدا ہونا چاہئے تھا اب نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا۔

پرورش کے اصول

بعض بچے تندرست اور توانا ہوتے ہیں۔ اور مان باپ کو پرورش کرنے میں زیادہ وقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ بعض ایسے کمزور اور لاغر ہوتے ہیں کہ ہمیشہ حکیم کے زیر علاج رہتے ہیں۔ لیکن اس میں بچوں کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ یا تو ان کے حفظ صحت کا لحاظ نہ رکھنا اس کا باعث ہوتا ہے۔ یا وہ خلقتاً نہایت کمزور اور بیمار پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ اکثر خود مان باپ کی صحت کی خرابی ہوتی ہے۔

بڑے ہون یا بچے سب کے لئے تازی اور صاف ہوا کی ضرورت ہے۔ دنیا میں طرح طرح کے زہر ہیں۔ لیکن شاید کسی اور زہر سے اتنی جانیں تلف نہیں ہوتیں جتنی زہر پلی ہوا سے۔ اس لئے اوس مکان کو جہاں بچے رہیں تمام آلائش سے پاک اور صاف رکھنا چاہئے۔ صبح و شام بچوں کو باغوں اور کھلے میدانوں میں ہوا خوری کو لیجانا بھی ان کے لئے مفید صحت ہوتا ہے۔

ہوا سے دوسرے درجہ پر صاف پانی کی حاجت ہے۔ جہاں تک ممکن ہو بچوں کو فلٹر میں مقطر کر کے۔ پانی دیا جائے۔ اور جہاں خراب کثیف پانی ملے۔ تو جوش کر کے دینا بہتر ہے۔

معمولی کام اور بود و باش کی عمدہ مثالین۔ اگرچہ معمولی باتین معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ کچھ کم ضروری نہیں ہیں۔ کیونکہ جب یہ باتین سچے میں جڑ پکڑتی جاتی ہیں تو اس کی طبیعت کو درست یا خراب کرتی ہیں۔ مہربانی۔ سلوک۔ راستبازی۔ پابندی وقت۔ خودداری کی جو مثالین بچے مان باپ میں یا اور گھر والوں میں دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں اور یہ عادتین عمر بھر قائم رہتی ہیں۔

جن گھروں میں محبت کے چراغ روشن ہیں۔ جہاں ادائے فرائض کا خیال رکھا جاتا ہے جہاں کی روزانہ زندگی دیانت اور پرہیزگاری سے بسر ہوتی ہے۔ جہاں گھر کا سردار عقل اور مروت سے کام لیتا ہے۔ ایسے گھروں میں اُمید کی جاسکتی ہے کہ بچے اپنے بزرگوں کی مثال پر چلیں گے اور اپنا رویہ درست رکھیں گے اور اپنے گھر۔ اپنی قوم۔ اپنے ملک۔ بلکہ کل انبائے جنس کے لئے راحت اور عزت کا باعث ہوں گے۔ لیکن جن گھروں میں خود غرضی۔ جہالت۔ بد مزاجی۔ بد سلیقگی کا دور ہے اوس گھر کے بچے بھی وہی عادات اختیار کریں گے۔ اور ان کے ناشائستہ حرکات دوسروں کے لئے بھی تکلیف اور ذلت کا باعث ہوں گے۔

پیدائش کے لحاظ سے سب انسان آپس میں برابر ہیں۔ لیکن دوسرے اعتبارات سے ان میں باہم فرق اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً جو لوگ عمر میں۔ اخلاق میں۔ دولت میں۔ علم میں اور اعتبارات دنیاوی کے لحاظ سے شرافت نسب میں دوسروں پر تفوق رکھتے ہیں وہ زیادہ قابل ادب زیادہ معزز اور با وقعت خیال کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس تمام تفریق اور امتیاز کے باوجود بھی ان کو باہمیہ یکساں حیثیت سے برابری اور ہمہ سری کا رتبہ حاصل ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے فعل کا پورا پورا اختیار اور آزاد ہے۔ عقل انسانی جو فطرت نے انسان کو عطا کی ہے اس کی راہنما ہے اور فطرتاً انسان مجبور نہیں ہے کہ سوائے نفس ناطقہ کے کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت کرے یا کسی انسان کی ناجائز جبر و تعدی کی فرمان بری کرے۔ ہر مذہب و سوسائٹی میں اس کے حقوق اس کی حیثیت کے موافق محفوظ ہیں۔ اور

بچوں کو اطاعت

کرنی فرض ہے

اس طرح کھیل کود میں جو ورزش ہوگی اوس سے ہاتھ پاؤں میں چستی اور توانائی آئے گی۔ منو خوب اور جلد ہوگا۔ اور بچے نہایت بشاش اور شاد دست رہیں گے صبح و شام کھلے میدانوں میں بچوں کو کھیل میں مشغول رکھنا اور پڑھنے سے فارغ ہونے یا مدرسہ سے آنے کے بعد سامان تفریح مہیا کرنے ان کے لئے ضرور ہیں۔

بڑے آدمیوں کی نسبت بچوں کو نیند زیادہ آتی ہے اور ان کو زیادہ سونے کی ضرورت بھی ہے اس لئے ان کو سویرے سے سلا دینا چاہئے اور کبھی کبھی نیند میں نہ جگایا جائے۔

## ۲۔ تربیت اولاد

جب بچے چار یا پنج برس کے ہوتے ہیں تو ان کی تعلیم و تربیت کا فکر کیا جاتا ہے۔ لیکن اصل میں بچوں کی تعلیم و تربیت اس وقت شروع ہوتی ہے۔ جب کہ ان کو ذرا ہوش آئے اور وہ اشیاء کو پہچاننے لگیں۔ اس وقت کی تربیت بہت زیادہ ماؤں کے حسن لیاقت اور قابلیت اور تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہونے پر منحصر ہے۔

تعلیم نسوان خواہ کسی وقت بھار آدم ہو یا نہ ہو لیکن اس وقت ضرور عورت کی اعلیٰ لیاقت بچہ کی عمدہ تربیت کا سبب ہوتی ہے۔ بچوں کی تربیت کی بنیاد اس ہی عمر سے رکھی جاتی ہے مگر نہ اس طرح کہ بچوں کو بات بات کا سبق پڑایا جائے یا ان کو اتنی ہی عمر میں روکا ٹوکا جائے یا ان پر سختی اور مار پیٹ کی جائے بلکہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہئے کہ خود بخود نیک عادات اور عمدہ خصائل ان میں راسخ ہوتے جائیں۔ بچوں میں کسی بات پر غور و فکر کرنے کا مادہ نہیں ہوتا لیکن جب ان کو اشیاء کا پہچانا آنے لگتا ہے تو اس وقت سے جو کچھ وہ دیکھتے ہیں اوس کی نقل اوتارنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ماں باپ جو بات بچہ میں پیدا کرنا چاہتے ہیں خود اپنے میں اُسے دکھائیں روزمرہ کے

تربیت میں  
عورتوں کا  
حصہ۔

مثال کا اثر  
اخلاق پر

میں جو چاہے کرے۔ بلکہ بیان آزادی کے یہ معنی ہیں کہ انسان اس قابل ہو کہ قانوناً جو حقوق اس کو سوسائٹی میں حاصل ہیں ان سے متمتع ہو سکے اور ان کا پورا پورا حفظ اٹھانے میں کوئی چیز اس کی مداخلت یا مداخلت نہ کرنے پائے۔ قانون مرد و عورت اگرچہ بظاہر روک اور بندش معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دراصل لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے حدود کا تعین کرتا ہے۔

والدین کا چونکہ یہ فرض ہے کہ زمانہ طفولیت میں بچے کی پرورش کرین ان کا یہ بھی فرض ہے کہ اس کو آزادی کے حقیقی معنی سمجھائیں اور بلحاظ تمدن جو مرتبہ اس کو حاصل ہے۔ اس سے پورا آگاہ کرین۔ اسی طرح والدین کا یہ بھی فرض ہے کہ جب تک بچہ ناسمجھ ہے اوس کے افعال پر نگاہ رکھیں اور اس کو اپنے احکامات پر اس طرح چلنا سکھائیں کہ آگے چلکر وہ تمدن کے قانون کی پیروی کرنا سیکھے۔ اور جب بڑا ہو کر اس میں خود مختاری اور آزادی کی خواہش پیدا ہو تو اس میں ساتھ ہی یہ قابلیت بھی ہو کہ وہ اپنے کام اور اپنے افعال و اقوال کو عقل و صواب اندیش کی رہنمائی سے حد اعتدال پر رکھے۔ لیکن جب تک قوائے عقلی اس قدر پختہ نہ ہو جائیں کہ اپنے اور پرانے کے حقوق میں امتیاز حاصل کر سکے اور اپنے حقوق کو ٹھیک طور پر کام میں لاسکے اوس کو اس وقت تک ایسے شخص کی ہدایت ضروری ہے جو ان باتوں کو ناسمجھ بچے سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہو اور بچے کو والدین کی مرضی اور ان کی صلاح پر چلنا فرض ہے۔ والدین کا پہلا اور ضروری فرض یہ ہے کہ اولاد کی صحت کی نگرانی رکھیں اور اس کو ایسی تعلیم دیں کہ وہ بڑے ہو کر اپنے قوائے ظاہری اور باطنی سے پورے طور پر کام لے سکے نہ یہ کہ دیکھنے کو تو خاصہ بھلا چنگا ہو لیکن جہالت کے سبب دنیا میں ذلیل و خوار رہے یا علم میں کمال پیدا کرے لیکن صحت کو کھو بیٹھے اور اس قابل نہ رہے کہ جو اس نے پڑھا ہے اوس کو کام میں لاسکے۔

تعلیم کے زمانہ میں بچوں کی صحت کا خیال رکھنا تربیت کا پہلا فرض ہے۔ ان کو صحت کا سبق

ان حقوق سے متمتع ہونا انسان کے لئے جائز اور روا ہے۔ حدود آزادی قائم رکھنے کے لئے نیچر کا اقتضاء یہ ہے کہ امیر اپنے مال میں اور غریب اپنی کھال میں مست رہیں۔ لیکن بچوں کو پیدا ہوتے ہی ہمسری کا یہ استحقاق نہیں حاصل ہو جاتا۔ جب وہ پیدا ہوتے ہیں تو والدین کو ان کے اوپر فرمان دہی کا ایک حق حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ والدین کا یہ فرض ہوتا ہے کہ ان کی ہر ایک بات پر نظر رکھیں۔ اور ان کو ہر امر میں ہدایت کریں۔ جب بچے اتنے بڑے ہو جائیں کہ اپنے نفع و نقصان کو خود سمجھنے لگیں اور ان کی عقل اس قدر پختہ ہو جائے کہ نیک و بد میں امتیاز کر سکے اس وقت رفتہ رفتہ والدین کو نگرانی کم کرنی چاہئے۔ بچے نا سمجھ۔ بے بس ضعیف۔ پیدا ہوتے ہیں اور فطرتاً والدین کا یہ فرض ہے کہ بچوں کی حفاظت اور پرورش کریں اور ان کو تعلیم اور تربیت کریں تاکہ وہ سوسائٹی میں اپنے حقوق کے پہچاننے اور حقوق کے استعمال میں سلامت روی اختیار کرنے کے قابل ہوں۔ فائز العقل اشخاص کو آزادی اور ہمسری کا حق حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان میں اس قدر عقل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے حقوق میں امتیاز کریں۔ اور ان کو استعمال کر سکیں۔ اسی طرح جو لوگ عمداً یا سہواً عقل کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں اور دوسروں کے حقوق پر دست اندازی کرتے ہیں وہ بھی قانوناً ہمیشہ کے لئے یا عرصہ مبین کے لئے آزادی سے محروم کر دئے جاتے ہیں۔ بچے چونکہ عقل و شعور رکھتے ہی نہیں۔ اس لئے ان کو بھی آزادی کے حقوق اس وقت تک نہیں دئے جاتے جب تک کہ وہ اپنی عقل سے کام لینے کے قابل نہ ہوں۔ اور اس زمانہ میں وہ والدین کی زیر نگرانی رہتے ہیں۔ والدین کی تعلیم و تربیت ان کو اس قابل بناتی ہے۔ کہ وہ سوسائٹی میں غرتہ۔ وقعت۔ آبرو۔ نام و نمود حاصل کر سکیں۔ اور پورے آزاد بن کر رہیں۔

بچوں کو آزادی کا سبق

آزادی سے یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ انسان کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو اور ایک جیسی جانور کی طرح وہ کھلے بندوں پھرے۔ یا قواعد غضبی کی مطاوعت

پڑھانا نسل انسان کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ معلم اور اتالیق کا پہلا فرض یہ نگرانی رکھنا ہے کہ بچہ کی تمام جسمانی طاقتیں اور ذہن اور اخلاق ساتھ ساتھ ترقی کریں۔ بلکہ بچوں کی تعلیم اس طریقہ سے ہونی چاہئے کہ خود داری یعنی اپنے اوضاع و اطوار کو قابو میں رکھنے کی عادتیں۔ خود بخود ان میں پیدا ہوتی جائیں۔ بچوں کو یہ تو بہت سکھایا جاتا ہے کہ لکھتے وقت اس طرح ہاتھ قابو میں رکھو۔ پڑھتے وقت آواز اور لہجہ اس طرح نکالو۔ مضامین نویسی میں الفاظ اس طرح استعمال کرو لیکن کوئی بھی نہیں بتاتا۔ کہ اپنے دلی جذبات پر اس طرح قابو رکھو۔ لالچ۔ غصہ۔ حقارت کو کیونکر دباؤ۔ طبیعت پر کس طرح قدرت حاصل کرو۔ محبت۔ وفاداری۔ اخلاص۔ ہمدردی کا اظہار کیونکر کرنا چاہئے۔ اور فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے کس طرح آمادہ ہونا لازم ہے۔ صحت جسمانی قائم رکھنے کے کیا اصول ہیں اور دنیا میں صحت جسمانی قائم رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟۔ اگر طوطے کی طرح الفاظ کے معنی یاد کرادے یا کوئی عبارت حفظ کرادی۔ یا اعداد کے بعض خواص سکھا دے تو یہ تعلیم پوری مفید اور دنیا میں انسان کامل بنانے میں مدد نہیں ہو سکتی۔ جب تک تربیت اسکے ساتھ ساتھ نہ ہو۔

اتالیق (خواہ مان باپ ہوں یا کوئی غیر استاد) کو خیال رکھنا چاہئے کہ بچہ سے اس ہی قدر کام لیا جائے کہ جس قدر وہ بسہولت کر سکتا ہے نہ کہ اس قدر کہ اس کی طاقت سے باہر ہو۔ سبق اتنا نہ دو کہ صحت کو نقصان پہنچے۔ زیادہ مطالعہ جسم کو کمزور اور لاغر کرتا اور ضعف معده پیدا کرتا ہے جس سے طرح طرح کے جسمانی عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر جسمانی ورزش اور تفریح بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے تو مطالعہ سے زیادہ ترقی کا ذریعہ اور کوئی نہیں ہے۔ محنت اعضا جسمانی کو تحلیل کرتی۔ غذا اور راحت ان کو بڑھاتی اور قوت دیتی ہے۔ اگر ہر عضو سے بقدر مناسب کام لیا جائے تو وہ طاقتور رہتا ہے اور ہر وقت کام دینے کے لئے مستعد رہتا ہے لیکن کسی عضو سے بہت زیادہ کام لیا جائے تو بہت تھک جاتا اور

خود داری  
کی تعلیم

کام بمقدار  
طاقت لینا  
چاہئے

ایک وقت سب سے پڑھانا لکھانا چاہئے کہ ان کی طاقت نہ گھٹے اور نمونہ میں فرق نہ آئے  
ورنہ ساری تربیت بیکار اور لا حاصل ہے۔

طبعیت سے کم زمانہ پر آئندہ زندگی کے بننے کا انحصار ہے۔ یہی زمانہ جسم کے نمونہ  
اور اعضا کی پرورش کا ہے۔ اگر اس زمانہ میں صحت خراب ہو گئی۔ تو آئندہ جو عمارت  
اس بنیاد پر اٹھائی گئی ہمیشہ متزلزل اور کمزور رہیگی۔

زندگی اکثر اس سبب سے خراب ہو جاتی ہے اور عموماً زندگی کی خوشیوں بلکہ  
کامیابیوں پر اس سبب سے پانی پھر جاتا ہے کہ بچہ کے میلان طبع کا خیال نہیں  
کیا جاتا۔ اور خداوند تعالیٰ نے جو جوہر اس کی طبیعت میں قدرتاً پیدا کئے ہیں ان کی  
تکمیل اور تہذیب کا کچھ بھی اہتمام نہیں ہوتا بلکہ اس کو ایسے علوم و فنون کے آکتاب  
پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جس کا اس کو مذاق نہیں ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے  
میں جو محنت اور مشقت اسے اٹھانی پڑتی ہے وہ اس کے اعضا کو تحلیل اور  
روح کو کمزور کر دیتی ہے۔ اس بے جا محنت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ کسی خاص فن  
میں کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر شخص کو خاص خاص مضامین سے دلچسپی ہوتی ہے  
اور بعض مضامین سے منافرت۔ تو جن مضامین سے منافرت ہو مارپیٹ کر وہی سکھانے  
مفید اور بکار آمد نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ بچہ کی طبیعت کو خاص مناسبت کس فن  
سے ہے اور پھر اُسی کے سکھانے کی کوشش کرنی لازم ہے تاکہ محنت اور وقت  
کم صرف ہو اور بہت کچھ آئے۔

بچوں کو تعلیم دینا آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم و تربیت بہت مشکل فن ہے  
بچہ کی عادات اور اطوار کا درست کرنا۔ اس کے دماغ میں ایک نئی روشنی پیدا کرنا  
اور ساتھ ہی اس کے قوائے جسمانی کے نشوونما کی احتیاط کرنا بہت قابل آدمیوں کا  
کام ہے اور اس کے لئے اتنی محبت اور شفقت کی ضرورت ہے۔ جتنی کہ ماں باپ کو  
ہوتی ہے۔ مدارس میں بیٹھ کر جماعت کو پڑھانا اور سب کو ایک لکڑی مانگنا۔ طاقت  
سے زیادہ بچہ پر تعلیم کا بوجھ ڈالنا۔ اور فضول اور غیر دلچسپ مضامین مار مار کر

میں بہت  
کام ہے

تربیت مشکل  
کام ہے



جاہل یا کندہ ناتراش بتانے کا نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ان کو غیرت آئے اور وہ اس سے باز رہیں وہ خود اپنے تئیں ناقابل اور نالایق سمجھنے لگتے ہیں اور یہ خیال دل کو صست اور بہت کو پست کرتا ہے۔ اور انسان کی ترقی کی رفتار رک جاتی ہے۔ شوق اور تحریک مٹ جاتی ہے۔ بچوں پر اس کا بہت بُرا اثر ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ جو کمال یا جو صفت پیدا کرنی مقصود ہے پہلے اس کا یقین دلایا جائے کہ متعلم میں اس کے حاصل کرنے کی پوری قابلیت اور استعداد موجود ہے اور پھر اس کے حصول کا شوق اور تحریک پیدا کی جائے۔ پہلے سے پہلے یہ سمجھ لینا کہ یہ بچہ بیوقوف۔ کند ذہن۔ شریر۔ بے شوق ہے اس کو ویسا بنا دینا ہے۔ اگر بچے سے کوئی غلطی یا خطا ہو بھی جائے تو بھی اُس کو ایسا ملزم نہ بنانا چاہئے جیسا کہ بڑے آدمیوں کو۔ بچوں میں بھلے بُرے کی تمیز نہیں ہوتی وہ کسی نتیجہ کی پیش بینی نہیں کر سکتے ان کا غم بھی مستقل نہیں ہوتا۔ ان کی قوتیں بھی کمزور ہوتی ہیں۔ پس ان کو ملزم ٹھیکرانا غلطی ہے بلکہ ان کی خطا کو بہت خفیف بنا کر ظاہر کرنا چاہئے۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حرکت اس کی عادت اور طبیعت کے خلاف کم عمری یا ناسمجھی کی وجہ سے اتفاقاً ظاہر ہوئی ہے۔ اور اگر چشم بصر کے قابل ہو تو بالکل ذکر ہی نہ کیا جائے۔ تربیت کا بڑا گریہ ہے کہ بُری باتوں پر ملامت نہ کریں بلکہ اچھی باتوں کی ترغیب اور تحریص دیں۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ بھی اپنی نسبت سوچتا اور غور کرتا رہتا ہے۔ اپنی قابلیت اور استعداد کی نسبت رائے قائم کرتا یا کرتا چاہتا ہے۔ اور جب اوروں سے سنتے سنتے اس کو یہ یقین ہو جائے کہ کسی خاص فن یا کسی خاص صفت کے حصول کی اس میں قابلیت نہیں ہے۔ تو وہ پھر کبھی اُسے حاصل نہیں کر سکتا۔ اور بیوقوف متعلم تجربہ و توبخ کرتے کرتے یہ کیفیت اکثر بچوں کی طبیعت میں پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی طالب علم سے جو ”اقلیدس“ پڑھنا چاہتا ہو اگر یہ کہا جائے کہ اس کا دماغ اسکی لیاقت۔ اسکی سمجھ اس قابل نہیں ہے کہ وہ اقلیدس سمجھ سکے تو وہ کبھی حاصل

کم زور ہو جاتا ہے۔ یہی حال دماغ کا ہے کہ اگر اس سے اوس کی طاقت سے زیادہ کام لیا جائے تو کمزوری لاحق ہوتی ہے۔ طبیعت مکدر اور منقبض ہو جاتی ہے۔ افراد انسانی میں کام کر سکنے کی طاقت کم و بیش ہوتی ہے۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ جتنا کام ایک شخص کر سکتا ہے دوسرا شخص بھی اتنے وقت میں اسی قدر کر سکے لہذا پہلے تجربہ سے معلوم کرنا چاہئے کہ لڑکا تعلیم کا کس قدر بار اٹھا سکتا ہے۔ نوجوان آدمی جن کی صحت بہت اچھی ہو۔ بدن میں خوب طاقت ہو اور روز جہانی ورزش کرتے ہوں اور خوب کھاتے پیتے بھی ہوں۔ کھلے میدان اور تازہ ہوا میں رہتے ہوں بحساب اوسط جاڑے کے دنوں میں دس گھنٹے کام کر سکتے ہیں اور گرمی میں دس سے کم۔ کالجوں میں شوقین سے شوقین طالب علم آٹھ نو گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کر سکتے۔ مائی اسکول کی تعلیم کا زمانہ عموماً لڑکوں کے نشوونما اور بالیدگی کا زمانہ ہوتا ہے۔ ان دنوں میں پانچ یا چھ گھنٹے سے زیادہ کام کرنا نقصان دہ ہے۔ بارہ برس سے کم عمر بچوں کے لئے چار گھنٹے کافی ہیں۔ سات برس سے کم عمر بچے تین گھنٹے سے زیادہ نہ پڑھائے جائیں۔

تعلیم و تربیت کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو یہ یقین دلایا جائے کہ جو عمدہ اوصاف مان باپ یا معلم پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں اس کے حاصل کرنے کی قابلیت ہے۔ بلکہ جب کبھی کسی عمدہ صفت کا بچہ سے ظہور ہو تو اس کی تحسین و آفرین کی جائے اور ایسا اظہار کیا جائے کہ گویا بچہ بالطبع اس خلق کی طرف مائل اور اس سے پورا واقف ہے۔ جو کمال انسان میں موجود نہ ہو اس کے حاصل کرنے کی طرف انسان اتنا جلدی اور ایسے شوق سے مائل نہیں ہوتا جیسا موجودہ کمالات کی حفاظت کرنی۔ یا ان کو اور ترقی دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بچوں کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ ہماری نسبت یہ عمدہ رائے رکھتے ہیں تو ان کا دل خوش ہوتا ہے اور وہ اس رائے کے مطابق اپنے تئیں ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ اسے طرح ۱۱۰ کہ لعنت طاعت کرنے والوں کے عیب گناہوں کو

تعلیم و تربیت  
کا طریقہ

دئے جائیں۔ تاکہ ان کو کام کرنے کی عادت پڑے اور طبیعت میں یہ اعتماد پیدا ہو جائے کہ ہم بھی کوئی کام کر سکتے ہیں۔ ایسے کاموں میں کامیابی کی جو عادت پڑیگی وہ آئندہ بڑے کاموں میں کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دے گی۔ اور ان کو اپنی قوت کا صحیح اندازہ معلوم ہوگا۔ تعلیم و تربیت کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بچہ ماں باپ استاد معلم یا اپنے بزرگوں سے محبت کرے۔ اس کو ان کا خوف بھی ہو لیکن یہ خوف ادب کی وجہ سے ہونا کہ دہشت کے سبب ہے۔

اگر بچہ کی اطاعت صرف دہشت کے سبب سے ہے تو بڑا ہو کر یا تو وہ بزدل ہوگا یا سرکش اور نافرمان ہوگا۔ جہاں تک ممکن ہو بچوں کو سزا نہ دیجائے تاکہ ان کے دل میں خوف نہ بیٹھے بلکہ اس کے بدلے ماں باپ کو ناخوش کرنے کی پشیمانی اور تاسف ہونا چاہئے۔ بڑا کام کر کے پشیمان ہونا ایک نہ ایک دن راہِ راست پر آنے کی علامت ہے لیکن سزا کبھی بُرائی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ یا اگر سزا نا واجب یا زیادہ سخت دی جائے تو وہ اخلاق کو اور خراب کرتی ہے جب سزا برداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر اخلاق ذمہ ناک قابل اصلاح ہو جاتے ہیں۔ بچوں کے بہت سے قصور کم سنی اور نا فہمی کے سبب سے ہوتے ہیں۔ جو بڑے ہو کر وہ خود بخود چھوڑ دیتے ہیں ایسی باتوں سے ہمیشہ چشم پوشی اور بے اعتنائی لازم ہے۔ ماں باپ جب اپنے بچوں کو اچھے اچھے اخلاق سے آراستہ دیکھتے ہیں تو ان کا دل باغ باغ ہوتا ہے۔ ہر قسم کا کمال جو بچہ میں پیدا ہو ماں باپ کی خوشی بلکہ فخر کا باعث ہوتا ہے اگر ایسے اوصاف کا اظہار دیر میں ہو تو ماں باپ کو عجلت نہیں کرنی چاہئے۔ انہیں یقین رکھنا لازم ہے کہ عمدہ مادہ سے عمدہ چیزیں بنتی ہیں۔ تربیت و تعلیم میں کوشش کئے جائیں جلدی سے یا دیر میں بچہ کے اخلاق و عادات سنور ہی جائیں گے۔

بچوں میں ابتدا ہی سے اچھی اچھی عادتیں ڈالنی چاہئیں۔ اگر بری تربیت یا بُری سوسائٹی کے اثر سے ایک دفعہ بُری عادت پڑ گئی تو اس کا چھٹنا اور اس کے

نہیں کر سکیگا۔ اس کے برخلاف اگر اس کو جرأت و ہمت دلائی جائے کہ ذرا ترس  
 فکر یا توجہ سے وہ اس کے مسائل سمجھ سکتا ہے۔ اور کسی قدر محنت سے اس کی  
 شکلیں یاد کر سکتا ہے تو وہ خواہ مخواہ اس کی طرف راہل ہوگا۔ لہذا معلم کا کام  
 ہے کہ وہ بچہ کو یہ سمجھائے کہ وہ اس علم کو حاصل کر سکتا ہے جو اس کو پڑھایا جا رہا  
 ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بچہ میں لبثاش رہنے اور ہر کام کو خوش دلی سے  
 کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ جو کام انقباض اور بیداری سے کیا جائیگا۔ اس میں  
 کبھی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکتی۔ لبثاش روح کو قوت بخشی ہے۔ اور  
 چونکہ اُمید شامل ہوتی ہے مشکلیں سہل معلوم ہوتی ہیں اور ہر ایک مشکل کام کرنے پر  
 انسان آمادہ ہو جاتا ہے بلکہ اور لوگوں کو بھی کام کے لئے اُکساتا اور اُنبھارتا ہے  
 جس کام میں لبثاش اور اُمید نہ ہو اور پہلے ہی سے نا اُمید ہی نے دل توڑ رکھا  
 ہو اس کے لئے انسان پوری طرح کوشش نہیں کرتا۔ درجہ دل کی اُستگ  
 مرتبہ ہے طاقت بھی جواب دیدہتی ہے۔ جو معلم بچوں کے سامنے کسی مضمون کو  
 مشکل اور دقت طلب بیان کرتے ہیں اور ان کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ اپنی نالائقی  
 کے سبب اس کے حاصل کرنے کی قابل ہی نہیں وہ ان کے دل سے اس کی  
 رغبت اور اس کے حاصل کرنے کی ہمت کھو دیتے ہیں اور عہد اُچھوٹ کر نا کارہ کرنا  
 چاہتے ہیں۔ بچوں کو کسی کمال کے حاصل کرنے پر آمادہ کرنے کی یہ صورت نہیں کہ  
 حصول کمال کو مشکل بیان کیا جائے بلکہ سہل اور قابل سہول بیان کرنا اور شوق  
 دلانا چاہئے۔

بہت سے بچے خود اتنے بے شوق نہیں ہوتے جتنے غلط طرز تعلیم اور اُستاد

کی سختی اور زبرد توینج کے اثر سے بد شوق ہو جاتے ہیں۔ جس قدر بچہ زیادہ چھوٹا  
 ہے اسی قدر معلم میں طریقہ تعلیم کی زیادہ استعداد کی ضرورت ہے۔ بچوں کی بات کا  
 یقین کرنا۔ انہوں نے جو کچھ عہدہ کام کیا ہو اس کی تعریف کر کے دل بڑھانا۔ انکی  
 شوق کو ترقی دیتا ہے اول بچوں کو سہل کام جو ان کی استعداد کے موافق ہوں

طرز تعلیم

اس طرح دور دور اثر ڈالتی ہیں جیسے کہ آفتاب کی شعاعیں دور دور روشنی پہنچاتی ہیں گھر کا اثر قومی حالت کی اصل ہے۔ یہاں انسان ہمدردی۔ محبت۔ اخوت۔ رحم۔ انصاف۔ غرض تمام صفات جو سوسائٹی پر اثر ڈالتی ہیں سیکھتا ہے۔ گھر کا اثر صرف ماں باپ ہی کی مثال پر منحصر نہیں ہے۔ بچوں میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ ہر شخص کے مدارج اور اس کی اخلاقی حالت میں تمیز کر سکیں۔ بلکہ ان کے اوپر گھر کے ہر شخص کی حالت کا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے صاحب خانہ کا یہ غرض ہے کہ وہ اپنے ملازم عورتوں اور مردوں کے عادات و اخلاق اور چال چلن پر بھی نظر رکھے۔ اور گھر میں ایسے نوکر جمع نہ کرے۔ جو بد وضع ہوں خصوصاً انائیں اور مانیان اور وہ نوکر جن کی سپردگی میں بچے ہر وقت رہتے ہیں۔ بلکہ جہاں تک مل سکیں شائستہ آدمی تلاش کر کے رکھنے چاہئیں۔ یہ بدیہی بات ہے کہ غلیظ طبیعت نوکر بچوں کو صاف نہیں رکھ سکتے۔ اور اس سبب سے بچوں میں صفائی کی عادت پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب نوکروں کو گالیاں بکتے سنتے ہیں تو خود بھی وہی الفاظ دہراتے ہیں۔ نوکروں کے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہیں اور بازاری الفاظ استعمال کرتے اور ویسی ہی حرکتیں کرتے ہیں۔ اس ہی طرح نوکروں کی بدکرداری کی مثالیں ان کے سامنے ہوتی ہیں اور دیکھتے دیکھتے وہ ان کو قبیحہ یا باعث نفرت نہیں معلوم ہوتیں۔ عمدہ تربیت کی نحوئی یہ ہے کہ بچہ (عورت ہو یا مرد) بُرائی سے نا آشنا ہو اور اگر وہ کسی بُرے فعل یا قول کو دیکھے یا سنے تو اُسے تعجب اور نفرت پیدا ہو۔ لیکن وہ جن باتوں سے بچنے سے آشنا ہے ان سے تعجب اور نفرت کیونکر کر سکتا ہے۔ اسی طرح بد افعال نوکروں کی وجہ سے افعال قبیحہ سے کراہت قائم و باقی نہیں رہتی۔ اور جب کراہت نہیں تو ارتکاب کی طرف میلان ذرا اشارہ میں پیدا ہوگا۔ جو بچے ایسی سوسائٹی میں رہتے ہیں جہاں گھر کے نوکر جن کی گودیوں میں وہ پلے ہیں افعال قبیحہ کے مرتکب ہوتے ہوں اور بچوں کو ایسی وقت میں ان کے حالات سے آگاہی ہو جبکہ ان کی قوت عقل و تمیز کامل نہیں ہے تو وہ کیونکر ان افعال کو مکروہ خیال کر سکتے ہیں

نوکر کا  
اثر

بجائے کوئی عمدہ عادت ڈالنا بہت مشکل ہے۔ بچہ کو شروع ہی سے سکھاؤ کہ وہ اپنا رویہ کس طرح کا رکھے۔ بعض لوگ بچوں کے بری عادات اور خصائل کو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ جب بڑے ہوں گے اور سمجھ آ جائے گی تو خود چھوڑ دیں گے۔ یا بچپن میں ان سے ناشائستہ حرکات کراتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ طفولیت میں اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ باتیں بڑی بڑی خرابیوں کا تخم بنجاتی ہیں۔ طفولیت زندگی کے سفر کی ابتدا ہے۔ جو شخص ابتدائے سفر میں غلط راہ پر چلے گیا وہ آخر میں صحیح مقام مقصود کو پہنچے گا؟ جون جون عمر بڑھتی جاتی ہے عادتیں طبیعت بنتی جاتی ہیں اور پھر ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ کسی سادہ تختی پر لکھنا آسان ہے لیکن اس کے سابقہ نقش بالکل صاف کر کے پھر لکھنا لکھنا کہ بدنامی نہ رہے بہت مشکل ہے۔ اسی طرح کوئی عادت اختیار کرنی مشکل بات نہیں لیکن کسی عادت کا چھوڑنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ اخلاق کی تعلیم کے دو طریقے ہیں ایک الفاظ سے اور دوسرا افعال سے اور ان میں دوسرا طریقہ زیادہ موثر ہے۔ اگرچہ عمدہ نصیحت کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن عمدہ مثال کا اثر اس سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ سنسکرتا نہیں سیکھتا جتنا دیکھ کر سیکھتا ہے خصوصاً بچے جس قدر علم حاصل کرتے ہیں وہ قوت باصرہ ہی کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں اس کی نقل اُتارنا چاہتے ہیں برساتی تیتیریاں اور کیڑے جیسے پتے کھاتے ہیں ویسے ہی رنگ اختیار کرتے ہیں۔ انسان بھی جس سوسائٹی میں رہتا ہے اس ہی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور سب سے پہلا اثر اپنے گھر کی طرز معاشرت کا پڑتا ہے۔ مدارس کی تعلیم گھر کے اثر کو نہیں مٹا سکتی اور لڑکے اور لڑکیاں جب مرد اور عورت کے درجہ پر پہنچتے ہیں تو ان کے اخلاق کی ہدایت گھر کی ابتدائی تربیت و تعلیم کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ گھر کی اس تعلیم و تربیت کا اثر صرف خانگی حالت تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ سوسائٹی اور قوم پر بھی جو ان ہی افراد سے مرکب ہے پڑتا ہے۔ یہ عادتیں خواہ اچھی ہوں یا بری جوانی میں

اخلاقی تعلیم کے طریقے

اندر چھپی ہوئی

خواہ اچھی ہوں یا بُری عمر بھر جھلک دکھاتی ہوں۔ بچہ دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اور جب وہ آنکھ کھولتا ہے۔ تو نئی نئی اور عجیب عجیب چیزیں اس کو معلوم ہوتی ہیں وہ ہر ایک چیز کو استعجاب اور غور سے دیکھتا ہے۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو وہ اشیاء کو پہچاننے اور اوران میں مقابلہ کرنے اور جانچنے لگتا ہے۔ جب اس قدر تمیز پیدا ہو جاتی ہے تو ان میں رائے لگاتا اور ان کی حقیقت کو سوچنا شروع کرتا ہے اور جو علم اس کو اس طرح حاصل ہوتا ہے (خواہ غلط ہو یا صحیح) اس سے اسکی طبیعت اثر پذیر ہو جاتی ہے اگر وہ اس وقت کسی عقلمندان باپ کی نگرانی میں ہے تو جو ترقی اس طرح کرتا ہے وہ حیرت انگیز ہوتی ہے اور شروع ہی سے اس کو صحیح واقعات اور صحیح نتائج اور عمدہ اصول معلوم ہوتے جاتے ہیں طفولیت کے زمانہ میں بچوں کا دل ہر بات کا نقش آسانی سے قبول کر لیتا ہے اور ان کی طبیعت ہر ایک اثر بہت دیر تک قائم رہتا ہے۔ اگر اس وقت عقل و دانش کی شعاعیں اُن کے دل پر پڑیں تو وہ ہمیشہ روشن اور منور رہتی ہیں۔ جس طرح فوٹو کے شیشہ پر عکس جم جاتا ہے اور اس سے اسی طرح کی تصویریں اُترتی ہیں اس طرح بچوں کا دل ان باتوں کو بہت جلد قبول کر لیتا ہے۔ جو اس کے گرد و پیش ہوں اور بلا اختیار دیے ہی افعال اُن سے صادر ہونے لگتے ہیں اور جون جون بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے وہی مثالیں جو اس کے پیش نظر تھیں اور جن کی وہ نقل اُتارتا تھا اس کی عادت اور خصلت ہو جاتی ہیں اور پھر چھپائے نہیں چھپتیں۔

جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو نہیں معلوم ہوتا کہ مذہب کیا ہے نہ مذاہب کی کنہ حقیقت کو سمجھنے اور مختلف مذاہب کا مقابلہ کرنے کی تمیز ہوتی ہے۔ مان باپ کا یا جس سوسائٹی میں کہ وہ رہتا ہے اس کا مذہب بلا تحقیق اختیار کر لیتا ہے اور یہ اثر اس کی طبیعت پر اس قدر قوی ہوتا ہے کہ عمر بھر وہ اس مذہب پر قائم رہتا ہے بڑے ہو کر وہ مذہب کی حقیقت اور اصول کی تلاش کرتا ہے۔ لیکن اپنے مذہب کو نہیں چھوڑتا اور اگر کبھی تبدیل مذہب کرے تو اس کو سخت تکلیف



اور جب کسی فعل سے کراہت اٹھ جائے تو پھر پیدا و قائم نہیں ہو سکتی۔ کراہت کا اٹھ جانا اس بڑی روک کا اٹھ جانا ہے جو افعال ذمہ سے بچاتی ہے اور ایسے گھر میں یہ صفت کبھی پیدا ہی نہیں ہوتی۔

خود معلم اور تالیق کا اثر بھی بچوں پر اس ہی طرح پڑتا ہے۔ بچے معلم کو اپنے سے برگزیدہ سمجھتے ہیں۔ ان کے دل میں اس کی وقعت اور عزت ہوتی ہے اور اس کی مثال پر چلنا عمدہ بات خیال کرتے ہیں اور اس کا رنگ اختیار کرتے جاتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ معلم علانیہ شراب پیتا ہے (اگرچہ یورپ میں ہی ہو) اور اوامر اور نواہی شرع کا پابند نہیں تو کیونکر وہ شراب کو گناہ خیال کر سکتے ہیں اور جن لوگوں نے ایسی سوسائٹی میں نشوونما پایا ہو جہاں ہر روز میز پر شراب آتی ہو (اگرچہ صرف دو ایک ہی کے سامنے رکھی جاتی ہو) وہ لوگ اکثر اس بلا میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے اثر سے دوسرے نوجوان اس ہی طرح خراب ہوتے ہیں۔ اور یہ متعدی مرض پھیلتا جاتا ہے۔

قدرتی تربیت یہ ہے کہ گھر کی زندگی تمدن کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور اخلاق و چال چلن پر پہلے گھر کی زندگی کا اثر پڑتا اور گھر کے سانچے میں انسان ڈھلتا ہے اور پھر یہی انسان تمدن کے بازار میں پیش ہوتا ہے۔ پہلے گھر کا ایک ممبر ہوتا ہے۔ اور پھر تمدن کا۔ اس طرح گھر گویا تہذیب کا ایک مدرسہ ہے جہاں تہذیب کی ابتدائی بلکہ انتہائی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس قوم کے بچے گھروں میں عمدہ تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں وہ بڑے ہو کر قوم کے اچھے ممبر ہوتے ہیں اور جن کی ابتدائی تربیت خراب ہوتی ہے وہ اپنی قوم کا بُرا نمونہ ہوتے ہیں۔

عادات و خصائل کی وہ خصوصیت جو انسان میں عمر بھر رہتی ہے بچپن ہی میں قائم ہو جاتی ہے اور گھر کی تربیت یا بے ترتیبی کا اثر جو اس وقت طبیعت میں جاگزیں ہو جاتا ہے وہ نقش کا لچر ہے کہ پھر نہیں مٹ سکتا۔ پوت کے پاتوں پانے ہی میں نظر آتے ہیں اور اس وقت جو عادتیں ان کی طبیعت میں راسخ ہو جاتی ہیں

معلم کا اثر

گھر کا اثر

بچپن کی عادت کا اثر

معلوم ہونے لگتی ہے۔ نورجہان کو جسے اپنے حسن و لیاقت اور اقبال مندی کے طفیل عالمگیر شہرت اور ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرنی تھی۔ مفلسان باپ نے ہندوستان آتے ہوئے راستہ میں چھوڑ دیا مگر دولت مند امیر قافلہ لے کر اپنے تخت بنگر کو اٹھالیا اور پرورش کیا۔ کیسے کیسے عمدہ ارادے کیسی کیسی بیش بہا تدبیریں اور انعام خیالی۔ دلی آرزوئیں اور تمنائیں۔ چاہتے و لو لے طبعی شوق۔ دلچسپ مشاغل صرف اس سبب سے پورے نہیں ہوتے کہ روپیہ نہیں۔ ان طلبہ کی حالت کس قدر قابل افسوس ہے جو باوجود ذکاوت فہم و کیاست کے اس سبب سے مدارج علیہ پر نہ پہنچ سکے کہ ان کے پاس روپیہ نہ تھا۔ اور ضرورتیں مجبور کرنی تھیں کہ وقت اکتساب معاش میں صرف کریں۔ ان کی وہ بیش بہا قابلیتیں جن کو انہیں اپنا فرصت اور اطمینان دیتا تو جو اہر ابد اسے زیادہ دنیا میں مفید اور عزیز ثابت ہوئیں۔ ان کے قید خانہ میں بند رہتی ہیں اور معاش کا فکر کبھی ان کے اظہار کا موقع نہیں ملتا۔ مفلسی اخلاق کو بھی خراب کرتی ہے۔ احتیاج و دُرمی بلا ہے کہ لالچ اور بدنیتی آہی جاتی ہے اور دولت مند شخص جس کو زیادہ احتیاج نہیں ہوتی لالچ کو آسانی سے روک سکتا ہے۔ مفلس آدمی کا خیال چونکہ ہر وقت معاش کے افکار میں رہتا ہے وہ دماغی کام نہیں کر سکتا۔ نہ کسی سائنس کی طرف توجہ کر سکتا ہے بلکہ فراغت سے جب دست بھی نہیں کر سکتا۔

شب چو عطر نماز پر بندم      چہ خورد با مداد سر زدم  
دوست و آشنا عزیز و اقارب تک مفلسی میں کنارہ کر جاتے ہیں اور اکثر دولت مند رشتہ دار تو غریب رشتہ داروں سے اس سبب سے ملنے میں بھی اجتناب کرتے ہیں کہ سوسائٹی میں ان کی عزت کم نہ ہو جائے کسی کم کا قول ہے کہ جب افلاس دروازہ پر آتا ہے تو محبت دریچہ سے بھاگ جاتی ہے۔ اس لئے پرہیزگار آدمی کو لازم ہے کہ افلاس سے بچے اور قرض سے دور رہے۔ افلاس دلی مسرت اور انتساط کے حق میں زہر قاتل ہے اور بہت سی نیکیاں انسان صرف افلاس کی وجہ سے

اٹھانی پڑتی ہے۔ یہی حال تمام عادات اور خصائل کا ہے۔ جو اس وقت طبیعت میں جاگ رہے ہیں ہو جائیں پس جو لوگ اولاد کو عمدہ خصائل سے آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں ان کو لازم ہے کہ بچوں کو اپنی عمدہ مثال دکھائیں اور ان کو عمدہ موسسات میں رکھیں۔

## باب پنجم

### مال و دولت

دولت کی  
ضرورت

انسان کی ضرورتیں کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہیں کہ صرف اس کے کئے پوری نہیں ہوتیں۔ بلکہ اور لون کی استعانت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ بخار صندوق نہیں بنا سکتا جب تک کہ لوہار اُسے اوزار نہ دے۔ لوہار کام نہیں کر سکتا جب تک کہ کسی نے کان میں سے لوہا نکال کر نہ دیا ہو۔ غرض دنیا میں ایک شخص کے اغراض دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ اگر ایک کام بند کر دے تو سب کے معاملات اور آسائش میں اتھری واقع ہو جائے۔ اور یہ صانع قدرت کی مہربانی ہے کہ کسی کو کسی کی خدمت سے مستغنی نہیں بنایا۔ مگر کوئی شخص کسی کی خدمت نہیں کرتا۔ جب تک کہ خود اُسے بھی کوئی فائدہ نہ ہو۔ وہ اگر خدمت کے عوض میں خدمت نہیں لیتا تو روپیہ لیتا ہے اور اس سے وہ اپنی مایحتاج پوری کرتا ہے۔ اس ہی سبب سے روپیہ اگرچہ فی نفسہ انسان کی کسی حاجت کو پورا نہیں کرتا لیکن دنیا کی کل حاجتیں اور اشیاء ضروری روپیہ سے پوری و مہیا ہوتی ہیں۔ بیمار ہیں تو دوا کھینچ لیتے۔ تھکے ہیں تو سامان خورد و نوش۔ سفر میں ہیں تو سواری اور سامان سفر طالب علم ہیں تو کتب و قیس۔ غرض کوئی کام خواہ اپنی ذات کے لئے ہو یا کسی اور کی بھلائی کے واسطے روپیہ بن نہیں چلتا۔ حتیٰ کہ اولاد جو ایک نعمت الہی ہے اور دل و جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے افلاس میں اُس کی پرورش کیسی بار

نام ہے۔ ایسے ہی قناعت یہ ہے کہ ہماری محنت اور وسائل سے جس قدر ہم کو مل سکے اس پر اکتفا کریں۔ اور ناجائز وسائل سے اور دن کا مال نہ ٹکین۔ نہ یہ کہ جو ہماری محنت اور سعی کے صلہ میں ہم کو ملے اسے بھی چھوڑ دیں۔ اور آمدنی کے جائز وسائل سے متمتع نہ ہوں یا صحت اور فرصت کے لحاظ سے محنت اور وقت اکتساب کمال میں صرف نہ کریں۔ یہ نہ قناعت ہے نہ پرہیزگاری کہ باوجود قدرت اور جواز کے کوئی شخص اکتساب معاش میں غفلت کرے اور اپنے تمین یا اپنے عزیز واقارب کو تکلیف میں ڈالے یا اور دن کی خیرات پر گزارہ کرے اگر وہ زیادہ دولت سے مستغنی ہے اور اس کے مایحتاج سے زیادہ اس کے پاس موجود ہے۔ تو بھی اکتساب سے باز نہیں رہنا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں جب ذاتی ضرورتیں نہیں ہستاتیں تو رفاه عام اور خیر خواہی غلایق کے کام کر سکتا ہے۔ ابنائے جنس اور اپنی قوم کو فائدہ پہونچا سکتا ہے جس سے عند اللہ اور عند الناس مشکور ہوگا۔ نیز لقاے نام کا سبب بھی ہے۔

فارغ البالی کے زمانہ میں آئندہ کے واسطے فراہم کرنا پیش بینی اور صفت محمود ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ خرچ آمدنی سے زیادہ نہ ہو۔ بلکہ کچھ نہ کچھ ہمیشہ پس انداز ہوتا رہے۔ اگر روزمرہ کا حساب قلمبند کیا جائے تو خواہ مخواہ یہ نظر پڑتی ہے۔ کہ روپے کس کس طرح صرف ہوتا ہے۔ اور ان میں ضروری اور غیر ضروری مدات کیا ہیں۔ اور جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ آمدنی کیا ہے اور خرچ کیا انسان ضرور فضول خرچی میں پڑ جاتا ہے۔ آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ بچانا اگرچہ قلیل مقدار ہی کیون نہ ہو ضرور چاہئے کیونکہ اس سے طبیعت کو خوشی پیدا ہوتی ہے۔ اور اطمینان نصیب رہتا ہے اور اگر آمدنی سے زیادہ ایک پائی بھی خرچ ہو تو جان لو کہ رفتہ رفتہ بربادی آتی ہے کیونکہ اس صورت میں ضرور قرض لینا پڑیگا اور قرض بربادی کی جڑ ہے۔ اگر آمدنی کم ہے تو خرچ کو بھی کم کر دینا ضرور ہے۔ ظاہری شان و شوکت کی حاجت نہیں۔ عمدہ کھانے اور عمدہ لباس کی ضرورت نہیں۔ خدمتگاروں کے بدلے خود اپنا کام کرنا

نکات شکاری

نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو خود اور دون کی امداد کی ضرورت ہو وہ اور دون کی مدد کیا کرے گا پس خرچ کرنے سے پہلے آمدنی کے کافی وسائل پیدا کرنے چاہئیں۔ اور سب سے پہلے انسان کو لازم ہے کہ معاش سے اطمینان اور فراغت حاصل کرے اور حتی الامکان اکتساب مال میں جائز کوشش کرے تاکہ آزادی قائم رہے حاجتیں رفع ہوں اور مصیبت۔ بڑھاپے۔ اور ضرورت کے وقت تکلیف نہ ہو۔

دولت اطمینان  
بخشتی ہے

جب روپیہ پاس ہوتا ہے تو طبیعت میں دلیری ہوتی ہے کیونکہ یہ خوف نہیں ہوتا کہ کسی کی ناراضگی وظیفہ میں خلل انداز ہوگی۔ اور اس اطمینان کا تو کیا پوچھنا ہے جو کثرت دولت سے میسر ہوتا ہے مفلس آدمی کو ہر ضرورت کے وقت پس و پیش کرنا اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ دران حالیکہ دولت مند آدمی ایسی ایسی ضرورتوں کو خاطر میں بھی نہیں لاتے۔ کوئی آدمی مفلس بھی ہو اور آزاد بھی تو جان کر امت ہے۔ دولت خواہ کسی قدر حاصل اور کتنی ہی کیوں نہ جمع ہو جائے اگر جائز وسائل سے ہے تو جس قدر زیادہ ہے اس ہی قدر بہتر ہے البتہ لالچ یا ناجائز وسائل سے اکتساب کرنا بڑا ہے۔ انسان کا ضروری فرض ہے کہ اکتساب معاش کے فراغ وسائل ہم پہنچائے۔ اور جائز منافع اٹھائے تاکہ دنیا اور عقبی کی بہبود کا باعث ہو اگر غریبوں کی مدد کرنا رشتہ داروں یتیموں ہمسایوں وغیرہ کی معاونت کرنے کا خدا کے ہاں اجر ہے تو مال اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر مالک کی سیر عجائبات کا نظارہ خوشگوار ہے تو مال ہے یہ مسرت نصیب ہو سکتی ہے یہ بھی نہیں تو دونوں وقت کھانا کھانے کیڑا پینے کی ضرورت ہے اور یہ بغیر روپیہ پیسہ عزت سے نہیں ملتا۔ اس لئے کوئی شخص اکتساب مال سے مستغنی نہیں ہو سکتا اور اس کو ضرور کچھ نہ کچھ تدبیر حصول دولت کی کرنی چاہئے۔ جو اشخاص ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور اس کو قناعت یا توکل کہتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں اور لوگ اپنی محنت میں سے ہمیں حصہ دین یہ توکل نہیں۔ توکل سعی سے باز رکھنا نہیں سکھاتا بلکہ صرف نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دینے کا

دولت کے  
فائدے

توکل

اور طبیعت کو سکون نصیب ہو جائیگا۔ روپیہ پاس ہوتا ہے تو طبیعت میں عجب استغنی اور بے فکری کی کیفیت ہوتی ہے اور بڑے پائے میں یا معذوری کے وقت عزت بھی ہوتی ہے اور طبیعت کو یہ بھی اطمینان ہوتا ہے کہ اولاد ہمارے اندوختہ سے متمتع ہوگی دنیا میں جس قدر تہذیب پھیلی یہ کفایت شعاری اور اندوختہ کی بدولت ہے۔ کیونکہ کفایت شعاری سے راس المال حاصل ہوا اور راس المال سے اشیاء پیدا کرنے کی قوت ہوئی۔ کفایت شعاری کی عادت بعض لوگوں میں قدرتی ہوتی ہے۔ لیکن اکثر کو اکتسابی طور پر حاصل کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے ضرور ہے کہ انسان کو آئندہ کی آسائش اور آرام کے لئے موجودہ وقت کی تھوڑی سی غیر ضروری خواہش کو روکنا پڑے۔ یہی حال قوموں کا ہے کہ جو قومیں اپنی تمام پیداوار خرچ کر ڈالتی ہیں اور کچھ نہیں بچاتیں ان کے پاس بالکل راس المال نہیں ہوتا۔ اور وہ ذرا ذرا سی چیزوں کے لئے دوسروں کی دست نگر ہوتی ہیں۔ ان میں افلاس اور مصیبت پھیل جاتی ہوتی ہے۔ اور بے مائیگی کی وجہ سے وہ تجارت بھی نہیں کر سکتیں نہ ان کے پاس جہاز ہوتے ہیں۔ نہ ریل نہ کشتیاں بلکہ جو قومیں کفایت شعاری ہیں وہ آج دنیا کی تہذیب کا چشمہ اور دولت کا مخزن بنی ہوئی ہیں کسی ملک میں دو وجہ سے افلاس پھیلتا ہے اول روپیہ کی احتیاج۔ دوم روپیہ کا بیجا اصراف اور بڑی وجہ بے ضرورت اصراف ہے۔ روپیہ پیدا کرنا تو مشکل ہے لیکن اس کو سلیقہ سے خرچ کرنا اور کبھی زیادہ مشکل ہے۔ جو شخص اپنی قوت بازو سے اس قدر پیدا کر لیتا ہے کہ اس کی احتیاج کو کافی ہو اور کچھ پس انداز ہو جائے تو یہ اندوختہ خواہ کسی ہی قدر تھوڑا کیوں نہ ہو اس سے اس کی اور کل گھر کی معاشرت کی بہبودی پر بڑا اثر پڑتا ہے اور یہی اندوختہ اس کی آزادی کو قائم رکھتا ہے۔ جس شخص کو خدا نے معمولی عقل بھی دی ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ جو کچھ ملے روزگار و صرف کر دینا عاقبت اندیشی کے بالکل خلاف ہے۔ جس شخص کو معقول تنخواہ ملتی ہو یا جس کی آمدنی معقول ہو وہ مرتے وقت کچھ نہ چھوڑے اور اس کی بیوی کچھ محتاج اور بے سہارے رہ جائیں یا ان کے سر پر

گوارا مگر قرض نہ لینا چاہئے۔ جو شخص قرض لیتا ہے وہ ہمیشہ رنجیدہ رہتا ہے۔ روکھی روٹی بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قرض سے دسترخوان آراستہ کیا جائے۔ اور یہی حقیقت میں قناعت ہے۔ کفایت شعاری ذریعہ مسرت بھی ہے لہذا نہ صرف یہ ضرور ہے کہ اکتساب معاش کے وسیع وسائل اختیار کریں اور ان کو پوری پوری طرح پر کام میں لائیں بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ جو کچھ حاصل ہو اس کا کچھ حصہ بطور اندوختہ رکھیں۔ کیونکہ اگر جس قدر کمایا تھا سب کا سب خرچ بھی کر دیا تو محنت اور کاہلی کا انجام ایک سا ہوا۔ عقلمندی یہ ہے کہ مجبوری اور بیماری کے زمانہ کا خیال کھاجا اور اچانک ضرورتوں کے واسطے پیش بینی۔ سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہیں۔

کفایت شعاری بہت سے ناجائز تعلیش سے بچاتی ہے اور پرہیزگار رکھتی ہے ساتھ ہی بہت سی مباح خوشیاں بھی بخشتی ہے۔ یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ اگر زیادہ رقم پس انداز نہیں ہو سکتی تو تھوڑی رقم کو کیا بچائیں دانہ دانہ شودانبار تھوڑا تھوڑا جمع ہو کر معتد بہ رقم ہو جاتی ہے۔ جو کسی خاص ضرورت کے وقت کچھ نہ کچھ کام آئیگی کفایت شعاری کے لئے کسی زیادہ لیاقت کی ضرورت نہیں صرف تھوڑا طبیعت پر قابو ہونا چاہئے کہ انسان غیر ضروری اخراجات صرف دل بہلانے یا تھوڑی دیر کی واہ واک کی خاطر نہ کر بیٹھے اور جب کفایت شعاری کی عادت پڑ جاتی ہے اور کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے تو اسکے فوائد خود بخود نظر آئے لگتی ہیں۔ حوادث زمانہ اور واقعات غیر اختیاری کے وقت مصیبت کی گھڑیوں میں۔ سخت ضرورتوں کے مقابلہ میں اپنا پیسہ بے منت کام آتا ہے۔ نہ کہ اوروں کی سخاوت اور فیاضی۔

اول تو کوئی اس قسم کی مدد کرتا نہیں اور اگر کسی نے کی بھی تو غیر کفایتی اور ہزار منت۔ اگر کوشش بیکار ہی جائے اور کچھ بھی پس انداز نہ ہو سکے تو بھی سعی منفعت سے خالی نہیں اور کچھ نہ ہو گا تو طبیعت میں احتیاط اور انضباط ہی پیدا ہو جائیگا۔ فضول خرچی کی عادت ہی چھٹ جائیگی۔ بیہودہ مشاغل ہی سے بچ جائیگا۔ بیہودہ جذبات ہی رُک جائیں گے۔ کسی قدر افکار ہی ہلکے ہو جائیں گے۔



اس کو احتیاط سے خرچ کیا جائے اور یہ خبر رکھی جائے کہ نوکرون یا اور لوگون یا خود اپنی غفلت سے خواہ مخواہ ہر چیز ٹوٹ کر خراب نہ ہو۔ اور گھر کی چیزیں اس طرح فضول رہنا نہ ہوتی رہیں۔ کہ ہر وقت اون کے خریدنے اور ہنوائے کی ضرورت رہے۔ بلکہ ہر شے سلیقہ سے استعمال ہو۔ اور یہ کام گھر کے نوکر یا داروغہ کے ذمہ نہ ہو۔ بلکہ خود صاحب خانہ کو مرد ہو یا عورت نگرانی کرنی چاہئے۔ جو لوگ غلط اصول پر اپنا کام چلاتے ہیں۔ وہ ناکام رہتے ہیں۔ مثلاً جو لوگ دوسرے کی مدد پر چھروسہ رکھتے ہیں وہ اکثر ناکام یا ہوتے ہیں۔ یا جو لوگ اپنا مال و اسباب ہمیشہ خراب و برباد کرتے رہتے ہیں ناکام رہتے ہیں۔ اسی طرح بخیل اور فضول خرچ دونوں ناکام رہتے ہیں۔

جائز وسائل سے دولت پیدا کرنے کی سعی اگرچہ عمدہ بات ہے لیکن ایک دم سے دولت مند بننے کی خواہش نہ کرنی چاہئے۔ ورنہ دیانت داری کے ماتھے سے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دولت و دولت داری سے نہیں ہاتھ لگتی مگر پرہیزگاری سے کبھی افلاس بھی نہیں آتا۔ غریب وہ شخص نہیں ہے جس کی آمدنی کم ہو بلکہ وہ شخص جس کے مایحتاج زیادہ ہوں۔ انسان کو تو اکثر خیالی ضرورتیں ہستی ہیں ورنہ مایحتاج تو اس قدر کم ہیں کہ ان کی نسبت زیادہ قبس کی ضرورت نہیں۔ عیش و عشرت کے مصارف کا نہ کوئی ٹھکانا ہے نہ حد۔ خواہ انسان قارون کا خزانہ خرچ کر دے۔ سب سے زیادہ خرابی کی جڑ یہ ہے کہ انسان اپنی حالت سے بڑھکر ظاہری سامان رکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ لوگ اُسے امیر جانیں۔ اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ غریبی کے اظہار سے شرم آتی ہے۔ مگر بڑی غلط فہمی ہے کہ غریبی کو شرم کی بات سمجھا جائے۔ اگر کوئی شخص اپنی روٹی قوت بازو سے کماتا اور آرام سے کھاتا ہے تو وہ کیون شرمائے؟ ان جو لوگ ناجائز وسیلہ سے کمائیں اور بُرے مصرف میں اٹھائیں ان کو شرم لازم ہے۔ سچ یہ ہے کہ لوگون کے بُرے استعمال نے دولت کو خراب اور بدنام کیا ہے مگر دولت پر منحصر نہیں ہر ایک قوت کا یہی حال ہے کہ انسان خواہ اچھی طرح صرف کرے اور فائدہ اٹھائے یا بُری طرح صرف کرے اور برباد ہو۔

مرحوم کے فرض کا بار پڑے تو سوائے اس کے کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ ناقابت اندیش  
 تھا۔ یا اس قدر خود غرض تھا کہ اپنی خواہشوں کے پورا کرنے کے آگے کسی بات  
 کی پرواہ ہی نہ تھی۔ ایسے لوگ اپنی آزادی ساہوکاروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے  
 ہیں۔ اور خود نمائشی سامانوں کے پیچھے محتاج ہو جاتے ہیں۔ کسی عارضی حظ یا  
 نمائش کا خیال ان لوگوں کے دلوں پر اس قدر مستولی ہو جاتا ہے کہ نتیجہ کا ذرا بھی  
 خیال نہیں رہتا۔ پرہیزگاری۔ آزادی۔ دیانت داری۔ خود داری وغیرہ اوصاف  
 کفایت شعاری سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ ایسے اوصاف ہیں جن پر انسان کے  
 اخلاق کی بنیاد ہے۔ اور خود داری کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی وضع کو نبھائے  
 اور اپنا بار خود اٹھائے۔ اور اس میں اس کی عزت ہے۔ اور اگر دوسروں پر اپنا  
 بوجھ ڈالے گا تو وہ حقیقی عزت اور آرام سے نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ہر شخص کو اپنی حاجتوں  
 کا جس قدر احساس ہوتا ہے دوسرے کو نہیں ہوتا۔ اسی طرح اپنے دل کی محبت  
 اپنے دل کی امید۔ اپنی پسند کا اثر۔ جس طرح خود اپنے اوپر ہوتا ہے دوسروں کو اسکی  
 پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر شریف شخص کا فرض ہے کہ اپنی آئندہ حاجتوں کا  
 خیال رکھے۔ اور چارہ دیکھ کر پانوں پھیلانے۔ غریب ہونا عیب نہیں لیکن اس میں  
 شک نہیں کہ افلاس بہت سے نیک کام نہیں ہوتے دیتا۔ اطمینان اور سکون  
 خاطر کو برباد کر کے خوشیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ کفایت شعاری کے اصول  
 کچھ مشکل نہیں ہیں۔ اور ہر شخص ان کو سمجھ سکتا اور ذرا سے انتظام سے ان پر عمل  
 کر سکتا ہے۔ اول تو یہ کہ آمدنی کا تھوڑا سا حصہ خواہ کسی قدر ہی تھوڑا کیوں نہ ہو  
 آئندہ کی حاجتوں کے لئے جمع کیا جائے۔ دوم جو کچھ خریدا جائے اس کی قیمت نقد  
 ادا کر دی جائے اور فرض کے بکھیرے سے پرہیز کیا جائے۔ نیز یہ انتظام کیا جائے کہ  
 کوئی چیز قرض لینے کی ضرورت نہ ہو۔ سوم جس کام میں روپیہ لگایا جائے پہلے اسکے  
 نفع نقصان کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ اور جس کا نفع یقینی نہ ہو اس میں روپیہ  
 صرف نہ کیا جائے۔ چہارم آمد و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھا جائے۔ پنجم جو چیز خریدی جائے

بشعاری  
 اصول

بھول گئے۔ یا اکتساب میں ناجائز وسائل استعمال کرنے لگے۔ وہ صراطِ مستقیم سے  
بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور ان ہی صاحبوں نے دولت کے نام کو بٹہ لگا دیا ہے۔ ایک  
طرف تو کفایت شعاری کو بخل کی حد تک پہنچا دیا۔ اور یہ صفت مذموم ہے۔  
دوسری طرف اکتساب میں قناعت کی بجائے حرص کو کام میں لانے لگے۔  
اگر کفایت شعاری اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بخل ہے۔ بخیل آدمی کو  
اس خیال سے بھی رنج ہوتا ہے کہ ورثہ میرے اندوختہ کو صرف کرینگے۔ کفایت  
شعاری حسبِ مقدور آرام کرنے اور صرف کرنے کو منع نہیں کرتی۔ بلکہ ضروری  
اخراجات میں مدد ہوتی ہے اور بخیل باوجود قدرت کے مصیبت جھیلتا ہے اور  
اس کا جی نہیں چاہتا کہ اشد سے اشد ضرورت میں بھی اس کا ایک پیسہ صرف ہو  
بخیل آدمی طلب مال میں حرص بھی ہوتا ہے اس کا بس نہیں چلتا کہ دنیا بھر کی  
دولت اس ہی کے پاس آجائے۔ اور یہ بخیل لوگ اکثر جذبِ منفعت میں اپنے  
استحقاق یا وسائلِ جائز کا خیال بھی نہیں رکھتے۔ اس عادت سے اور جو خرابیاں  
پیدا ہوتی ہیں سو ہوتی ہیں۔ حرص کو ایک سزا تو یہی ملتی ہے کہ اس کا مطلب پورا  
نہیں ہوتا۔ اگرچہ زکثیر کیون نہ ملے۔ کیونکہ حرص کی آگ اور بھڑکتی ہے اور خواہش  
اور لالچ طبیعت کو ویسا ہی مضطرب رکھتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس  
اس قدر جمع ہو جائے۔ کہ مجھے استغنی حاصل ہو اور اُسے بہت کچھ ملتا بھی  
ہے۔ مگر استغنی اور اطمینان نہیں ملتا۔ اور جب تک یہ نصیب نہیں وہ فائدہ  
جو حصولِ دولت سے مطلوب ہے مفقود ہے۔ اوس کے لئے بھی یہ افکار ایسے  
دل آزار ہیں جیسے کہ غریب آدمی کے لئے ہیں۔ یہ لوگ دولت کے مالک نہیں۔  
دولت کے غلام ہیں۔ اور دولت ان کے حق میں آزار جانگاہ کیونکہ صرف عقل مند کو  
ہی کو دولت فائدہ پہنچا سکتی ہے جو ہمیشہ دولت کی خواہش میں رہیں گو وہ  
دولت مند ہوں مگر غریب ہیں۔ غریب آدمیوں کو تھوڑی یا بہت چیزوں کی ضرورت  
ہوتی ہے۔ مگر حرص کو ہر ایک چیز کی خواہ خواہ ضرورت ہے۔ قناعت ایسی چیز

مٹوار سے خواہ اپنے جان و مال کی حفاظت کرے یا دوستوں کا سرکاٹے۔ پس بڑا طریقہ استعمال ہے نہ خود دولت۔ اس ہی طریقہ استعمال کا سوسائٹی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ چونکہ رواج کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنے سے اعلیٰ کی حرص کرتا ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ اس درجہ کی حیثیت سے عزت اور وقار ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ اون کی عزت و وقار صرف اپنی نظروں میں ہے۔ ورنہ وہ بھی اسی خطبہ میں گرفتار ہیں۔ اور اپنے سے اعلیٰ کی حرص کے پیچھے برباد ہو رہے ہیں۔ ہر شخص کو اپنی اصلی حالت کے موافق رہنا اور وہی ظاہر کرنا چاہئے۔ جب سرمایہ نہ ہو یا خالی ہوتا جاتا ہو تو ظاہری اسباب عیش کیا خوشی دینگے۔ اور دلی اطمینان کا کیا حال ہوگا۔ اور کچھ دنوں گلچہرے اڑائے بھی تو پھر کیا بلکہ اس طرح تو باقی زندگی زیادہ ذلت میں لکٹی ہے۔ بعض ایسے نوجوان ہیں جن کو میراث میں روپیہ ملا۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ اسے احتیاط سے صرف کرتے اور اس کو مفید طور پر کام میں لاتے۔ ناچ رنگ میں اڑا دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرضدار ہوتے اور ذلت اٹھاتے ہیں۔

قناعت

قناعت یہ ہے کہ جس وقت جو حالت میسر ہو اس پر اکتفا کیا جائے۔ اور جو حاصل نہیں ہو سکتا اس کے واسطے اضطراب نہ ہو۔ اگر طبیعت میں یہ جوہر نہ ہو تو دولت کا حظ حاصل نہیں ہوتا۔ پس دولت کا حظ اٹھانے اور اس وسیلہ سے خوشی حاصل کرنے کے لئے قناعت کی تعریف سے واقف ہونا اور دولت اور مسرت کے تعلقات کو جانچنا ضرور ہے۔ کیونکہ اگرچہ دولت اطمینان اور آرام دلجمعی اور خوشی بخشی ہے مگر اسی وقت کہ اس کے ساتھ قناعت ہو ورنہ اس کے برخلاف نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہے۔ خوشی دولت کے مناسب استعمال سے ہوتی ہے نہ کہ دولت سے۔ اور جو لوگ دولت صرف دولت کی خاطر جمع کرتے اور ضرورت کے وقت بھی اسے کام میں نہیں لاتے یا جن کے دل میں حرص یا دولت کی محبت اس قدر پیدا ہو گئی ہے کہ وہ اس کا مناسب استعمال ہی

تم یہ خیال کرتے ہو کہ جس غریبانہ حالت میں میں رہتا ہوں اگر خائنخواستہ تمہاری یہ حالت ہو تو تم تو مر ہی جاؤ لیکن میں حیران ہوں کہ تم کو میری طرز معاشرت میں ایسی کوئی مشکل اور عجیب بات نظر آتی ہے؟ تم مجھے یہ الزام لگاتے ہو کہ میں روپیہ نہیں کھاتا۔ لیکن تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جو لوگ روپیہ کھاتے ہیں۔ ان کو کیا کیا کام کرنے پڑتے ہیں اور کن کن لوگوں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ میں کسی سے کچھ لیتا نہیں تو کسی کی خدمت بھی تو نہیں کرتا۔ اور میرا ہر کس و ناکس سے معاملہ بھی تو نہیں پڑتا۔ تم میرے کھانے پینے کو اس سبب سے بُرا بتاتے ہو کہ وہ تمہارے نزدیک عزیز نہیں ہوتا۔ لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ایک شخص جو کچھ کھانی رہا ہے وہ ہی اسے خوشگوار معلوم ہو تو پھر اسے کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی۔ آپ نے میرے لباس کی نسبت بھی غلط رائے قائم کی آپ کو معلوم ہے کہ لباس کی ضرورت کیا ہے۔ اور مختلف موسموں میں تبدیل لباس کیوں کیا کرتے ہیں؟ اس لئے کہ موسم کی گرمی اور سردی سے محفوظ رہیں۔ لیکن سچ کہنا آپ نے کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ میں سردی کے مارے کبھی گھر سے نہ نکلا ہوں۔ یا گرمی میں میں نے ٹھنڈے سایہ میں آرام لیا ہے۔ جو تیان اس لئے پہنتے ہیں کہ چلنے میں سہولت ہو۔ میں بے شک ننگے پاؤں پھرتا ہوں لیکن جہاں میں مجھ جانا ہوتا ہے بے تکلف چلا جاتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ بعض لوگ خلقتاً نازک اور کمزور ہونے میں لیکن ورزش اور مشقت کی عادت سے وہ ان لوگوں سے زیادہ جفاکش ہو جاتے ہیں جو خلقتاً موٹے تازے اور مضبوط تھے۔ لیکن انہوں نے جفاکشی کی عادت نہیں ڈالی اور نازک اور بودے ہو گئے۔ میں نے عمر بھر محنت اور مشقت سے کام لیا ہے اور دشواریوں کا تحمل کیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے زیادہ مضبوط ہوں۔ میں ان لذائذ کا خواہاں نہیں جن کی لذت دم کے دم رہتی ہے بلکہ میں ابدی خوشیوں کا خواستگار ہوں جو لوگ زیادہ متول حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ عموماً خوش نہیں رہتے کیونکہ معاملات میں پیچیدگیاں اکثر پڑتی رہتی ہیں۔ اور ان بیچاروں کو ہمیشہ فکر و انقباض ہی ہوتا

کہ دولت سے راحت پہونچاتی ہے۔ قناعت اگرچہ حتی الوسع سعی کرنے اور دولت دنیا سے متمتع ہونے کو منع نہیں کرتی۔ مگر موجودہ حالت پر اکتفا کرنا اور اسے اس طرح کام میں لانا سکھاتی ہے۔ کہ اطمینان اور تسکین خاطر ہاتھ سے نہ جانے۔ قناعت رضا جوئی الہی کا سبق دیتی ہے۔ قناعت اگرچہ روپیہ پیدا نہیں کرتی۔ مگر خیالی ضرورتوں کو دور کر کے احتیاج کا دائرہ چھوٹا کر دیتی ہے۔ ورنہ پچھتہ سفت میں کم نہیں بلکہ بڑھ کر ہے۔

ملک آزادی کی کج قناعت گنجیست کہ پشمیر میسر نہ شود سلطان را  
قناعت ہمیشہ خیالات کو پاکیزہ دل کو مطمئن طبیعت کو لبثات رکھتی ہے۔ اگر انسان نظر غور و تعمق سے دیکھے تو اسے معلوم ہوگا کہ اصلی ضرورتیں کس قدر قلیل ہیں۔ اور ان کے واسطے کس قدر کم دولت درکار ہے۔ باقی جو کچھ ہم وہ لے رہے ہیں جس میں تفوق اور بزرگی حاصل کرنے کے واسطے ہے۔

ایک دن سقراط بیٹھا اپنے دوستوں سے باتیں کر رہا تھا۔ (اس کی باتیں بھی سقراط کا قول) پسند و نصائح کی کتاب ہوتی تھیں کہ باتوں باتوں میں حکمت کے ایسے ایسے اصول سکھا جاتا تھا کہ سننے والے کے دل میں نقش کا لجر ہو جاتے تھے)۔ ایک شخص انسٹیفون جو یہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سقراط کو جھپائے اس موقع پر ادھر آ نکلا۔ پہلے تو چپکا بیٹھا سنتا رہا۔ پھر کہنے لگا کہ ”سقراط میں تو یہ جانتا تھا کہ فلسفی اور لوگوں کے نسبت دنیا میں زیادہ خوش رہتے ہونگے لیکن میری رائے میں تو تمہاری عقل نے تم کو اور مصیبت میں ڈال رکھا ہے تم تو اس طرح رہتے ہو کہ کوئی ذلیل سا ذلیل خدمتگار بھی نہ رہتا ہوگا۔ موٹا جھوٹا کھانا کھا لیا۔ بڑے بھلے کپڑے پہن لئے۔ گرمی جاڑے ہر سات ایک ہی کپڑا پہنے پھرے تنگے پانون چل نکلے۔ بھلا یہ بھی کوئی حالت ہے۔ تم کیون نہیں روپیہ پیدا کرتے۔ اور امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے۔ صحبت اور تعلیم میں بہت بڑا اثر ہے اگر ان لوگوں نے تمہارے پاس آکر اور تمہاری باتیں سنکر یہی سیکھا تو تمہارے جیسے مصیبت زدہ بن جائیں گے۔“ سقراط نے کہا ”انسٹیفون

درویش“ کا مصداق بنتا ہے۔

## باب ششم

### مکان

منزل کی تعریف

مکان کی صورت اور حیثیت تدبیر منزل میں داخل نہیں۔ بلکہ منزل سے مراد ہر ایسا مقام ہے جہاں کوئی شخص اپنے بیوی بچوں، ماں باپ وغیرہ کے ساتھ رہے اور معاشرت کے کام انجام دے خواہ یہ مقام پہاڑوں کے غار ہوں یا خیمہ و خرگاہ۔ یا گھاس کے جھونپڑے یا ایوان و محل۔ لیکن چونکہ مکان کی حیثیت اور مقام کا اثر انسان کی صحت پر پڑتا ہے۔ لہذا تعمیر مکان میں اصول حفظان صحت کا خیال رکھنا ضرور ہے۔ اور چاہے مکان کی ظاہری آرائش اور دیوار کے نقش و نگار اور عمارت کی خوبصورتی میں فرق آجائے لیکن اُن خوبوں میں فرق نہ پڑنے پائے۔ جو کمینوں کے آرام و راحت میں بکار آمد اور مفید ہیں۔ مکان بناتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے ایک یہ کہ مکان کا موقع عمدہ ہو۔ دوسرے اسکی گرد و نواح صحت بخش ہو۔ مکان بلند قطعات زمین پر بنوانا زیادہ مناسب ہے کیونکہ نشیب کی زمین میں پانی جمع رہتا ہے اور زمین تر رہتی ہے۔ جو لوگ سیلے ہوئے مکانوں میں رہتے ہیں ان کو تزلزل اور بخار اکثر متاثر ہوتا ہے۔ بارش کے بعد جب آفتاب نکلتا ہے اور زمین خشک ہونے لگتی ہے۔ تو سڑے ہوئے نباتی اور حیوانی مادہ مین سے زہریلے بخارات پیدا ہوتے ہیں جن سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں خصوصاً ملیریا بخاران ہی خراب بخارات کے اثر سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے جس قدر زیادہ بلند جگہ مکان مل سکے بہتر ہے مذی دیا جھیل تالاب کے کناروں سے تقریباً دو سو گز پرے مکانات تعمیر کرنے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ مکان کرسی دار ہو اور سطح زمین سے کم از کم تین فیٹ بلند ہو۔ اور اگر ممکن ہو تو رہنے کے کمروں کی زمین چونے سے پختہ کرائی جائے۔ کمرے بھی ایسے وسیع اور ہلکا ہوں کہ ہر وقت تازہ ہوا آ سکے۔ اور ہوا کے آنے کے لئے بڑے بڑے دروازے اور

مکان کی وضع



ہے۔ اس لئے میں روحانی اطمینان اور آرام حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی ایسا موقعہ آپڑے کہ ہمیں اپنی قوم اور اپنے ملک کی خاطر لڑنا پڑے۔ تو اس دن کون زیادہ کام دیگا۔ میری طرح کا آدمی کہ وقت پر اُسے جو کچھ میسر آگیا اُسے غنیمت معلوم ہو یا آپ کی طرح کا ناز پروردہ کہ جب تک دنیا بھر کی نعمتیں مہیا نہ ہوں حلق سے نوالہ ہی نہیں اُترتا۔ اگر محاصرہ آپڑے تو کون زیادہ ٹھیرے گا میں یا آپ ؟ انیگیٹون تم پیخیاں کرتے ہو کہ عمدہ عمدہ کھانے کھانا اور فاخرہ لباس پہنتا اور امیرانہ طرز سے رہنا خوشی بختا ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ کسی چیز کی حاجت نہ ہونا بواہشت ہو۔ اور یہی وہ کمال ہے جو خداوند تعالیٰ کی شان بے نیازی سے ملتا جلتا ہے۔

بلند نظر اشخاص جو صحیح اصول پر چلتے ہیں وہ دکھاوے کی باتوں سے بہت پرہیز کرتے ہیں اور نہایت دیانت داری سے اپنی آمدنی ہی میں اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ روپیہ کو سلیقہ اور قریبہ سے خرچ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں عقل عملی کس قدر ہے۔ یہ ماننا کہ روپیہ ایسی چیز نہیں ہے۔ کہ انسان اس کی محبت میں گرفتار رہے۔ اور اس کو زندگی کا مدعا قرار دے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ منزلی اور تمدنی آرام روپیہ پر منحصر ہیں۔ دو باتیں ہیں۔ ایک دوسروں کی معاونت پر گزارہ کرنا۔ دوسرے اپنا جس کی معاونت کرنا۔ ان میں سے دوسری حالت زیادہ معزز یا قابل قدر اور زیادہ مستحسن ہے۔ اور یہ اوس شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو معاش کے افکار سے فارغ ہو۔ اور دوسروں کی حاجت روائی کر سکتا ہو۔ جو شخص خود دوسروں کی معاونت کا محتاج ہے۔ یا جو احتیاج کی بندشوں میں گرفتار ہے۔ وہ اگرچہ کسی کا غلام نہ ہو لیکن اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اوسے دوسروں کے سامنے جھکنا۔ ان کی نرم گرم باتیں سہنا ان کے سخت شرائط کو منظور کرنا پڑتا ہے۔

آنکہ شیراز راکسند رو باہ مزاج      احتیاج است احتیاج است احتیاج  
اور اگر پیارہ کبھی جرات کرتا اور کسی نا واجب بات پر طیش کھاتا ہے۔ ”تو قدر ویش برجانا

مقاله سوم

سیاست مدن

درخت بچے بنائے جائیں۔ عمارت کے دروازے سورج کے رخ ہوں تاکہ اندر دھوپ اور روشنی آسکے۔ ”جس مکان میں روشنی نہیں جاتی اُس مکان میں ڈاکٹر ضرور جاتا ہے۔“ سورج کی روشنی صحت بخشتی ہے۔ مکان کی ہوا کو صاف کرتی ہے۔ اور طبیعت کو نباش اور چالاک رکھتی ہے۔ جس مکان میں چینی (دودکش) نہ ہو وہاں کوئلہ اور آگ نہیں سلگوانی چاہئے کیونکہ کوئلہ میں سے جو گیس پیدا ہوتی ہے وہ مضر صحت ہے اگر دھواں چینی میں سے نکل سکے تو مضائقہ نہیں۔ مکان میں چھوٹا سا باغچہ یا دو چار درخت ہونے بہتر ہیں لیکن مکان کے گرد بہت سے درخت یا جھاڑیاں ہونی مضر صحت ہیں۔ ان میں سے جو پتہ گرتے اور سڑتے ہیں وہ ہوا کو خراب اور مضر صحت کرتے ہیں مکان کو چوڑے سے پھیلانا یا سفیدی کرانی بہت عمدہ بات ہے۔ اگر چوڑے سے نہ ہو سکے تو مٹی سے پھلانا بھی اچھا ہے لیکن ہر روز اس طرح لیپنا کہ سیل رہے یا گوبر سے لیپنا بیماری کا گھر بنانا ہے۔ اس ہی طرح سارے گھر میں جھاڑ و ہر روز دینی چاہئے لیکن سوائے پاخانہ کے اور حصہ زمین کو ہر روز دھونا اور تر رکھنا ٹھیک نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مکان کو غلاظت سے پاک رکھا جائے موریوں کا ایسا انتظام کیا جائے کہ تمام خراب پانی اور فضلات بہک دو اور چلے جائیں۔ اس ہی طرح پاخانے پختہ بنائے جائیں۔ اور ان کو دھلواتے رہیں۔ ہر بار رفع حاجت کے بعد خشک مٹی یا رکھ ڈالتے رہنے سے ہوا خراب نہیں ہونے پاتی۔ کیونکہ خشک مٹی میں بعض ایسے اجزاء ہیں جو غلیظ اور زہریلے اجزاء کو جذب کر لیتے ہیں۔ گھر کا کوڑا اور گلی سڑی اشیاء دور بچھکوانی چاہئے۔ میلا اسباب اور کثیف کپڑے بھی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مکان میں صفائی رکھنے میں کسی قدر روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ لیکن مکان نا صاف رکھنے میں اس سے زیادہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ اور علاج میں روپیہ صرف ہونے کے علاوہ بے آرامی اور بیماری کی تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے۔

# مقالہ سوم

## سیاست مدن

### باب اول

#### گورنٹ

#### ۱۔ تمدن کی حاجت اور ابتدا

سیاست مدن حکمت کے اُس حصہ کا نام ہے جو ایک شہر یا ملک کے رہنے والوں یا ایک قوم کے باہمی تعلقات کے حفظان کے وہ اصول بیان کرے جس سے تمام افراد ترقی اور بہبودی کی طرف مائل ہوں اور ان میں طریقہ عدالت جاری اور قائم ہے۔ انسان کی ضروریات اس قسم کی واقع ہوئی ہیں کہ وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ اور جس دن سے انسان اس دنیا میں پیدا ہوا کبھی تنہا نہیں رہا۔ سب سے پہلے اُسے ایک ایسے مجلس کی ضرورت واقع ہوئی جو نہ صرف دل لگی کا سبب ہو بلکہ معاشرت کے کچھ مہزون میں اُس کا ہاتھ بٹائے دل گھبرائے تو اس سے باتیں کرے۔ بیمار ہو تو بیمار داری اور خبر گیری کرے۔ بغض خال میں اُس کا معاون اور مددگار رہو۔ اس طبعی خواہش نے انسان کو تنہائی سے نکال کر تمدن کی طرف مائل کیا۔ اور وہ دوسرے انہائے جنس کے ساتھ ملکر رہنے پر مجبور ہوا۔

خدا جو ضرورت پیچھے لگاتا ہے اُس کی سہولت اور دلچسپی کے ایسے سامان پیدا کرتا ہے کہ وہ کام بہت ہی سہل اور نہایت ہی مزیدار ہو جاتا ہے مگر مَلِئَ سَمَاسَ لِمَا خَلَقَ لَہُ اس لئے مبعوع فیاض سے اس کو نطق اور عقل عطا ہوئی کہ تمدن کی راحتیں زیادہ بڑھ جائیں اور باہم مل جل کر رہنے اور بات چیت کرنے سے اُن میں موافقت اور اتحاد پیدا

انسان کو تمدن کی ضرورت



آرام و آسائش چاہیں حاصل کریں۔ وہ اگرچہ دوسروں کی خدمت کرتے ہیں لیکن اُس سے بھی اُس کے عوض کوئی کام لیتے ہیں۔ ایک پیشہ ور دوسرے پیشہ ور کو کوئی چیز دیتا ہو تو اس سے بھی اس کے عوض میں۔ وہ یہ یا کوئی چیز لے لیتا ہے۔ ایک شخص دوسرے کا خادم ہے لیکن وہ وہی کام کرتا ہے جس کے لئے وہ نوکر رکھا گیا ہے۔ اور ہینے کے ہمینہ اوس کے عوض میں تنخواہ لے لیتا ہے وہ مجبور نہیں ہے کہ اپنے مفوضہ کام سے زیادہ کوئی کام بلا معاوضہ کرے۔ اوسے اختیار ہے کہ جب چاہے نوکری چھوڑ دے غرض ہر ادنیٰ و اعلیٰ شخص سوسائٹی کی اس حالت میں پورا آزاد اور خود مختار رہتا ہے فطرت نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور انسان کو اپنی آزادی کی قدر بھی بہت ہے۔ لیکن جہاں انسان کی فطرت میں ہزاروں خوبیاں ہیں وہاں یہ عیب بھی ہے کہ اس کی طبیعت میں عدالت نہیں۔ وہ دوسروں کا مال غصب کرنا۔ اون کو بے وجہ دہانا۔ اون سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا غرض کسی نہ کسی طرح دوسروں پر جبر کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے یہ ضرورت واقع ہوئی کہ ایسی تدبیر کی جائے کہ انہائے جنس اوس شر سے محفوظ رہیں تاکہ ہر شخص کے حقوق اوس کی جان اور اوس کا مال محفوظ رہ سکے۔ اور قدرت نے مساوات کا جو درجہ لوگوں میں قائم کیا ہے وہ ہمیشہ قائم رہے کوئی چیز ان کی آزادی میں خلل انداز اور مارج نہ ہو۔ جو شخص آزادی کے قانون کی خلاف ورزی کرے اسکو سزا دی جائے۔ جو لوگ دوسروں کو ضرر اور نقصان پہونچانے کے اور قانون عدالت توڑنے کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں اگر ان کا ضرر نہایت شدید ہو تو سوسائٹی کو ان کے ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کو اُس سوسائٹی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تہن کی ابتدائی حالت میں تمام سوسائٹی کو یہ اختیار تھا کہ سوسائٹی کے کسی ممبر سے کوئی جرم سرزد ہو تو سب ملکر اس کے واسطے سزا مقرر کرتے تھے۔ جرائم کی نوعیت اور مجرموں کی حیثیت مختلف ہے۔ اس سبب سے ہر جرم کے لئے ایک جدا سزا مقرر کرنی پڑتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ فیصلے جو ہر قسم کے مجرموں کے واسطے کئے جاتے تھے قانون بن گئے اور آئندہ انفصال مقدمات اس قانون کی رو سے ہونے لگا۔ سوسائٹی کے ان اقتدارات کا نام

انسان کی طبیعت کا نقص

اس کام کے لئے سب سے پہلا رفیق مرد کو عورت اور عورت کو مرد ملا۔ اور پھر اولاد نے اوس سوسائٹی کو بڑھایا رفتہ رفتہ اس میں خدمتگار بھی داخل ہوئے اور یہ الگ گروہ بن گیا۔ لیکن انسان کی ضرورت نے اس پر بس نہ کی۔ اوس کی ضرورتیں مختلف واقع ہوئیں تھیں اور وہ اون کو تنہا پورا نہ کر سکتا تھا۔ اسے ایسے بہت سے آدمیوں کے مجمع کی ضرورت ہوئی جو مختلف طرز سے اس کی معاونت کر سکیں اور چونکہ اور لوگوں کو بھی اس قسم کی ضرورتیں تھیں اور وہ بھی اس شخص کی خدمت کے ایسے ہی محتاج تھے جیسا یہ اون کی خدمت کا حاجت مند تھا۔ اس لئے سب کو باہم ملکر رہنا اچھا معلوم ہونے لگا اور ایک دوسرے کا اجتماع غنیمت سمجھنے لگے اسی سبب سے انسان کا یہ عالم ہے کہ اگر حالت مسافرت میں دوسرا مسافر گاڑی یا ریل یا جہاز میں شریک ہو تو خواہ پہلے کی جان پہچان بھی نہ ہو لیکن مل بیٹھتے ہیں اور کچھ نہیں تو باتیں ہی کر کے وقت کاٹتے ہیں۔ انتظام دینا ایسے تدبیر کے ہاتھ میں ہے کہ وہ جس طرح کی ضرورت پیدا کرتا ہے اُس کے دفع کرنے کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ انسان کی ضروریات مختلف واقع ہوئیں تو لوگوں کے طبائع اور میدان بھی مختلف واقع ہوئے اور ہر شخص ایک نئی خدمت کی طرف متوجہ ہوا۔ کوئی سنّا ہے۔ کوئی نجات۔ کوئی سنگتراش۔ کوئی معمار۔ کوئی مصوّر۔ کوئی باغبان۔ کوئی کسان۔ کوئی درزی۔ کوئی فنشی وغیرہ چونکہ دن بھر سب کو باہم کام پڑتے رہتے ہیں اس لئے ضرور ہوا کہ سب ملکر رہیں اور اپنے اپنے کام کریں اور جس وقت کسی ایک کو دوسرے شخص کی معاونت کی ضرورت ہو تو فوراً اوس سے مل سکیں۔ ایسی ایسی ضرورتوں کے سبب سے ملکر رہنے کا نام تمدن ہے اور لوگوں کی جماعت کا نام سوسائٹی یا گروہ ہے اور جہاں یہ سب ملکر اس غرض سے رہیں کہ باہم معاونت و استمداد سے زندگی بسر کریں اوس مقام کا نام مدینہ یا شہر یا قریہ۔ یا قصبہ۔ یا گاؤں ہے۔

سوسائٹی کی اس حالت میں سب انسان برابر ہیں۔ وہ آزاد ہیں کہ جو چاہیں ہمیشہ اختیار کریں۔ انہیں اختیار حاصل ہے کہ جو کچھ وہ اپنی قوت بازو سے پیدا کریں اوسے جس قیمت پر چاہیں فروخت کریں۔ انہیں حق ہے کہ اپنے مال و متاع سے جس قدر

توہین بین انسان  
کی آزادی



جان بچائے۔ جب فصل خصوصیات اور عثمان حکومت فوج ایک ہی شخص کے ہاتھ میں گئی تو اس کے اقتدارات بہت وسیع ہو گئے اور اس کا نام حاکم یا بادشاہ یا خلیفہ رکھا گیا۔ اس کا یہ فرض قرار پایا کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے اور ان میں قانونی عدالت قائم رکھے۔ اور اگر وہ اُس سے انحراف کریں تو سزا دے یا کوئی اُن پر حملہ کرے تو اس کو دفع کرے۔ چونکہ ایسی مشکل خدمات اُس کے سپرد ہوئیں اس کو معاوضہ بھی سب سے زیادہ ملنا ضرور ہوا۔ اتنے بڑے بڑے کاموں میں اور وہ بھی دوسروں کی خاطر مصروف رہ کر وہ اپنے واسطے اکتساب معاش یا ضروریات زندگی ہتیا نہیں کر سکتا تھا اور ضرور تھا کہ جو لوگ اس سے ایسی خدمات لیتے ہیں وہی اس کو معاوضہ میں خراج دیں۔ یہ خراج کچھ عدالت اور کچھ فوج کے اخراجات میں صرف ہوتا تھا اور حسب ضرورت بادشاہ کے صرف میں آتا تھا۔ لوگ اس شخص کی جو اُن کے جان و مال کا محافظ ہو قدر اور عزت کرتے تھے۔ اور اُسے اپنا سردار یا پیشوا یا بادشاہ مانتے تھے۔ اور چونکہ اس کا ہر ایک قول عوام کی بہبودی اور آسائش کے واسطے ہوتا تھا سب اس کا کہا مانتے تھے اور اس کے احکامات کی تعمیل کرتے تھے۔ لیکن اگر وہ غلط حکم دے یا اگر اس کا کوئی فعل قانون عدالت کے خلاف ہو تو ادنیٰ ادنیٰ آدمی فوراً ٹوک دیتے تھے اور بادشاہ کی ایک نہ چلتی تھی۔ اس طرح تمدن نے ترقی کرتے کرتے سلطنت قائم کی۔ سلطنت لیکن یہ سلطنت جمہوری سلطنت تھی کہ بادشاہ کا انتخاب خود رعایا کرتی تھی۔ اور صرف جنگ کے موقع پر فوج کے کل انتظامات اس کے ہاتھ میں ہوتے تھے باقی امن کے دنوں میں اس کی حیثیت تمام رؤساء شہر کے برابر ہوتی تھی۔ اور باقی سلطنت کا نظم و نسق رعایا یا کونسل کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی بادشاہ کے اختیار و اقتدارات بعض امور میں دوسروں سے زیادہ ہوتے تھے۔ اور رعایا کو اس کا حکم ماننا اور ادب کرنا فرض تھا۔ جب سلطنت قائم ہوئی تو ایک شخص کو یہ اختیار نہیں تھا کہ کسی دوسرے شخص کو جس نے اس کا مال چُرایا سے خود سزا دے بلکہ اس کو حاکم وقت سے شکایت کر کے سزا دلوانی چاہئے اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جس دشمن سے وہ

بادشاہ

خراج

سلطنت

جو لوگوں میں قاعدہ عدالت قائم رکھیں اور جو شخص اس قاعدہ سے کسی طرح کا انحراف کرے اس کو سزا دین سیاست کہلاتا ہے۔ اس سوسائٹی کے ہر ممبر کو ہر قدر برائی میں شریک ہونے اور آزادی سے رائے دینے کا حق برابر حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح سوسائٹی کی صورت جمہوری سلطنت کی سی ہو جاتی ہے اور اون کو قانون بنانے اور قانون کے خلاف کرنے والوں کو سزا دینے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ہر چھوٹے چھوٹے مقدمہ میں سب لوگوں کا اکٹھا ہونا اور رائے زنی کرنا خالی از وقت نہ تھا دوسرے لوگوں کے کاروبار میں ہرج پڑتا تھا اس واسطے بعض لوگوں کو انفضال مقدمات کے اختیارات اس شرط سے دئے گئے کہ قاضی اپنی رائے سے نہیں بلکہ اون قوانین کی رو سے انفضال کرے جو سب لوگوں کے اتفاق رائے سے بنائے گئے ہیں۔ اس طرح اگرچہ قانون کے بنانے کا اختیار تمام سوسائٹی کو حاصل رہا لیکن قانون پر چلانے کی قوت ایک شخص کے ہاتھ میں آگئی۔ اور اس کا نام قاضی یا منصف رکھا گیا۔ اس سوسائٹی کو ایک اور شدید ضرورت یہ واقع ہوئی کہ اپنے گروہ بن مفسد اور خطا کار لوگ تو تھے ہی جن کے واسطے قانون اور قاضی مقرر کئے گئے تھے لیکن ایک گروہ اور پیدا ہوا اور اُس نے یہ چاہا کہ اس گروہ کا مال و متاع چھین کر اون کو اپنا غلام بنائے۔ اس بیرونی حملہ کا دفع کرنا تمام سوسائٹی پر فرض تھا کیونکہ اگر وہ غلام لوگ فتیاب ہو جاتے تو ان سب کی گردنیں بند جاتیں۔ اس لئے انہوں نے متفق ہو کر اس کا مقابلہ کیا اور مار بھگایا یا مصلحت وقت دیکھ کر اون سے صلح کر لی۔ یہ صلح اور جنگ کا اختیار ہے۔ لیکن جنگ میں لوگوں کا نقصان بہت ہوا۔ اول تو دشمن کی قوت کا پہلے سے اندازہ نہ تھا دوسرے جنگ میں بہت سی جانیں تلف ہوئیں اور ان دنوں میں سارے کاروبار بند ہو گئے۔ ضروریات کے حاصل کرنے میں بڑی دقت واقع ہوئی۔ اس لئے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ نوجوان اور من چلے بہادروں کی ایک فوج تیار کی جائے اور وہ سب لوگوں کے جان و مال کے بچانے کی خدمت انجام دین۔ صلح اور جنگ کے لئے اختیار اور اس فوج کی عنان حکومت بھی ایک شخص کے سپرد کی گئی۔ تاکہ کوئی وقت آپڑے تو وہ ان سے کام لے اور دوسرے

موقعوں پر انتقام لینے کو تیار ہو جاتے لیکن معاوضہ کے وقت اغماض کرتے یا جیسی سرگرمی اپنے مقدمہ کے وقت ظاہر ہوتی تھی دوسرے کے مقدمات کے وقت ظاہر نہ ہوتی تھی۔

سوم۔ اگر کسی مقدمہ کے فیصلہ پر عملہ رآمد کرنا مقصود ہو تو کسی شخص میں ایسی طاقت نہ تھی کہ جزا اور سزا کا عمل کر سکے۔ اور کوئی سہارا دینے والا نہ ہوتا تھا۔ جو لوگ قانون عدالت کے خلاف ورزی کرتے تھے اگر زیادہ زور آور ہوئے تو وہ سزا دینے والوں کو خود اُلٹی سزا دیتے تھے اور اس طرح اکثر کشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ اس سبب سے جہان تک جلدی ممکن ہوا لوگوں نے نہ صرف گروہ قائم کئے بلکہ ان گروہوں میں سیاست یا سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ تاکہ یہ وقت کہ سب لوگوں کو سزا دینے کا اختیار ہے باقی نہ رہے۔ اور چونکہ اس اختیار میں ہر شخص باوجود غنا و بھونیکے تکلیف میں تھا اُن اختیارات سے دست بردار ہونا ناگوار نہ ہوا بلکہ بہت اچھا معلوم ہوا۔

## ۲۔ جمہوری سلطنت

انسان جب تمدن میں داخل ہوتا ہے تو اگرچہ وہ ہمہ ساری اور آزادی و رود اقتدارات جو اس کو پہلے حاصل تھے چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن وہ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ فرض اسی طرح اس کی آزادی قائم رہ سکتی ہے اور اس کا تباہ و مال محفوظ رہ سکتا ہے اور جو آرام و آسائش اس کو تمدن اور سلطنت میں رہنے سے حاصل ہے خود بخود نہیں اس کا عشر عشر بھی نہیں مل سکتا۔ لیکن سلطنت کے اقتدارات اس سے زیادہ بڑھنے نہیں پاتے جو تمام لوگوں کی آسائش اور حفاظت کے لئے ضروری ہوں اور جس شخص کے ہاتھ میں ان اقتدارات کی عنان ہوتی ہے اس کا فرض ہوتا ہے کہ ایسے مجوزہ قوانین کی رو سے حکومت کرے جو سب کو پہلے سے معلوم کر دئے گئے ہوں۔ اور ایسے بے تعصب اور دیانت دار جج مقرر کرے جو ان مجوزہ قوانین کے مطابق انفصال مقدمات کریں۔ بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ تمام ملک اور ساری

لڑنا نہیں چاہتا اس سے نہ لڑے بلکہ یا تو سارے کام چھوڑ کر اس سے لڑنا اور اس کو دفعہ کرنا پڑتا ہے یا روپیہ دینا پڑتا ہے کہ دوسرے اس کے بدلے لڑیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن انسان نے اس اطاعت اور مجبوری کو اپنے حق میں مفید اور باعث راحت خیال کر کے اپنی مرضی اور خوشی سے اختیار کیا ہے۔ خود مختاری اور مطلق العنانی کی حالت میں ہر انسان کے اختیارات بے شک بہت وسیع تھے۔ لیکن وہ اس آزادی کا پورا پورا حظ نہیں حاصل کر سکتا تھا اور اس طرح آزادانہ رہنے میں اس قدر خطرات تھے کہ وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ اگر بادشاہی کا دعویٰ تھا تو اور سب لوگ بھی اسی طرح خود مختار بادشاہ تھے۔ اور جہاں ہر شخص خود سر بادشاہ ہو وہاں کی بد امنی کا کیا بوجھنا ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ کسی کو وہ اختیارات دئے جائیں جو دوسروں کو حاصل نہ ہوں اور وہ سب کے امن و آسائش کا برابر لحاظ رکھے اور یہی بادشاہی جو خود سر کی حالت میں تین دو قین بڑی سخت تھیں جن کا تدارک سوائے اس کے ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ کسی قسم کی سلطنت قائم کی جائے

دوسری کی حالت  
کی دو قین

اول۔ کوئی ایسا قاعدہ اور قانون نہ تھا جو سب کے نزدیک برابر مسلم اور سب کو معلوم ہو جو جائز و ناجائز کا معیار ہو اور لوگوں کے قضیہ اس قانون سے فیصلہ کئے جائیں بلکہ ایک ہی قضیہ کا تصفیہ ایک وقت کسی طرح کیا گیا اور دوسرے وقت لوگوں کی طرف داری یا خاص اقتدار اور اثر سے اس میں کمی و بیشی ہو گئی۔ علاوہ ازیں انسان بالطبع اپنی بات کی سچ اور ہٹ کرتا ہے۔ اس لئے جو کام وہ ایک بار کر بیٹھتا تھا اس کو جس طرح ممکن ہو صحیح ثابت کرنا اور اس کے خلاف ہر کارروائی سے بچنا چاہتا تھا اور چونکہ کوئی مسلمہ قانون نہ تھا اکثر لوگوں کی ہٹ دھرمی چل جاتی تھی۔

دوم۔ کوئی شخص مسلمہ منصف اور جج نہ تھا۔ جس کو یہ اختیار حاصل ہو کہ مجوزہ قانون کی رو سے انفصال کرے۔ لوگ خود ہی واضح قوانین اور منصف تھے۔ اور چونکہ فطرتاً انسان کو اپنے معاملات میں بہت خود غرضی اور ضد ہوتی ہے وہ اپنے لئے اچھے کاموں کا بہت زیادہ معاوضہ اور بڑائی کی بہت کم منازم قرار کرتے تھے۔ دوسروں کے

کسی خاص صورت کے لئے موجود نہیں ہوتا۔ یا مجلس واعض قوانین کسی خاص حالت کی پیش بین نہیں کر سکتی یا قانون پر بعض وقت زیادہ سختی سے عمل کرنا یا بامضرت اور خلاف مصلحت ہوتا ہے۔ غرض ایسی ایسی صورتوں کے لئے حکمران کو اختیار ہے کہ اپنی رائے اور عقل صواب اندیش پر چلے اور عین طرح مناسب ہو عمل کرے۔ اگر حکمران ان اختیارات کو عوام کے فائدہ اور حفاظت کے لئے عمل میں لائے تو لوگوں کو گران نہیں گزرتا بلکہ نہایت خوشی سے احکام کی اطاعت کرتے ہیں عام لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ حکمران کے احکامات پر نکتہ چینی نہیں کیا کرتے لیکن اسی وقت تک خاموش رہتے ہیں کہ یہ یقین ہو کہ حکمران جو کچھ کرتا ہے۔ سچ سمجھ کر کرتا ہے اور جو سوچتا ہے ہمارے بچلے ہی کی سوچتا ہے۔ لیکن اگر حکمران اپنی حد سے باہر قدم رکھنے لگے اور لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ اس سے ہمارا نقصان ہو گا تو پھر شرافت کے دفتر کھل جاتے ہیں۔ اور اعتراضوں کی بوجھاڑ پڑنے لگتی ہے۔ اس سوال کا فیصلہ کہ آیا حکمران کا کوئی فعل جائز ہے یا ناجائز نتیجہ پر منحصر ہے۔ اگر نتیجہ عوام کے حق میں اچھا ہے تو جائز ہے اور اگر نتیجہ خراب ہے تو ناجائز۔ غرض سلطنت بہوری ایسی سلطنت ہے کہ نیچرل حالت میں جو اختیارات اور اقتدارات لوگوں کو فرد افراد حاصل تھے وہ انہوں نے سوسائٹی کو دے دیے۔ اور سوسائٹی نے اس اعتماد اور یقین پر گورنر (حکمران) کو دیدئے کہ یہ اپنے اختیارات کو ہماری حفاظت اور آسائش کی غرض سے کام میں لائیں گے۔ ان کو فطرتی حالت میں جو اختیار حاصل تھا اور جس کو وہ ایسی حالت میں کہ سوسائٹی اوس کی حفاظت و معاونت کر سکے سوسائٹی کے حوالہ کر دیتا ہے۔ صرف اسی قدر ہے کہ وہ اپنے مال کو بچائے اور اگر کوئی شخص قانون فطرت کے خلاف ورزی کرے اور اوس کو آزار دینا چاہتا ہے تو اُسے سزا دے۔ سوسائٹی میں رہ کر یہ قاعدہ سوسائٹی کی عام بہبودی اور حفاظت کا باعث بھی ہوتا ہے۔ پس جب یہ اختیار ایک حکمران کے ہاتھ میں دیا جائے تو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ایسی تدابیر عمل میں لائے کہ مختار ہو کہ خلقت

امن عام قائم رکھنا  
سلطنت کی  
علت غائی ہو

آزادی اور آسائش کا انحصار ہے۔ اس لئے یہ اختیار ایسے دور اندیش۔ برتر ہی خوا  
ملک لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے جو سلطنت کے فائدہ کے لئے اسے کام میں  
لانے کی پوری لیاقت رکھتے ہوں۔ صرف صلح اور جنگ ہی پر کیا محرمہ شخص  
کے ہاتھ میں غمان حکومت ہو اسے خاص خاص ایسے اقتدارات حاصل ہونے  
ضرور ہیں جو مروجہ قانون سے برتر ہوں۔ کیونکہ مقنن کا تجربہ خواہ کتنا ہی وسیع  
اور اس کی نظر خواہ کتنی ہی دور بین کیوں نہ ہو۔ ایسے واقعات ضرور پیش آئے ہوتے  
ہیں جن کی نسبت قانون میں کوئی خاص ہدایت نہیں ہوتی اور ایسے موقع پر اگر  
حکمران کو اپنی رائے پر کام کرنے کا اختیار نہ دیا جائے تو انتظام ریاست اور سیاست  
میں فرق آتا ہے۔ اگر اس وقت اس خاص کام کے واسطے قانون بنانے کے لئے  
مجلس واضع قوانین کا انعقاد کیا جائے تو فضول طوالت اور بہار تفسیح اوقات  
ہوگی۔ بعض ضرورتیں ایسی بھی پیش آتی ہیں کہ وہاں مروجہ قانون پر عمل کرنے سے  
ہرج اور نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور قانون کے خلاف کرنا امن عامہ یا آسائش  
یا کسی مصلحت سے مناسب ہوتا ہے۔ ایسے موقع کے لئے حکمران کو اختیار حاصل  
ہونا چاہئے کہ وہ مناسب وقت اور صوابدید کے لحاظ سے قانون پر عمل نہ کرے اور  
اپنی رائے کی مصلحت پر عمل کرے۔ فرض کرو کہ شہر کے کسی حصہ میں آگ لگ ہی ہے  
اور اس کے بجھانے کے لئے ضرورت یہ ہے کہ ایک شخص کی دیوار ڈھا دی جائے  
قانون اجازت نہیں دیتا کہ ایک بے گناہ کے مکان کی دیوار ڈھائی جائے لیکن  
چونکہ مصلحت کا اقتضا ایسی ہے اس لئے حکمران کو اجازت ہونی لازم ہے کہ وہ  
قانون کے خلاف کرے۔ گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ عامہ غلاطی کی بہبودی اور  
خوشی کا خیال رکھے اس لئے اگر کسی بے گناہ کو آزار نہیں پہنچتا تو کسی مجرم کو  
بخش دینا بھی گورنمنٹ کے اغراض کے خلاف نہیں ہے۔ حکمران کو ایسے ذاتی  
اختیارات دینے نہ صرف ضروری ہیں بلکہ مفید بھی ہیں کیونکہ بعض ممالک میں مجلس  
واضع قوانین ہر وقت قائم نہیں ہوتی یا کوئی قانون کسی خاص واقعہ یا واقعہ کی

خراب ہے کہ ہر ایک اوس کے تھ سے ملان ہے۔ ہمسائے تھ ہیں۔ اہل منہ۔  
 شاکی ہیں۔ اہل شہر ناراض ہیں۔ ماتحتوں کا مالک ہیں وہ ہیں۔ اس طرح ایک  
 ہے کہ اگرچہ اُن میں تمدن کے تمام اصول پائے جاتے ہیں اور باہم اُن میں علالت  
 بھی قائم ہے۔ لیکن دوسرے اہل ملک یا دوسری سوسائٹی کے لئے وہ قزاق  
 رہن۔ لٹیرے بن جاتے ہیں بلکہ علانیہ حملہ کر کے جان و مال پر قبضہ و تصرف کر لیتے  
 ہیں۔ یہی کیفیت بادشاہوں کی بھی ہے کہ اکثر اچھے اچھے بادشاہ جو اپنی رعایا کی  
 آسائش کے لئے جان و مال قربان کرنے کو مستعد ہو جائیں اور رات دن ملک  
 کے انتظام کے لئے کوشش و سعی میں گزار دیں۔ جب ملک گیری پر کھڑے ہوتے  
 ہیں تو لا کھوں کے خون پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ سرسبز جمالک اور آباد شہروں کو  
 برباد اور ویران کر کے چھوڑتے ہیں۔ اس جنگ و جدل کے کسی سبب ہوتے ہیں۔  
 مثلاً (۱) دوسروں کا مال و ملک حاصل کرنے کی طرح۔ (۲) کسی غصہ یا کینہ یا عداوت  
 اثر اور اس سبب سے دوسروں کو ضرر پہنچانا۔ (۳) حکمرانی کی خواہش۔

جب اسی طرح ایک شخص یا ایک فرقہ کسی شخص یا کسی فرقہ کی جان ہلاک کرنے اور  
 مال چھین لینے کی غرض سے دوسرے شخص یا فرقہ پر حملہ کرے یا اس کو برباد کرے  
 ارادہ یا کوئی تجویز کرے تو دوسرے شخص یا فرقہ کو بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے  
 کہ اپنے جان و مال کی حفاظت کے لئے دوسرے شخص کے حملہ کو روکے اور  
 بجائے اس کے کہ خود برباد ہو دشمن کے برباد کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا  
 نام جنگ ہے۔ اگر شیر یا بھیڑ یا کسی انسان پر حملہ کرے تو انسان شیر کو  
 مارنے کی فکر کرتا ہے اور بس چلتا ہے تو مار بھی ڈالتا ہے۔ جو لوگ بے گناہوں کو  
 اپنے پنجہ ستم کا شکار بناتے ہیں اور اُن کا جان و مال برباد کرنا چاہتے ہیں وہ انسان  
 درندے جانوروں سے بدتر ہیں اس لئے اپنے جان و مال کی حفاظت کے لئے  
 اون کے حملہ کو روکنا اور مار بھگانا بھی قدرتا جائز اور روا ہے۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی انسان کو اپنے قبضہ میں اس طرح کرے کہ اس کے

دشمنی



کی عام آسائش اور حفاظت اور آزادی قائم رہے۔ لیکن اس سے لوگوں کی جان و مال پر خود مختارانہ اختیار حاصل نہیں ہو سکتا۔ نشان کی حفاظت ہے نہ کہ اون کی بربادی۔ اگر کوئی شخص قانون کے خلاف کرے تو اس کو سزا دے یا اگر کسی شخص کا وجود عامہ خلافت کے حق میں نہایت ضرر رسان ہو تو سب کی رحمت اور امن کے لئے اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دے اور کسی حکمران کو یہ اختیار لوگوں کی رضا مندی اون کے انتخاب اور اون کی کثرت رائے سے حاصل ہوتا ہے۔

### ۳۔ حالت جنگ

(یعنی غیروں کے حملہ کی مدافعت اور اپنی محافظت)

سلطنت کے دو اہم فرائض ہیں ایک اپنی رعایا کے امن اور بہبود کی تدابیر اختیار کرنا اور امور نافعہ پر کار بند ہونا۔ دوم ان کو غیروں کے حملہ سے بچانا تاکہ انکی آسائش اور راحت میں خلل نہ پڑے۔ انسان مختلف خاصیتوں اور مختلف جذبات کا پتلا ہے کبھی مختلف آدمیوں سے مختلف طرح کے افعال سرزد ہوتے ہیں جو کہا جاسکتا ہے کہ اون کی عادت یا طبیعت ہیں اور کبھی ایک ہی شخص سے ایسے مختلف افعال سرزد ہوتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ اس کی فطرت میں مختلف جذبات کیونکر جمع ہو گئے مثلاً ایک شخص نہایت بے درد اور ظالم و سفاک ہے اور اس کی یہ عادت اپنے رشتہ داروں دوستوں ہم وطنوں غیروں سب کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرا شخص جو اسی طرح کا ایک آدمی ہے نہایت متواضع رحیم اور منکسر مزاج شخص ہے کہ اپنے پرانے سب کے ساتھ ملاطفت اور ملامت سے پیش آتا ہے۔ اسی طرح سب کا رنگ جدا جدا دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ ان کے طبائع مختلف ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایک ایک ہی شخص سے مختلف طرح کے افعال مختلف اوقات میں سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص اپنے بچوں اور گھر والوں کو بہت چاہتا ہے اور اچھی طرح سے رکھتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں ہمدردی انسانی کا مادہ ہے۔ لیکن غیروں کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا

انسان مختلف  
عادات اور خواص  
کا ظہور

ایسا کرنے کا موقع نہ رہے وہاں شخص کو حق حفاظت نہ رہتا۔ یہ وہی ہے جو  
 کہ اس وقت جان و مال کی حفاظت کرے۔ اگر ایک فرد دوسرے کے لیے قتل کر سکے  
 اور کوئی نہ اسے یا کوئی چیز اسے دونوں میں تعصیب کر سکے اور نہ تو کسی نے  
 حق حفاظت خود اختیار ہی ہوگا وہاں کی اجازت دینا بہت مشکل ہے۔ یہ شخص  
 جس پر مجھ کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ میں اسے ستاؤں یا ماروں کہہ کر وہ  
 رات کو میرے ساتھ چوری کرنے آئے اور میں جانتا ہوں کہ یہ مجھے مارا لیگا اور  
 رات کو رات بچاؤ چاہیے گا تو مجھے حق حاصل ہے کہ میں چار بار مار دوں یا کہ نہ  
 میری جان گئی تو وہ پھر ملنے والی نہیں نہ کوئی اس کا معاوضہ دے سکتا ہے  
 پس جس قانون نے میری حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس نے مجھے یہ حق بھی دیا ہے  
 کہ جہاں قانون سے اپیل نہ کیا جاسکے وہاں حق حفاظت خود اختیار ہی کام  
 میں لایا جائے۔ یہ حالت جب افراد انسانی میں ہو تو جدال کہلاتی ہے۔ اور  
 جب اقوام یا بادشاہوں میں ہو تو جنگ ہے۔ لیکن جب جنگ و جدال ہو چکے  
 تو سوسائٹی کے ہر فرد پر اس مروجہ قانون کی اطاعت پھر لازم ہو جاتی ہے  
 کیونکہ اس وقت درعدالت کھل جاتا ہے اور گزشتہ بے اعتدالیوں کی تلافی یا  
 انداد ہو سکتا ہے۔ لیکن جب تک قانون میں اس تلافی یا انداد کی قوت  
 نہ ہو حالت جنگ و جدال قائم رہتی ہے یہاں تک کہ حملہ آور کو امن کی درخواست  
 کرنی پڑے اور آئندہ بے گناہوں کے ستانے سے باز آنے کا اقرار کرے یا  
 مخالفین میں سے ایک بالکل تباہ و برباد ہو جائے اور قضیہ مٹ جائے۔ غرض  
 دونوں فریقوں میں سے جس کسی کو فتح حاصل ہوتی ہے وہ دوسرے کے ملک  
 اور ملک پر قبضہ کر لیتا ہے۔ زمانہ کارواج اس قدر خراب ہو گیا ہے اور دونوں میں  
 سے قانون قدرت کا علم اتنا محو ہو گیا ہے کہ اب جنگ و فتح قبضہ و اقتدار کی دلیل  
 بلکہ استحقاق سمجھی جانے لگی ہے۔ انسان کی تاریخ میں ہزاروں برس سے  
 جنگ و فتح کی کہانیاں چلی آتی ہیں اور جس فریق کو فتح حاصل ہو خواہ وہ حق پر ہو

جان و مال پر قدرت حاصل ہو جائے وہ گویا اس انسان سے جنگ کا ارادہ رکھتا ہے۔ انسان بالطبع آزاد پیدا ہوا ہے اور اس کی آزادی کو چھیننا اس کو غلام بنانا ہے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جان و مال کی ایسی حفاظت کرے کہ دوسرا اس پر مالکانہ قبضہ نہ کر سکے اور جو کوئی اس پر مالکانہ قبضہ کرنا چاہے اُسے اپنا دشمن سمجھے۔ اسی طرح جو قوم دوسری قوم کی آزادی چھین کر اس کو غلام بنانے کے لئے حملہ کرے اور لوگوں کی آزادی میں خلل ڈالے وہ دشمن ہے جس کا یہ ارادہ ہے کہ کل چیزیں اور دنیا کی نعمتیں چھین کر دوسروں کو غلام بنائے اور خود گلچھڑے اڑائے۔ ایسے دشمن کی مداخلت کے لئے اُس سے لڑنا اور اپنی حفاظت کرنا جنگ کہلاتا ہے۔ حالت جنگ میں یہ جائز ہے کہ دشمن سے نقصان اٹھانے سے پہلے اس پر حملہ کرے یا اُسے مارے کیونکہ جب اُس نے کسی قوم کی جان و مال پر قبضہ کر لیا اور ان کو محکوم بنالیا تو پھر اس کا دفعہ کرنا ناممکن ہے۔ چوکہ ارادہ یہ ہوتا ہے کہ چوری کر کے کسی کا مال لیجائے لیکن چورانے سے پہلے اُسے مارنا جائز ہے اگرچہ اُس نے ذرہ سا بھی نقصان نہ پہونچایا ہو۔ جو شخص یا جو فرقہ کسی شخص یا کسی فرقہ پر خود مختارانہ قبضہ کرنا اور اسے اپنا محکوم بنانا چاہے تو خواہ اس کا ارادہ کچھ بھی کیوں نہ ہو وہ دشمن ہے اور اپنی محافظت کے لئے اس سے جنگ جائز ہے۔ کیونکہ جو شخص دوسرے کی آزادی لے لے وہ جب دل چاہے اور جو کچھ چاہے لے سکتا ہے اس لئے اس کی مضرت سے بچنا اور اُسے مار ڈالنا اس لئے جائز ہے کہ خود اُس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا اور دوسروں پر حملہ کیا ہے۔

صلح کل۔ امن جوئی۔ معاونت و ہمدردی۔ حفاظت۔ تمدن کے معاون ہیں۔ لیکن دشمنی۔ حسد۔ زبردستی۔ ظلم۔ خانہ جنگی۔ تمدن میں رخنہ ڈالنے والے اور اجزاء عالم کے پریشان کرنے والے ہیں۔ قانون عدالت خرابی کی رخنہ بندی اور مظلوم و مستحقین کی حفاظت کرتا ہے لیکن جہاں ایسا ہو کہ قانون اور عدالت سے

حق و انصاف

فحجاب ہوتے ہیں اور خود حملہ آور دن پران کو وہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے جو حملہ آور حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب مستحقین کو فتح حاصل ہو تو یہ نتائج پیدا ہوئے ہیں۔  
۱۔ جو لوگ فاتح کے ساتھ جنگ میں شریک تھے اور جنہوں نے اپنے سر ہتیلی پر رکھ کر دشمن کو مغلوب کیا ہے ان پر بادشاہ یا سردار کو کوئی زیادہ اقتدار حاصل نہیں ہوتا۔ اور وہ جیسے پہلے آزاد تھے ویسے ہی رہتے ہیں بلکہ لوٹ کے مال اور مفتوحہ ملک میں سے ان کو حصہ ملتا ہے۔

۲۔ فاتح کو مفتوحین پر خود مختارانہ اقتدار حاصل ہوتا ہے کیونکہ مفتوحین نے خود فتنہ اٹھایا تھا اور اس سبب سے اب ان کو اپنی آزادی کو کھونا پڑا۔ لیکن فاتح کو صرف ان ہی لوگوں کے جان و مال پر یہ مالکانہ حق حاصل ہوتا ہے جو جنگ میں بذات خاص شریک ہوں۔ وہ لوگ جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے اس کے مستوجب نہیں بلکہ جو لوگ ناجائز جنگ میں شریک نہیں ہوئے اگرچہ وہ مخالف قوم اور ملک کے ہوں زیادہ مراعات کے مستحق ہیں کیونکہ وہ صرف شریک جنگ ہی نہیں ہوئے بلکہ ان کی علیحدگی سے دشمن کی قوت گھٹی رہی اس طرح وہ فاتح کے مدد و معاون ہوئے۔ اور اس سے زیادہ رعایت اور حسن سلوک کے مستحق ہیں۔

## ۴۔ قانون

انسان کو عقل راہنمائی کے لئے عطا ہوئی ہے۔ لیکن انسان کی عقل کے مراتب مختلف ہیں اور ہر شخص کی عقل اس قدر کامل نہیں ہے کہ وہ ہر انسان کو برائیوں سے بالکل بچا سکے بلکہ اکثر اوقات انسان سے ایسے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو اس کی ذات یا سوسائٹی کو نقصان پہنچاتے ہیں جب انسان اپنی عقل سے کام لیتا ہے تو بہت مفید نتائج حاصل ہوتے ہیں مثلاً وہ ایک خاص مذہب کی پابندی کرتا ہے۔ خدا سے عزوجل کی پرستش کرتا اور اپنے تئیں عبد سمجھتا ہے۔ علم و فن میں ترقی کرتا اور طرح طرح کی دستکاریاں کرتا ہے۔ تمدن و معاشرت میں

انسان کی عقل کے نتائج

یا ناحق پر تمام ملک اس کا ہو جاتا ہے۔

کسی ملک پر لڑ جھگڑ کر فتح حاصل کرنا اصول تمدن میں داخل نہیں ہے۔ مکان کا بنانا اور رہنے اور اس کا ڈھا دینا کچھ اور ہے۔ جو قومیں اپنے زور کے برتنے پر دوسروں کے تمدن میں خلل انداز ہوتی ہیں وہ تمدن کی اعانت نہیں بلکہ اس کی برباد کرنے والی ہیں اور ان کو قدرت کے اصول کے لحاظ سے مفتوحین کے جان و مال پر کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ڈاکہ زن کسی بھلے مانس کے گھر میں گھس کر اس کی مشکین باندھ لے اور جبراً اس سے یہ کاغذ لکھو لے کہ جو کچھ اس گھر میں ہے وہ اس ڈاکو کا مال ہے تو کیا فی الحقیقت ڈاکو کو اس گھر کے مال و اسباب پر مالکۃ قبضہ حاصل ہو جائیگا اور عدالت ایسے ڈاکو کو سزا سے بری کر کے اس مال و اسباب کا مالک تسلیم کر لیگی۔ ہرگز نہیں۔ پھر ایک بادشاہ جو بیٹھے بٹھائے دوسرے کے ملک پر حملہ کر کے بزور شمشیر فتح پاتا ہے یا اس کو مجبور کر کے من مانے معاہدے لکھواتا ہے کیونکر اس ملک کا مالک یا اس معاہدے سے فائدہ اٹھانے کا حق تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بات صرف اتنی ہے کہ دنیا میں ڈاکو کے لئے عدالت کھلی ہوئی ہے جو غریب مالک مکان کا مال دلواتی اور ڈاکو کو سزا دیتی ہے۔ لیکن حملہ آور بادشاہ کے لئے جو سب سے بڑا قراق ہے دنیا میں کوئی ایسی عدالت نہیں ہے جو اس کا انصاف کرے۔ یہ بادشاہ اپنے چھوٹے اور کمزور آدمیوں کو جو دوسروں کے مال میں دست اندازی کریں یا امن عامہ میں خلل ڈالیں سخت سخت سزائیں دیتے ہیں لیکن خود دوسروں کے ملک پر حملہ کر کے طرفین کے لاکھوں انسانوں کی جانیں گنوا دیتے ہیں۔ اور ملک کی سرسبزی، خوش حالی، امن، آزادی پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ لیکن قدرت کے قانون کے بموجب ان ناجائز فتح پانے والوں کو مفتوحین سے اطاعت اور فرمان برداری کروانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

فتح کے لئے ضرور نہیں کہ ہمیشہ حملہ آوروں اور ظالموں ہی کا ساتھ دے بلکہ اکثر وہ مظلومین بھی جو اپنے ملک کو غارت گروں سے بچانے کے لئے لڑتے ہیں

حاصل ہوتا ہے۔ لیکن انسان کی جہالت یا بعض اوقات باوجود علم کے اوس کی طبیعت کا ضعف اوسے قوانین شرع و اخلاق کا پابند نہیں رکھتا اور اس سبب سے تمدن میں خرابی اور امن عامہ میں خلل پڑتا ہے۔ اور تمام گروہ کی آسائش اور حفاظت کے لئے یہ ضرورت پڑتی ہے کہ جو لوگ عمداً یا خطاً قانون عدالت کی خلاف ورزی کرنی چاہیں اون کو بہ جبر و زور احکام عدالت کا پابند رکھا جائے۔ اور اگر کبھی اوس کے خلاف کریں تو مراد دی جائے۔ تاکہ امن و ترتیب قائم رہے چونکہ ہر سوسائٹی میں گورنمنٹ اسی منشاء کے واسطے قائم ہوتی ہے۔ لہذا یہ اختیار گورنمنٹ کو دیا گیا ہے اور جو ضوابط کہ گورنمنٹ لوگوں کے افعال میں حد اعتدال قائم کرنے کے لئے جاری کرتی ہے قانون کہلاتے ہیں۔

انسان کو  
حفاظت کی  
ضرورت ہے

نیچرل حالت میں جب انسان کسی حکومت کے ماتحت نہ ہو ہمیشہ یہ ہوا کرتا ہے کہ زور آور کمزور کو ستانا اور پیسے ڈالتا ہے اس لئے بنی نوع انسان میں سے کمزورون کو یہ ضرورت ہوتی کہ کوئی اون کا محافظ اور نگہبان ہو۔ بیویان خاوندوں کے۔ بچہ والدین کی حفاظت میں رہیں اور کمزور گروہ طاقتور گروہ کی تعدی سے بچنے کے لئے گورنمنٹ کی حمایت میں رہیں۔

گورنمنٹ

قوانین

گورنمنٹ بنی نوع انسان کا وہ باقاعدہ منظم اور آزاد گروہ ہے جو اپنے تمام ممبروں کی بھلائی اور فائدہ کے لئے اور تمام گروہ کے انتظام کی خاطر تمدنی اصول وضع کرتا ہے اور اون کو مستحکم کرتا اور رعایا کو اون پر کاربند رکھتا ہے۔ اور قانون وہ قواعد ہیں جو ایک سلطنت اپنی رعایا کے معاملات اور ایسے افعال کی دہستی کیلئے مقرر کرے جو تمدن سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کی رو سے اون کے باہمی مقدمات کا انفصال کیا جائے۔

فطرتاً انسان میں صحیح و غلط میں امتیاز کا مادہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ جائز و ناجائز امور میں تمیز کرتا ہے۔ انسان کے تمام قانون کی بنیاد اسی قدرتی ہدایت پر ہے یعنی جو کچھ جائز و روا ہو اوس پر کاربند ہو۔ اور جو کچھ ناجائز اور ناروا ہو اوس سے

اصلاح کرتا اور امن ورفاہ عام کے قیام و ثبات میں مدد دیتا ہے۔ اسی طرح شہر و  
 میں ملکر رہنا۔ دوسروں کے ساتھ مشارکت و محاشطت اختیار کرنا ایک طاقت بہم پہنچانا  
 اور سلطنت قائم کرنا۔ مال و دولت جمع کرنا۔ اور ہر شخص کی بیلجہ ملک قرار دینا۔  
 اپنی اپنی چیزوں سے حظ اٹھانا۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کرنا۔  
 نئی معلومات بہم پہنچانا۔ نئی اشیاء یا اشیاء کے خواص یا قدرت کے قانون دریافت  
 کرنا اہم مسائل میں غور و فکر کرنا۔ انسان کے ایسے کام ہیں جو اوس کو مروج اور ترقی  
 کی طرف مائل کرتے۔ اور اوس کا رتبہ بلند کرتے ہیں۔ اور یہی انسان کا کمال ہے  
 یہ انسان کی ضروریات۔ دانش۔ ارادہ اور استعداد کا نتیجہ ہیں۔ لیکن جب  
 انسان پر حیوانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو یہی انسان لوگوں کو قتل کرتا۔ عمارتوں کو ڈھاتا  
 کھیتوں کو تباہ کرتا۔ شہروں کو ویران کرتا۔ معابد و مساجد توڑتا۔ صنعت و کمال کے  
 نمونوں کو مٹاتا۔ کتب خانوں کو جلاتا لوٹ مار کرتا۔ اور ہر طرف بربادی پھیلاتا ہے  
 اس حالت میں اوس کی روح تنزل کی طرف مائل ہوتی ہے اور وہ انسانیت سے  
 دور ہوتا جاتا ہے۔

انسان کا ارادہ

اگرچہ نیک و بد کی تمیز کرنا اور اوس میں سے ایک کو اختیار کرنا انسان کے ارادہ  
 پر چھوڑا گیا ہے اور یہ اختیار ہے جو انسان کو عطا ہوا ہے لیکن یہ اختیار جس قدر زیادہ  
 بڑا ہے اسی قدر زیادہ خوفناک اور نازک ہے اور اس حالت میں ضرور ہے کہ انسان  
 کو اشیاء اور معاملات کے حسن و قبح کا علم ہو اور اوس کی طبیعت میں پسندیدہ  
 اور مفید امور پر کاربند ہونے اور عمدہ چیزوں کو انتخاب کرنے کا میلان بھی ہو۔

انسان کو  
 راہ نمائی کی  
 ضرورت ہے

انسان قدرت کے منشاء کے مطابق اپنی عقل اور ارادہ پر کاربند ہوتا اور اپنی  
 سمجھ اور مرضی کے مطابق ہر کام کرنا چاہتا ہے لیکن اوس کی ناقص عقل اور غلط راہ  
 اوسے برائی کی طرف مائل کرتی ہے اور انسان کو ضرورت پڑتی ہے کہ وہ یہ جانے کہ  
 مجھے کس طرح عمل پیرا ہونا اور اپنے چال و چلن کو کن اصول کا پابند رکھنا یا اپنی طبیعت  
 پر کس طرح قابو رکھنا چاہئے۔ یہ علم احکام شرع اور مسائل تہذیب اخلاق کے جاننے سے



کرتی ہے غوا بط انتظامی کہلاتا ہے۔

لوگوں کے گروہ، شہروں اور قصبوں میں آباد ہوتے اور ملکر رہتے ہیں اس واسطے خود اون کو بھی ایسے اختیار دئے جاتے ہیں کہ اہل شہر کے چال و چلن اور رویہ کی دیکھ بھال کی نگرانی رکھیں تاکہ اوس سوسائٹی کے اراکین باہم حق تلفی نہ کریں اور معاملات میں طریقہ عدالت مد نظر رکھیں اگر اون میں سے کوئی اپنی حد سے بڑھ جائے تو اس کو تنبیہ کی جائے اور جو نقصان اوس نے پہونچا یا ہے اوس کا تدارک کیا جائے یہ اختیارات تدابیر مدینہ اور قانون میونسپلیٹی کہلاتے ہیں۔

میونسپلیٹی کے قانون چھوٹے چھوٹے امور کی نسبت ہوتے ہیں لیکن جو قوانین رعایا کے اہم معاملات کا تصفیہ کرتے اور اون کے اخلاق و رویہ کی نگرانی رکھتے اون کے حسن معاشرت کا انتظام کرتے اور خود ریاست اور اراکان ریاست کے کاموں کی نگرانی کرتے ہیں قوانین انتظام عامہ یا قوانین فاعل کہلاتے ہیں۔ ان قوانین پر عملدرآمد عہدہ داران ریاست کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ انسان اپنا سچے نفس کو ضرر پہونچاتا اون کے مال تلف کرتا اور اون کی جان لینا چاہتا ہے اور بعض اوقات ایسے کام کرتا ہے جو اس سلطنت کے مخالف ہوتے ہیں اور چاہتا ہے کہ سلطنت کے احکام نہ مانے یا اون کی تعمیل میں مارج ہو۔ ایسے لوگوں کو سزا دینے اور اون کو اپنے ہت کھنڈن سے باز رکھنے کے لئے جو قانون بنایا جاتا ہے وہ قانون فوجداری یا تعزیری کہلاتا ہے۔

معاملات حفظ حقوق اور لین دین میں صداقت و صفائی رکھنے کے لئے یا واجبی معاوضہ اور اجرت کے تصفیہ کے واسطے جو قوانین بنائے جاتے ہیں وہ قانون دیوالی کہلاتے ہیں۔

انسان جس چیز کی حفاظت کی درخواست قانون سے کرتا ہے وہ اوس کے حقوق ہوتے ہیں۔ آزادی کی حفاظت کی درخواست بھی انسان قانون سے کرتا ہے کیونکہ آزادی انسان کا حق ہے قانون کا بڑا کام یہ ہے کہ لوگوں کے

قانون میونسپلیٹی

قوانین انتظام عامہ

قانون فوجداری

قانون دیوالی

انسان کے حقوق

کی حفاظت

قانون کا فرض

ہے

باز رہے۔ لیکن چونکہ انسان کے طبائع مختلف ہیں اور مختلف ممالک کے لوگوں کے لئے میدان اور رسوم بھی مختلف واقع ہوئے ہیں اس لئے مختلف ممالک کے قوانین میں اختلاف ہوتا ہے لیکن سب جگہ یہ ضرور ہے کہ حکومت کی زبان گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہو اور گورنمنٹ لوگوں سے جبراً قانون پر عملدرآمد کرے۔

نٹ کے فرائض

ہر گورنمنٹ کے فرائض کا اگر استقصا کیا جائے تو درہمین قسم کے ہونگے۔

۱۔ وضع قانون۔ قانون بنانا اور اون کی اشاعت کرنا۔

۲۔ عدالت و سیاست۔ کوئی شخص کسی حدت میں ان قوانین کی خلاف ورزی کرے تو سزا دینا۔ اور خرابیوں کا علاج کرنا۔

۳۔ نظم و نسق۔ ریاست کی فوجی۔ سیاسی۔ اور انتظامی قوت کو کام میں لانا ایک ملک میں جو قوانین نافذ ہوتے ہیں اور جن سے بموجب کوئی ریاست سلطنت کرتی ہے اون کے مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں اس سبب سے قانون کے مختلف اقسام قرار دئے گئے ہیں۔

سلطنت کا کام عہدگی سے انجام دینے کے لئے مختلف عہدہ داروں میں منقسم ہوتا ہے جو ارکان دولت کہلاتے ہیں۔ ان کے علیحدہ علیحدہ فرائض اور ذمہ داریاں اور اختیارات ہیں۔ اس طرح جو اقتدارات اور جو قوت من حیث المجموع ایک سلطنت کو حاصل ہوتی ہے وہ چند ارکان سلطنت میں منقسم ہو جاتی ہے جن قاعدوں کی رو سے یہ اقتدارات تقسیم ہوتے ہیں اور اون کا انتظام کیا جاتا ہے اور جس قاعدہ کی رو سے وہ عہدہ دار اپنے اپنے اختیار کو کام میں لاتے ہیں وہ ”آئین مملکت“ کہلاتے ہیں۔

آئین مملکت

وہ علاقہ جو ایک سلطنت اپنے اور اپنی رعایا میں قائم کرتی ہے اور جس قاعدہ کے بموجب وہ ریاست کے معاملات چلاتی ہے اور اپنے ماتحت حکمرانوں کے فرائض اور رعایا کے ساتھ برتاؤ کے قواعد مقرر کرتی ہے یا اپنے آئین کی حفاظت کرتی اور ہر صیغہ اور سلطنت کے ہر شعبہ کے فرائض کی حدود مقرر کرتی اور نگرانی

نظام انتظام

طریق معاشرت وغیرہ ایک خاص درجہ رکھتا ہے۔ اور اوس کی حفاظت کا قانون سے متوقع ہے۔ لوگوں کو بہکانا کہ کسی خاص سوداگر سے مال واسباب نہ لیں۔ یا وکیل سے مشورہ نہ کریں۔ کسی خاص ڈاکٹر کی دوائی پیئیں۔ کسی کی ملازمت نہ کریں۔ ایسے اسباب ہیں جو اوس کے تمدنی درجے کو ٹھٹھانے ہیں اور قانون کا فرض ہے کہ اوس کی حفاظت کرے۔

۳۔ انسان کے خاندانی حقوق کی حفاظت۔ مثلاً بیوی کو مجبور کیا جائے کہ خاوند کی اطاعت کرے۔ خاوند کا فرض ہے کہ بیوی اور بچوں کی خبر رکھے اور ان کی پرورش کرے۔

۴۔ عزت و نام کی حفاظت۔ انسان کو نیک نامی سب چیز سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اور کسی شخص کے نام کو بڑھ لگانا۔ اوس کو رسوا کرنا۔ یا اوس پر اتہام لگانا تاکہ وہ خلقت کی نظروں سے گر جائے انسان کو بہت آزار دینا اور دل دکھانا ہے۔ نیک نامی عمدہ اخلاق کا نتیجہ ہے اور اس لئے اس کی حفاظت رکھنا اخلاقاً حق ہے۔ علاوہ ازیں نیک نامی سے انسان کو بہت سے فائدے ہوتے ہیں اور اس منفعت کی حفاظت کرنا قانون کا فرض ہے۔

۵۔ مال کی حفاظت۔ مال انسان کی ضروریات پورا کرنے کا آلہ اور اوسکو آرام پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ مال سے محروم کرنا اوس کو محتاج بنانا اور اوس کے حظ اور خوشی کو کم کر دینا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ قانون مال کی حفاظت کرے۔

۶۔ اوقاف کی حفاظت۔ دنیا میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ کسی خاص آدمی کی ملک قرار نہیں دی جاسکتیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے ان کو جمیع مخلوقات کے آرام اور استعمال کے واسطے پیدا کیا ہے۔ مثلاً ہوا اور دریا کا پانی وغیرہ۔ جس طرح کسی خاص شخص کی ملک میں دوسرے کی مداخلت ناجائز ہے۔ اسی طرح ان اشیاء پر خاص اشخاص کا قبضہ ہونا ناروا ہے۔ اسی طرح سڑکیں۔ پل۔ مساجد۔ عبادت خانہ۔ مہمان سراے وغیرہ رفہ عام کی عمارات وقف خیال کی جاتی ہیں۔

حقوق کی حفاظت کرے اور اوس کے حقوق معین کرے۔ انسان کا ایک حق قانون پر یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی حق تلفی کرے تو اوس کا معاوضہ دلائے۔ جو شخص کسی دوسرے شخص کو ناخوش کرتا ہے وہ اسے آزار پہونچاتا ہے لیکن جو شخص ناخوش کر کے اوس کی تلافی نہ کرے وہ سب سے زیادہ آزار پہونچانے والا ہے اس واسطے قانون کا فرض ہے کہ آزار دہ شخص سے معاوضہ لے اور ایسے طریقے مقرر کرے کہ آزار دینے والا مجبور کیا جاسکے اور اس مصرت کا علاج ہو جائے۔

خاص خاص حالتوں میں یہ بھی جائز ہے کہ انسان کو حق حفاظت خود اختیاری دیا جائے کیونکہ بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اوس ہی وقت بدانتہائی نہ کی جائے اور دشمن کے حملہ سے حفاظت نہ کریں تو اوس کی تلافی ناممکن ہو جاتی ہے اس وقت جس شخص پر حملہ کیا جائے اوس کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو اپنی ذات کو بچائے اور خطرہ کو دفع کرے۔

حق حفاظت  
خود اختیاری

انسان کے حقوق جن کی قانون حفاظت کرتا ہے بہت سے ہیں مثلاً:-  
۱۔ انسان کی ذات کی حفاظت۔ قانون کا فرض ہے کہ ہر شخص کی جان کی حفاظت کرے اور اوس کو خطرات سے بچائے۔ کسی شخص پر حملہ کرنا اوس کی صحت کو نقصان پہونچانا۔ زخمی کرنا۔ مارنا۔ قید کرنا۔ اوس کے کاموں میں بے جا مداخلت کرنا۔ مان باپ بیوی بچوں سے جدا کرنا۔ کسی شخص کے گھر پر حملہ کرنا۔ اور اوس کو مجبور کرنا کہ اپنا مسکن چھوڑ دے اور جلا وطن ہو جائے وغیرہ۔ کل ایسے امور ہیں جو ذاتی ایذا رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کی حفاظت

۲۔ انسان کی تمدنی حالت اور رتبہ کی حفاظت۔ ہر شخص کا تمدنی حالت میں ایک مقام اور درجہ ہے اور اوس کے بموجب اوس کے حقوق اور فرائض کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً وہ صاحب خانہ ہے۔ شہر کا مجسٹریٹ یا کو تو ال ہے۔ یا وکیل۔ یا دستکار یا سوداگر ہے۔ غرض بلحاظ نسب۔ عمر۔ دولت۔ علم۔

ان کی حفاظت

بڑے معاملات میں یہ معاہدے کا نذر لکھے جاتے ہیں اون پر لوگوں کو شاہد بنایا جاتا ہے۔ گورنمنٹ میں اون کی رجسٹری کرائی جاتی ہے اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ کوئی فریق اپنے وعدہ سے نہ پھرے۔ اور بد عہدی کی صورت میں قانون سے بہ آسانی چارہ جوئی کی جاسکے۔

۸۔ حق وراثت۔ انسان دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ بلکہ مدت حیات ایک معین زمانہ ہے۔ اور اس زمانہ میں جس قدر دنیوی چیزوں سے تمتع اور جس قدر منافع اور حظوظ حاصل کر سکتا ہے کرتا ہے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو اوس کے حصہ کے تمام منافع اور تمام حظوظ بھی ختم ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد چونکہ دنیا کے تمام تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں لہذا وہ اشیاء بھی اوس کی ملک نہیں رہ سکتیں بلکہ ضرور ہے کہ اب اون کا کوئی دوسرا شخص مالک قرار دیا جائے۔ اس لئے وراثت کا حق قرار دینا ضروری اور لازمی امر ہے۔ یہ حق اون لوگوں کو پہنچ سکتا ہے جو فطرتاً اوس کے وارث قرار دئے جاسکیں یا جن کو متوفی نے اپنی زندگی میں اپنا وارث قرار دیا ہو۔ مثلاً بیٹا بیٹی۔ مان باپ۔ بھائی بہن۔ میان بیوی اور دیگر رشتہ دار۔

قانون کا اثر ذرا سے غور و فکر سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ تمدنی حالت میں جبکہ انسان کے گروہ ملکر رہیں دو چیزیں انسان کو بھیک رکھ سکتی اور اوس کے دست لغائب و جبر کو روک سکتی ہیں۔ ایک ”اخلاق“ دوسرے ”قانون“ تمدنی حالت میں جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور ہر ایک انسان کے عام خیالات یا اوس کے پیشہ جس قدر بڑھتے جاتے ہیں اون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی طبعی تحریکیں۔ شوق۔ دلچسپیاں۔ خواہ خائگی حالت کے متعلق ہوں یا تمدن کے یا کسی پیشہ یا تجارت کے متعلق سب اوس کے اخلاق پر اثر ڈالتے ہیں۔ اور ان سب میں وہ قانون کے خوف سے کچھ نہ کچھ عدالت کا خیال رکھتا ہے قانون خاندان کے واسطے ضابطہ بناتا ہے اور فیصلہ کر دیتا ہے کہ خاندان کے ہر ممبر کی

اور کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتیں ان سے عوام یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں اور قانون یہ نگرانی رکھتا ہے کہ کوئی خاص شخص اون پر مالکانہ قبضہ نہ کرے۔

معادہ کی  
حفاظت

۷۔ حقوق معاہدہ کی حفاظت۔ انسان کے باہمی معاملات کے لئے ضرور ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کریں اور صداقت برتیں۔ نطق ہی ایک ایسی صفت ہے جس سے انسان دیگر حیوانات سے امتیاز رکھتا ہے اور صرف زبان کے ذریعہ سے انسان اپنے خیالات اور ارادے دوسروں پر ظاہر کر سکتا ہے۔ اور جو شخص اپنی زبان اور اپنے الفاظ کی پابندی نہیں کرتا وہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ اور اس رابطہ کو توڑ ڈالتا ہے جو نطق کے ذریعہ سے لوگوں میں باہم قائم ہے۔ تمام معاہدوں کی اصل اور ضروری بشرط یہ ہے کہ انسان اپنے قول کا پابند رہے۔ اسی سے لوگوں میں اعتبار پیدا ہوتا ہے۔ اس سے تجارت اور تمام کاروبار چلتے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ لوگوں میں وفاء و عہد۔ خوش معاملگی اور قول کی پابندی ہو تاکہ جتنے لوگ ایک کام میں شریک ہیں اون کا نقصان نہ ہو۔ اس سبب سے ضرور ہے کہ اگر سوسائٹی میں سے کوئی شخص بد عہدی کرنا چاہے تو قانون اُسے روکے یا نقصان کا معاوضہ دلائے۔

جب چند اشخاص متفق ہوتے ہیں کہ متحدہ طور پر اپنے کسی مشترکہ ارادہ کی تکمیل کریں اور اون کا وہ ارادہ کسی قانون وقت کے مخالف نہیں ہوتا تو کہا جاتا ہے کہ ان میں معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی تکمیل کبھی تو اسی وقت ہو جاتی ہے جیسے خرید و فروخت کی صورت میں یا آئندہ کسی وقت پر منحصر ہوتی ہے مثلاً کچھ عرصہ کے بعد ادائے قرض یا قیمت وغیرہ جسے وعدہ کہتے ہیں۔ قس علیٰ ہذا۔

تبدلی حالت میں یہ ضرور ہے کہ لوگوں میں معاہدہ کی صورتیں واقع ہوں۔ کیونکہ انسان طبعاً مختلف چیزوں کا محتاج ہے اور وہ تمام اشیاء خود نہیں بنا سکتا بلکہ مبادلہ اور تجارت کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے یا مزدوری کر کے کماتا ہے۔ اس طرح وہ ہر حال میں دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے۔ بڑے

تمام تحریکین ”امید و بیم“ سے پیدا ہوتی ہیں بعض کہتے ہیں کہ تمام انسانوں میں اخلاقی اثر عقل حیوانی کی طرح قدرتی اور فطرتی ہوتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اخلاقی اثر کچھ تو طبعی اور جبلتی ہوتا ہے اور کچھ تمدنی حالت اور سوسائٹی کا اثر نیز زندگی کے تجربوں سے اوس پر رنگ چڑھتا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ جو خیالات عام طور پر قوم میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور جن کا اثر قوم کے ہر فرد میں اس طرح ساری ہوتا ہے کہ اون کے نیک و بد کی تمیز ان ہی خیالات پر مبنی ہو جاتی ہے اور وہ انسان کی طبیعت میں ایسا انقلاب پیدا کر دیتے ہیں کہ ان کا اثر اور اثرا دوسری نسل میں پہونچتا ہے۔ اور اون سے جبکی کیفیت کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے اعتقادات کے موافق اصول اخلاق کسی فرقہ میں رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہیں اور قوم کے عام طریقہ اور رویت کے اثر سے پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس عام اخلاق کا اثر انسان کی زندگی کے ہر ایک حصہ ہر جذبہ اور ہر فعل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور تباہ خیالات کی وجہ سے ان میں نئی نئی تبدیلیاں و تفریقین ہوتی جاتی ہیں۔ یا اون میں زیادتی اور کثرت پیدا ہوتی جاتی ہے اور یہی قومی اخلاق کی ترقی اور تنزل کا باعث ہے۔

اخلاق کا اثر اتنا قوی ہے کہ کسی ویران جنگل یا بیابان میں یا عمیق سمندر میں جبکہ جہاز تباہی میں آگیا ہو۔ یا بلند پہاڑ کی چوٹی پر جہان کوئی دوسرا مددگار نہ ہو ایک محب وطن اور ہمدرد قوم اپنی جان اپنی قوم کی خاطر صرف اس سبب سے دیدیتا ہے کہ اوس کا دل اوس کام کو فرض سمجھتا اور ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے اور وہ فرض کا فرمان نہیں ٹال سکتا۔ لیکن قانون کا اثر اتنا قوی نہیں ہوتا بلکہ انسان کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ قانون کی دسترس سے باہر ہے فوراً اوس کی پابندی چھوڑ دیتا ہے۔

اخلاق اور  
قانون کے اثر  
میں فرق

اخلاق اور قانون میں یہ فرق ہے کہ اخلاق میں اگرچہ افعال کو بھی دیکھا جاتا ہے لیکن زیادہ تر انسان کے خیالات اور دلی جذبات سے بحث کی جاتی ہے



کیا حیثیت اور اوس کے کیا حقوق ہیں اسی طرح تمام گروہ میں ہر شخص کی ملک اور اوس کے حقوق کی نگہبانی قانون کرتا ہے۔ قانون کاروبار اور معاملات دنیا میں ہر امر کی تحقیق اور تشریح کرتا ہے اور پھر اون میں ہر شخص کے فرائض معین کرتا ہے قانون معاملات میں صداقت رکھنے اور حقوق کی نگہداشت پر مجبور کرتا ہے اور عدالت کو نہایت استواری اور استحکام سے قائم کرتا ہے لیکن قانون کے حدود کے اندر بھی ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام ہیں جن کا اثر مضرت اور فائدہ - راحت اور تکلیف پہنچانے میں بہت قوی ہے اور قانون کا اون پر بس نہیں چلتا۔ ایک شخص ایک برا خاوند۔ ایک برا باپ۔ ایک برا سرپرست ہو سکتا ہے۔ لیکن قانون کی حد میں نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص جابر زمیندار ہو اور اجارہ دار پر جبر و تعدی کرتا ہو یا اجارہ دار ہو لیکن پیداوار زمین برباد کرتا اور منافع تلف کرتا ہو۔ بیوپار میں بہت سختی کرتا ہو۔ سوداگر ہو لیکن بے اعتبار ہو۔ اور ملک کا قانون اوسے درست نہ کر سکے ممکن ہے کہ ایک شخص اعلیٰ درجہ کا چال باز۔ فتنہ پرداز۔ متنفذ۔ خیرہ سر ہو لیکن مطمئن ہو کہ قانون اوس پر کوئی دعوے نہیں کر سکتا لیکن باوجود ان اسقام کے بھی قانون قومی اور ملکی فلاح اور امن کے لئے ضروری اور لازمی چیز ہے۔

اخلاق کا اثر

انسان اپنے بنی نوع کے ساتھ قاعدہ نصفت و عدالت کی دو سبب سے رعایت کرتا ہے یا تو اوس کو یہ خوف ہو کہ اگر میں بے ایمانی اور دغا کروں گا تو اوس کے برے نتائج مجھے بھگتنے پڑیں گے۔ یا جس کام کو وہ واجب اور فرض سمجھتا ہو طبعاً اوس کے پورا کرنے کی طرف راغب ہو۔ ہر کام میں فرائض منصبی کے ادا کرنے کا خیال رکھنا اور اوس کے اقتضا کو کشادہ پیشانی اور دلی رغبت سے انجام دینا یا تو انسان کی طبیعت پر منحصر ہے یا تمدنی اور معاشرتی تحریکوں پر جو اوس سوسائٹی کے اثر سے ہوں جن میں وہ رہتا ہے یا اس تجربہ پر کہ فرائض کے انجام دہی میں کیا لذت کیا تسکین اور کیا فائدہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اخلاق کی

کیونکہ قانون اگرچہ بلا واسطہ اخلاق پر اثر نہیں ڈالتا لیکن بالواسطہ اخلاق کی بہت مدد کرتا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ اپنے اغراض اور اپنے فوائد عزیز ہوتے ہیں۔ اور ان کے حصول کے پیچھے وہ دوسروں کی فلاح اور اغراض کا بہت کم خیال رکھتا ہے لیکن قانون تمام لوگوں کے اغراض اور مقاصد پر نظر رکھتا ہے اور سب لوگوں کے مال و اسباب کو تفتاب و تصرف سے بچاتا ہے۔ نہایت ہوشیار اور زیرک آدمیوں کا بعض وقت یہ ارادہ ہوتا ہے کہ اپنے ہمسایہ کے حقوق پر قبضہ کر لیں۔ لیکن قانون ہر شخص کے حقوق کے گرد ایک مضبوط روک کھڑی کر دیتا ہے اور دست برد سے بچاتا ہے۔ اسی طرح بعض سادہ دل اور بھولے بھالے آدمی یا کمزور طبیعت اشخاص رضا مند ہو جاتے ہیں کہ اپنی آزادی کے حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ اور اپنے تئیں ظالموں کی مرضی کے حوالہ کر دیں۔ لیکن قانون ان کی حمایت کرتا ہے اور ان کو سہارا دیتا ہے اور انہیں ان کے حقوق یاد دلاتا ہے اور ظالموں کو تنبیہ کرتا ہے کہ ان کی طرف آنکھ بھر کے بھی نہ دیکھنا۔ اس لئے قانون انسان کی اخلاقی فطرت کی تکمیل میں مدد دیتا ہے اور ہر شخص کے دعویٰ اور حقوق کا شاہد ہے۔ اور سب لوگوں کو انسانیت کے احکام کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔

کسی ناجائز کام کے ارتکاب سے انسان کو تین قسم کی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ اور جسمانی۔ مذہبی تکالیف کا انحصار کسی مذہب پر یقین رکھنے اور معصیت پر سزا ملنے کے اعتقاد پر منحصر ہے۔ اخلاقی تکالیف طرح طرح کی ہوتی ہیں۔ پشیمانی۔ غم۔ افسوس۔ شرم۔ وغیرہ جسمانی تکالیف۔ بیماری۔ موت وغیرہ ہیں۔ قانون جو سزائیں دیتا ہے وہ جسمانی ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا اثر روحانی قوا پر بھی پڑتا ہے۔ انسان اپنے اعضاء کا استعمال خاطر خواہ نہیں کر سکتا اور جن جسمانی کاموں میں لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے ان سے بالکل روک دیا جاتا ہے اپنی جائداد اور املاک سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے حقوق

اور قانون میں صرف افعال کو دیکھا جاتا ہے۔ اور اگر خیالات اور سیلان کا ذکر ہوتا ہے تو اسی قدر کہ انسان کے افعال کے حالات کے معلوم کرنے میں مدد مل سکے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ قانون کی ساری قوت سزا کے خوف میں ہے۔ لیکن اخلاق انسان کو مائل کرتا ہے کہ ایسے اعمال حسنہ کا پابند ہو جن کا رتبہ اون اعمال سے بہت بلند ہے جن پر قانون مجبور کر سکتا ہے۔ اس لئے قانون فطرتاً خوف پیدا کرتا اور اخلاق انسان کو جبری بے خوف اور دلیر بناتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ قانون کی پابندی میں بھی اصول اخلاق پر چلنے کی گنجائش اور آزادی حاصل ہے اور اسی سبب سے دلیری اور جرأت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ جرأت قانون میں اخلاقی حصہ کا نتیجہ ہے نہ قانون کا۔ اور جب قانون کے بنانے میں ذرا غلطی ہو جاتی ہے تو یہ اثر جاتا رہتا ہے۔

جب انسان اپنی زندگی کے نہایت مشکل امتحانوں میں تنہا شامل ہوتا ہے اور دوسرا کوئی شخص اوس کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتا نہ اوس کا ہاتھ بٹاتا ہے تو لوگ ایسے موقعہ پر جو اعمال اوس سے صادر ہوتے ہیں اون کی تصحیح اور تنقید کرتے ہیں اور وہ خود بھی اپنے نیک یا بد عمل پر خوش یا رنجیدہ ہوتا ہے لیکن عمل کرنے سے پہلے ہزاروں تردد ہزاروں شبہ ہزاروں خوف اور ہزاروں امیہیں اوس کے ارادہ میں تغیر پیدا کیا کرتی ہیں۔ اوس وقت وہ صرف اپنے اون اخلاقی اصول پر چلتا ہے جو اوس نے سیکھے ہوتے ہیں یا اوس ضابطہ کی پابندی کرتا ہے جو ادائے فرض نے اوس کے واسطے مقرر کیا ہو۔ قانون کا یہ حال نہیں ہے قانون کے تمام ضوابط چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر کام کے کرتے وقت کسی کو یہ شبہ نہیں ہوتا کہ آیا میرا کام قانوناً جائز ہے یا ناجائز۔ اس طرح قانون کے تمام احکامات مرتب ہو سکتے ہیں لیکن ہر موقعہ کے لئے اخلاق کا حکم پہلے سے نہیں مرتب ہو سکتا بلکہ کانشنس الہام کرتا ہے۔

لیکن باوجود ان نقائص کے بھی دنیا میں قانون کی بہت حاجت ہے

انوں کی ضرورت  
برقائے

زہر کی خاصیت مار ڈالنا ہے۔ اسی طرح اخلاق کے خلاف کرنے کی خاصیت ہی یہ ہے کہ انسان اوس کی پاداش بھگتے۔ اصول صحت کے خلاف کرنے یا ناپسندگاری کی عادت اختیار کرنے سے بیمار ہو یا مر جائے۔ قوائے غضبی اور شہوانی کے بے جا استعمال سے ندامت اٹھائی یا اوس کی خوشی اور اطمینان کا کوئی حصہ کم ہو جائے اور یہ سخت ترین سزا ہے۔ ملک کا قانون بھی اپنے خلاف میں ہی نتیجہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ طبعاً یہ کیفیت نہیں پیدا کر سکتا اس لئے جسمانی سزائوں سے کام لگاتا ہے۔ اس طرح انسان کا بنایا ہوا قانون اوس کے اپنے رویہ کی درستی کا ایک ضابطہ ہے اور انسان کا رویہ یا اوس کے اعمال اوس کمال کا زینہ ہیں جس پر پہنچنے کی اوس کو خواہش ہے۔

### ۵۔ آزادی

انسان میں  
آزادی کا مادہ  
ہونا چاہئے

گورنمنٹ کا استحکام اور اوس کی خوبی قوانین کی مضبوطی اور عہدگی پر منحصر نہیں بلکہ اوس کی رعایا کے عادات اور خصائل پر منحصر ہے قوم افراد سے بنتی ہے اور اکثر افراد کی اچھی یا بری حالت عین قوم کی اچھی یا بری حالت ہے خود تہذیب بھی لوگوں کی مثالیت اور عہدہ حالت کا نام ہے۔ اس بات سے پہلے کہ یہ دیکھا جائے کہ اور لوگ اوس پر کس طرح حکومت کرتے ہیں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انسان خود اپنے اوپر کس طرح حکومت کرتا ہے جو شخص اپنی انسانی خواہشات کا تابع ہو تو کیا تعجب ہے کہ کوئی شخص اوس پر جابرانہ حکومت چلائے۔ جو قوانین کہ اس طرح ادبار کے لائق ہیں گرفتار ہوں وہ قانون یا سلطنت کے بدلنے سے آزاد نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ اگر ایک کی ماتحتی سے نکلیں گی تو دوسرے کے پنجہ ستم میں گرفتار ہو جائیں گی۔ خود لوگوں کے دلوں میں آزادی کا مادہ اور ترقی کی خواہش ہونی لازم ہے اور جب یہ بات دلوں میں پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ ہر ایک گورنمنٹ کو اوس کی آزادی اوس کی عزت اوس کی خاطر داری کا خیال رکھنا پڑیگا۔ ورنہ سلطنت کے آئین و قوانین کا تغیر تو کیا خود سلطنت کی تبدیلی سے

چھن جاتے ہیں اوس کی آزادی مٹ جاتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے یا کچھ عرصہ کے لئے انہما جنس کی سوسائٹی سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ جو اوس کی روحانی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور جو مذلت کہ اوس کو قانونی سزائیں پہنچتی ہے وہ اوسے غم غصہ اور شرم میں مبتلا کرتی ہے۔ قانونی سزا انسان کی مذہبی اور اخلاقی سزا کو کم نہیں کرتی بلکہ اوس کے اثر کو اور تیز کر دیتی ہے۔ غرض تمام سزائوں کی بنیاد خوف پر ہے اور قانون اس خوف کو زیادہ کرتا اور پھیلاتا ہے۔

خوف کا اثر

انسان بہت سے کام صرف اس خوف سے کرتا ہے یا بہت سے کاموں سے صرف اس سبب سے پرہیز کرتا ہے کہ اون کے ترک یا ارتکاب سے کسی تکلیف کے پہننے کا خوف ہوتا ہے۔ ہر انسان میں یہ خوف اوس کی طبیعت کے لحاظ سے کم و بیش ہوتا ہے لیکن ہوتا ضرور ہے۔ خوف کے اثر میں اس قدر جلدی تغیر نہیں آتا جیسا کہ دوسرے جذبات میں آتا ہے۔ بلکہ خوف کا اثر اس قدر قوی ہوتا ہے کہ جہاں کہیں نتیجہ مشتبہ یا اوس میں کسی قسم کی بھلائی کی امید بھی ہو تو بھی کسی برائی یا تکلیف کا شبہ انسان کو محتاط رکھتا ہے۔ ملک کا قانون اخلاق کے قانون کا ضمیمہ یا اوس کی شرح ہے۔ ملک کے قانون کی خلاف ورزی کرنا اپنا فرض نہ ادا کرنا ہے اور یہ اخلاقاً گناہ ہے۔ کسی شخص کو قتل کرنا۔ کسی کا مال چُرانا۔ اخلاقاً اور قانوناً گناہ قرار دئے گئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اخلاقی قانون تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں ہے لیکن ملک کا قانون بہ لحاظ مصلحت ملک و معاشرت فروعی امور میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

اخلاقی سزا

ملک کے قانون کے خلاف کرنے میں جرمانہ۔ قید۔ موت وغیرہ سزائوں کی دھمکی ضرور ہے ورنہ ملک کے قانون کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اور کسی کو اوس پر کاربند ہونے کی پرواہ نہیں رہتی۔ اخلاق کے قانون کی یہ حالت نہیں۔ وہ بے اختیار شرم۔ غصہ۔ رنج۔ مذمت اور بیماری کی سزائیں دیتا ہے۔ اخلاق کے قانون کے خلاف کرنا ساتھ ہی سزائیں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس طرح آگ کی خاصیت جلانا۔

عارضی طور پر اس لئے روکنا کہ دوسروں کی آزادی کے دائرہ میں کمی واقع نہ ہو  
اون کے اخلاقی جوہر کو روشن کرنا اور اون کے عام آزادی اور امن اور ترقی کی  
مدد کرنا ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی اگر انسان کی آزادی کو بالکل روک دیا جا  
یا غیر ضروری حد تک گھٹایا جائے تو قوم کا ملک کا ریاست کا تنزل اور  
تباہی ہے۔

صرف آزادی ہی کی حالت میں لوگ صنعت و حرفت کو ترقی دے سکتے  
اور مختلف پیشوں میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ آزادی ہی کی حالت میں تجارت کو  
رونق اور ترقی ہو سکتی ہے۔ آزادی کی حالت میں ایک شخص اپنی خاندانی اور خانگی  
تعلقات کو نبھا سکتا اور اون کی خبر گیری کر سکتا ہے۔ آزادی کی حالت میں  
تمدنی تعلقات رفتہ رفتہ مضبوط اور منتظم ہوتے ہیں اور آزادی کی حالت میں  
انسان کو یہ فرصت مل سکتی ہے کہ وہ اپنا دماغ نیک تدابیر اور نیک خیالات  
سے آراستہ کرے اور اپنے عمدہ ارادوں اور طبعی شوق اور ولولوں کی تہذیب  
کرے۔ اور یہی چیزیں ہیں کہ من حیث القوم ان کے مجموعی اثر پر تمام سلطنت کے  
قیام اور ترقی کا دار و مدار ہے۔

آزادی کے معنی پر منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے  
منفی معنی تو یہ ہیں کہ انسان کے جائز افعال کے لئے کوئی روک نہ ہو لیکن اتنی  
روک کی بہت ضرورت ہے کہ دوسرے اشخاص کی آزادی کی حدود بھی ایسی ہی  
قائم رہ سکیں جیسے کہ ایک شخص کی۔ مثبت معنی بھی بہت اہم اور ضروری ہیں  
یعنی آزادی انسانی زندگی کی وسعت ہے اور اس وسعت پر انسان کی قوت فکر  
تخیل اور تمام قوا، ظاہر و باطنی کی تدریج لیکن مستقل ترقی اوس کے تمام  
منصوبوں اور ارادوں کا استحکام اور یہ یقین کہ اوس کا غم پورا ہو سکتا ہے منحصر  
ہے۔ اور اسی پر انسان کی تمام عظمت اور قوت کا انحصار ہے۔

جو شخص بالکل اصول اخلاق پر چلتا ہے اور اپنے حدود اندازہ سے قدم باہر

آزادی کی  
تعریف

حقوق و فرائض

بھی ان کی حالت میں تبدیلی ہونی محال ہے۔

اپنی رائے اور مرضی کے مطابق عمل کر سکتا۔ یا اوس کا ظاہر کر سکتا۔ آزادی کی اصلی غایت ہے۔ انسان میں اتنی جرأت ہونی چاہئے کہ جہاں اوسکی رائے کی ضرورت ہے وہاں بلا خوف و تردد اوس کا اظہار کر سکے اور دوسروں کی مان میں مان نہ ملائے۔ ”جو شخص اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتا وہ غلام ہے اور جو ظاہر نہ کرے وہ بزدل ہے اور جس کی کوئی رائے نہ ہو وہ بے وقوف ہے۔“

انسان جب تمدنی حالت میں ترقی کرنی شروع کرتا ہے تو پہلے ہر ایک گھر کی ایک جماعت جدا ہوتی ہے اور یہ جماعت بڑھتے بڑھتے ایک ریاست بن جاتی ہے اس حالت میں انسان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ایک آزاد زندگی بسر کرتا ہے مختلف طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کچھ تو اصول اخلاق کی ترقی ہوتی ہے اور لوگ اہل منزل اور دیگر اہل معاملہ کے ساتھ عدالت و دیانت داری سے کام لیتے ہیں اور کچھ یہ ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ ملکر ایک قانون بناتے ہیں تاکہ کوئی شخص اپنی حد سے باہر قدم رکھ کر دوسرے کی آزادی میں خلل انداز نہ ہو۔ تمدن کی ابتدائی حالت میں انسان کی آزادی اسی قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش طبع کے موافق اپنی نیند سوئے اور اپنی بھوک کھائے۔ جہاں چاہے چلے پھرے اور اپنے اعضا سے جس وقت اور جس طرح چاہے کام لے۔ انسان کی اس آزادی کو جس قدر کم کیا جائیگا۔ اسی قدر اوس کی زندگی کے امکان میں کمی واقع ہو جائے گی اور اگر اوس کو بالکل روک دیا جائے تو اوس کی حیات ناممکن ہے۔

جب کوئی قوم پیدا ہوتی ہے تو اون میں شخصی آزادی کا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اخلاق اور تمدنی حالت میں ترقی کر سکیں گے۔ اور جب آزادی کا خیال خوب پختہ ہو جائے اور آزادی اتنی پھیل جائے کہ اوس پر ریاست کے قیام و ثبات کا انحصار ہو جائے تو اوس وقت اون کی شخصی آزادی

ابتداءً تمدن  
میں آزادی  
کی کیفیت

آزادی کے  
فوائد



اس طرح رفاه عام کی حفاظت اور نگرانی رکھے۔ قانون انسان کی خیالی اور مفروضہ آزادی کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر انسان کو خود مختار چھوڑ دیا جائے تو اوسکی بد عنوانی کی کوئی حد نہ رہے اور اس طرح خلیع العذار چھوڑ دینا بہت سی خرابیاں برپا کر دے۔ بلکہ لازم ہے کہ اوس کی مرضی کا میدان محدود رکھا جائے۔ اور اوسکی لیاقت۔ حوصلہ۔ اور تمام لوگوں کی مصلحت کے موافق اوسے اپنی مرضی کے کام میں لانے کے لئے میدان اور وسعت دی جائے۔ آزادی کے یہ معنی ہیں کہ تمدنی حالت میں ایک شخص کو اپنی مرضی بلا روک ٹوک کام میں لانے کا جس قدر اختیار دیا جاسکتا ہے وہ اوس کو حاصل ہو اور وہ کسی ایسے فعل یا کسی ایسے حظ کے حاصل کرنے سے نہ روکا جائے جس میں کسی دوسرے شخص کا نقصان نہیں اور جو اوس کا حق ہے نیز اوس کی ایسی ترقی میں جو دوسروں کو مضرت رسا نہیں ہے کوئی چیز مارج اور مانع نہ ہو۔ قانوناً آزادی کے یہ بھی معنی ہیں کہ ہر شخص کا جان و مال محفوظ رہے اور اوس کو اپنے مال کو ہر طرح کام میں لانے کا اختیار ہو۔

غرض قانون کی نظر میں آزادی اس کا نام ہے کہ جو شخص کوئی جائز فعل کرنا چاہتا ہے وہ کر سکے اور جو کام وہ کرنا نہیں چاہتا اوس پر مجبور نہ کیا جائے لیکن انسان کی مرضی میں یہ ضرور دیکھنا ہے کہ آیا وہ حق و جائز ہے یا ناحق و ناروا۔ ایک مسافر کو اختیار ہے کہ جس راستہ سے چاہے منزل مقصود کو جائے لیکن اگر وہ ٹیڑھا خطرناک اور ناقابل گزار راستہ اختیار کرے تو وہ عقلمند آدمی نہ خیال کیا جائیگا۔ زندگی کے طویل سفر میں بھی جاوہ مستقیم سے بھٹک جانا آزادی نہیں بلکہ طبیعت کی کمزوری۔ بد قسمتی۔ اور انسان کا نقص ہے۔ اور اوسکو روکنا آزادی کا روکنا نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کے ارادہ اور مرضی کے خلاف سوائے اخلاق یا ملک کے قانون کے (جو راہ نمائی کی غرض سے بنایا گیا ہو) کوئی روک نہ ہو وہ پورا آزاد ہے۔ سسر و کا مقولہ ہے کہ جو لوگ قانون کے

نہیں رکھتا اوس کی شخصی آزادی کا نام ”حقوق“ رکھا گیا ہے۔ اور اس آزادی کے معاوضہ میں جو کام اوسے کرنے پڑتے ہیں وہ اوس کے فرائض کہلاتے ہیں۔ یہ الفاظ انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ سوسائٹی میں رہ کر دوسروں کے حقوق غصب کرنا یا سوسائٹی کے انتظام کو خراب کرنا ناجائز ہے اور غاصبون کی خود غرضانہ اور شہوانی خواہشوں کے مقابلہ میں آزادی اور انصاف کا ضابطہ موجود ہے۔ اور اس ضابطہ کو ہر ملک اور ہر زمانہ کے لوگوں کے تجربہ نے مکمل کیا ہے۔ اور ہر مہذب ملک کے حکماء اور علماء نے اس کی تصدیق اور اس کی عزت کی ہے۔ اور اس سبب سے اگر کوئی شخص دوسرے کے حقوق میں دست اندازی کرتا ہے تو قانون اس کا معاوضہ دلاتا ہے کیونکہ جو شخص اپنی آزادی کو بیان تک بڑھائے کہ دوسرے کی آزادی پر حملہ کرے جائز ہے کہ اوسکو روکا جائے اور نقصان کی تلافی کرائی جائے۔

انسان کے اعمال میں اوس کے ارادہ اور مرضی کو بہت بڑا دخل ہے اور چونکہ وہ اپنے ارادہ اور مرضی کا آزاد حاکم ہے بعض اوقات ایسے اعمال کرتا یا کرنا چاہتا ہے جو دوسروں کی آزادی میں خلل ڈالتے ہیں اس واسطے قانون کا کام یہ ہے کہ وہ ہر شخص کی بے جا آزادی کو روکے اور اوس کی حد قائم کرے اس طرح سوسائٹی کے سب لوگ ملکر یہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ہر شخص کے ناجائز ارادہ اور مرضی کو جو کبھی کبھی اوس میں پیدا ہوتی ہے روکا جائے اور یہی قانون آزادی ہے اور اوس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر شخص کو کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہئے۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون گویا انسان کے افعال کی روک تھام ہے اور قانون نے اپنے ماتحت میں سارے اختیارات رکھے ہیں اور اوسکی اقتدار کو کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ قانون کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حد بندی کرے اور سوسائٹی کے ہر ممبر کے لئے کاموں کے حدود مقرر کر دے

انسانی آزادی  
کی حد

ہیں۔ آزادی کے قیام کے لئے ضرور ہے کہ قانون تمام رعایا میں مساوات قائم رکھے اور سب کے حقوق کی برابر حفاظت کرے اور اس لئے ضرور ہے کہ قانون بنانے میں رعایا کا حصہ ہو۔ تاکہ مقنن اپنے واسطے بڑی بڑی رعایتیں اور دوسروں پر جبر نہ کر سکیں۔ کسی قوم کو پولٹکس سے بالکل روک دینا اوس میں ترقی۔ آزادی اور انتظام کی قوت کا کھو دینا ہے۔ اون کی تشنگی خاطر اور آئندہ ترقی کی تحریک اور امنگ کو مٹا کر بالکل ناکارہ کر دینا ہے۔

قانونی آزادی

قانون کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ قانون کی حمایت کے سبب ہر شخص اپنی مرضی اور پسند کے مطابق اپنی زندگی کے واسطے جائز مشاغل اور کام اختیار کر سکتا ہے یعنی ہر شخص کی ذاتی آزادی قائم رہتی ہے۔ جب تک انسان آزاد نہ ہو اسکی اخلاق کامل نہیں ہو سکتے نہ وہ کوئی سعادت کما حقہ حاصل کر سکتا ہے اور انسان اوس وقت تک آزاد نہیں رہ سکتا جب تک اوس کی آزادی اون لوگوں کی غارتگری سے نہ بچائی جائے جو اپنے خود غرضانہ مقاصد کے لئے اوس میں رخنہ ڈال سکتے ہیں۔ صرف زبردست اور سنیہ زور یا ذمیم الاخلاق لوگوں سے ہی کمزوروں کی آزادی کی حفاظت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات اون نیک ارادہ اور روشن دماغ اشخاص سے بھی محافطت کی حاجت ہوتی ہے جو اپنے اتفاقی تلون مزاجی یا شدید جذبہ کو روک نہیں سکتی۔ قانون تمام لوگوں کی آزادی کا خیال رکھتا ہے اور کمزور سے کمزور اور ادلے سے ادلے شخص کی بھی اوسی مستعدی و لیبی ولسوزی اور قوت سے حفاظت کرتا ہے جیسا کہ امیر اور اعلیٰ طبقہ کی۔ بعض ممالک میں ایسے قانون موجود ہیں جو اعلیٰ طبقہ کی طرف راہ کرتے ہیں اور غریبوں یا رعایا کے ادلے طبقہ کو پیسے ڈالتے ہیں یا جو رعایا کی آزادی حکمرانوں کی مغرور طبیعتوں کے خوش کرنے کے لئے قربان کرتے ہیں یہ قانون بنانے والوں کا قصور ہے نہ اصول قانون کا۔ قانون وضع کرنا انسان کا فعل ہے اور انسان کا فعل سقم۔ غلطی۔ لغزش۔ عیب سے خالی نہیں ہو سکتا۔

بندے ہیں وہ دراصل آزاد ہیں۔

غلامی کی  
حالت

اس میں شک نہیں کہ انسان کی آزادی طبع بہت قیمتی اور شریف چیز ہے لیکن یہی بعض وقت بہت خوفناک بھی ہو جاتی ہے انسان اپنے قوا کو کام میں لانے سے پہلے اوس کا ارادہ کرتا ہے اور چونکہ وہ سمجھ دار ہے اوس کا ارادہ کسی نہ کسی غرض یا مقصد پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ مقصد خود انسان کی طبیعت اوس کے شوق اور اوس کی خواہش کا معین کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات حصول مدعا کی خواہش اس قدر غالب ہو جاتی ہے کہ وہ اندھا دھند حصول مطلب کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور ناجائز طریقہ یا وسیلہ کو کام میں لانے میں بھی باک نہیں کرتا۔ اخلاق یا ملک کے قانون کا یہ فرض ہے کہ اس وقت اوس کو روکے اور یہ آزادی کے خلاف نہیں۔ لیکن جو قانون کسی قوم کو اون کے جائز حقوق نہ دے جو قانون اون کو جائز خطوط سے محروم رکھے یا جو قانون انسان کے کسی گروہ کے حق میں ترقی کی روک ہو یا جس قانون کی رو سے لوگوں کے جان و مال زبردستی چھینے جاتے ہوں۔ جو قانون اپنی تمام رعایا کو برابر نہ سمجھے۔ اور ایک کی بے جا حمایت اور دوسرے پر تقدی کرے جس قانون میں مختلف گروہوں کے ساتھ یکساں انصاف نہ کیا جاتا ہو۔ جہاں کوئی سچ بات کہنے پر سزا پاتا ہو۔ جہاں لوگوں کو یہ اختیار نہ ہو کہ وہ اپنی راحت و ترقی کے سامان خود جمع کر سکیں اور جس ترقی کے قابل ہیں یا ہو سکتے ہیں وہ حاصل کر سکیں۔ جہاں لوگوں کے حقوق تعصب و طرفداری کے سبب تلف ہوتے ہوں وہ قوم اور وہ ملک آزاد نہیں ہے۔ یہاں انسان کی آزادی طبع مسٹ جاتی ہے اوسکی ترقی کی طاقت نیست و نابود ہو جاتی ہے اور وہ شخص حکمرانوں کے ماتھے میں ایک بے جان آلہ کی طرح ہوتا ہے۔ اوس میں ترقی اور آزادی کی تمام قوتیں ہوتی ہیں لیکن جس طرح عالم خواب میں انسان کے قوا ظاہری بے حس ہوتے ہیں اسی طرح خود مختار گورنمنٹ کے عہد میں انسان کے قوا روحانی خوابیدہ ہوتے

رعایا کی نگہبانی اور پاسبانی کرتا۔ جس کے لیے پرنس مشیور کہتے ہیں اور کوئی سب سے  
 انتظام کی حاجت ہے۔ سووم رعایا کی باتوں میں نہ مداخلت اور نہ ہی کاٹھ بند کرے۔  
 اس کے لئے عدالت قائم کرنے قانون اور نرسٹ۔ اور وزیر خزانہ پاسداری  
 ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب کام گورنمنٹ کے ذمہ۔ وزیر خزانہ پاسداری۔ پاسداری۔ پاسداری۔  
 واسطے سکے پڑانا اگرچہ بعض حکماء اس کو گورنمنٹ کے ذمہ قرار دیتے ہیں لیکن واضع ہے  
 لیکن یہ سچ ہے کہ اگر گورنمنٹ کوئی سکہ جاری کرے تو ملک میں تاراج ہوگا  
 سہولت اور لین دین میں آسائش قائم نہیں رہ سکتی۔ ممکن ہے بلکہ یہ بھی کہتا ہوں  
 یا ایک گروہ کے مفروضہ سکے کو دوسرے شہر کے باشندے یا دوسرا گروہ ان سے  
 کرے گا۔ اور ان میں آئے دن رد و بدل اور خفیہ ہوتا رہے گا۔

یہ کام ایسے مہتمم بالشان ہیں کہ سوائے گورنمنٹ کے رعایا کبھی ان کا کام  
 نہیں دے سکتی خواہ وہ گورنمنٹ خود مختار یا مشاہد ہو یا جمہوری سلطنت  
 اور اگر رعایا کو اپنے جان و مال کی حفاظت بیرونی حملہ آوروں یا اپنے ہی شہر  
 اور ملک کے قزاقوں سے کرنی پڑے تو اس کا تمام وقت اپنی حفاظت میں  
 گزار جائے۔ اور وہ کوئی صنعت کوئی پیشہ یا کوئی کام بھی نہ کر سکے۔ بلکہ یہ  
 ہی دن میں فنا اور برباد ہو جائیگا۔ یا جو بچ بچہ اگر کسی رخصت خانے میں رہے گا  
 غارت ہو جائیگا۔

ان ضروری کاموں کے علاوہ استحصالی کام بہت سے ہیں اور یہ ضرور  
 نہیں ہے کہ جو استحصالی کام ایک ملک میں کوئی گورنمنٹ اپنے ذمہ لے دوسرے  
 ملک میں بھی گورنمنٹ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہوں۔ بلکہ ان کی تعداد ہر جگہ نقص  
 ضرورت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے مثلاً بعض ممالک میں بری طرحانے غرض ملک  
 جاری کرتی ہے بعض میں خود رعایا کی کمپنیاں ان کاموں میں کھلتی اور امن کے کام  
 مہذب ممالک میں ڈاک اور تار کا انتظام گورنمنٹ کا نہ بد امنی اور فساد۔ جملہ لوگوں  
 سہولت سے گورنمنٹ اس کام کو کرتا ہے۔ اس عمل میں مارج نہ ہو۔ اور ملک کی کل

اس سبب سے ممکن ہے کہ ہر ضابطہ اور قانون میں واضعاً قوانین کی عقل  
دور اندیشی پہلان طبع کے لحاظ سے کم و بیش نقص پائے جائیں۔ لیکن اس میں  
تفاوت نہیں ہو سکتا کہ برے قانون نہیں بلکہ اچھے قوانین کے طفیل سلطنتوں اور  
ملکوں اور قوموں نے ترقی کی ہے اور اشاعت قانون نے ہر ملک میں آزادی کو  
انتشار دینے میں کیا جتنا اوس کو بچایا ہے اور تہذیب و شائستگی کو بہت ترقی  
دی ہے۔

#### ۴۔ ٹیکس

ہر گورنٹ کا فرض ہے کہ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ اور بعض  
ایسے کام کرے جو بحیثیت گورنٹ اوس کے ذمہ فرض ہیں۔ یا ملک کی رفاہ اور  
رعایا کی بہبودی اور آسائش کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح جو کام گورنٹ کو  
کرنے چاہئیں۔ وہ دو قسم کے ہو سکتے ہیں:-

۱۔ ضروری جو گورنٹ کے فرائض میں داخل ہیں۔

۲۔ استحصانی جو گورنٹ اس سبب سے اپنے ذمہ لیتی ہے کہ رعایا کو اوس کا  
بندوبست کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور رعایا کا ہر ایک شخص یا چھوٹی چھوٹی جہتیں  
اوسے ایسی تہولت سے اور ایسے کم خرچ میں ایسا عمدہ نہیں کر سکتیں جیسا کہ  
گورنٹ کر سکتی ہے۔ اور چونکہ وہ کام نہایت ضروری اور ملک اور اہل ملک کے لئے  
سہولت و آسائش کا باعث ہوتے ہیں گورنٹ کا اون کے واسطے بندوبست  
کرنا نہایت مستحسن بلکہ لازمی ہے۔ پہلی قسم کی ضروری ذمہ داریاں تھوڑی  
ہیں لیکن جس قدر تھوڑی ہیں اسی قدر مشکل۔ اہم۔ بڑی ہیں مثلاً رعایا کے  
جان و مال کو غیر مالک کے حملہ آوروں کی دست برد سے بچانا۔ اس کے لئے  
بہت بڑی مسلح فوج رکھنے اوس کے واسطے سامان حرب تیار کرنے جنگی جہاز  
بنانے وغیرہ کاموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوم خود رعایا میں جو مفیدین و فراق  
چور دوسرے لوگوں کے جان و مال کو تباہ اور برباد کرتے ہیں اون کو روکنا۔ اور

سہولت اور زیادہ عمرگی سے انجام دے سکیگی اس وقت تک گورنٹ کو ہاتھ ڈالنا ضرور نہیں ہے۔ البتہ بعض ضروری اور مفید کام جن کے فوائد سے رعایا ناواقف ہو خود مشروع کر کے رعایا کے ہاتھ میں دیدینے شفیق اور محسن گورنٹ کا کام ہے۔ ہندوستان میں کونین کی کاشت اور فوائد سے لوگ ناواقف تھے اس واسطے گورنٹ نے خود اس کام کو مشروع کیا اور فائدہ عام کر دیا۔ اسی طرح حکمہ تعلیمات ہے۔ قس علی ہذا۔

گورنٹ کو روپیہ کی ضرورت

خواہ گورنٹ صرف ضروری فرائض انجام دے یا کم و بیش استعسافی کام بھی کرے اس کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے لئے فوج کی تنخواہ اور سامان جنگ کی قیمت کے لئے روپیہ درکار ہے۔ محکمہ عدالت و کوٹوالی میں ملازموں کی تنخواہیں دینی پڑتی ہیں علی ہذا لقیاس حکومت اور سیاست کے قیام کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن روپیہ کہاں سے آئے جو اس قدر خرچ کیا جائے اس واسطے جن لوگوں کی حفاظت اور آسائش کے واسطے یہ کل کام کئے جاتے ہیں اون سے ہی اون کی اجرت لینی چاہئے۔ بازار سے جا کر میز و کرسی اور خور و نوش کا اسباب خریدتے ہیں اور مال کی قیمت اور بازار سے گھرتک لانے والے کی مزدوری دیتے ہیں۔ کھانا پکانے کے لئے باورچی اور خدمت کے واسطے ملازم رکھتے ہیں تو اس کو تنخواہ دیتے ہیں۔ گورنٹ سے جان و مال کی نگہبانی اور پاسبانی کا کام لیا جاتا ہے اور اس کو اس کے عوض میں ٹیکس دیتے ہیں تا پاسبانی کے اخراجات چلا سکے۔ اس واسطے ٹیکس اس رقم کا نام ہے جو لوکل یا جنرل گورنٹ کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر شخص اس واسطے ادا کرتا ہے کہ اس کے جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ غرض ملک کے صنعتی یا زراعتی پیداوار کا ایک حصہ کل رعایا کی حفاظت اور امن کے کام میں صرف کرنے کے لئے گورنٹ کو دیا جاتا ہے۔ تاکہ بدامنی اور فساد۔ جلد لوگوں کے اطمینان اور اکتساب معاش کے مشاغل میں مارج نہ ہو۔ اور ملک کی کل



بھیجی جاتا ہے تو اس قدر کم بلکہ برائے نام خرچ میں کبھی خبر سانی کا انتظام نہیں  
 ہو سکتا۔ اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ خط بھیجنے میں اتنا ہی خرچ پڑے جتنا کہ  
 انسان کے خود جانے میں تو جو دقیقین پیش آئیں وہ ظاہر ہیں۔ ڈاک اور تار  
 اور اور ایسی چیزوں کے اس قدر کم ارزان اور سہل ہونے سے جو صرف گورنٹ کے  
 انتظام کی غرض سے بے انتہا سہولتیں اور آسائشیں حاصل ہو رہی ہیں اور  
 تجارت وغیرہ کی ترقی میں بہت مدد ملی ہے۔ یہ ناممکن بات ہے کہ کوئی صحیح  
 فہرست ایسے کاموں کی بنائی جاسکے جس میں یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ فلاں کام  
 گورنٹ کو اپنے ذمہ لینے چاہئیں۔ اور فلاں کام خود رعایا کو کرنے چاہئیں۔  
 ہر کام فی نفسہ غور طلب ہے اور ہر ملک کی حالت اور رعایا کی ضرورت اور مفاد  
 کے لحاظ سے اس کی نسبت یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ گورنٹ انجام دے یا  
 رعایا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ رعایا یا گورنٹ دونوں میں سے کون اس کام کو  
 کم خرچ میں اور زیادہ عمدگی سے کر سکتا ہے۔ اور جس کی نسبت یہ فیصلہ ہو جائے  
 اسی کے اختیار میں دینا چاہئے۔ جو کام ایسے وسیع ہیں کہ رعایا کے کل افراد  
 امیر سے لیکر غریب تک ہر فرقہ ہر پیشہ اور ہر درجہ اور طبقہ کے لوگوں کو ان کی  
 ضرورت ہوتی ہے بلکہ ان کی وسعت غیر محالک اور غیر اقوام تک بھی پہنچتی ہو  
 وہ گورنٹ کے کئے بغیر نہیں ہو سکتے۔ مثلاً انتظام ڈاک وغیرہ۔ لیکن جن کاموں  
 کو رعایا سہولت اور کم خرچ میں کر سکتی ہے ان میں گورنٹ کا خواہ مخواہ دخل  
 کرنا اور اس پر زیادہ روپیہ خرچ کرنا ناجائز ہے۔ مثلاً نمک یا افیون وغیرہ اشیاء  
 سداً دار گورنٹ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور اس کو بہت زیادہ  
 قیمت کرتی ہے۔ گورنٹ کے اپنے ملازمین کو کام چھوڑنے کے بعد  
 اور بھاری بھاری وظیفے دینے پڑتے ہیں اور اس سبب سے  
 ان کا ہوتا ہے جس کا بار غریب رعایا کو اٹھانا پڑتا  
 کہ گورنٹ کوئی بہام کم خرچ نہ کرے اور زیادہ

سوداگروقت معینہ پر ادا کرتے ہیں مثلاً ل کی و آ کے دے یا پری کسی اور دے۔  
لیکن جب وہ شے خریداروں کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہے تو سوداگر جس قدر  
ٹیکس ادا کرتے ہیں وہ بھی قیمت میں بڑھا کر خریداروں سے وصول کر لیتے ہیں  
اس طرح فی الحقیقت ٹیکس کاروپہ خریداروں سے وصول ہوتا ہے۔ گرچہ  
گورنمنٹ کو سوداگروں نے دیا ہو۔

اسٹامپ بھی ایک قسم کا ٹیکس کا ٹیکس ہے جو عدالت کے اخراجات  
کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک کاغذ کی ایک خاص قیمت مقرر کر لیتے ہیں  
اور فریقین مقدمہ کو وہ کاغذ خرید کر استعمال کرتے پڑتے ہیں۔ اس طرح سے  
اگرچہ لوگ عدالت میں انفصال مقدمہ کے لئے کوئی رقم نہیں داخل کرتے لیکن  
اون سے کافی فیس وصول کر لی جاتی ہے۔

گورنمنٹ کا بغیر ٹیکس لئے کام نہیں چلتا اور لوگوں کو ٹیکس دینے گران  
گرتے ہیں اور بعض اوقات یہ شکایتیں بہت بڑھ جاتی ہیں کہ گورنمنٹ بھاری  
بھاری ٹیکس لگا کر غریبوں کو تنگ کرتی ہے۔ یا گورنمنٹ کو یہ شکایت ہوتی ہے  
کہ لوگ ضرورتوں کا تو لحاظ نہیں کرتے اور ٹیکس دینے سے دم چراتے ہیں۔  
لیکن اگرچہ گورنمنٹ اپنا کام کسی نہ کسی طرح نکال لیتی ہے۔ اور لوگوں کو چار و ناچار  
جتنا گورنمنٹ مانگے ٹیکس دینا ہی پڑتا ہے لیکن پھر بھی یہ مناسب ہے کہ بعض ایسے  
طریقے مقرر کئے جائیں کہ ٹیکس بے ہولت وصول ہو جائے۔ اور رعایا پر بے ضرورت  
بار نہ پڑے اس لئے چار طریقے مقرر کئے گئے ہیں:-

اول۔ ہر ایک شخص سے اس کی آمدنی کے موافق ٹیکس لیا جائے۔ یعنی  
گورنمنٹ کی زیر حفاظت رہ کر جو شخص جس قدر پیدا کرتا ہے اس کے متناسب و سہر  
ٹیکس لگایا جائے تاکہ امیر غریب اپنی اپنی حیثیت کے موافق ٹیکس ادا کریں اور  
سب میں درجہ مساوات قائم رہے۔ لیکن یہ اصول ایسے صحیح طریق سے کام میں  
لانا کہ کسی شخص سے ذرا بھی کم و بیش ٹیکس نہ لیا جائے عملاً مشکل ہے۔ بہ شخص



کرنے والوں کو اوس میں کم و بیش کرنے کا اختیار نہ دیا جائے۔ اور ایک سال کے  
 ادا کرنے کا وقت۔ ادا کرنے کا طریقہ۔ اور مقدار معلوم نہ ہو۔ اور ایک سال کے  
 بلکہ عام طور پر سب کو پہلے سے معلوم ہو۔ اگر البتہ ہوگا تو گورنمنٹ کے کارپور  
 زیادہ ٹیکس وصول کرین گے یا لوگوں کے ساتھ رعایت کر کے کم ٹیکس وصول  
 کرین گے۔ اس صورت میں تجارت کو بہت نقصان پہونچے گا۔ اور چونکہ لوگوں  
 کو پہلے سے یہ نہ معلوم ہوگا کہ کس قدر ٹیکس دینا پڑے گا وہ اشیاء کی قیمت کا  
 صحیح اندازہ نہ کر سکیں گے۔ اور لین دین میں تاہل کرین گے۔ نیز رشوت ستانی  
 اور بے ایمانی کا بازار گرم ہو جائیگا۔ جس میں رعایا اور گورنمنٹ دونوں کا سراسر  
 نقصان ہے۔

سوم۔ ٹیکس ایسے وقت میں لگایا جائے اور اس طرح سے وصول کیا جائے  
 کہ دینے والوں کو ادا کرنا بہت سہل ہو۔ سوداگری کی اشیاء پر جو ٹیکس لگایا جاتا  
 ہے وہ خریدار اوس وقت ادا کرتے ہیں۔ جبکہ اوس چیز کو خریدیں۔ اور خریدنے  
 اوس وقت ہیں جبکہ مقدار متعین ہو۔ پس ایسے وقت میں ذرا سا ٹیکس ادا کرنا  
 ناگوار نہیں معلوم ہوتا اور چونکہ عموماً اشیاء حسب ضرورت تھوڑی تھوڑی  
 خریدی جاتی ہیں ٹیکس بھی تھوڑا تھوڑا ادا ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر ان بھی نہیں  
 گزرتا۔ اسی طرح روپیہ کے لین دین کے وقت لینے والے سے رسید کے ٹیکس  
 کی غرض سے ایک آن وصول کرنا نہایت سہل طریقہ ہے۔ روپیہ وصول کرنے والے  
 کے پاس چونکہ ایک رقم آتی ہے اوسے ایک آن دینے کی کچھ بھی پروا نہیں ہوتی  
 لیکن اگر یہی ایک آن روپیہ دینے والے سے لیا جائے تو اوسے بہت ناگوار  
 گزرے۔ اسی طرح ہر ایک ٹیکس کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ قاعدہ ملحوظ  
 نہ رکھا جائیگا تو ایک تو لوگوں کو ادا کرنے میں تکلیف زیادہ ہوگی۔ دوسرے  
 گورنمنٹ کو بھی کم روپیہ وصول ہوگا۔

چہارم۔ ٹیکس وصول کرنے کے ذریعے بھی ایسے مقرر کئے جائیں کہ وصول

کی صحیح آمدنی یا اوس کے روپیہ پیدا کر سکنے کی قابلیت کا صحیح اندازہ کرتا بہت مشکل ہے۔ اور یہ بھی ہو جائے تو اوس کے اخراجات کے لحاظ سے ایسا تناسب قائم کرنا کہ وہ مساوات کے درجہ سے متجاوز نہ ہو محال ہے۔ مثلاً عمر و کی آمدنی ٹو پڑ ماہوار کی ہو اور اوس کے ذمہ چار آدمیوں کی پرورش ہو اور زید کی آمدنی بھی سو روپیہ ماہوار ہو اور اوس کے ذمہ کسی دوسرے شخص کا خرچ نہ ہو تو ان دونوں اشخاص سے برابر ٹیکس ہین وصول کیا جاسکتا۔ عمر کو خورد و نوش اور لباس وغیرہ کی اشیاء زید کی نسبت چار چند خریدنی پڑیں گی اور جو ٹیکس اوس کو ان اشیاء کے خریدنے میں بالواسطہ دینا پڑیگا وہ زید سے چار چند حصہ زیادہ ہوگا ورنہ اخالیکہ دونوں کے اخراجات کے لحاظ سے قرین انصاف یہ ہے کہ زید زیادہ ٹیکس دے کیونکہ اوس کے اخراجات کم اور بچت زیادہ ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ زید اور عمر کے استعمال کی اشیاء میں بھی فرق ہو اور ان کے لحاظ سے ۱ اور ۴ کی جو نسبت قائم ہے یہ بھی نہ رہے۔ گورنمنٹ کے لئے یہ ناممکن بات ہے کہ وہ کل رعایا کی آمد و خرچ کا بالکل صحیح حساب لگا کر ان پر ٹیکس قائم کرے کوئی گورنمنٹ ایسا کرنا چاہے تو اوس کو اس قدر عملہ رکھنا پڑیگا کہ وصول شدہ ٹیکس کی ساری مقدار اوس عملہ کی تنخواہ وغیرہ اخراجات میں صرف ہو جائیگی۔ اور گورنمنٹ کو کچھ بھی پس انداز نہ ہوگا۔ اور اس طرح ٹیکس جمع کرنے کا اصلی مطلب فوت ہو جائیگا۔ پوری پوری مساوات قائم ہونا تو ناممکن ہے ان گورنمنٹ یہ کر سکتی ہے کہ محض آرائش یا فضول خرچی کی اشیاء پر جن پر صرف امراء ہی روپیہ صرف کر سکتے ہیں زیادہ ٹیکس لگائے۔ مثلاً شراب۔ تنباکو۔ یا بیش قیمت لباس یا سامان آرائش پر کہ غرض اوس ٹیکس سے بچنا چاہیں تو ان کو نہ خریدیں۔ اور چونکہ وہ اشیاء ضروریات زندگی میں داخل نہیں ہیں ان کا کوئی ہرج اور نقصان بھی نہ ہوگا۔

دوم۔ ہر چیز کی نسبت ٹیکس کی مقدار معین کی جائے اور ٹیکس وصول

## باب دوم

### مواعلات

۱۔ انسان کی ضرورتیں اور اون کے پورے ہونے کی غام تدابیر

انسان کی ضرورتیں

انسان دنیا میں بہت سی چیزیں کا محتاج ہے۔ اوس کو کھانے کے لئے غذا کی ضرورت ہے۔ پینے کے واسطے پانی کی حاجت ہے۔ رہنے کے لئے مکان درکار ہے۔ پہننے کے واسطے کپڑا چاہئے۔ آسٹھ ہمال کے لئے برزخوں اور ہزار ہا اقسام کے اشیاء کی احتیاج ہے۔ غرض دنیا میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی طرح انسان کے کام کا ہے۔ انسان دنیا میں سرور بنا کر کچھ پیدا ہے اور اوس کو قدرت حاصل ہے کہ دنیا کی ہر ایک چیز کو خواہ قدرتی حاجت میں خواہ اوس میں تصرف اور تصنع کر کے اپنے کام میں لائے۔ فطرت نے یہ انعام سب کو یکساں بخشا ہے اور کسی شخص کے واسطے دنیا کی پیداوار یا اوس کا کوئی حصہ اس طرح مخصوص نہیں کیا کہ یہ حصہ ایک شخص کی ملک ہے اور دوسرا حصہ دوسرے شخص کی۔ جو کچھ دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اوس کے استعمال کا استحقاق کل نسل انسان کو برابر عطا ہوا ہے اور اوس کو ہستی عقل بتیز دی گئی ہے کہ وہ ان اشیاء کو کام میں لا کر فائدہ اور آرام حاصل کرے اور یہ چیزیں انسان کی بقاء حیات اور بقاء نسل کے لئے حمد ہوں۔ نباتات جو زمین سے اُگتی ہیں حیوانات جو انسان کی طرح پیدا ہوتے اور اس زمین کی پیداوار سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ معدنیات جو زمین سے نکلتے ہیں۔ یہ سب انسان کے استعمال میں آنے کی چیزیں ہیں لیکن قدرت نے ان کو کسی خاص شخص کی اس طرح ملک نہیں بنایا کہ اس میں دوسروں کا حصہ نہ ہو۔

خرچ بہت کم ہو اور جس قدر مقدار لوگوں سے وصول کی گئی ہے اس میں سے بہت کم وصول کرنے والوں کی تنخواہ وغیرہ میں صرف ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو لوگوں کو زیادہ ٹیکس دینا پڑیگا۔ جو اون پر بار اور جبر ہوگا اور گورنمنٹ کا یہ نقصان ہوگا کہ رعایا سے روپیہ بھی لیا اور خزانہ خالی ہی رہا۔ اگر تیسرے اصول کی رعایت کی جائیگی تو ٹیکس وصول کرنے میں کم خرچ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وصول کرنے کے لئے زیادہ عملہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ٹیکس لگاتے وقت یہ ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ غریب پر ٹیکس کا بار کم پڑے۔ ایسی چیزوں پر جیسی کہ نمک۔ اناج۔ ترکاری وغیرہ میں ٹیکس لگانا غریب کو فاقہ مارنا ہے کیونکہ جب تک اپنے کسی ضروری خرچ کو بند نہ کریں غریب ٹیکس نہیں دے سکتے۔ مان جو لوگ نعمات اور لذائذ دنیا سے حظ اٹھا سکتے ہیں وہ اگر گورنمنٹ کے خزانہ میں بھی کچھ روپیہ داخل کریں تو جائز اور واجب ہے۔ اسی طرح سے انکم ٹیکس ہے جو ہر شخص کی ذاتی آمدنی پر لگایا جاتا ہے اس کا اثر بھی غریب پر زیادہ پڑتا ہے کیونکہ قلیل آمدنی والے شخص کو ٹیکس کی ایک رقم دینی اگرچہ خفیف ہو خالی از تکلیف نہیں ہے۔ قرین مصلحت یہ ہے کہ انکم ٹیکس میں بھی مختصر آمدنی کے لوگ ٹیکس سے مستثنیٰ کئے جائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے شہروں کی ویرانی کے دو سبب تحریر فرمائے ہیں۔ ایک تو ایسی جماعت کا پیدا ہونا جو کوئی کام نہیں کرتی اور بیت المال میں اپنا حق سمجھتی ہے ایسی جماعت جو دوسروں کے مال میں حصہ بنانے کے لئے تیار ہو جائے جب زیادہ ہو جاتی ہے تو قوم پر ایک بار ہو جاتا ہے۔ دوسرے بڑا سبب یہ ہے کہ سوداگروں اور صناعتوں پر بھاری بھاری ٹیکس مقرر کر دئے جائیں۔ ٹیکس کی کثرت سے فرمان بردار لوگوں کا استیصال ہو جاتا ہے وہ بد حال اور تنگ دل ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ بغاوت کر بیٹھتے ہیں۔ تمدن کی اصلاح بڑے بڑے ٹیکسوں سے نہیں بلکہ خفیف محصول مقرر کرنے سے ہوتی ہے۔



فطرت کا قانون یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز پر پہلے محنت کرے اور پہلے اسے لیے وہ اوسی کی ہے۔ ایک شخص جبل کے درختوں، مین سے جنگلی پھل چن لیتا ہے اور اپنے گھر لاکر کھاتا ہے۔ دوسرا ایک ندی مین سے جو تمام ملک کو سیراب کرنے کے لئے بہہ رہی ہے ایک گھڑ پانی کھراپتا ہے اور استعمال کرتا ہے۔ وہ ایک ہرن کا شکار کرتا ہے جو جنگل مین چرتا پھرتا تھا اور اس کا گوشت کھاتا اور کھال اوڑھ لیتا ہے۔ یہ پھل اور یہ پانی اور یہ گوشت و پوست جو اس شخص نے اور وہ سے پہلے لے لیا اس کی محنت کے طفیل اس شخص کا حق ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو خدا کے سارے بندے بھوکے پیاسے مرجائیں اور ہر ایک چیز جو نہایت افراط سے کل دنیا کے لئے پیدا کی گئی ہے بیکار پڑی رہے۔ لوگ نعمتہائے الہی کو دیکھیں اور ترسین اور کوئی شخص ہاتھ بھی نہ لگائے آج کل کا زمانہ تہذیب اور قواعد کا زمانہ ہے بات بات کے لئے قواعد و قوانین مقرر کئے گئے ہیں ملک اور جاگیر کے لئے بھی بہت سے قوانین ہیں لیکن قدرت کا یہ قانون جیسا ابتداء سے آفرینش مین تھا آج تک تمام املاک کے قانون کی بنیاد ہے۔ آج بھی مچھلی والے بے پایاں سمندر مین سے مچھلیاں نکال لاتے ہیں اور فروخت کر کے اُن کی قیمت اپنے تصرف مین لاتے ہیں۔ سمندر مین سے موتی نکالتے ہیں اور دوسروں کو دکھاتے بھی نہیں۔

ایک اعتراض یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب ملک کا مدار محنت پر ہے تو ممکن ہے کہ ایک شخص تمام دنیا کی پیداوار پر قابض ہو جائے۔ تمام معدنیات اور نباتات وغیرہ اس کے حصہ مین آجائیں۔ لیکن یہ بات نہیں ہے۔ قدرت کے جس منتظم نے ہمیں محنت کا استحقاق عطا فرمایا ہے اُس نے اپنی حکمت بالغہ سے اس کی حد بھی مقرر فرمادی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا مین ہر ایک چیز نہایت افراط سے پیدا کی ہے اور ہمیں اتنی ہی قوت بخشی ہے کہ ہم اس قدر حاصل کر سکتے ہیں جو ہماری ضروریات کے لئے کافی ہو۔ اور جس کی ہمیں

کوئی شے  
قوت سے  
محنت نہیں

لیکن انسان کی خلقت بکلاف دوسرے حیوانات کے فطرتاً ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ نہ تو کسی چیز کو کام میں لاتا ہے نہ اوس سے اوس وقت تک فائدہ اٹھا سکتا ہے جب تک کہ وہ اُسے اپنی ملک اس طرح نہ قرار دے کہ دوسروں کی شرکت یا اون کا حق اوس شے پر باقی نہ رہے۔ جس چیز میں سب کا حق برابر ہو اوس کو سب سے چھین کر محض اپنا قرار دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن خود ہر ایک انسان کی ذات میں ایک ایسی چیز ہے جو خاص اوس کی ملک ہے اور دوسروں کا اوس میں کوئی دخل نہیں ہے اس قوت کا نام ”محنت“ ہے یا اُس کے ہاتھوں کا سلیقہ جسے ”صنعت و حرفت“ کہتے ہیں۔ قدرتاً جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ بہت کم ایسی ہیں جو اوس حالت میں انسان کے استعمال کے قابل ہوں۔ مثلاً لکڑی کہ جب تک درخت سے کاٹ کر نہ لائیں ایندھن کا کام نہیں دیتی۔ یا جب تک اوس کا صندوق نہ بنائیں کپڑے رکھنے کے کام نہیں آسکتی۔ پتھر قدرتاً پیدا ہوتا ہے لیکن جب تک سنگ تراش نہ گھڑے مکان کے لئے ستون نہیں بن سکتے قس علی ہذا۔ پس انسان قدرتی حالت سے اٹھا کر جس چیز پر اپنی محنت صرف کرتا ہے وہ اوس کی ہو جاتی ہے وہ کان سے سونا نکالتا ہے اور پھر زیور بنا کر فروخت کرتا ہے غرض جس جگہ اور جس حالت میں قدرت نے کوئی چیز پیدا کی ہے اوس کو اوس جگہ سے لانا یا اوس میں کچھ تصرف کر کے استعمال کے قابل بنانا ملکیت کا استحقاق قائم کرتا ہے اور دوسرے اشخاص جو اس محنت میں شریک نہیں ہوتے اوس پر سے اپنا حق کھو دیتے ہیں اور وہ چیز محنت کرنے والے کی ہو جاتی ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قدرتی حالت میں ایک چیز تمام لوگوں کی ملک ہے تو کسی شخص کو اوس کو ماتھے لگانے اور خواہ بذریعہ محنت ہی کیوں نہ ہو اوس پر قبضہ کرنے کا حق کیوں کر حاصل ہو گیا جب تک کہ وہ دنیا بھر کے تمام لوگوں سے اسے ماتھے لگانے اور استعمال کے قابل بنانے کی اجازت نہ لے لے لیکن بنین فطرت کا یہ آئین نہیں ہی

حق استعمال کیلئے  
ملکیت شرط ہے

محنت ہی ملکیت  
قائم کرتی ہے

اور خود اس کے پورا کئے پوری نہیں ہو سکتیں۔ اوس کو کھانے کے واسطے اناج کی ضرورت ہے اور اناج کے لئے زمین میں ہل چلانا۔ بونا۔ کاٹنا۔ پسینا چھٹا۔ پکانا پڑتا ہے۔ یہی اتنا بڑا کام ہے کہ سارا وقت اسی میں صرف ہو جاتا ہے دوسری طرف لباس کی حاجت ہے رونی کی کاشت اوس کا کاتنا۔ کپڑے بننا۔ سینا۔ اس میں بجائے خود سارا وقت صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کاموں کے کرنے کے لئے آلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر زمین سے لوہا نکالنا اور اوزار بنانا آسان کام نہیں۔ اگر ایک جوتی کی ضرورت ہے تو چمڑا صاف کرنا۔ رنگنا۔ جوتا سینا۔ اسی طرح ہزاروں ضرورتیں اور لاکھوں کام ہیں ایک سر اور ہزار سودا بچارا انسان کیا کیا کرتا وہ ایک کام تو کر سکتا ہے کہ اناج بہت سا پیدا کر لے یا کپڑے بن لے یا جوئے بنائے لیکن سارے کام اوس سے نہیں ہو سکتے۔ اناج کو ٹھون میں بھرا پڑا ہے۔ لیکن گلے سے تنگا ہے۔ سردی کے مارے اکڑا جاتا ہے۔ دوسرے شخص کے پاس کپڑوں کے تھان تیار رکھے ہیں لیکن فاقون کے مارے دم لبون پر آ رہا ہو غرض اس طرح ہر ایک کے پاس ایک چیز تو اوس کی ضروریات سے زیادہ موجود ہے لیکن دوسری چیزیں نہیں ہیں۔ اور حاجت سب کی برابر ہے۔ اس احتیاج نے اوسے یہ سبق پڑھایا کہ اپنے پاس جو چیز زیادہ ہو وہ تو وہ دوسروں کو دے اور جو چیز ان کی ضرورت سے زیادہ ہو وہ ان سے معاوضہ میں لے۔ اس طرح بولا ہے نے کسان کو کپڑے دئے اور اناج لیکر اپنا پیٹ بھرا۔ موچی نے معمار کو جوتا بنا کر دیا اور اوس سے اپنا مکان بنو الیا۔ غرض یوں ایک دوسرے کی معاونت سے سب کا کام چل نکلا۔ اسی کا نام ”تعاون“ ہے۔ اس احتیاج تعاون نے انسان کو مجبور کر رکھا ہے کہ چاہے باہم تنازع اور فساد ہو۔ جنگ و جدل برپا ہو لیکن سب ملکر رہیں۔ انسان جانوروں کی طرح تنہا رہی نہیں سکتا اور صرف اسی سبب سے نہیں رہ سکتا کہ تنہا اوس کی حاجتیں پوری

فی الحقیقت ضرورت ہے۔ اور اس سے زیادہ جس قدر ہے وہ ہمارا نہیں بلکہ دوسروں کی محنت کا حصہ ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اس لئے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ وہ فضول برباد کی جائے۔ اگر دنیا بھر کی پیداوار کی افراط کو دیکھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اتنی مدت سے دنیا قائم ہے اور اس میں سے کس قدر حصہ آج تک خرچ ہوا ہے پھر ایک انسان کے جمع کرنے کی طاقت کا اندازہ کرو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے دولت مند سے دولت مند کے پاس بھی دنیا کے کل خزانہ کے مقابلہ میں جو قدرتی دولت میں موجود ہے اتنا بھی نہیں جتنا کہ سمندر میں قطرہ۔ اس کے علاوہ انسان میں استعمال کی قدرت بہت ہی محدود ہے اوس کے پاس چاہے کسی قدر ہر لیکن وہ صرف اتنا ہی استعمال کر سکتا ہے جتنا کہ ایک شخص کو درکار ہے ورنہ اگر کچھ بچے تو کسی نہ کسی طرح اور کبھی نہ کبھی دوسروں کا حصہ ہو گا۔

زمین انسان کی ملک ہے

حیوانات کا گوشت و پوست۔ یا درختان کے پھل پھول اور لکڑی یا معدنیات میں سونا چاندی اور تانبا ہی انسان کی بلکہ زمین داخل نہیں بلکہ انسان خود زمین کے حقوق کا مالک بھی ہے جس میں سے یہ کل چیزیں پیدا ہوتی ہیں ابتداء سے تمدن میں یہ زمین بھی انسان کے ہاتھ محنت ہی کے استحقاق سے لگی کیونکہ ہر ایک شخص جس قدر زمین میں زراعت کر سکتا۔ باغات لگا سکتا معدنیات کھود سکتا تھا غرض اپنی محنت و مشقت سے جس قدر حصہ زمین کو کام میں لاسکتا تھا وہ اُسی کا مالک ہو گیا اور یہ لوگ ان کاموں کو ہاتھ نہ لگاتے تھے وہ اوس کے استحقاق سے محروم ہو گئے۔ ورنہ اگر اب وہ اوس شخص سے چھینیں گے تو اس کی حق تلفی اور غصب کر جائے۔

انسان کی تاجوت کی نیرت

اس طرح انسان کی ضروریات و چیزوار سے پوری ہونے لگیں ایک تو زمین کی پیداوار سے اور دوسری اپنی محنت یا مشقت سے لیکن پھر بھی اسکی مشکلات کا خاتمہ نہ ہوا۔ انسان کی ضروریات لا حدود استحقاق واقع ہوئی ہیں

کوئی عقلمند ہے کوئی بے وقوف کسی میں کام کرنے کی قوت بہت زیادہ ہے کسی میں کم کوئی بالکل اپاہج ہی ہے کسی کی ضرورتیں بہت زیادہ ہیں کسی کی کم ہیں اس لئے یہ ضرور ہے کہ لوگ باہم معاونت کریں۔ اور یہی معاونت ”معاہدہ“ کہلاتی ہے۔ چونکہ معاملات میں لوگ اکثر بددیانتی۔ حسد۔ نفص عہد۔ یا انکار کیا کرتے ہیں اس لئے گواہ اور دستاویز۔ رہن۔ کفالت کی حاجت واقع ہوئی اور چونکہ انسان میں باہم ہمدردی اور اُلفت کا مادہ بھی ہے اسلئے وہ محتاجوں کو ضروری چیزیں بغیر معاوضہ کے بھی دیتا ہے اور اسی سبب سے بہہ۔ عاریت۔ صدقہ۔ اور خیرات کا طریقہ جاری ہوا۔“

تبادلاشیاء میں  
وقتیں

ابتداء میں لین دین تبادلاشیاء کے ذریعہ سے ہوتا تھا اور یہ طریقہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔ لیکن اس میں بھی قباحتیں اور وقتیں پیش آئیں مثلاً سناں جو تاجر خریدنا چاہتا ہے اوس نے موچی سے کہا کہ زیور لیکر جوتا بنا دو لیکن موچی کے پاس تن ڈھکنے کو نہیں تو بال بچوں کا ہاتھ گلا کیا ڈھکے۔ اوس نے جواب دیا کہ زیور نہیں کپڑے ہوں تو لاؤ۔ غرض یہ وقت اکثر پیش آنے لگی کہ ایک شخص کی چیزوں کو دوسرا اس سبب سے نہ لیتا تھا کہ اوسے اوس چیز کی اوس وقت ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اور وہ جو تیسری چیز لینا چاہتا تھا وہ اوس کو اس سبب سے نہ ملتی تھی کہ اوس کے مالک کو بھی ان اشیاء کی ضرورت نہیں تھی۔ غرض اس طرح ہر ایک شخص اپنی اپنی اشیاء لئے پھرتا تھا اور اون کا تبادلاشیاء اس سبب سے مشکل ہو گیا تھا کہ ایسے دو شخص جن کو اون ہی اشیاء کے تبادلاشیاء کی ضرورت ہو نہ ملتے تھے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ اشیاء کی قیمت معین نہیں ہو سکتی تھی۔ سناں اور موچی میں اس سبب سے اتفاق نہ ہو سکتا تھا کہ زیور بیش قیمت ہے اور جوتہ کم قیمت اگر زیور کا ایک حصہ کاٹ کر دیدیں تو سناں زیور خراب ہوتا ہے۔ دو صاحب کتاب اور خوردبین کا تبادلا کرنے بیٹھے لیکن خوردبین کی قیمت کتاب سے دو چنڈ ہے اگر خوردبین آدھی

نہیں ہوتیں۔ باہم ملکر رہنے سے مختلف صناعتوں کے لوگ اپنی اپنی اشیاء جو اون کے استعمال سے زیادہ ہوں دوسروں کو دیدیتے ہیں اور اون سے اوس کے عوض میں وہ چیز لے لیتے ہیں جو اون کو درکار ہے اس لین دین کا نام ”معاملات“ ہے۔ یعنی معاملات حکمت کا وہ حصہ ہیں جس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ باہمی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے دوسروں کی معاونت کس طرح کریں۔ نیز صنعت و زراعت و تجارت اور پیشوں کا بیان ہے جس سے لوگ باہم حاجت روائی کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”لوگ جتنی ترقی کرتے جائیں گے اور اون میں تہذیب و شائستگی بڑھتی جائیگی۔ لذت و عیش کی خواہش زیادہ ہوتی جائیگی آرایش و نمائش کا خیال بڑھتا جائیگا اوسی قدر مختلف صناعتیں اور دستکاریاں ایجاد ہوتی جائیں گی۔ لوگ کوئی خاص پیشہ دو وجہ سے اختیار کرتے ہیں ایک تو یہ کہ قدرتاً اون میں اوس کام کرنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے مثلاً کوئی دلیر اور شجاع آدمی ہے تو وہ فوجی خدمت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ عقل مند اور قوی الحافظ شخص حساب کتاب اور امور انتظامی اچھے کرتا ہے۔ یا توانا اور قوی ایچہ شخص ہے تو محنت اور مشقت کے کام زیادہ آسانی سے کریگا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ بعض اتفاقات ایسے واقع ہو جاتے ہیں کہ کسی شخص کو کوئی خاص فن سیکھنا سہل ہوتا ہے مثلاً کسی پیشہ ور کا لڑکا اپنے باپ کا فن آسانی سے سیکھ سکتا ہے یا ایسے مقام اور شہر میں رہتا ہے جہاں کسی خاص فن کی تعلیم دی جاتی ہو یا جہاں کسی خاص پیشہ کے اسباب قدرتاً مہیا ہوں اکثر لوگ عمدہ صنعت اور جائز طریقہ اکتساب معاش نہیں حاصل کر سکتے تو عمدہ ناجائز طریقوں پر اتر آتے ہیں مثلاً چوری کرتے ہیں۔ جو اکیلے ہیں اور ایسے ہی ایسے طریقوں سے دوسروں کا مال غصب کرتے ہیں۔ دنیا میں سلسلہ اسباب اس طرح قائم ہوا ہے کہ لوگوں کی حالت میں مساوات نہیں ہے

کی طرح پہنایا۔ قہ جہ زمانہ میں بیوٹائیون کے پانچ سو روپیہ کا کام لیا گیا اور جب انہوں نے اتنی ترقی کی کہ باہر والوں کے ساتھ تجارت کرنے لگے تو کسی دیوانہ کے نظروں پر ان کی تہہ و پریشاں روپیہ بنائے۔ غرض ہر ملک کی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ ضرور ہے کہ اون میں روپیہ کا نام بھی نہ ہو اور وہ تمام اشیاء کا لین دین تبادلہ کے ذریعہ سے کرتے ہوں بعد میں جو چیز روپیہ کے بجائے قائم کی گئی وہ اکثر مالک میں ایک معمولی چیز ہوتی تھی یا ایسی چیز ہوتی تھی جس کی اوس ملک میں زیادہ ضرورت یا قدر یا پیداوار تھی۔ بعض ملکوں میں چمڑے کے ٹکڑے یا رنگی ہوئی کھالیں روپیہ کا کام دیتی تھیں۔ ایسے روپیہ کے جاری کرنے سے اگرچہ ان لوگوں میں اشیاء کے تبادلہ میں سہولت ہو گئی لیکن جس چیز کا روپیہ بنایا جاتا تھا دوسری اقوام کی نظر میں اوس کی کوئی قیمت نہ ہوتی تھی۔ اس سبب سے وہ اُسے قبول نہ کرتے تھے اور دیگر اقوام سے تجارت نہ ہو سکتی تھی۔ جب تمدن اور تہذیب نے زیادہ ترقی کی اور لوگ دنیا کے دور دور حصوں میں تجارت کرنے لگے تو روپیہ کی اصلاح کی بھی ضرورت واقع ہوئی۔ اور کسی ایسی چیز کی روپیہ بنانے کی حاجت ہوئی جس کو دنیا کے تمام لوگ روپیہ تسلیم کرنے میں تامل نہ کریں۔ اگرچہ کسی ملک کے روپیہ کی قیمت کچھ زیادہ ہو کسی جگہ کے روپیہ کی قیمت کچھ کم ہو۔ لیکن بہن ہو کہ کوئی اُسے روپیہ ہی نہ مانے۔ ظاہر ہے کہ ایسی چیز جس کا روپیہ بالعموم تسلیم کیا جائے وہی ہو سکتی ہے جس میں روپیہ کی ضرورت کو پورا کرنے کی زیادہ قابلیت ہو۔ سات صفتیں ہیں جو روپیہ میں ہونی چاہئیں۔ اور اگر ان میں سے ایک کی بھی کمی ہوگی تو وہ روپیہ یا تو زیادہ عرصہ تک چل سکیگا یا عموماً سب ملکوں میں وہ روپیہ تسلیم نہ کیا جائیگا۔

اول۔ جس چیز یا جس دھات کا روپیہ بنایا جائے فی نفسہ وہ خود بھی قیمتی ہو اگرچہ ایک کاغذ یا چمڑے کے ٹکڑے یا پتھر یا لوہے کے روپیہ بھی بن سکتے ہیں اور اون سے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ کی قیمتی چیزیں خرید و فروخت کی جاسکتی ہیں



تو زمین تو ساری برباد ہو جائے۔ اس وقت کو دور کرنے کے لئے سب نے  
 ملکر یہ تجویز کی کہ ایک تیسری چیز اور ایجاد کی جائے اور بجائے اشیاء کے باہمی  
 تبادلہ کے سب لوگ اس سے تبادلہ کیا کریں۔ اس چیز کا نام روپیہ رکھا گیا  
 اب یہ ہونے لگا کہ بنیہ روپیہ کے عوض میں اناج فروخت کرتا اور اس روپیہ  
 سے جوتا۔ زیور۔ چار۔ صندوق اور جو چیز درکار ہو خرید لیتا۔ اسی طرح موچی  
 جوتہ روپیہ کے عوض بیچتا اور روپیہ کا اناج اور کپڑا خرید لاتا۔ روپیہ کے ایجاد  
 ہونے سے دو فائدے ہوئے ایک تو تبادلہ اشیاء میں جو وقت پڑتی تھی  
 وہ اٹھ گئی۔ اور روپیہ ذریعہ تبادلہ ہو گیا۔ دوم اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپیہ  
 سے کیا جانے لگا۔ مثلاً یہ معلوم کرنا ہو کہ فلاں مکان کی کیا قیمت ہے تو کہہ دیں گے  
 کہ اس قدر روپیہ اوس کی قیمت ہے۔ یا موتیوں کا ہار دو لاکھ روپیہ کا ہے۔  
 اگر روپیہ قیمت کے اندازہ کرنے کا ذریعہ نہ ہوتا اور ہم کو کسی بڑی آمدنی و خرچ  
 کا اندازہ معلوم کرنا ہوتا تو بڑی وقت پڑتی مثلاً یہ دریافت کرنا ہوتا کہ کسی  
 نواب کے پاس کتنی دولت ہے تو ضرور تھا کہ اوس کی کل املاک کی ایک لمبی  
 چوڑی فہرست بنائی جائے اور اگر کسی ملک کی دولت اور پیداوار کا حال معلوم  
 کرنا ہو تو ایک فہرست کیا ایک کتاب بنانی پڑتی اور پھر بھی شاید صحیح اندازہ  
 نہ ہو سکتا۔ اسی طرح ایک چھوٹی سی چھوٹی کم قیمت چیز اور اعلیٰ سے اعلیٰ  
 بیش قیمت شے کی قیمت روپیہ میں بیان کی جاتی ہے۔ غرض روپیہ دو کام دیتا  
 ہے ایک تبادلہ اشیاء کا ذریعہ ہے اور دوم قیمتوں کے اندازہ کرنیکا معیار ہے  
 روپیہ کے لئے یہ ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی خاص چیز کا بنایا جائے لیکن  
 یہ ضرور ہے کہ خواہ کوئی چیز روپیہ قرار دی جائے لیکن تمام لوگ متفق ہو کر قرار دیں  
 اور سب اوس کو روپیہ تسلیم کریں۔ اگر تمام دنیا کے لوگ نہیں تو ایک ملک اور  
 ایک آبادی کے لوگ جن کو باہم لین دین کا اکثر کام پڑتا ہے ضرور متفق اور  
 مجتمع ہوں۔ چنانچہ ایک زمانہ میں اہل چین نے چاء کے پتون پر کچھ سک لگا کر روپیہ

روپیہ

روپیہ تبادلہ اشیاء  
 اور قیمتوں کے  
 اندازہ کرنے کا  
 ذریعہ ہے۔

ہے لیکن اس دنیا میں سونے کو یہ صفت حاصل ہے کہ چاہے آگ میں ڈال دیا جائے یا  
میں یا مٹی میں وہ ضائع نہیں ہوتا۔ زمین میں دفن کر دو کبھی نہیں لگتا۔ ہزاروں  
برس کے بعد نکالا جائے وہی آب و تاب موجود۔ رنگ بھی نہیں لگتا۔ اس کے  
خلاف اگر انڈون کا سکہ ہوتا یا شیشہ کی طرح کوئی اور نازک چیز ہوتی کہ ذرا ٹھیس  
لگی اور ٹوٹی تو ہتھیروں کے دوا لے روز نکل جاتے۔

چوتھی صفت روپیہ کی یہ ہے کہ اوس کے مادے کی قیمت مختلف نہ ہو۔  
خالص سونے کے تولہ تولہ بھر کے دو ٹکڑے مساوی قیمت ہوتے ہیں۔ جو اہرات  
کا یہ حال نہیں اون کی قیمت چمک دمک اور رنگ کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی  
ہے اگرچہ جسامت برابر ہو۔ مساوی وزن کے دو ہیرے بکے ٹکڑے ہوں تو ایک  
کی قیمت پانچ سو اور دوسرے کی پانچ ہزار ہونی ممکن ہے۔ پھر ہلکا ایسی چیز کا  
کیا سکے چل سکتا ہے جس کے جتنے روپیہ نہیں سب مختلف قیمت کے ہوں۔ اور  
ہر وقت روپیہ کی صحیح قیمت تشخیص کرنا آسان کام نہیں۔ روپیہ پیدا ہوا ہے دنیا  
کے کاروبار میں سہولت پیدا ہونے کے لئے نہ کہ اور وقت پیدا کرنے کے واسطے۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ روپیہ کے اذہ کے ٹکڑے ہو سکیں اور نسبتاً اونکی  
قیمت میں کمی نہ آئے۔ مثلاً تولہ بھر سونا کٹے کا ہو تو چھ ماشہ بیکے کا تین ٹہا  
ہے کا جو اہل انڈین یہ بات نہیں وہ بٹے بٹے ہوں اتنے ہی زیادہ قیمتی ہیں۔  
اور اگر اون کے ٹکڑے کیجئے تو قیمت بہت زیادہ گھٹ جاتی ہے۔ مثلاً ایک ہیرے  
کے دو مساوی حصہ کریں تو قیمت نصف نہ رہے گی بلکہ بہت زیادہ گھٹ جائیگی۔  
چھٹی صفت یہ ہے کہ مادہ کی قیمت سب جگہ یکساں ہو۔ ایک سونا اور

چاندی ہے کہ تولہ بھر کی قیمت جو ہندوستان میں ہے وہی انگلستان میں وہی  
جاپان اور امریکہ میں۔ لکڑی۔ چمڑے۔ اناج۔ مویشی اور تقریباً تمام اشیاء کی  
قیمت یہاں کچھ ہے وہاں کچھ۔

ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ آسانی سے کھوٹا کرا پر کھا جاسکے جیسے مرزا

لیکن روپیہ کی یہ قیمت فرضی ہوگی اور اس وقت تک قائم رہے گی جب تک لوگ اس کے ذریعہ سے اشیاء کا تبادلہ نہ کریں یا معیار قیمت قرار دینے کے لئے متفق نہ ہوں اور ایسے لوگ تھوڑے ہی سے ہونگے۔ یہ بات مدت سے چاندی اور سونے کو حاصل ہے کہ وہ دنیا کی تمام مہذب اور غیر مہذب اقوام میں قیمتی مانا جاتا ہے۔ اور اس سبب سے سونے اور چاندی کے ساتھ تمام دنیا میں رواج پایا۔

دوم۔ روپیہ کا حجم کم ہو۔ یعنی ایسی وجوہات کا ہو کہ اس کی تھوڑی مقدار کی بڑی قیمت ہو۔ قیمت لوہے۔ پتھر۔ رانگ۔ لکڑی کی بھی ہوتی ہے لیکن اگر لوہے یا لکڑی کے روپیہ بنائے جائیں تو ضرورتاً کہ کسی قیمتی چیز مثلاً سونے کی گھڑی یا ہیرے کی انگلیٹھی بلکہ اس سے بھی کم قیمت اشیاء کی قیمت کے روپیہ چھکڑوں پر لا کر لیجانے پڑتے اور ہر وقت کے لین دین میں ایسی بھاری بھاری بوجھ کا اٹھانے پھرنا کس قدر دشوار ہوتا۔ سونے اور چاندی میں یہ صفت ہے کہ تھوڑی مقدار ہی زیادہ قیمت کی ہوتی ہے اور اگر سونے اور چاندی کے روپیہ اسی گھڑی یا انگلیٹھی کی قیمت میں دے جائیں تو ان کی مقدار اس قدر ہوگی کہ لانے اور لیجانے میں ذرا بھی وقت نہ ہو۔ جواہرات کو بھی یہ تفوق حاصل ہے کہ وہ بہت ہی قیمتی مانے جاتے ہیں لیکن پھر بھی چاندی اور سونے کے سکے نہ دنیا میں رواج پایا اور جواہرات کا روپیہ کبھی کسی ملک میں نہیں چلا۔ سبب یہ ہے کہ زیادہ قیمتی ہونے سے جواہرات کو محروم رکنا ایک تل برابر عمدہ جواہر کی قیمت میں بیس روپیہ ہوتی ہے۔ اب اگر روپیہ دو روپیہ کی چیز خریدنی ہو تو جواہرات کا سکہ تناسا ہوگا۔ اور ہر وقت کے لین دین میں ایسی چھوٹی چیز کی حفاظت اتنی مشکل ہے کہ عملاً جواہرات کا سکہ کام نہیں دے سکتا۔ سکے کا قیمتی ہونا ضرور ہے مگر نہ اتنا!

مرتبہ کم حرص رفت سے ہمارا ہو گیا آفتاب اونچا ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا  
سوم۔ ناممکن الفنا ہو۔ اگرچہ بقاؤ توجہ اوذغزوجل ہی کی ذات پاک کو

کے مارے بڑا حال ہے۔۔۔ پیسہ ہے لیکن پیسہ نہیں بھرتا یہ بات نہ دینی چاہئے  
 میسر نہیں دے رہا تھا۔۔۔ کوئی روپیہ ان کے پاس نہ تھا۔۔۔ وہ پاس بھر پائی یاد  
 لیکن ناممکن۔۔۔ جس طرح دنیا کی ہر ایک چیز کا حال ہے۔ کہ اگر وہ نہ لے تو  
 خواہ کتنا ہی روپیہ ہو حاجت پوری نہیں ہوتی۔ انسان کو دراصل روپیہ کی  
 ضرورت نہیں بلکہ ضرورت ان اشیاء کی ہے جو روپیہ کے تبادلہ میں لیتا ہے  
 روپیہ دیتا ہے اور کرسیاں اور میز۔ قالین۔ لیمپ۔ گلدان۔ کپڑا۔ جوتہ۔ اناج۔  
 مکان خریدتا ہے اگر یہ اشیاء نہ ہوں تو روپیہ بیکار ہے۔ مزدور دن بھر محنت  
 مزدوری کرتے ہیں اور شام کو مزدوری کے پیسے لیجا کر ضروریات زندگی خرید لیتے  
 ہیں۔ لوگ ملازمت کرتے ہیں اور مہینہ بھر کے بعد قلیل و کثیر جس قدر تنخواہ ملتی  
 ہے اس سے تمام اشیاء جن کی ضرورت ہے لیتے ہیں۔ اس لئے خواہ مزدوری ہو  
 خواہ نوکری۔ یا تجارت یا کوئی اور پیشہ دراصل روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے  
 نہیں ہے بلکہ ان اشیاء کے حاصل کرنے کی غرض سے ہے جن کی ضرورت واقع ہو  
 اور جو اس روپیہ سے جو مزدوری۔ یا تنخواہ۔ یا اشیاء تجارت کی قیمت میں ملا ہے  
 خریدی جائیں گی۔ فرض کرو کہ کوئی آقا یا کوئی سرکار اپنے نوکر کو یا کوئی شخص  
 کسی مزدور یا کاریگر کو نقد روپیہ نہ دے بلکہ وہ تمام اشیاء خورد و نوش۔ لباس  
 مکان وغیرہ جس کی اس کو ضرورت ہے اس کے حسب لیاقت مہیا کر دے تو  
 ملازم کو روپیہ لینے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس  
 ایک پائی بھی نہ ہو لیکن اس کے پاس اسباب و اشیاء موجود ہوں جن کی اس کو  
 یا اور لوگوں کو ضرورت پڑتی ہے۔ تو وہ دولت مند ہے۔ روپیہ دولت نہیں ہے بلکہ  
 جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے دولت کے اندازہ کرنے کا معیار ہے جیسے کہ وزن کے  
 اندازہ کرنے کا معیار ترازو ہے۔ ایک گھڑی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ  
 چار تولہ کی ہے تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا وزن کیا ہے۔ اسی طرح جب یہ  
 کہا جائے کہ اس کی قیمت پچاس روپیہ ہے تو اس کی قیمت کا حال معلوم ہوگا۔

علامت معینہ و مخصوصہ کے ذریعہ سے پہچان لیتے ہیں اور اس صفت کی حفاظت کے لئے ضرور ہے کہ گورنمنٹ روپیہ کا انتظام اپنے ماتحتین نے اور اس پر کوئی مداخلت نہ بنائے تاکہ کسی کو شک و شبہ کرنے کا موقع نہ رہے۔ اور تمام لوگ اسے سکہ قبول کریں۔ جن ممالک میں گورنمنٹ کی طرف سے سکہ کے انتظام پر توجہ نہیں ہے خود وہ ان کی رعایا غیر اقوام کے روپیہ لینے دینے میں تو باک نہیں کرتی لیکن اپنے ملک کا روپیہ لیتے ہیں تامل کرتی ہے۔

یہ تجارت کی ترقی کا زمانہ ہے لوگوں کو مختلف اقوام اور مختلف ممالک سے لین دین کرنے کا کام پڑتا ہے۔ اس سبب سے ان کو ایسے روپیہ کی ضرورت پیش رہتی ہے جو زیادہ مروج ہو اور زیادہ مروج وہی ہو گا جس کی قیمت معین ہو اور جس کے کھرے ہونے میں لوگوں کو شبہ نہ ہو۔ اور چونکہ روپیہ فی نفسہ دولت نہیں ہے اور اس کی قیمت اعتبار پر ہے اس لئے ہر ملک کو اپنے روپیہ کا اعتبار قائم کرنا لازم ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ اعتبار صرف گورنمنٹ کے انتظام سے ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں چاندی کے روپیہ چلتے ہیں اور روپیہ کا وزن ایک تولہ ہے۔ چاندی کی ایزانی سے تولہ بھر کی قیمت تقریباً نو آنہ کر رکھی ہے لیکن روپیہ وہی تولہ آنہ کو چلتا ہے۔ اگر روپیہ کی قیمت صرف بازار کے بھاؤ پر قرار دی جائے کہ صبح کو روپیہ کا خورہ کچھ ہو اور شام کو کچھ تو ایسا روپیہ آخر کار چاندی کے بھاؤ پر چلیگا۔ اور وہ اعتبار کم ہو جائیگا جو روپیہ کے لئے ضروری شرط ہے۔ روپیہ سے دنیا بھر کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں اور جس شخص کے پاس روپیہ زیادہ ہے اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس چیز کو چاہے حاصل کر لے۔ اس سبب سے روپیہ لون کو لوگ دولت مند کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ روپیہ دنیا میں بہت بھارا آمد چیز ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ بالواسطہ بکار آمد ہوتا ہے جن مقامات میں اس کے تبادلہ سے ضروری اشیاء مل سکتی ہیں وہیں روپیہ روپیہ ہے ورنہ روپیہ کے ڈھیر فی نفسہ کسی کام کے نہیں۔ روپیہ پاس ہے لیکن جنگل میں اناج نہیں ملتا بھوک

روپیہ بالواسطہ  
جست روئی  
ہے۔

## ۴۔ صنعت و حرفت

دولت پیدا کرنے کی خواہش تو عموماً سب ہی لوگوں کو ہے، اس لئے دولت پیدا کرنے کے اصول سے واقفیت حاصل کرنی بھی ضروری ہے۔ کسی قوم میں دولت آسمان نہیں برستی بلکہ خود پیدا کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ دولت کے پیدا کرنے کے تین ذرائع ہیں۔ زمین۔ محنت۔ اور اس اجمال ان تینوں پر مبنی و مندرجہ غور کرنا چاہئے۔

زمین دولت کی پیداوار کا قدرتی ذریعہ ہے۔ دنیا کی کل چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اناج زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ پھل و رختوں میں لگتے ہیں۔ خست جن کی لکڑی کی بڑی بڑی چیزیں کروڑوں روپیہ کے جہازوں کے بڑے اور ریلوں کی گاڑیاں بنتی ہیں زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ گھاس زمین سے اُگتی ہے اور مویشی جس سے ہمیں گوشت پوست ملتا ہے گھاس چرتے ہیں اور اس سے ان کا جسم نشوونما پاتا ہے۔ لوہا۔ چاندی۔ سونا۔ کوئلہ۔ پتھر اور ہر طرح کے معدنیات زمین سے نکلتے ہیں۔ روئی اور سن کے درخت زمین سے اُگتے ہیں جن سے تمام اقسام کے کپڑے بنتے ہیں۔ غرض کوئی چیز چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں ہے جو زمین سے نہ پیدا ہوتی ہو۔ زمین کل دنیا کی دولت کے پیداوار کا مخزن ہے۔ اگر زمین نہ ہو تو انسان عقل اور ہنر لئے ہوئے بیٹھا رہے اور اسے کچھ بھی نہ ملے۔

دولت پیدا کرنے کا دوسرا ذریعہ محنت یعنی صنعت و حرفت ہے اگرچہ سب چیزیں قدرتا زمین سے پیدا ہوتی ہیں لیکن ان کو بکار آمد اور بیش قیمت بنانا انسان کا کام ہے۔ جس چیز پر محنت صرف نہ ہو وہ کچھ بڑی دولت نہیں ہے مثلاً ہوا اور دریا کے کنارہ پانی دولت نہیں ہے۔ لکڑی زمین سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کا بکار آمد سامان بنانا انسان کا کام ہے۔ لوہا زمین سے نکلتا ہے لیکن اوزار انسان بناتا ہے۔ چاندی سونا زمین سے پیدا ہوتے ہیں لیکن زیورات انسان گھڑتا ہے۔ غرض بہت کم چیزیں ہیں جن پر انسان کی محنت نہ صرف ہوتی ہو

اگر کسی شخص کے پاس ایک پیسہ بھی نہ ہو لیکن ایسی ایسی سو گھڑیاں ہوں تو اتنا ہی دولت مند ہے جیسا کہ اس کے پاس پانچ ہزار روپیہ ہوں۔ وہ ان گھڑیوں سے پانچ سو روپیہ کی اور مختلف چیزیں خرید سکتا ہے۔ غرض روپیہ اور چیز ہے اور دولت اور چیز ہے۔ دولت وہ ہے جس کا تبادلہ ہو سکے۔ بنظر ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ کا تبادلہ اشیا سے ہوتا ہے۔ لیکن نہیں غور کرنے سے یہ معلوم ہو گا کہ روپیہ سے تبادلہ نہیں ہوتا بلکہ روپیہ تبادلہ کا ایک آلہ یا وسیلہ ہے۔ ایک شخص نے گھڑی بچاس روپیہ کو فروخت کی اور پانچ پانچ روپیہ کو دس کرسیاں اس روپیہ سے دوسرے دن خریدیں تو کرسیوں کی ضرورت نے اس سے گھڑی فروخت کرائی تھی نہ کہ روپیہ کی حاجت نے اور اگرچہ گھڑی کی قیمت بچاس روپیہ ملی اور کرسیوں کی قیمت بچاس روپیہ دینی پڑی لیکن روپیہ صرف گھڑی اور کرسیوں کے تبادلہ کا آلہ ہوا۔ ورنہ گھڑی جا کر کرسیاں آئی ہین۔ یہی حال تمام دنیا کے روپیہ کے مصرف کا ہے۔ غرض روپیہ دولت نہیں بلکہ دولت وہ اشیا ہیں جو دولت کے تبادلہ میں اور بنظر ظاہر روپیہ کے تبادلہ میں حاصل ہوتی ہین۔ اور انسان کے لئے آسائش یا آرائش کا باعث ہوتی ہین۔ جن اشیا کا تبادلہ نہیں ہو سکتا وہ خواہ مدارحیات ہوں لیکن دولت نہیں خیال کی جاتیں۔ کوئی تنفس نہیں جو ایک لمحہ بغیر ہوا کے زندہ رہ سکے۔ ہر جاندار نمون ہوا ہر روز سو گھنٹا ہے لیکن ایک جبہ قیمت ادا نہیں کرتا۔ قریشی تیل اور موم بتی دولت ہے اور سورج کی کرن جو سب سے زیادہ تیز۔ روشن اور دنیا میں سب سے زیادہ مفید ہے دولت نہیں۔ پانی مدار حیات ہے لیکن دریا کے کنارہ اس کی قیمت نہیں۔ ہاں! صحرائین ایک ایک قطرہ آب زر سے زیادہ قیمتی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ قادر حقیقی کے بے پایان انعامات اور اعلیٰ مہربانیوں اور فیاضی کے ادنیٰ کرشمہ ہیں۔ ورنہ اگر حضرت انسان کے قبضہ میں ہوا اور سورج ہوتا تو دیکھتے کہ زر زمین زن پر تو کیا جھگڑے پڑتے ہین جو سانس بھر ہوا اور ایک کرن سورج پر رن پڑتے۔

دولت



مفسل اور اہل یرپ دولت مند ہوں۔ جس قوم کو دولت کمائی مقصود ہے  
اُسے صنعت و حرفت میں ترقی کرنی چاہئے۔ اور ایسی اشیاء و بنائی لازم ہیں  
جو خوبی اور فائدہ میں بہت اعلیٰ ہوں جو شئی جس قدر زیادہ بکار آئے ہے اوی قدر  
اوس کی حاجت زیادہ ہوگی۔

محنت کے عمدہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ محنت کی تقسیم و  
تالیف مناسب طور پر کی جائے۔ محنت کی تقسیم سے یہ مراد ہے کہ ایک چیز کے  
بنانے میں جس قدر مختلف کام کرنے پڑیں وہ مختلف آدمی سرانجام دیں۔ اس  
طرح محنت کی تقسیم سے کئی فائدے ہیں۔ اول تو ایک جگہ سے دوسری جگہ  
جانے اور ایک قسم کے کام کو چھوڑ کر دوسرا کام کرنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا  
ہے اگر ہر شخص کے متعلق ایک ہی کام ہوگا تو وہ کام زیادہ جلدی پورا ہوگا مثلاً  
ایک کرسی کے بنانے میں ایک شخص صرف فریم بناتا ہے دوسرا اسے تہا ہے اور  
تیسرا رنگ پھیرتا ہے۔ اگر یہ سب کام ایک ہی آدمی کو کرنے پڑیں تو کام نہایت  
شکل سے اور بہت عرصہ میں ہوتا ہے۔ اس طرح تین آدمی ملکر مینہ بھر میں  
جتنی کرسیاں بنا سکتے ہیں کہ اگر علیحدہ علیحدہ ہر ایک آدمی اول سے آخر تک  
کرسی بناتا تو ایک ماہ میں اس سے نصف کرسیاں بھی بن سکتے ہیں۔ فرض کرو  
کہ ریل کی چھت پر سے لائیٹین اُتارنی ہیں۔ اگر ایک ہی شخص کا یہ کام ہو کہ  
ریل کی چھت پر چڑھے اور وہاں سے قندیل اُتار کر پھر نیچے اُترے اور اسے ٹوکرے  
میں رکھ کر دوسرے درجہ تک لیجائے پھر چھت پر چڑھے اور پھر اُترے تو تنو  
لائیٹین اُتارنے میں بہت وقت صرف ہوگا لیکن جب تین چار آدمی ملکر یہ کام کرتے  
ہیں کہ ایک شخص چھت پر سے صرف لائیٹین نکالتا ہے دوسرا اوس کے ماتھے سے  
سیکر ٹوکرے میں رکھتا ہے تیسرا ٹوکرے اس کا تہا ہے تو سو لائیٹین پھٹکا بھر میں اُتر آتی  
ہیں۔ اسی طرح ہر ایک کام کا حال ہے کہ جب کئی آدمی اوس کے مختلف حصہ  
انجام دین گئے تو جلدی ہوگا۔ تقسیم محنت سے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایک کام کو

محنت کی تقسیم  
و تالیف

تقسیم محنت  
کے فوائد



کارِ یگر کی ذکاوت خود کارِ یگر کے لئے بہت مفید ہے زمین اور طبع کا کارِ یگر کوئی نئی ایجاد کرتے ہیں اور اوس فن کو اور زیادہ ترقی دیتے ہیں۔ جن لوگوں میں ذکاوت نہیں ہوتی وہ مشین کی طرح کام کرتے ہیں کہ جس کام پر لگا دیں اسی طرح کئے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ کام نہ ملا تو خود بھی بیچارہ ہو گئے۔ جیسے کہ ہندوستان کے کارِ یگر کا حال ہے کہ جو چیزیں یہاں بنتی تھیں وہی ولایت سے بسکر آئے لیکن اب ان کی صورت اور وضع میں ذرا تغیر و تبدل ہو گیا۔ اور طبیعتیں چونکہ بہت پسند واقع ہوئی ہیں لکل جدید لذت لوگوں نے انکی خریداری کی طرف زیادہ میل کیا۔ یہاں کے کارِ یگر چونکہ لکیر کے فقیر تھے یہ مقابلہ نہ کر سکے رفتہ رفتہ ان کا بازار ایسا سرد ہوا کہ اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔

پریز گاری کارِ یگر میں کام کرنے کی قوت بڑھا دیتی ہے۔ بے اعتدالی کا قاعدہ ہے کہ بدن کی قوت گھٹاتی ہے اور جب بدن میں قوت نہ ہو تو ہاتھ پاؤں کیا چلیں۔

اگر کارِ یگر دیانت دار ہوں گے تو کارخانہ دار کو یہ ضرورت نہ ہوگی کہ ایک نگران کار نو کرے۔ کچھ اور جو روپیہ نگران کار کی تنخواہ میں صرف ہوتا ہے وہ بچ رہیگا ان اوصاف کے حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ کارِ یگر ان کی جماعت کو بھی تعلیم دی جائے خصوصاً علم اخلاق کی تعلیم کہ یہ دیانت و پریز گاری کے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ جن ممالک میں تعلیم عام کر دی گئی ہے اور ہر طبقہ کے لوگوں کو تعلیم سے بہرہ دیا جاتا ہے ان کے ہاں کی صنعت و حرفت آج اوس اوج ترقی پر ہے کہ ایک ایک مزدور اپنے گھر راج کر رہا ہے۔ اور قوم کا دماغ آسمان پر ہے۔

دولت کے پیدا کرنے میں مشین سے بہت مدد ملی ہے اور دوسرے ممالک میں ان مشینوں ہی کے استعمال نے ہندوستان کی صنعت و حرفت کو خاک میں ملا دیا۔ روٹی ہمارے ملک میں پیدا ہوتی ہے لیکن کپڑا ولایت کا بنا ہوا پہنتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں کے اہل حرفہ فاقہ مرتے ہیں۔ لوہا ہندوستان میں نکلتا ہے لیکن

کارِ یگر کو  
تعلیم کی ضرورت ہے۔

مشین کا استعمال  
اور رواج

کرتے کرتے کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور کام زیادہ عمدہ اور چلے جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ فائدہ تقسیم محنت کا یہ سبب نہ جوشن جس درجہ کا کام کر سکتا ہے وہی اوس سے لیا جاتا ہے کیا ضرورت ہے کہ ہر شخص ایک روز یا دو روز کی مزدوری کا کام کر سکتا ہو اوس کو بھی وہی چار آنہ روز کی مزدوری کا کام دیا جائے۔ ایک مہینے میں ایک کاپی نوٹس کو دو روپیہ روز دے دیتے ہیں اور دوسرے مہینے کو چار آنہ روز۔ اگر کاپی نوٹس کافی یہ کام کرے کہ کاپی لکھنے کے بعد پریس پر کھڑے ہو کر دیکھتا ہو تو نوٹس دے دے دن بھر کے دو روپیہ دینے پڑیں گے اور نوٹس چار آنہ دینے دوتا روپیہ دینا ہوگا۔

تقسیم محنت میں جہاں کئی فائدے ہیں وہاں ایک نقصان بھی ہے یعنی ہمیشہ صرف ایک کام انجام دیتے دیتے کاریگر کو دوسرے کام کی مشق نہیں رہتی اور اگر اس کام کا سنا ہو جائے تو وہ پھر کسی کام کا نہیں رہتا۔ دوسرے یہ کہ پورے کام کی عہدگی کا کوئی قسم دار نہیں ہوتا کیونکہ جس شخص نے جتنا کام کیا ہے وہ اسی کا ذمہ دار ہے۔

تالیف محنت یہ ہے کہ چند آدمی متحدہ طور پر ایک ہی کام کے کرنے میں مدد دین بہت سے کام ایک آدمی کی قوت سے باہر ہوتے ہیں مثلاً ایک بھاری شہتیر کا ایک مکان کی چوٹی پر چڑھانا۔ اس صورت میں جب تک چند آدمی ملکر کام نہ کریں کام نہیں چلتا۔

کام تو سب ہی کرتے ہیں لیکن کاریگر میں چار صنفیں ہونی چاہئیں کہ وہ اچھا کام کر سکے۔ ایک ہنرمندی۔ دوم ذکاوت۔ سوم پرہیزگاری۔ چہارم دیانت۔ بے ہنر آدمی تو صنعت و حرفت کے کام ہی کا نہیں۔ جسے آتا ہی نہ ہو وہ کیا خاک کام کریگا۔ بعض کام ایسے دقیق اور مشکل ہوتے ہیں کہ اون کو سیکھنے کے لئے عرصہ درکار ہوتا ہے اور بہت مشق سے آتے ہیں لیکن ایسی ہی پھر اون کی قدر بھی ہوتی ہے۔

تقسیم محنت کا فائدہ

بہتر اور زیادہ

وزر گنہگار اور ہمیشہ دیکھنے سے ہر سناٹے اور اوربہ تباہی پڑوں گے کا خیال نہ  
جاری ہوں۔ تو اگر کہہ سکتے ہیں کہ جو لاپرواہی اور لاپرواہی میں لوہاروں  
کو کیا دوسروں کی تہذیب سے دوسروں کو کچھ نقصان پہونچے گا۔ تو اس نقصان  
کی تلافی بہت اچھی طرح ہون ہو جائے گی کہ گنہگاروں کی سزا ہی اور شہینہ وغیرہ کے  
کارخانوں میں اس سے کہیں زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ غرض اپنے  
ملک میں ہر قسم کی صنعت و حرفت کے جاری کرنے سے یہ فائدہ ملے گا کہ ملک  
میں بیکار آدمی جو اب تماشہ و تماشا میں سرگردان ہیں نہ رہیں گے بلکہ کام بخوش حالی  
اور بہبودی پھیل جائیگی۔

مشینوں کے جاری کرنے اور کارخانوں کے کھولنے کے لئے اس مال  
کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ دولت پیدا کرنے کا تیسرا ذریعہ ہے۔ اس مال  
اس ذخیرہ کو کہتے ہیں جو آئندہ دولت کمانے کی غرض سے اٹھا رکھا گیا ہو۔  
یہ اس مال بہت ضروری چیز ہے۔ دولت اگرچہ زمین سے اور محنت سے پیدا  
ہوتی ہے۔ لیکن اس کے پیدا ہونے میں عرصہ لگتا ہے۔ اور اتنے عرصہ میں  
بھی کام کرنے والوں کو ضروریات زندگی حاصل کرنے کی احتیاج ہوتی ہے۔  
اس مال کا کام یہ ہے کہ آئندہ دولت پیدا کرنے کے لئے جو کوشش کی جا رہی  
ہے اس میں مدد دے۔ فرض کرو کہ ایک کپڑا بننے کا کارخانہ کھولنا ہے۔ روٹی  
خریدنے اور اس کے کاٹنے اور بننے میں ایک عرصہ درکار ہے۔ اس قدر عرصہ میں  
اول روٹی کی قیمت ادا کرنی دوسرے کاٹنے اور بننے والوں کو روزانہ ضروری  
دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر پہلے سے ذخیرہ نہ ہو گا تو یہ کام کس طرح ہو سکیں گے  
بعض اوقات کارخانہ کی عمارت اور مشین کی قیمت پر بھی لاکھوں کا خرچ ہوتا ہے  
جتنا بڑا کارخانہ ہو گا اتنے ہی زیادہ اس مال کی ضرورت ہوگی۔ اور پھر اسی  
لحاظ سے منافع بھی ہوگا۔ کہ زر زرخند در جہان گنج گنج۔ دو باتیں ہیں جو اس مال  
جمع کرنے کی محرک ہوتی ہیں۔ اول تو آئندہ کی پیش بینی۔ دوم تجارت کے

اس مال جمع  
کرنے کی تحریک

چاقو اٹھاتے ان کے کورٹ نہ یہ نہ جانتے ہیں۔ اور ہمارے کاریگر ایک الپن بھی نہیں  
 بنا سکتے۔ اور پچاسے کیا کریں ایک دن میں اٹھا کیونکر بنا سکتے ہیں کہ اس قدر اڑان  
 فوسٹ کریں۔ تب سے یہ کام نہیں ہوتا۔ تو قاعدے میں ایسا تو یہ کہ وہ ایک دن  
 میں اتنی ساری چیزیں بنا سکتی ہے کہ سیکڑوں انسان نہیں بنا سکتے۔ دوسرے یہ کہ  
 مشین سے ایسے کام نہ جاسکتے ہیں کہ انسان کی طاقت سے باہر ہیں۔ مثلاً  
 لاکھوں من کا بوجھ جرنیل سے اٹھایا جاتا ہے۔ انجن منوں بوجھ کو سیکڑوں کو  
 کے فاصلہ پر پھوڑی دیر میں پہنچا دیتے ہیں۔ اور اور بہت ایسے کام ہیں جو انسان  
 کی طاقت سے باہر ہیں۔ اسی طرح مشین کے ذریعہ سے جس ملک میں دولت پیدا  
 کرنے کا کام لیا جائیگا۔ وہ ملک بہت جلدی اور بہت زیادہ مالا مال ہوگا۔ مشین  
 کے جاری کرنے سے ایک یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک مشین ہزاروں  
 آدمی کا کام کرنے لگے گی تو یہ لوگ بیکار ہو جائیں گے اور رویوں کو محتاج پھر نیگے  
 بیشک ایسا ضرور ہوگا کہ مشین کی ایجاد سے وہ لوگ جو وہی کام ہاتھ سے کرتے تھے  
 بیکار ہو جائیں گے لیکن بہت تھوڑے دن کے لئے کیونکہ مشین کے استعمال سے  
 ایک قسم کا کام بند ہوتا ہے لیکن کئی قسم کے کام کھل جاتے ہیں۔ جب یہ جاری  
 نہ تھی تو گاڑی اور گھوڑے منازل کے طے کرنے میں کام آتے تھے۔ ریل نے  
 گاڑی گھوڑوں کے بجائے خود کام دیا اور گاڑیاں بیکار ہو گئے۔ لیکن ریل پر  
 سیکڑوں طرح کے کام ایسے کھل گئے کہ اس سے کہیں زیادہ آدمیوں کی کھپت  
 ہو گئی اب یہ گاڑیاں اگر اپنی ہی نادانی سے ریل پر کام نہ کریں تو نہ کریں ورنہ  
 کام کی کمی نہیں ہے۔ ان مشین کے جاری کرنے سے یہ ضرور ہوتا ہے کہ اہل حرفہ  
 کو بعض اوقات اپنے کام کی نوعیت بدلتی پڑتی ہے۔ غرض خاص طور پر مشین کے  
 ایجاد سے اگر کسی شخص کو کچھ عرصہ کے لئے نقصان ہو تو ہو لیکن بالعموم ملک کے  
 بہت سے بیکار آدمیوں کے واسطے کام نکل آتا ہے۔ اور وہ اپنی روزی پیدا  
 کرتے لگتے ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں اس وقت گھڑی بنانے۔ کپڑا بننے۔ لوہے کے

اس ہی قدر زیادہ ہے یہ ذخیرہ دانہ ہے کہ ایک سو پانچ سو ایک سو ہے۔ ہمارے ملک میں بھی متحدہ کمپنیاں قائم ہوئی ہیں اور ان میں سے اکثر اچھی حالت میں ہیں۔ لیکن بعض کمپنیوں کو کامیابی ہوئی۔ اور لوگوں سے حصے ڈوب گئے اس سے لوگ ذرا اس طرف سے بدگمان ہونے لگے ہیں اور عوام میں یہ بدولی بھڑکتی جاتی ہے کہ کمپنیوں میں دوسرے دنیا محض خطرہ ہیں دانہ ہے۔ اگر یہ کیفیت ہوئی تو ملک کی ترقی کی طرف سے قطعی ناامید ہی ہوگی۔ لیکن کوئی مرض نہیں ہے جس کا علاج نہ ہو البتہ تشخص مرض اور علاج کی پابندی ضرور ہے۔ اس ملک میں کمپنیوں کی ناکامی کے کئی وجوہ ہیں۔ اول تو لوگوں میں پیش بینی کی کمی ہے۔ ہمیشہ ان اشیاء کا کارخانہ کھولتا چاہئے جن کی ضرورت زیادہ ہو۔ ہندوستان ایسا ملک ہے کہ کل اقسام کی اشیاء کی اس میں کھپت ہے۔ لیکن لوگ یہ نہیں خیال کرتے کہ کس قسم کی اشیاء بہان بن رہی ہیں اور کتنی باقی ہیں جو غیر مالک سے آتی ہیں۔ کارخانہ ان اشیاء کا کھولنا چاہئے جو غیر مالک سے آکر یہاں کثرت سے فروخت ہو رہی ہیں۔ ذرا سے غور سے معلوم ہو جائیگا کہ سیڑیوں انواع و اقسام کا مال دوسرے ملک سے چلا آتا ہے۔ لیکن چونکہ ان اشیاء کی ساخت کا علم اور رنگت اور نفع و نقصان کا اندازہ یہاں کے لوگ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ایسے کارخانے جاری کرتے ہیں جو ابھی جاری ہو چکے ہیں اس طرح اس شے کی پیداوار کی اتنی کثرت ہو جاتی ہے کہ اس مقام میں ضرورت نہیں رہتی۔ اور دونوں کارخانوں کو نقصان پہنچتا ہی باوجودیکہ نئی اشیاء بنانے کے لئے بہت مہیاں کھلا پڑا ہے۔

دوم۔ لوگ بہت سی اشیاء کی ساخت کے علم سے واقف نہیں ہیں۔ افسوس ہے کہ وہ ملک جو صنعت و حرفت کی کان تھا جس کی تہذیب اور ترقی کا سارے عالم میں چراغ جلتا تھا۔ ایک دیاسلامی ملک کا محتاج ہے کہ یورپ جاپان سے آئے تو اس کے ہاں چراغ چلے۔ اب یہ ضرورت باقی نہیں ہے کہ

میں نے  
کہا ہے  
کہ یہ  
بہت ہی  
بڑا  
کارخانہ  
ہوئے

تو اس  
کارخانہ  
میں  
رہتے



ذریعہ۔ سے دولت کمانے کی خواہش۔ غیر مذہب ملکوں میں، بدن لوگوں کا جان مال محفوظ نہیں ہوتا لوگ ایسے کاموں میں روپیہ لگاتے سے احتیاط کرتے ہیں اور اس سبب سے جو بری بھی مزدوری ملجائے اس ہی پر قناعت کرتے ہیں دوسرے یہ بھی ہے کہ بڑے کارخانہ کھولنے اور مشین کے ذریعہ سے اشیاء پیدا کرنے میں بہت بڑے ذخیرہ اور اس المال کی ضرورت ہوتی ہے اس سبب سے لوگوں سے بڑے کارخانہ اور مشین قائم کرنے کا سرانجام نہیں ہو سکتا لیکن درحقیقت اس کا بہت سہل علاج ہے۔ یعنی بہت سے لوگ ملکر اتنا سرمایہ جمع کریں کہ جو کام وہ کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے اچھی طرح کافی ہو "وانہ دانه شود انبار" مثلاً اگر کسی کارخانہ کے لئے ۵۰ لاکھ روپیہ سرمایہ درکار ہے تو سو سو روپیہ کے ۵۰ ہزار حصے کئے جائیں اس طرح اگر کسی شخص کے پاس سو روپیہ بھی ہونگے تو وہ بھی اس کارخانہ میں حصہ لے سکیگا۔ جن لوگوں کے پاس زیادہ روپیہ ہے وہ بہت سے حصے خرید سکتے ہیں۔ جب نفع تقسیم ہوگا تو ہر ایک حصہ دار کو اس کے حصہ کی نسبت سے روپیہ تقسیم ہو جائیگا۔ اس صورت میں نفع بھی اتنا معقول حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہی سو روپیہ کسی علیحدہ کام میں لگائے جائیں تو اس کا نصف حصہ منافع بھی حاصل نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں بطور شرکت روپیہ لگانے سے ہر ایک شخص کو وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ حصہ دار اپنے اپنے متعلقہ دوسرے کاروبار میں مصروف رہ سکتے ہیں

مشترکینان

راس المال کے مصرف

راس المال کو نہایت احتیاط سے صرف ضروری اخراجات میں صرف کرنا چاہئے۔ لیکن خرچ کرنا ضروری ہے۔ اگر کل سرمایہ جمع رہیگا تو اس سے کچھ بھی نافع حاصل نہ ہوگا۔ راس المال کے تین مصرف ہیں۔ مکان۔ آلات اور مزدوری۔

مکان اور آلات ذخیرہ قائم ہیں کہ ایک دفعہ بن گئے اور عمر بھر کام دیتے ہیں لیکن مزدوری کا یہ حال نہیں وہ روزانہ دینی پڑتی ہے۔ اور جس قدر دو

ذخیرہ قائم

ہو گئے ہیں نہ اتنی سی بات نہ بھیجیں کہ ہمارے جو غرضی بہار علی اور بہار  
 نوافلی اس ہر ایک ہر ایک لکھی ہے کہ اپنے نفع سے وابستہ نہ تھیں کہ نقصان کا  
 کچھ بھی ملاحظہ کریں۔ کیا ہم بین الاقوامی خصلت بھی نہیں سمجھتے کہ یہ جو سکین کہ قوم کی  
 عزت، ہماری عزت۔ قوم کی بہبودی، ہر کسی بہودنی۔ رقوم کی سلامتی، ہر کسی  
 سلامتی ہے۔ یہ ماننا اگر کسی کمپنی کی ہدایت ڈائریکٹر و سربراہ کا مال کے کر  
 کھا جائیں گے تو وہ اپنا گھر بھرنے کے لیے یہ عام انسان جو اس سے پھیلے گا  
 کہ لوگ صنعت و تجارت کی طرف سے مدد دل ہو کر متحدہ کام کے لیے ڈیرین گم اور  
 اپنے موجودہ افلاس پر اس سبب۔ نہ است کریں گے کہ مبادا بڑھوڑا بہت  
 سرمایہ موجود ہے یہ بھی جاتا رہے تو اس سے جو تنزل اور تنزل کے سبب سے جو  
 تزیل قوم کو حاصل ہوگی اس سے وہ نا عاقبت اندیش اور کور باطنی ڈائریکٹر  
 نہیں بچ سکتے جنہوں نے اپنے ٹھوڑے سے نفع کے لئے قومی بربادی کی بنیاد  
 قائم کی۔ اکثر کمپنیاں اس سبب سے نہیں چلیں کہ ڈائریکٹروں نے دیانت داری  
 سے کام نہیں کیا۔ دوسرا سبب نہ چلنے کا یہ بھی ہوا کہ منتظمین میں اتفاق قائم نہ رہا  
 اور ان کی نزاع نے کارخانہ کو نقصان پہونچایا۔ یہ عقل سلیم اور اعصابیت اسے  
 کی کمی کا قصور ہے۔ تیسرا سبب کارخانہ نہ چل سکنے کا اور یہ ہے اور وہ  
 بھی کام کرنے والوں کی جہالت اور ناواقفیت کے سبب سے پیدا ہوتا ہے۔  
 ہمارے ملک میں ایسے لوگ بھی نہیں ہیں جو مشین کے استعمال اور کارخانہ کے  
 انتظام کی واقفیت رکھتے ہوں۔ اس سبب سے ان کو غیر ملک اور غیر قوم کے  
 منیجر ملازم رکھنے پڑتے ہیں۔ یہ منیجر اول تو تنخواہ اتنی لیتے ہیں کہ منافع کا ایک معتدبہ  
 حصہ ان کی نذر ہو جاتا ہے دوسرے ان کو ڈائریکٹر ان کمپنی کی کوئی پرواہ نہیں  
 ہوتی وہ بجائے ان کا کہنا ماننے کے خود اپنی ناز برداری بلکہ حکمرانی چاہتے ہیں۔  
 اور ایسا ہوتا بھی ہے۔ ان کو قومی یا ملکی کوئی تعلق یا دلسوزی کمپنی کے ساتھ  
 نہیں ہوتی۔ اس سبب سے ان کو اس کے چلنے یا نہ چلنے کی پرواہ بھی نہیں ہوتی

ملک میں تعلیمی درس گاہیں قائم کی جائیں اور ان میں وہ ناقص تعلیم دیجا دے جو آج کل کے مدارس میں دیجا رہی ہے۔ بلکہ محبان قوم جو ملک کی ترقی کے خواہاں ہیں اگر قوم پر احسان کرنا چاہتے ہیں تو صنعت و حرفت کے مدارس قائم کریں۔ لوگوں کی ضروریات مختلف ہیں لہذا صرف ایک قسم کے مدارس میں ایک ہی ٹائپ کا سب آدمیوں کو گھڑنا کیا مفید ہوگا؟ صنعت و حرفت کے مدارس بھی ایک ہی طرح کے نہیں بلکہ مختلف فنون کے قائم کئے جائیں۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ ایک مدرسہ میں تمام فنون سکھائے جائیں بلکہ اگر ایک مدرسہ ایک ہی فن کی کامل تعلیم دے تو اویلے ہے۔

سوم۔ اس ملک کے کاریگر زمانہ کے ادا شناس نہیں ہیں۔ لوگوں کے مذاق اور پسندیدگی کے مہلان بدل گئے ہیں۔ روز بروز نئے فیشن نکلتے چلے آتے ہیں۔ نئی نئی وضع کی چیزیں اختراع ہوتی ہیں ان کو چاہئے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ چلیں اور جس طرف خریداروں کا رجحان دیکھیں ویسی چیزیں بنائیں جس نئی چیز یا نئی طرز کی ضرورت ہو یا دوسرے ملک سے جو نیا نمونہ بنکر آئے اس کو چلنے نہ دین بلکہ خود اس سے بہتر اور اس سے ارزان بنا کر فروخت کریں۔ ہم لوگ نہ صرف اشیاء کے لئے دوسروں کے محتاج ہو گئے بلکہ وہ ہم پر ایسے حاوی ہو گئے ہیں کہ خود ہمارے واسطے نئے فیشن ایجاد کر کے ہمیں لوٹتے ہیں۔

اشیا کی صورت  
اور وضع میں  
تبدیلی

چہارم۔ اس ملک میں متحدہ کمپنیاں قائم ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں لیکن ابھی سے دوا لہ بچنے لگے۔ اور کئی کارخانہ بند ہو گئے۔ جس سے حصہ داروں کا بہت نقصان ہوا۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ملک میں اُس مال کی ضرورت نہیں بلکہ ڈائریکٹروں کا تصور ہے کہ ان میں کام کرنے کی قابلیت نہیں۔ یہ ملک کی تنہا بد نصیبی ہے کہ جن چیزوں کی اسے بے انتہا ضرورت ہے ان کے کارخانہ جاری ہوں اور نہ چل سکیں غیر اقوام تو دل میں خوش ہونگی۔ کہ یہ جتنے نا لایق رہیں بہت اچھا ہے تاکہ ہمیں ہاتھ رنگنے کا موقع ملے۔ لیکن کیا اب ہم اتنے گئے گذرے

ڈائریکٹران کمپنی کی  
نا قابلیت نقصان  
پہنچاتی ہے

کم ہو جاتی ہے۔ اگر وہی قیمت بہن رہتی تو اس سے زیادہ اس کا تہہ نہ ہو۔  
 جیسے کہ کوئی چیز صد روپیہ کے ایک خانہ سے نکال کر دوسرے خانہ میں رکھ دیتا ہے۔  
 اگرچہ اس وقت ہماری جیب میں سے وہ قیمت نکل جاتی ہے لیکن اپنے ہی ملک  
 میں رہنے کی صورت میں ملک کے متول میں زیادتی ہوتی اور ہماری محنت کے  
 صلہ میں ہمیں خاطر خواہ قیمت مل سکتی اس طرح ایک چکر رہتا کہ سب خوش حال  
 رہتے لیکن ملک میں افلاس ہو تو وہ محنت کا صلہ نہیں دے سکتا۔ اور لوگ  
 زیادہ غریب حالت میں رہتے ہیں پس جو لوگ اپنے ملک کے مصنوعات خریدتے  
 ہیں وہ بالواسطہ اپنے تئیں بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اس لئے جب کسی چیز  
 کی ضرورت ہو تو اپنے ہی ملک کی بنی ہوئی تلاش کرو اگر نہ ملے تو خیر کہیں اور کی  
 خریدنے کا مضائقہ نہیں۔ یہ سب ایسی چیز ہے کہ اگر خریدار اس طرف ذرا توجہ  
 کرینگے تو کاریگر بہتر سے بہتر بنا کر لائیں گے۔ اور تھوڑے دن میں کہیں اور سے  
 چیز منگانے کی ضرورت نہ رہیگی۔ ہندوستان کے افلاس کا یہ سبب نہیں ہے  
 کہ اس میں پیداوار کی کمی ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ اس کی دولت مختلف ذرائع  
 سے دوسرے ملکوں میں کھینچی چلی جاتی ہے۔ اگر اہل ملک وہی چیزوں کی طرف  
 توجہ کریں تو کاریگر کیا کچھ نہ کر دکھائیں۔ اس موقع پر ایک غلطی کی تصحیح کر دینی ضرور  
 ہے لوگ اعتراض کریں گے کہ جب ہم کوئی چیز خریدتے ہیں تو وہ چیز لیکر روپیہ لیتے  
 ہیں۔ روپیہ فی نفسہ دولت نہیں ہے اور جو چیز لی گئی ہے وہ دولت میں داخل ہے  
 لہذا ہمارے ملک میں جب کوئی شے روپیہ کے عوض آتی ہے جو دولت ہے تو پھر  
 اس کے خریدنے اور لینے میں کیا تامل ہے۔ بلکہ جس قدر زیادہ آئے بہتر اور سستا  
 ہے۔ اور جب ہم ایک چیز گئے بدلے دوسری چیز لیتے ہیں تو ملک میں کیوں افلاس  
 پھیلے اس کے جواب میں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ جو روپیہ ہم نے دیا ہے وہ کیا  
 شے ہے بیشک وہ دولت نہیں ہے لیکن تبادلہ دولت کا ذریعہ ہے۔ اس سبب  
 سے ہم نے جو روپیہ حاصل کیا ہے وہ کسی نہ کسی محنت کے عوض میں حاصل کیا ہوگا

اور چونکہ یہاں کے کارخانجات کے فروغ سے اپنے اہل وطن کی کساد بازاری کا اندیشہ ہوتا ہے ان کو اس کے ڈبوں نے مین کوئی تامل نہیں ہوتا۔ مین یہ نہیں کہتا کہ سب غیر ملکی منیجر ایسا ہی کرتے ہیں بلکہ ممکن ہے کہ بعض نیک نفس اس کے خلاف تن دہی اور دیانت داری سے کام کرتے ہوں لیکن کوئی کمپنی کسی غیر ملکی منیجر کے ہاتھوں ڈوبی ہے تو ضرور اس کا سبب یہی ہوا ہے۔ اگر کسی کارخانہ مین کسی غیر ملکی منیجر کے بغیر کام چل ہی نہ سکے تو تنخواہ کے علاوہ منافع مین اس کو شریک اور حصہ دار کر لینا چاہئے تاکہ کام مین اس کی ذاتی دلچسپی بڑھ جائے اور وہ پوری توجہ سے کام کرے۔ بلکہ کمپنی کے کل کاموں مین مناسب یہی ہے کہ کارندوں کا حصہ ضرور شامل کیا جائے اس صورت مین وہ نہایت جان توڑ کراچھا اور بہتر کام کرنے کی کوشش کریں گے۔

پنجم۔ ہمارے ملک کی حالت اس سقیم بیمار کی سی ہے جسے نہ صرف تشخیص مرض اور تجویز دوا کی ضرورت ہے بلکہ تیار داری کی بھی حاجت ہے اس لئے صرف سودا گروں اور صنّاعوں کو تحریک دلانا ہی مفید نہیں بلکہ خود خریداروں کی توجہ بھی درکار ہے۔ بد قسمتی سے اہل ملک کا مذاق اس قدر بگڑا ہوا ہے کہ ان کو اپنے ہاں کی کوئی چیز خوش نہیں آتی۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے ملک کی چیز تلاش کریں غیر ملک کی اشیاء کی فرمائش کی جاتی ہے اگرچہ اپنے ملک مین اس سے بہتر اور اس سے ارزان موجود ہو۔ خریداروں کو یہ جان لینا چاہئے کہ دولت بہت مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور اس کو کھونا اپنی عزت۔ اپنی قوت۔ اور اپنے آرام کو کھو دینا ہے۔ بنظر ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم ایک چیز کی قیمت ادا کرتے ہیں تو ہمارے پاس سے تو قیمت ہر حال مین جاتی ہے خواہ وہ چیز کسی ملک کی ساخت ہو۔ لیکن واقعی دولت کے اپنے ملک مین چکر کرنے اور اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملک مین جانے مین بہت بڑا فرق ہے جو قیمت اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملک مین گئی وہ پھر واپس نہیں آتی اور اتنی قوت اپنے ملک سے

اہل ملک کا مذاق  
بدل گیا۔

لیکن جس قوم میں صنعت و حرفت نہیں۔ وہ تجارت کس چیز کی کریں گے۔ اگر دوسرے ملکوں کی بنائی ہوئی چیزیں خود فروخت کریں تو بہی زیادہ نفع حاصل ہوگا تھوڑی سی کمیشن مل رہی۔ تجارت جس چیز کا نام نہ وہ تو اپنی ہی مصنوعات کی ہے۔ اور اس سے منافع کثیر حاصل ہوتا ہے۔ صنعت و حرفت میں حصہ لینا صرف غربا اور پیشہ ور لوگوں کا ہی کام نہیں ہے بلکہ اُمراء کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہئے کہ جو چیز درکار ہو اپنے ملک سے لین یا بنوائیں اور یہ کوشش کریں کہ ملک میں اعلیٰ اشیاء بن سکیں خصوصاً مشین جاری کرنا اور اُن کے حصے لینا یا کوئی بڑا کارخانہ کھولنا اُمراء سے زیادہ سہولت سے ممکن ہے۔ وہ زمانہ گیا جو یہ کام حقارت سے دیکھے جاتے تھے اب ان کے کرنے میں عزت ہے نہ صرف اس دنیا میں بلکہ دونوں جہان میں۔ الکاسب حبیب اللہ۔ دنیا میں تہذیب اور شائستگی صنع و صنعت کی بدولت پھیلی۔ جب قدیم زمانہ کی تاریخ میں کسی قوم کی تہذیب اور شائستگی کا پتہ لگاتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ کن کن پیشوں کے نام اوس زمانہ کی تاریخ میں ملتے ہیں اگر پہلے لوگ صنعت و معاشی کی طرف توجہ نہ کرتے یا زراعت و فلاحت نہ ترقی نہ دیتے تو آج دنیا میں تہذیب کی ابتدا بھی نہ ہوتی۔ آج وہ تمام راحت و آرام و سہولت مفقود ہوئی۔ جو ان کی ایجاد اور اختراعات سے حاصل ہوئی۔ اور جو اصول اُنہوں نے مقرر کئے وہ آج سائنس اور تمام علوم و فنون کی بنیاد ہیں۔ ہزار ہا کوششیں کرنے اور ہزار ہا کامیوں کے بعد وہ رات کی محنت و جانفشانی سے ان لوگوں نے اشیاء کی ایجاد کی اور ان کے بنانے کے طریقے نکالے تاکہ بنی نوع انسان کی زندگی میں لطف و آسائش پیدا ہو۔

اس مضمون کو زیادہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اہل یورپ کی مثال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ اُنہوں نے صرف صنعت و حرفت کے طفیل کہاں سے کہاں ترقی کی ہے اور کتنی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کی بنائی ہوئی اشیاء

خواہ وہ ہر می کسی شے کی قیمت ہو یا تنخواہ یا مزدوری یا کچھ اور۔ غرض کوئی چیز  
 روپیہ کی صورت میں جمع ہے۔ اور اس روپیہ میں اب یہ قوت ہے کہ جس چیز سے  
 چاہیں ہم اس کا تبادلہ کر میں اور جب تک یہ روپیہ قائم ہے اس کی قوت بھی قائم  
 رہے گی۔ اب یہ غور کرو کہ غیر مالک سے جو اشیاء آئی ہیں وہ کیا ہیں وہ ایسی  
 چیزیں ہیں کہ استعمال کرنے سے محفوظ رہے دن بعد ہو چکیں گی ان میں بعض بہت  
 کم دیر پائیں۔ بعض سوائے آرائش کے کسی ضروری کام کی نہیں۔ بعض صرف  
 کھیل تماشہ ہیں ان میں جو بالکل غیر ضروری ہیں۔ اپنے ملک میں یہ بہت کم قیمت میں  
 بنی ہیں اور یہاں آ کر دو چہندہ اور سہ چہندہ قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ ان چیزوں  
 کے خریدنے سے ملک میں دو طرح سے افلاس پھیلا۔ ایک تو یہ کہ جو چیز خریدی  
 اس کا جس قدر منافع ہے وہ اس ملک سے مفت گیا اب یہی اصل قیمت اس کا  
 ادا کرنا بھی خالی از نقصان نہیں۔ کیونکہ جو روپیہ دیا گیا وہ اُس ملک میں قائم  
 رہے گا اور اس کا دور اُس ملک میں ہمیشہ ہوگا۔ اور یہاں وہ چیز اتنے روز میں  
 اس قدر فرسودہ ہو جائے گی کہ اس کے خریدنے کی ضرورت پھر واقع ہوگی۔  
 اگر اس روپیہ کا سرکپولیشن اس ملک میں ہوتا تو جس قدر دولت پیدا ہوتی۔  
 وہ کسی نہ کسی صورت میں محفوظ رہتی بلکہ روز بروز بڑھتی جاتی۔ اور اس طرح ملک  
 دولت مند ہو جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ غیر ملک کی جو چیز ہم کو دی گئی ہے۔  
 انہیں اس کی اصلی لاگت بھی لی جائے تو بھی ہمارے ملک میں افلاس ضرور پھیلا  
 کیونکہ اصلی لاگت میں کاریگروں کی مزدوری وغیرہ شامل ہے اگر وہ چیز ہمارے  
 ملک میں بنائی جاتی تو ہمارے ہاں کے مزدوروں اور کاریگروں کو اس کی اجرت  
 ملتی اس طرح وہ خوش حال ہوتے۔ اور جب دوسرے ملک میں بنی ہے تو اگرچہ  
 ہم نے اصلی قیمت دی اور بالفرض تبادلہ میں ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں ہوا  
 لیکن ملک کے غریب پیشہ وروں کا بیشک نقصان ہوا۔ کہ ہم نے ان سے  
 محنت نہ لی۔ اور وہ بیکار اور پریشان رہے۔ تجارت روپیہ کمانے کا ذریعہ ہے



کسی قسم کی تجارت کر سکیں جن مدارس میں یہ تعلیم دی جاتی ہے وہ مدیہ محنت و حرفت کھلاتے ہیں اور تعلیم صنعت و حرفت انسان کو یہ سکھاتی ہے۔ کہ وہ کوئی ایسا کام کرنے لگے جو دولت پیدا کرنے کا سبب ہو۔ اور انسان کی احتیاج اور خواہشیں اس سے پوری ہو سکیں۔ اس علم میں دولت کی پیداوار کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔ اور تمام ایسے علوم جن کا پیداوار دولت میں عمل کا کام پڑتا ہے اس میں داخل ہیں۔ آج کل اسٹیا کی ساخت اور پیداوار کے طریقہ اس قدر بدل گئے ہیں اور کلون اور دغانی انجن کے استعمال نے ان کا سیکھنا اس قدر مشکل کر دیا ہے کہ جب تک کسی شخص کو اس فن کی باقاعدہ تعلیم نہ دی جائے وہ اپنے پیشہ میں ترقی نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض پیشہ اختیار ہی نہیں کر سکتا۔ جن کارخانوں میں تقسیم محنت کا قاعدہ جاری ہے۔ اور ایک شخص سے ایک ہی قسم کا کام عمر بھر لیا جاتا ہے وہ ان ایک کاریگر پورے طور سے سارے کام سے واقف نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی صنعتی مدرسہ میں پورے کام کو نہ سیکھے اور اسے اس کام کی باقاعدہ تعلیم نہ دی جائے اسی طرح بہت سے آدمی اگرچہ کارخانوں میں اپنی تمام عمر گزار دیتے ہیں لیکن خود کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے وہ بچوں کی طرح صرف کام کا ایک حصہ انجام دے سکتے ہیں۔ صنعتی کاموں کی چار قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن میں مشین اور کلون اور انجن سے کام لیا جاتا ہے۔ جیسے لوہے کے کارخانہ۔ دوسرے وہ جن میں انسان اپنے ہاتھوں اور اوزاروں سے کام لیتا ہے۔ تیسرے وہ جن کا دار مدار صنعت کی دماغی قوا اور مشاتی پر ہے جیسے مصوری۔ سنگ تراشی۔ چوتھے زراعت۔ لوگوں کو ان پیشوں میں تین قسم کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ بعض کاریگر ہیں اور خود اپنے ہاتھ سے کام بناتے ہیں۔ بعض نگران کار ہیں۔ بعض منتظم اور صاحب کارخانہ ہیں اور ان تینوں قسم کے کاموں کے انجام دینے کے لئے بہت بڑی لیاقت۔ وافقت تجربہ۔ پیش بینی اور انتظام کی ضرورت ہے۔ صنعتی تعلیم کے لئے جو مدارس

دوسرے ملک میں فروخت ہوں۔ دوسرے ملک کی مصنوعات اپنے ملک میں  
 لینا اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں میں کھٹائی مارنا ہے۔ ان قدرتی پیداوار جو ہمارے  
 ملک میں نہ ہو دوسرے ممالک سے لیکر اپنے کام میں لائیں تو مضائقہ نہیں لیکن  
 ہمارے ملک ایسا نہیں جو قدرتی پیداوار میں دوسروں کا دست نگر ہو۔ اپنے ملک  
 سے مصنوعات کا دوسرے ممالک میں بھیجنا مفید ہے اور قدرتی پیداوار کا باہر جانا  
 باشندوں کے حق میں مضر ہے۔ اور یہاں سے قدرتی پیداوار ہی باہر جاتی  
 ہے اور اہل ملک کی بے توجہی اور بدسلوکی کے سبب اس کی مصنوعات کو  
 نقصان پہنچ رہا ہے۔ ترقی کے لئے میدان موجود ہے اہل ہمت قدم آگے بڑھیں  
 اور تعلیم صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہوں۔

مت و ح

تعلیم صنعت و حرفت سے یہ مراد ہے کہ ایسی تعلیم دی جائے جو لوگوں کے  
 لئے ضروریات زندگی مہیا کرنے میں مدد دے۔ انسان کی ضرورتیں مختلف واقع  
 ہوئی ہیں اور اس تعلیم میں ان تمام اشیاء کا بنانا اور پیدا کرنا داخل ہے جس کی  
 انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔

صنعت و حرفت کی تعلیم کی ضرورت لوگوں کو روز بروز زیادہ معلوم  
 ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ ایک ایسی تعلیم کے لئے تقاضا کرنے لگے ہیں جو ان کو  
 اپنے ملک کی پیداوار کو کام میں لانا اور اس سے نفع اٹھانا سکھائے۔ آج کل  
 بڑے بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے قصبے اور دیہات میں بھی مدارس  
 قائم ہیں لیکن وہ طلبہ کو کسی کام کا بتاتے ہیں۔ شاید اکثر کا وقت اس طرح صرف  
 ہوتا ہے کہ وہ اپنے آبائی پیشہ کو بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور جب مدرسہ سے  
 نکلے ہیں تو نان شبینہ کو محتاج پھرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تعلیم سے قواعد عقل کی تہذیب  
 اور تکمیل مراد ہے لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی تو رکھنا چاہیے کہ قواعد بدنی کی پرورش  
 کے لئے کیا انتظام کیا جا رہا ہے؟ تعلیم صنعت و حرفت سے یہ مراد ہے کہ لوگوں کو  
 ایسے فنون اور اس قسم کے سائنس کی تعلیم دی جائے جس سے وہ کوئی پیشہ یا

ب بین فرق آجاتا ہے یا جس شے کے بدلے وہ فروخت کی جا رہی تھی یا یوں  
اچائے کہ جو چیز اوس کی قیمت تھی اوس کی مقدار یا طلب میں کوئی فرق  
نہ ہوتا ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک چیز کی قیمت بڑھتی ہے تو دوسری  
کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ آج کل چونکہ لین دین روپیہ میں ہوتا ہے تو اس  
ج سمجھنا چاہیے کہ جب شے کی قیمت بڑھتی ہے تو اوس کے مقابلہ میں روپیہ  
قیمت گھٹ جاتی ہے اور جب روپیہ کی قیمت بڑھتی ہے تو شے کی قیمت  
ست جاتی ہے۔ اور اگر تبادلہ اشیاء کی صورت میں ہو تو بھی یہی قاعدہ رہیگا  
دو چیزوں کا تبادلہ مقصود ہوں میں سے اگر ایک کی قیمت بڑھیگی تو دوسری  
کی قیمت گھٹ جائیگی۔ اور جب دوسری چیز کی قیمت بڑھیگی تو پہلی چیز  
کی قیمت کم ہو جائے گی۔

جب مال کا قیمت کے ساتھ اندازہ کیا جائے تو تین صورتیں پیدا  
تی ہیں :-

۱۔ بعض مال تو اس قسم کا ہے کہ دنیا میں جس قدر موجود ہے اُتنا ہی ہے  
ہ اگر اوس کو بڑھانا چاہو۔ تو ناممکن ہے۔ مثلاً ایک اعلیٰ درجہ کی مصور کے  
نے کی بنائی ہوئی تصویریں یا کسی خوشنویس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں  
یہ مصور اور کاتب مرچکے ہیں لیکن تصویریں اور کتابیں ایسی لا جواب ہیں کہ  
ل خریداری کو آمادہ ہیں۔

۲۔ دوسری قسم کا مال اس طرح کا ہے کہ اگر مال میں افزائش کی جائے  
ساتھ ہی ساخت یا پیداوار کا خرچ بھی زیادہ پڑتا ہے مثلاً اناج کی زراعت  
معدنیات نکالنے کا خرچ کہ اگر کم پیدا کرنا ہو تو کم خرچ پڑیگا اور اگر زیادہ پیدا  
زائی ہو تو اوس حساب سے لاگت بھی زیادہ آئے گی۔

۳۔ تیسری قسم کی چیزیں وہ ہیں کہ اون کے تھوڑے سے بنانے میں  
بس قدر لاگت آتی ہے اوس سے زیادہ بہت سے بنانے میں نہیں آتی۔ یہ

تاکم کئے جائیں ان میں دو قسم کی تعلیم ہونی چاہئے ایک تو ان علوم (سائنس) کی تعلیم ہو جو اشیاء کے بنانے اور پیدا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ مثلاً ریاضی۔ انجینیئر۔ نباتات۔ زراعت۔ وغیرہ اور ان علوم کو عملاً کام میں لانا سکھایا جائے۔ دوم مختلف قسم کی صنعتیں اور ہاتھ کے کام سکھائے جائیں۔ تاکہ ہر شخص اپنا سرمایہ اور اپنی لیاقت کو کام میں لاسکے۔ اور غیر ممالک کا محتاج نہ رہے۔

### ۳۔ تجارت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب انسان کی ضروریات اس کے لئے پوری نہ ہو سکیں تو اس نے یہ تدبیر نکالی کہ اپنے پاس کی اشیاء کو دوسرے لوگوں کو دے کر ان کے پاس سے اپنی ضرورت کی چیزیں لینے لگایہ لین دین پہلے کچھ عرصہ تک تو اشیاء ہی کے تبادلہ سے ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ یہ طریقہ مشکل تھا بجائے باہمی تبادلہ کے اشیاء کی قیمت روپیہ میں لی جانے لگی۔ اس فن نے رفتہ رفتہ اس قدر زور پکڑا کہ قوموں کی قوت و دولت اور ملک کی ثروت کا انحصار تجارت کی ترقی پر ہو گیا۔ بلکہ تجارت ان کا جزو بن گئی۔ تجارت اس کا نام ہے کہ ایک شخص اپنی کسی چیز کو جس پر وہ مالکانہ قابض ہے کسی قیمت کو دوسرے شخص کو دے ماجر کو جس چیز پر ملکیت کا حق نہیں وہ فروخت نہیں کر سکتا۔ اور تجارت کے لئے ضرور ہے کہ پہلے کوئی چیز اپنی ملک قرار دی جائے بعض دوکاندار ایسا بھی کرتے ہیں کہ دوسروں سے مال منگا کر فروخت کرتے ہیں اور جب وہ فروخت ہو جاتا ہے تو اس کی قیمت ادا کر دیتے ہیں۔ دراصل یہ تجارت نہیں بلکہ دلالی ہے کہ اصل مالک کمال فروخت کرنے کے عوض کچھ اجرت ان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ دراصل تجارت اپنے ہی مصنوعات فروخت کرنے کا نام ہے کوئی مال جس قدر روپیہ یا جس قدر کسی دوسری شے کے عوض میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ وہ روپیہ یا وہ شے اس مال کی قیمت ہے لیکن کسی چیز کی قیمت ہر حال میں یکساں نہیں رہتی بلکہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے قیمت کے گھٹنے اور بڑھنے کے دو سبب ہوتے ہیں یا تو اس شے کی مقدار یا خریداروں کی

تجارت کی ضرورت

تجارت کیلئے ملک ہونی شرط ہے۔

قیمت کی کمی بیشی کے سبب

اوسے لینے کی خواہش ہر شخص کو ہوتی ہے اور جس قدر زیادہ قبل استعمال  
 اور ضروری شے ہے اوسی قدر اوس کی خریداری اور ہنگامہ دہی کم ہوتی ہے۔  
 اگر ایسی شے کی مقدار معین ہوگی تو سونے کی تول بدھ میں اوقت اوس سے  
 بھی زیادہ گران فروخت ہوگی۔ بجز آمد ہونے کے سبب تو سول شے میں جب خریداری  
 زیادہ وقت ہو اوسی قدر زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

اگرچہ مال کی قیمت زیادہ ہونے سے خریداروں کی کمی ہوتی ہے لیکن اگر  
 انجان کا یہ حال نہیں بلکہ انجان اگر گران ہو تو جب تک خریداری کی ہمت میں نہ ہو  
 ہے لینا نہیں چھوڑتے اور چونکہ مراحیات اسی پر ہے ہزار طرح کے خرچ کم کر کے  
 انجان لیتے ہیں۔ اس لئے اگر قسط پڑ جائے اور انجان کی پیداوار میں قلت واقع ہو تو  
 مقامات اور دونوں حصوں کے لحاظ سے انجان کو فروخت کرنا پڑتا ہے کہ ہر مقام کی  
 فروغ پیداوار محدود اور معین ہوا ضرورتوں کی آبادی بڑھ جائے۔ تو بھی انجان  
 کی کمی واقع ہوتی ہے اس صورت میں جو زمین غیر ضروری پڑی تھی یا آبادی  
 سے فاصلہ پر تھی اوس میں بھی زراعت کرتے ہیں چونکہ یہ کھیت آبادی سے  
 دور ہوتے ہیں یہاں سے آبادی تک انجان کے لانے کا خرچ بھی زیادہ پڑتا ہے  
 اور اسی سبب سے پہلے کی نسبت انجان کسی قدر گران فروخت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن اشیاء کی مقدار دنیا میں محدود ہے اور اب وہ کسی کے  
 بڑھائے نہیں بڑھ سکتیں۔ اون کی قیمت تو اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ جتنی چیز  
 ہے اتنی ہی خریدار لے سکیں۔ اور باقی منہ دیکھتے رہ جائیں۔

جو چیزیں ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور اون کے زیادہ پیدا کرنے  
 سے خرچ بھی زیادہ بڑھتا ہے وہ گران فروخت ہوتی ہیں لیکن جہاں تک ممکن ہو  
 خریداروں کے واسطے اون کا مہیا کرنا ضرور ہے۔

جو اشیاء ایسی ہیں کہ اگر زیادہ بنائی جائیں تو خرچ بہت زیادہ نہیں بڑھتا  
 وہ اول اول تو ضرورت کے لائق بنائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر اون کی مانگ بڑھ جائے

مصنوعات کا حال ہے خصوصاً وہ مصنوعات جو مشین سے تیار ہوتی ہیں۔

ان تینوں قسم کے مال کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کے مختلف سبب ہوتے

طلب کا قیمت پر اثر

ہیں۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ خود مال کی مقدار اور خریداری کی طلب (مانگ)

کا قیمت پر کیا اثر ہوتا ہے۔ کسی چیز کی قیمت ایسی ہونی چاہئے کہ جتنی چیز ہے

اوس کی قدر اوس کے خریدار ہم پہنچ جائیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر کم قیمت

ہوگی اوس کی قدر زیادہ خریدار ہوں گے۔ اور جس قدر زیادہ قیمت ہوگی اوس کی قدر

خریدار کم ہونگے اگر کسی چیز کی قیمت اس قدر زیادہ ہو کہ لاگت سے بہت زیادہ

حصہ اوس میں منافع ہو تو نفع کے لالچ میں اور لوگ اوس چیز کو بہت کثرت سے

بنانا شروع کر دیتے ہیں اور جب کسی چیز کی کثرت ہو جاتی ہے تو خریدار اوس قدر

نہیں رہتے اور پھر قیمت گھٹنے لگنے لگتی ہے۔ اسی طرح اگر

کسی مال کی اتنی مقدار موجود ہو کہ خریدار اُسے نہ ہوں اور وہ بہت سستے داموں

فروخت ہو تو سودا گروں کو نفع کم ملتا ہے۔ اور اس سبب سے لوگ اُسے بنانا

بھڑوڑ دیتے ہیں یا کم کر دیتے ہیں۔ اور جب مال کی مقدار میں کمی آتی ہے تو

اوس میں بھی خریدار دن کی تعداد سے مساوات پیدا ہو جاتی ہے اور قیمت

اس قدر بڑھ جاتی ہے جتنی کہ اوس شے کے لئے مناسب ہو۔ لیکن جو ایسی

چیزیں ہیں جن کا قسم اول میں ذکر کیا گیا چونکہ ان کی تعداد نہیں بڑھتی خواہ

خریدار زیادہ ہوں یا کم اوس کی قیمت میں اس قدر افزایش کرنی پڑتی ہے

کہ خریدار دن کی تعداد موجودہ شے کے برابر ہو جائے۔ باقی دونوں قسم کی

چیزوں کی قیمت اس بات پر منحصر ہے کہ وہ کس قدر بکار آمد ہیں۔ اور ان کا

حاصل کرنا کس قدر مشکل ہے۔ بکار آمد ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ آسائش یا

آرائش کے کام آسکیں اور ان کو دیکھ کر طبیعت میں لینے کی خواہش پیدا ہو

اگر یہ بات نہ ہوگی تو کسی چیز کے حاصل کرنے میں خواہ کسی قدر دقت کیوں نہ ہو

کوئی شخص بھی پروا نہ کریگا کہ اسے خریدے یا لے۔ جو چیز ذرا بھی بکار آمد ہے

موجہ ہیں۔ اور خوش حال آدمیوں کو بالکل بھی یہ خیال نہیں ہے کہ وہ اپنے بچوں کو زراعت کا کام سکھائیں۔ سوائے کسانوں یا چند غریبوں کے زراعت کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ زراعت ایسے اولیٰ طریقہ سے اور اتنے چھوٹے چھوٹے قطعوں کی ہوتی ہے کہ زمین کے محصول ہی میں ساری پیداوار کی آمدنی لگ جاتی ہے اور مزارعین کے پاس کچھ تھوڑی سی پیداوار بچ رہتی ہے۔ کہ کوئین اون کا پورا خرچ بھی نہیں چلتا۔ زمینداروں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اتنی سی اہلاک پر مغرور ہو جاتے ہیں اور فن زراعت سے اس قدر ناواقف ہوتے ہیں کہ نہ تو پیداوار کو ترقی دے سکتے ہیں نہ زمین کی حالت درست کر سکتے ہیں۔ زراعت کو ترقی دینے کے اصول ایسے یقینی اور سہل ہیں اور اون سے اس قدر مستفید فائدہ ہوتا ہے کہ اگر اس طرف توجہ کی جائے تو اس سے زیادہ نفع حاصل ہو سکتا ہے جتنا کہ کسی بڑی سے بڑی تجارت یا کسی پیشہ میں کامیابی سے ممکن ہے۔ سب لوگوں کو ایک قسم کی تعلیم مفید نہیں ہو سکتی ہزاروں لڑکے ہر سال دہشت کی محنت کے بعد امتحانات یونیورسٹی پاس کرتے ہیں اور پھر ناقدری اور کس مہر سی کی حالت میں تلاش معاش کے لئے ٹھوکرین کھاتے پھرتے ہیں۔ اگر ان میں سے بعضوں کو سات آٹھ برس کی عمر سے زراعت کے کام پر لگایا جائے اور ان میں کامل واقفیت اور مہارت پیدا کی جائے اور بڑے ہوئے پر ایک سرمایہ دیکر انہیں زراعت میں مشغول کر دیا جائے تو ملک کی سرسبزی آنا فنا بڑھے کیونکہ اس چھوٹے سے قطعہ زمین کی پیداوار بھی اس قدر کافی ہوگی کہ ایک کنبہ کا پیٹ بھر سکے۔ اور جن کے پاس بڑی بڑی زمینیں ہوں اور وہ محنت سے کام لیں تو اون کو بہت ہی نفع حاصل ہوگا۔

زراعت کی  
ضرورت -

زراعت قیام حیات کے لئے ضروری ہے اس کی ضرورت اسی پر قیاس کر لو کہ اگر ملک میں اور فہون نہ ہوں تو زراعت قائم رہ سکتی ہے لیکن اگر کسی جگہ زراعت نہ ہو تو وہاں کوئی فوج نہ نہیں رہ سکتا۔ اگر انسانوں میں قوت نطق نہ رہے



تو اون کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ قیمت کی یہ زیادتی صرف چند روز ہی رہتی ہے۔ لوگ اس چیز کو اس کثرت سے بناتے ہیں کہ پھر بہت جلد ہی اصلی قیمت پر آ جاتی ہے۔ یہ اشیاء کی قیمت کے اصول ہیں جن سے تجارت کو واقف ہونا لازم ہے۔ آج کل تجارت کا پیشہ آسان کام نہیں رہا ہے۔ اور بغیر وسیع معلومات کے کوئی شخص اس میں خاطر خواہ ترقی نہیں کر سکتا۔ کلون اور انجنون کے استعمال اور وسائل آمد و رفت کی سہولت نے تمام دنیا کے نرخ میں تغیر و تبدل پیدا کر دیے ہیں۔ اگر ایک چیز کا دنیا بھر کی کسی حصہ میں بھاؤ بدل جاتا ہے تو تمام دوسرے حصوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح کوئی نئی یا بہتر چیز کسی مقام پر کثرت سے بننے لگتی ہے تو اس قسم کی کمتر اشیاء کا بازار تمام دنیا میں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اس زمانہ میں تاجر کو صرف اپنے شہر اور قریہ کے حالات سے واقف ہونا کافی نہیں بلکہ اس کی معلومات کی وسعت اس قدر ہونی چاہئے کہ مشرق و مغرب تک کی خبر رکھ سکے۔ اور اپنے کاروبار کو گھٹنے نہ دے۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں تاجر کو علم حساب۔ علم جغرافیہ۔ اور مختلف زبانوں سے بھی واقف ہونا لازم ہے۔

اصول تجارت کی  
معلومات کی ضرورت

ہندوستان میں تجارتی تعلیم بالکل نہیں دی جاتی اور لوگ صرف یونیورسٹی کی تعلیم پر اکتفا کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے بازار اور منڈیاں باہر لوگوں کے مال سے پٹی پڑی ہیں اور یہاں لائے اور بیچنے والے بھی باہر کے ہی لوگ ہیں۔

۴۔ زراعت

کوئی پیشہ ایسا نہیں ہے جو زراعت سے زیادہ قابل تعریف ہو۔ یہ خود انسان کی ذات کے لئے مفید اور تمام بنی نوع کے لئے بیکار آمد اور نہایت ضروری ہے نہ کوئی پیشہ اس سے زیادہ منترہ ہے نہ اس سے زیادہ تفریح بخش نہ اس سے زیادہ قدیم نہ اس سے زیادہ قابل عزت ہے۔

ایک کی ضرورت

بد قسمتی سے اہل ملک کو زراعت کی طرف اس قدر توجہ نہیں جراتے بڑے زرخیز ملک کے شایان ہو۔ لوگ ملازمت یا چھوٹی چھوٹی تجارتوں کی طرف زیادہ

اہل ملک کو زراعت  
طرف توجہ نہیں

جواب پھل لارہے ہیں خدا نے میری محنت ٹھکانے لگائی ہے۔ اسے اپنی خیریت کا ثمرہ تیار نظر آتا ہے اور اپنے بوے ہوئے کھیت کو سرسبز و تر و تازہ دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہوتا ہے۔

زراعت کا فن دنیا میں سب سے پہلے ایجاد ہوا اور باقی تمام فنون اس کے پیچھے ایجاد اور اختراع ہوئے۔ ابتداء آفرینش سے لوگ گٹھ بانی۔ باغبانی اور کسانوں میں مصروف ہیں۔ قدرت نے سب سے پہلے انسان کو زراعت کرنا اور زمین سے اناج پیدا کرنا سکھایا ہے۔

یہ بات نہایت تعجب انگیز ہے کہ تمام علوم و فنون ریاضی منطق۔ انشاق طبیعیات وغیرہ (جو بیشک فی نفسہ بہت اچھے علوم ہیں) کیا تو تعلیم دی جانے اور ان کے علاوہ ناچنا گانا۔ مصوری۔ نقشہ نویسی۔ کھلونے بنانا۔ کھانا پکنا سب کچھ تو سکھایا جائے اور ان کے واسطے مدارس اور مدرس مقرر کئے جائیں لیکن زراعت جو سب سے زیادہ دس خورش کن۔ زیادہ پاک۔ زیادہ مفید۔ زیادہ معزز اور سب سے زیادہ ضروری ہے سیکھنے سکھانے کا کہیں نام بھی نہ سنا جائے۔ مناسب تو یہ ہے کہ ہر یونیورسٹی میں کم سے کم ایک کالج ایسا بنایا جائے جس میں فن زراعت کا مل طور سے سکھایا جاتا ہو۔

زمین پیداوار دولت کا منبع ہے اور اس میں وہ اشیاء پیدا ہوتی ہیں جن سے انسان کی حیات کا دار و مدار ہے یعنی غلہ اجناس میوہ جات پھل پھول یہ دولت تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ محصول۔ مزدوری۔ نفع۔ مالک زمین پیداوار کا جو حصہ دیا جاتا ہے وہ محصول کہلاتا ہے۔ مزدور جو ترود کی محنت اٹھاتے ہیں مزدوری پاتے ہیں۔ جو شخص زمین پر روپیہ لگاتا ہے وہ نفع لیتا ہے اگر ایک ہی شخص مالک زمین بھی ہو خود ہی ترود کی محنت اٹھائے اور اپنے پاس سے روپیہ بھی خرچ کرے تو کل پیداوار کا وہی مالک اور مستحق ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں عموماً ایک شخص زمیندار ہوتا ہے اور کسان اپنا روپیہ صرف کرتے اور ترود کرتے ہیں

تو آج تمدن کی بنیاد خاک میں مل جاوے اور حیوانوں کی طرح انسان پریشان ہو جائے۔ یہ حال نئون میں زراعت کا ہے کہ سب کو شیرازہ زراعت کے طفیل بندھا ہوا ہے یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ایسی قومیں پہلے زمانہ میں تھیں کہ انہیں سوائے زراعت کے اور کوئی فن رائج نہ تھا اگرچہ اون کی زندگی اوس اعلیٰ درجہ کی نہ تھی جو مذہب قوموں کو حاصل ہے لیکن یہ ثابت ہے کہ وہ زندہ رہتے اور رہ سکے تھے۔

زراعت کے پیشے میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نہایت پاک ہے اور مزارع اعلیٰ درجہ کی منزہ زندگی گزار سکتا ہے۔ اگر مزارعین میں پرہیزگاری نہ رہے تو وہ سب سے زیادہ قابل الزام ہیں کیونکہ ناپرہیزگاری اور خرابی کی طرف مائل کرنے کے لئے مزارعین کے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ مزارعین کا دنیائے سب سے زیادہ امن پسند اور بے آزار فرقہ ہے جس کو ملک کے قصیوں سے مطلب ہے نہ سلطنت کے جھگڑوں سے ان کی زندگی کا طریقہ ہی ایسا واقع ہوا ہے کہ امن اور سکون کو پسند کریں اور باہدگر محبت اور موانست رکھیں۔

دیہاتی زندگی جو ایک مزارع کو حاصل ہوتی ہے کیسی سادی اور کیسی لہریب زندگی ہوتی ہے۔ نیچے کے نظر فریب منظر اس کی نگاہ کے سامنے ہوتے ہیں اور چونکہ دنیا کے پوٹھل جھگڑوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ قلبی تسکین اور راحت بروقت حاصل ہوتی ہے۔ دیہات میں انسان کو ہر شے کی صاف سادہ اور قدرتی حالت کا مزہ آتا ہے لیکن شہروں میں مذاق بگڑ جاتے ہیں اور ہر چیز مصنوعی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ دیہات میں بے ضرر اور ارزان آسائش افراط سے ملتی ہے لیکن شہروں میں مضرت رسان اور گناہ میں مبتلا کرنے والے فیشن طبیعت کو خراب کر دیتے ہیں۔

کسان کو ایک اور حقیقی خوشی بھی اکثر حاصل ہوتی ہے یہ کہ جب وہ چاروں طرف دیکھتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے بولے ہوئے بیج ہیں

زراعت ایک پاک پیشہ ہے

دیہاتی زندگی

اس زمانہ میں ایسا دیکھنے میں اور ان کھلون کے ایجاد ہونے سے ان مکانکین  
 زراعت میں نمایاں ترقی ہوئی ہے جس سبب سے پیداوار کی سہولت اور کام  
 کی عمدگی بڑھ گئی۔ اور اس کی مالکیت گھٹ گئی ہے انوس ہے کہ ہمارے زمانہ  
 کے مزارعین اس قدر توان اور شاک کی ترقی۔ اس قدر مانت ہیں کہ خود  
 کوئی مشین ایجاد کرنا تو درکنار ان مشینوں سے کام لینا بھی جانتے ہیں۔ بلکہ  
 ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ اس نے کہاں تک ترقی کی ہے۔ زراعت کے ہر  
 حصہ کے لیے کام کے لیے ایک مشین ہو جو ہے۔ اس ہی طرح زمین کے تیار کرنے  
 مویشی پالنے کی سیکڑن ترسیں دریافت کی گئی ہیں۔ جن کے بیان کا بیان  
 موقع نہیں۔ لیکن اگر فن زراعت کی انگریزی کتابوں کو مطالعہ کیا جائے۔ یا  
 ان کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جائے تو ہندوستان کی پیداوار کو بہت  
 فائدہ پہنچے اور یہاں کے لوگ نہال ہو جائیں۔ بس طرح بغیر زرہ کے فصل  
 نہیں پیدا ہوتی اسی طرح بغیر تعلیم کے زراعت کی عمدہ لیاقت بھی حاصل نہیں ہوتی  
 اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ زراعت جاہلون اور گنواروں کا پیشہ سمجھا جائے بلکہ  
 دنیا کے عقلمندوں نے اس کو باقاعدہ علم بنا دیا ہے اور اس میں نمایاں ترقی  
 کی ہے۔

### ۵۔ مزدوری اور تنخواہ

محنت کے صلہ میں جو معاوضہ دیا جاتا ہے وہ مزدوری کہلاتا ہے یہ محنت  
 خواہ دماغی ہو یا جسمانی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ مسترز ہو یا مبتدل ایک ہی سی جہ فرق  
 مراتب اور وقت میں ہے نہ کہ نوعیت میں دفاتر کے ادنیٰ و اعلیٰ ملازم بلکہ  
 عمدہ دار کارخانوں کے متمم اور تمام کاریگر حمال اور خادوب سب مزدور ہیں  
 جو اپنی دماغی یا جسمانی محنت کو کچھ ماہوار یا روزانہ معاوضہ پر فروخت کرتے ہیں  
 اور ان تمام قوانین کا ان پر یکساں اثر ہوتا ہے جو مزدوری سے متعلق ہیں۔  
 کاریگروں میں بہتر ایسے ہیں جو اپنی دستکاری سے اس سے کہیں زیادہ

کام کے فرق سے  
 مزدوری کی نوعیت  
 میں فرق نہیں آتا

اس لئے یہاں ایک حصہ زمیندار کو دیا جاتا ہے اور مزدوری اور راس المال کا نفع کسان کو بچ رہتا ہے۔ زمیندار کو پیداوار زمین سے جس قدر حصہ یا اس کی قیمت دی جائے وہ گویا اس کی زمین کا کرایہ ہے۔ بعض مقامات میں زمین کا محصول رواجاً مقرر ہوتا ہے اور مزارعین کو اسی قدر دینا پڑتا ہے بعض جگہ زمین کا محصول منافست کے طور پر لگا دیا جاتا ہے اور جو شخص سب سے زیادہ محصول دینے کو آمادہ ہو اس کو زمین زراعت کے لئے دی جاتی ہے زمین کے محصول کا انحصار دو باتوں پر ہے ایک تو یہ کہ زمین بہت زرخیز ہو اور اس میں پیداوار خوب ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ عمدہ موقع پر واقع ہو کہ اس کی پیداوار کو آبادی تک لانے میں زیادہ صرف نہ ہو ورنہ کس کو غرض پڑی ہے کہ ایسی بنجر زمین پر اپنا روپیہ لگائے اور جان کھپائے جس میں اتنی پیداوار بھی نہ ہو کہ مزارعین کا پیٹ بھر سکے اور روپیہ پر نفع نہ ملے۔ یا زمین زرخیز ہے لیکن ایسی جگہ واقع ہے کہ وہاں سے آبادی تک اس کی پیداوار لاتے لاتے اتنا خرچ پڑتا ہے کہ نفع کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایسی زمین کو بھی کوئی لینا پسند نہیں کرتا۔ ہاں اگر ملک میں پیداوار کم ہو اور کھانے والوں کی کثرت زیادہ ہو تو ایسی زمینوں میں بھی زراعت کی جاتی ہے۔ جو آبادی سے زیادہ دور ہوں اور پہلے ان میں صرف اس سبب سے زراعت نہ ہوتی تھی کہ آبادی تک لانے کا خرچ زیادہ پڑتا تھا جب آبادی کی کثرت ہوگی تو اناج کی ضرورت زیادہ واقع ہوگی اور جب ضرورت زیادہ ہوگی تو قیمت بڑھنی لازمی ہے اور جب قیمت بڑھی تو ایسی زمینوں میں بھی زراعت کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ خواہ زمیندار اور مزارع ایک ہی شخص ہو یا جدا جدا۔ زمین کی پیداوار بڑھانے میں سب کا فائدہ ہے کیونکہ اگر پیداوار اچھی ہوگی تو زمیندار کو بھی محصول زیادہ ملے گا اور مزارعین کو بھی کافی مقدار بچے گی۔

جو لوگ آج کل زراعت میں مشغول ہیں ان کو زراعت کو ترقی دینے اور ہر کام اچھی طرح انجام دینے کے لئے اُن آلات سے کام لینا چاہئے جو یورپ نے

اعت کے لئے  
رات اور شینوں  
استعمال

معتول دینی پڑتی ہیں اور تنخواہ ان کے کام کا صلہ نہیں بلکہ ہانہ کھن میں ملنے کا صلہ ہے۔ اسی طرح کوئی معزز شخص انہی ہندوستان کے سنیہ پڑھوس کے مرتبہ کے لیے لیا جاتا ہے، ورنہ ہور غنی نہ ہو گا۔ یہ تک اس کہ اس قدر معاوضہ نہ دیا جائے کہ وہ معاوضہ کے راجح میں اس کام کو کرنا گوارا کرے۔ البتہ اگر کافی ستر خدمت دی جائے، تو کم تنخواہ پر بھی خوشی سے رضی ہو جائیگا۔ دقت طلب اور مشکل کاموں کی انجام دہی کی اجرت عموماً زیادہ دینی پڑتی ہے لیکن ناخوشگوار یا کمزور کام کی اجرت اس صورت میں زیادہ دینی پڑے گی جب وہ کام ایسے لوگوں سے لیا جائے جن کی وقت کے خلاف یہ مگر دنیا میں ایسے فرقے بھی ہیں جو بتدل سے بتدل کام کوڑیوں میں کرتے ہیں۔ اور چونکہ ایسے کام عموماً ان ہی لوگوں سے لئے جاتے ہیں گران نہیں ہوتے۔

دوم۔ کام کے سیکھنے میں سہولت اور ارزانی یا وقت اور خرچ۔ جس کام کا اکتساب زیادہ مشکل ہو گا۔ اور جس کے سیکھنے میں بہت وقت اور بہت روپیہ صرف ہو گا۔ اس کے کرنے والے تھوڑے ہونگے اور جب تھوڑے ہونگے تو اس کا معاوضہ زیادہ لین گے۔ اس کے خلاف آسان اور کم خرچ کام بہت لوگ سیکھ لیتے ہیں۔ اور تھوڑی سی اجرت پر کرتے پھرتے ہیں اس زمانہ میں بھی کہ تعلیم اس قدر عام اور کم خرچ ہے۔ ایک عمدہ ڈاکٹر اور انجینئر کو جو تنخواہ ملتی ہے۔ وہ یونیورسٹی کے کسی اور ڈگری یافتہ کو نہیں ملتی۔ جو لوگ مینیکل انجینیری میں ذرا دستگاہ رکھتے ہیں وہ دفاتر کے عمدہ داروں سے زیادہ کماتے ہیں۔ معمار اور مستری بلکہ ورک شاپ کے کاریگر عام مدرسوں سے زیادہ تنخواہ پاتے ہیں۔ سوم۔ کام کا استقلال یا غیر استقلالی۔ جو ایسے کام ہیں کہ بارہ مہینہ چلے جاتے ہیں ان کو لوگ اس سبب سے کم اجرت پر کرتے ہیں کہ ان سے ہمیشہ اکتساب معاش ہوتا رہے گا لیکن عارضی خدمتوں کے لئے زیادہ معاوضہ مانگتے ہیں۔ تاکہ بیکاری کے زمانہ میں سہارا رہے۔

کام سیکھنے کی وقت  
یا سہولت

کام کا ہمیشہ  
جاری رہنا

پیدا کر لیتے ہیں جو ایک دفتر کے ہیڈ کلرک کو ملتا ہو۔ اور کلرک سے کہیں زیادہ مطمئن اور آسائش میں ہیں۔

نزدوری کی مقدار

جب کسی دفتر یا کسی کارخانہ میں کسی شخص کی خدمات کی ضرورت ہوتی ہے تو آقا (خواہ گورنمنٹ ہو یا ریلوے یا مالک کارخانہ یا کوئی اور) چاہتے ہیں۔ کہ کم سے کم معاوضہ پر ایسا شخص رکھیں جو اس کام کو بہت اچھے طور پر پورا کر سکے ملازم یہ کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک زیادہ ممکن ہو اس خدمت کا صلہ لین یا ایسے شخص کے پاس کام کریں جو ان کی خدمات کا سب سے زیادہ صلہ دینے کو مستعد ہو فیصلہ ضرورت کے ماتحت ہوتا ہے۔ اگر ایک کام کے کرنے والے تھوڑے ہیں اور ملک میں اس کی زیادہ قدر اور ضرورت ہے تو ان خدمات کے بڑے بڑے صلے ملتے ہیں لیکن اس کے خلاف اگر بہت سے آدمی ایک ہی کام کرنے کو آمادہ ہو جائیں تو خواہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا کام کیون نہ ہو اس کی قدر و قیمت بہت گھٹ جاتی ہے۔ اور بہت تھوڑا معاوضہ ملتا ہے۔ یہ معاوضہ اگر مستقلانہ یا ماحوار دیا جائے تو ”توتخواہ“ کہلاتا ہے۔ اور اگر کام کی مقدار پر کم و بیش ہوتا ہے۔ اور روزانہ یا ہفتہ وار دیا جائے یا صرف چند روز ہو تو ”نزدوری یا اجرت“ کہلاتا ہے

تخواہ

اجرت

۱۹۷۸ء اوم اسمتھ بیان کرتا ہے کہ مختلف کاموں میں اجرت کی کمی بیشی کے پانچ سبب ہوتے ہیں۔

اول تو کام ہی ایسا سہل اور خوش گوار ہو کہ لوگوں کو اس کے کرنے میں تکلیف یا کراہت نہ ہو ایسے کام کو بہت سے لوگ کرنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن اگر کوئی مشکل اور مکروہ کام ہے تو بہت تھوڑے سے لوگ ایسے ہوں گے جو اس کے کرنے پر آمادہ ہوں۔ اور اس سبب سے جو کچھ زیادہ اجرت بھی خاطر خواہ لے گا۔ مثلاً کان کھودنا۔ کہ زمین کے اندر کام کرنے میں بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس سبب سے کان کھودنے والوں سے کام کم لیا جاتا ہے اور انکو تخواہ میں

کام کی سہولت اور خوش گوارگی



کسی پیشہ میں  
کا ذکر نہیں

کسی پیشہ کو عمرگی سے کرنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان کی پوری توجہ اس طرف مائل ہو۔ صحت و صفائی اور قاعدہ کا لحاظ رکھنا جائے۔ رشتہ پر کام تیار کیا جائے۔ اور ضرورت کے مطابق بنایا جائے۔ باجمعی التزمین یہ تین بنیادیں معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ انسان کی نیک نامی خوشی بلکہ سرسبزی کا باعث ہوتی ہیں۔ کوئی بات اس سبب سے حقیقہ نہیں کہ وہ چھوٹی اور خفیف ہے انسان کی زندگی چھوٹے چھوٹے کاموں پر منقسم ہے۔ اور اگر ان میں ابتری نہیں جائے تو کوئی بڑا کام وقت پر نہیں ہو سکتا۔ یہی چھوٹی باتیں ہیں جو ایک انسان کا بلکہ ایک قوم کا رویہ ظاہر کرتی ہیں۔ اور جب ان کی ابتری عام ہو جاتی ہے تو ملک کے ملک تباہ کر دیتی ہیں۔ ہر انسان کے لئے کام اور فرض مقرر ہیں اور ضرور ہے کہ انسان میں ان فرائض کو انجام دینے کی لیاقت ہو۔ یہ فرض خود خانہ داری کا انتظام ہو یا تجارت یا دوکانداری۔ یا مزدوری یا ملازمت یا محکمہ اور اقوام کا انتظام یا سیاست جو شخص اپنے فرض کو ادا نہیں کرتا وہ خود اپنے تئیں برباد کرتا ہے اور دوسروں کو تکلیف میں ڈالتا ہے۔ کاروباری آدمی کی ترقی کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ جزوی اور فروعی امور کو نہ بگڑنے دے ورنہ اصلی مقاصد غارت اور برباد ہو جائیں گے۔ کام کے دیر میں کرنے کا مضائقہ نہیں۔ لیکن جو کام ہو کامل توجہ اور پوری احتیاط سے کیا جائے۔ کام شروع کرنے سے پہلے تھوڑا سوچ لینا کام کو جلدی ختم کرتا ہے۔ جلد بازار بے سوچے سمجھے کام کرنا آدمی ہمیشہ وقت میں پھنسے رہتے ہیں۔ کام کی عمرگی کام کرنے کے طریقہ پر منحصر ہے۔ جس طرح ایک خوش سلیقہ شخص چھوٹی سی جگہ میں بہت سا اسباب چن دیتا ہے اور وہ نظر میں خوش نما معلوم ہوتا ہے اسی طرح خوش فکر لوگ ہر کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔ بڑے بڑے کامی آدمیوں کا طریقہ ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک کام کرتے ہیں اور اس کو پورا کر کے چھوڑتے ہیں آسان کام کو پہلے اور مشکل کو بعد نہیں کرتے۔ بلکہ جگہ کی ضرورت ہو

چہارم۔ ملازمن کا اعتبار۔ بہت سے کام ایسے ہیں جن میں ملازمن کی دیانت داری پر پورا اعتماد اور بھروسہ درکار ہوتا ہے اور اس پر بھی ان سے ضمانت لی جاتی ہے۔ مثلاً خطوط رسان۔ بنک کے مہاجن۔ اسجن ڈرائیور۔ ریلوے گارڈ۔ کہ لوگوں کے جان و مال ان کے سپرد ہوتے ہیں۔ جس قدر زیادہ کسی کام میں اعتماد کی ضرورت ہے۔ اسی قدر زیادہ اس کی اجرت ہے۔

پنجم۔ کام میں کامیابی یا ناکامی کا امکان۔ جن کاموں میں کامیابی یقین ہوتا ہے وہ کام لوگ خوشی سے کرتے ہیں۔ اور جن میں کامیابی کا یقین نہ ہو اس کو بعض منچلے ہی اختیار کرتے ہیں۔ اس سبب سے ایسے کاموں میں زیادہ اجرت دینی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک موچی اپنے پیشہ میں یقیناً کامیاب ہو سکتا ہے لیکن بیرسٹر اگر فیل ہو جائے تو کسی کام کا نہیں رہتا۔ اس سبب سے کامیاب بیرسٹر بڑی بڑی فیس لیتے ہیں۔

#### ۴۔ کاروباری آدمی

خواہ وہ شخص جو دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے خواہ وہ تجارت ہو یا کوئی پیشہ یا ملازمت یا وکالت۔ کاروباری آدمی کہلاتا ہے۔ انسان کو دوسروں کے ساتھ معاملہ پڑنا لازمی اور ضروری بات ہے۔ اور حسن انتظام تمدن کے لئے معاملت میں صداقت۔ دیانت۔ راستبازی۔ پابندی وقت کا لحاظ رکھنا ضرور ہے۔ کشادہ دلی۔ مروت۔ راست گفتاری۔ ایمانداری اور تمام اخلاقی اصول معاملات کو فروغ دیتے اور سہولت پیدا کرتے ہیں۔ دنیا کے بازار معاملات کا مدرسہ ہیں۔ ایک دانشمند آدمی اس مدرسہ میں رہ کر نازک وقت میں کام چلانا بہت آدھوں سے محنت کے کام لینا انسانی طبائع کو پہچانتا اور مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنا سیکھتا ہے اور اس طرح اس کا تجربہ ہر روز اسے کوئی نئی بات سکھاتا ہے۔ اور یہ انسانیت کی بہت بڑی شان ہے۔ اس طرح کاروبار کی عمدگی انسان کو انسان بناتی ہے۔ اور بد معاملگی خراب و رسوا کرتی ہے

اخلاق معاملت  
میں ترقی دینا

جب لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلان شخص سچ بولتا ہے۔ اور ہر چیز کے عیب اور صواب صاف کہہ دیتا ہے۔ تو ان کو اس سے معاملہ کرنا سہل اور قابل اطمینان معلوم ہوتا ہے۔ سچائی کے بغیر انسان کی عزت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ایک سوداگر۔ صناع۔ وکیل۔ ملازم کو اپنی عزت کی ایسی پاسداری ہوتی ہے۔ جیسے کہ رئیس یا عالم یا حاکم کو ہو۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بددیانت آدمی اوّل اوّل فروغ پاتے ہیں۔ یہ فروغ نہایت ناپائدار ہوتا ہے۔ اور بہت جلد ہی ان کی بددیانتی لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے۔ راستباز آدمی اگرچہ دیر میں پھلتے ہیں لیکن اخیر میں یہ زیادہ نفع میں رہتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایسی ناکامی جس میں عزت و وقعت قائم رہے۔ بے آبروئی کی کامیابی سے بدرجہا بہتر ہے۔

پہلے اُسے انجام دیتے ہیں خواہ کتنی محنت کتنا ہی وقت صرف کیوں نہ ہو۔  
 بڑے یا ضروری کام نوکروں یا ایجنٹوں پر چھوڑنا کام خراب کرنا ہے۔ دوسرے  
 لوگوں کے چونکہ ذاتی اغراض شامل نہیں ہوتے وہ اس توجہ اور دلسوزی  
 سے کام انجام نہیں دیتے جیسا کہ خود اہل معاملہ اور اس سبب سے یا خراب  
 کرتے ہیں یا دیر کرتے یا بالکل نہیں کرتے۔ اول وہ کام انجام دینے چاہتے ہیں  
 جو پہلے کرنے کے ہیں اور فرصت و تفریح کا وقت کام کرنے کے اوقات کے  
 بعد مقرر کیا جائے نہ کہ کام سے پہلے۔ پہلے کاموں کی ابتری کچھلے کاموں کو بھی  
 خراب کرتی ہے اور انسان کا دماغ ایسا پریشان ہو جاتا ہے۔ کہ پھر وہ کسی کام  
 کو نہیں سنوار سکتا۔ وقت پر کام کرنا ترقی کا زینہ ہے۔ وقت پر کام کرنے سے  
 فرصت کا وقت بہت زیادہ نکلتا ہے۔ وہ تفریح کے علاوہ تہذیب نفس اور  
 تکمیل علم کے کاموں میں یا دوسرے مفید مشاغل میں استعمال کیا جاسکتا ہے  
 جو لوگ وقت پر کام نہیں کرتے وہ گھبراہٹ۔ جلدی۔ وقت و تکلیف میں ایسے  
 پھنسے رہتے ہیں کہ ان کو زندگی تلخ اور وبال معلوم ہونے لگتی ہے۔ جو لوگ  
 پابندی وقت کی دوڑ میں پیچھے رہتے ہیں وہ حصول مقصد میں بھی پیچھے رہتے  
 ہیں۔ اور چونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملات میں دوسرے لوگوں کا وقت  
 بھی ضائع ہوتا ہے اکثر ان سے معاملہ نہیں کرنا چاہتے۔ قوت ادراک اور فہم  
 اگرچہ قدرت سے عطا ہوتی ہیں لیکن تجربہ کی کثرت اور تخیل کو قوت دینے سے  
 بھی یہ قوت بڑھتی ہے اور کارباری آدمی کے لئے یہ دونوں صفتیں بہت  
 ضروری ہیں۔ تاکہ اس کو جن لوگوں سے کام پڑے۔ ان کی عادات اور خصائل  
 و ضروریات کو سمجھ سکے۔ اور اپنا کام سہولت اور نرمی سے لے سکے۔ افعال میں  
 دیانت اور اقوال میں صداقت بھی کارباری آدمی کے لئے ضرور ہے۔ اس سے  
 نیکنامی اور شہرت حاصل ہوتی ہے۔ اور بہت سے لوگ صداقت شعار سے  
 معاملہ کرنا پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح اخلاق کی عمدگی اشتہار کا کام دیتی ہے



# باب سوم

## بنائے جنس کے ساتھ مدارات

۱۔ عام لوگوں کے ساتھ مدارات کا مرتبہ

اور لوگوں کے ساتھ اپنے ہون یا پرانے دوست بن یا دشمن ہونا۔  
ہون یا اجنبی جس طرح ہم پیش آتے ہیں اوس کا نام مدارات ہے۔ مدارات ممکن  
ہے کہ اچھی ہو یا بُری۔ اگر اچھی ہے تو معمولی کام بھی طریقہ مدارات کی عملگی کے  
سبب خوش نما اور ولی خوش کن ہوتے ہیں۔ اگر اگر بُری ہے تو جتنے کام بھی  
دل آزار معلوم ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً نصیحت ہو دوسرے کو خاص نفع پہنچانے  
اور اوس کی بھی خواہی کی خاطر کی جائے اگر سخت الفاظ ہون کی جائے گی تو  
سننے والے تنفر ہون گے اور وہ دوستی و شہنی اور نکتہ چینی خیال کی جائیگی۔ لیکن  
اگر اوسی مطلب کو مہربانی اور خوش اخلاقی سے ادا کیا جائے تو لوگ نہ صرف  
قبول کریں گے بلکہ اوس بیش بہا رائے دینے کے شکر گزار ہون گے۔ خوش اخلاقی  
تمام ایسے کاموں کو جن میں دوسروں کی شرکت کی ضرورت ہے سہل کر دیتی ہے۔  
تہن کے تعلقات میں لطف و محبت پیدا کرتی ہے۔ اور سرانجام امور دنیا میں  
بہت کچھ مدد دیتی ہے۔ کچھ خلقی دلوں میں رنجش اور کبیدگی پیدا کر کے لوگوں کو  
ایک دوسرے سے الگ کرتی اور سرانجام امور میں سب راہ ہوتی ہے۔ کسی کا  
قول ہے کہ خندہ پیشانی ہونا خوبصورت ہونے سے بہتر ہے اچھی اچھی تصویر  
یا صورتوں کو دیکھ کر کوئی اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا خوش اخلاق آدمی سے ملے۔

چند مہربانی کے الفاظ یا جملہ دل کو موہ لینے کو کافی ہوتے ہیں یا کوئی  
دُرا سا فعل یا کوئی عنایت دل میں گھر کر لیتی ہے۔ ہمارے افعال و اقوال سے

دوستان جیسی کہ  
ساتھ مدد

حقیقی دوستوں کے ساتھ خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے دلی خلوص محبت عزت اور یگانگت سے پیش آنا اور ان کے رنج و راحت میں شریک ہونا اور ان کی مدد کرنا۔ اپنی مشکلات کے وقت ان سے مشورہ کرنا بلکہ ہر قسم کی مدد طلب کرنا جائز ہے۔

دوستان غیر حقیقی کہ  
ساتھ مدد

دوستان غیر حقیقی سے بھی جو صرف زبانی باتیں بناتے اور تعلق و ظاہر داری سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں مہربانی اور کشادہ پیشانی سے پیش آنا اور اپنی استطاعت کے موافق ان کی حاجت روائی کرنا مناسب ہے تاکہ دوستی کو ترقی ہو۔ اور رفتہ رفتہ حقیقی دوست کے درجہ پر پہنچ جائیں۔ لیکن ان لوگوں سے اپنے راز چھپانے چاہئیں۔ اور بہت اعتماد و بھروسہ نہ کیا جائے۔

دشمنوں کے ساتھ  
مدد رات

دشمنوں کے ساتھ اگر مدارات اور تلطف سے کام چلے تو ضرور ہے کہ ان کے دل میں گھر کر کے سبب دشمنی کو زائل کیا جائے۔ تاکہ اگر وہ دوست نہ بنیں تو دشمن بھی نہ رہیں۔ اگر یہ مطلب روپیہ صرف کر کے بھی حاصل ہو سکے تو ہرگز دریغ نہ کرنا چاہئے۔ اس شخص سے زیادہ کون بے فکر ہو سکتا ہے جس کا کوئی دشمن نہ ہو اور اگر دشمن اظہار دشمنی نہ کرے۔ تو خود اسے کبھی نہیں چھیڑنا چاہئے۔ بلکہ اس کی بہت سی ناپسندیدہ باتوں کا تحمل کرنا اور ٹال جانا مناسب ہے۔ تاکہ عداوت زیادہ نہ ہو۔ بڑے انسوس کی بات ہے کہ عمر گزارنا یہ فتنہ و فساد میں کٹے اور آتش غضب دل کو جلا کر خاک کرے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ انسان دشمن کے حالات اور عیوب سے واقفیت حاصل کرے۔ اور جہاں تک ممکن ہو اس پر قبا بوبانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن نہ اس طرح کہ آشکارا ہو یا اسے دشمنی کا اور موقع ملے۔ بلکہ اس طرح کہ اگر وہ دشمنی پر جا رہے تو اس کی مضر تون کو دور کرنے کے لئے کام آسکے۔ اور اگر دشمنی سے باز آئے اور صلح کی طرف مائل ہو تو اپنی کارروائیوں سے نہ اسے آگاہی ہو نہ یہ کارروائیاں صلح میں مارج ہوں۔



میں نہ کھنا انسانیت کے خلاف ہے چہ جائیکہ عام بتاؤ میں۔ لوگوں کی آنکھوں کو اپنے اوصاف و اطوار حرکات و سکنات کی نگاہ سے اور کانوں کو اپنی شبیہیں کلامی سے اپنی طرف متوجہ کر لو اور پھر یقین جانو کہ ان کے دل بھی تمہاری طرف پھینچ آئیں گے۔

۳۔ بری دلی  
کوہ تنہا خلقی  
کی ضرورت

ایک کاروباری آدمی کے لئے خوش اخلاقی بہت ہی ضروری اور لازمی خدمت ہے کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے آدمی سے معاملہ کرنا پسند نہیں کرتا جس کی بد مزاجی کے سبب اس سے مل کر خوشی تو نہ ماحصل ہو اور طبیعت کو کوفت اور انقباض اٹھانا پڑے۔ اس لئے تاجروں، صنعتکاروں، وکیلوں، اور کل ملازمیت پیشہ اشخاص کو اپنا طریقہ مدارات بہت ہی دلچسپ رکھنا چاہئے۔ اور صرف محکموں یا دہلی درجہ کے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ ہاکموں اور اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو بھی۔ کیونکہ اگر ادنیٰ درجہ کے لوگ اپنی بد مزاجی کے سبب اس معاملہ تو رخصتی نہ رکھ سکیں گے اور اپنے کاروبار میں نقصان ڈالیں گے تو اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی اپنی کج خلقی سے لوگوں اور محکموں کو اپنے سے بدظن کر کے ان کو متذکر کر لیں گے۔ اور وہ نہ تو کوئی خدمت دل سے انجام دیں گے نہ ان کی طبیعت میں وفاداری اور محبت قائم رہے گی۔ اور اس طرح جب موقع بنیگا علیحدگی اختیار کریں گے یا نقصان پہنچائیں گے۔

مختلف لوگوں کے  
ساتھ مدارات کے  
طریقے

یہ سچ ہے کہ ہمیں لوگوں کے ساتھ مہربانی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہئے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے لوگوں کی بدخلقی یا اُن برائیوں کا جو اُن میں ہن بالکل خیال نہ کریں۔ یا اپنے برتاؤ میں احتیاط کا خیال رکھیں بلکہ ہر شخص کے ساتھ اس کی حالت اور طبیعت کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے اگر کوئی شخص بد اطوار ہے تو یہ ضرور نہیں کہ اس سے اعتنا نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ اس قدر شیر و شکر ہوں کہ خود ہمیں نقصان پہنچے۔ بلکہ ہر طبقہ کے ساتھ مدارات کے طریقے جدا جدا ہوں۔

برداشت کریں یہ لوگ گویا تنخواہ نہیں دیتے۔ احسان کرتے ہیں۔ اور اپنے راحت و آرام کے آگے نوکر کی جان اور آرام کا ذرا لحاظ نہیں کرتے۔ اور اس کو کوٹھو کے پیل کی طرح دن رات پیلنا چاہتے ہیں۔ ایسے نوکر یا تو بد دل ہو کر نوکری چھوڑ دیتے ہیں۔ یا بد دلی کے سبب اچھی طرح کام انجام نہیں دیتے۔ جب ان سے بہت سے غیر ضروری کام لئے جاتے ہیں۔ تو وہ ضروری کاموں میں غفلت کرنے کے کادی ہو جاتے ہیں۔ اور عذیم الفرصتی کا بہ نہ بتا دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کے خادم اس کی بہت اچھی طرح خدمت کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ نوکروں کے ساتھ رعایت کرتے ہیں۔ اور ان کی عقل اور طاقت کے موافق ان سے کام لیتے ہیں۔ ہر شخص کا کام اور وقت مخصوص کر دیتے ہیں اور ان کو اتنی محنت دیتے ہیں کہ وہ اپنی ضروریات بھی پوری کریں یا آرام لے لیں خدمتگاری نفسہ اتنے خود غرض اور کام چور نہیں ہوتے جتنے آقاؤں کی بے تیرگی اور خود غرضی سے کابل اور ننگ حرام بن جاتے ہیں۔ کیونکہ آقا بعض وقت نوکروں کو غیر ضروری تکلیف دیتے ہیں اور جب وہ تھکے ہوئے ہوں۔ یا کھانا کھا رہے ہوں اس وقت ایسے کاموں کا حکم کرتے ہیں۔ جو ایک عرصہ بعد بھی اچھی طرح ہو سکتے ہیں۔ یا بعض کاموں کے کرنے کا بے وقت حکم دیتے ہیں۔ اور اپنی بھول یا غفلت کا الزام نوکروں کے سر رکھتے ہیں یا ذرا سی غفلت اور کام خراب ہونے پر بے تکلفی کے نوکروں کو رجوع و توبیح شروع کر دیتے ہیں۔

### ۴۔ ہمدردی

ہمدردی اس خصلت کا نام ہے جس سے دوسروں کو خوش حال دیکھ کر خوشی ہوتی ہے اور جو دوسروں کی تکلیف میں مدد دینے کی باعزت ہوتی ہے یہ تعلق جب صرف ایک شخص کے ساتھ ہو تو دوستی یا اتحاد کہلاتا ہے۔ اور جب ایسے بہت سے آدمیوں پر رحم آئے جو تکلیف میں مبتلا ہوں تو اس کا نام رحم ہے۔ یہ تعلق جب اور وسیع ہو یا ساری قوم کے حال پر شفقت ہو تو قومی محبت

مرد لوگوں کے  
سرخہ درازت

انسان کو ایسے بہت سے اشیا سے گرسا ہے کہ نہ تو اس کا آہستہ ہوتا ہو  
جو نہ دوست ہو اور نہ دشمن اور ان کے ساتھ گزارا کرنے کے لئے دست بڑھی  
مردم شناسی کی ضرورت ہے۔ کہ ب کا قیام آسان ہے لیکن لوگوں کی طبیعت  
اور فطرت کا مطالعہ کرنا بہت مشکل ہے۔ طریقہ معاشرت یہ ہونا چاہئے کہ ہر  
ادنیٰ اور اعلیٰ کا اوس کے مرتبہ کے موافق اغراض کیا جائے اور اپنے کسی قول و  
فعل بلکہ کسی حرکت سے بھی اوس کی دل آزاری یا تضحیک نہ کی جائے۔ اگر  
ممکن ہو تو حسب موقع انہما را خلاص یا مناسب معاونت سے اوس کے دل میں  
دوستی اور محبت قائم کریں۔ تاکہ ہر شخص حسن اخلاق کا مداح رہے۔ اور اگر  
ایک مدت تک اوس کے ساتھ موافقت کا اتفاق ہو تو دوست بن جائے۔ لیکن  
پہلے ہی کسی کی ظاہری باتوں پر فریفتہ ہو کر اوس سے شیر و شکر ہونا اور اپنا ارزا  
بنانا یا بغیر امتحان کئے اوس پر اعتماد کرنا احتیاط کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ  
وہ خود غرض ہو اور کچھ اپنا کام نہ کرنے کے لئے اظہار موافقت کرتا ہو۔ لیکن اتنی  
بدگمانی بھی نہیں چاہئے کہ خواہ مخواہ کسی کو اپنا مخالف یا دشمن سمجھ لیں۔

## ۲۔ سیاست خدم

نوکر بہت سی تنخواہ دینے سے ان سے راضی نہیں رہتے جتنی نرمی اور نسبت  
کے برتاؤ سے خوش ہوتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنی ذاتی عزت و وقعت کا کچھ نہ کچھ  
خیال ہوتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ اوس کے خلاف برتاؤ کیا جائے تو  
وہ چڑ جاتا ہے۔ بلکہ بد زبان آقاؤں کی عزت خادموں کے دل میں باقی نہیں  
رہتی۔ جو لوگ اپنے نوکروں کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں اور  
ان کو بُرے الفاظ نہیں کہتے نوکر ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور ایسے آقاؤں  
کی خدمت دلی جوش سے کرتے اور ان کے راحت اور آرام کا خیال رکھتے ہیں  
ان کی خدمت بد دلی سے نہیں بلکہ طبعی جوش اور خواہش سے ہوتی ہے۔ آقا  
اکثر چاہتے ہیں کہ نوکر ایسے بے نفس ہوں کہ وہ ان کے ہر بُرے لفظ اور بُری عادت

نوکران کے  
مہربانی

اپنا ہاتھ پاؤں سے۔ زبان سے۔ قلم سے۔ رہبر سے۔ نصیحت سے۔ بلاست سے۔  
 غرض جس طرح کسی کو کوئی اصل فائدہ نہ مل سکے۔ اس سے پہلے ہی میں جی رین  
 اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہرت۔ منکر۔ بڑا دکھانے والا۔ پاپا کی تائید۔ اعتبار و وقعت  
 قائم کرنے کے لئے اکثر کوئی نام نہ نہ دے گا اس میں تو غریب ہو جائے ہیں مگر اس  
 پاس کے حاجت مندوں کی خبر نہیں جیتا۔ برا سنی لیکر رزم یہ ہے کہ سب سے پہلے  
 قریبی حاجت مندوں کی حاجتیں روا کی جائیں۔ اپنا شہر۔ اپنی قوم۔ اپنا ملک۔ قول  
 ہمدردی کا مستحق ہے۔ اور پھر کل اپنا سے جس۔ قدرت جس طرح کسی کو دے گی  
 سزا دے بغیر نہیں رہتی۔ کسی بھلائی کے لئے بے انعام بھی نہیں چھوڑتی۔ درخت  
 پر مہربانی کرنے سے خود اپنی خوشیاں زیادہ پائی ہیں۔ سینکڑا کو قول ہے کہ  
 ”جو لوگ اوروں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں وہ اپنے ہی حق میں بھلا کرتے ہیں  
 کیونکہ ان کے فعل کا نتیجہ بلکہ خود وہ فعل ہی ان کی ذاتی بھلائی کا باعث  
 ہوتا ہے۔ اور اچھے کام کرنے کا یقین ہی صبیحت کے واسطے اچھے درجہ کا  
 انعام ہے۔“

عالی حوصلہ اشتیاق اپنی تن پروری نہیں کرتے بلکہ اپنا وقت۔ اپنا دل۔  
 دوسروں کی بہبودی اور قوم کی ترقی کے واسطے صرف کر دیتے ہیں حتیٰ لامتناہی  
 سوسائٹی کی خرابی کو رفع اور تکلیف کو دور کرنے میں سعی کرتے ہیں۔ فیاضی دل  
 سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ ہاتھوں سے تقسیم مال و دولت صرف دلی جہر کے انہماک۔  
 کا ایک طریقہ ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص جو ذرا بھی دوست مند ہو اور کسی کو  
 کچھ بھی نہ دیتا ہو یا نہ دے سکتا ہو فیاض ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ کسی اور کے ساتھ  
 کسی طرح کی بھلائی کرنے میں یا اس کو کسی قسم کی خوشی پہنچانے میں وہ کچھ کرتا  
 ہے یا نہیں۔ فیاضی وہی خواہی خلاق ایک طبعی خصیصہ ہے۔ جس کا ناقص  
 یہ ہے کہ انسان اوروں کی محبت۔ ہمدردی و مدد پر بلا تکلف مائل ہوتا ہے  
 و محتاجوں کی معاونت کرتا ہے۔

کہلاتا ہے۔ اور جب تمام انسانوں کے ساتھ یہ تعلق ہو تو اس کا نام انسانی بہادر رکھا جاتا ہے۔

بہادر کی کاوش

مہربان اور رحم دل اشخاص اور ون کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا خود اپنے لئے چاہتے ہیں۔ بے سبب کسی کی دل آزاری یا خاطر شکنی کرنا تو درکنار ذرا ذرا سی باتوں میں بھی اور ون کو خوشی پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے کیونکہ اور ون کو راحت پہنچانے کی کوشش کرنے سے خواہ خفیف ہی کیون ہو طبیعت میں خوشی اور اُلو العز می پیدا ہوتی ہے جو روح کو ترقی دیتی اور انسان کو اعلیٰ مرتبہ کی طرف اُبھارتی ہے۔ ظاہری برتاؤ سے ہی لوگ دلی مہربانی اور باطنی خوبی کو جان سکتے ہیں۔ پس انسان کے افعال و اقوال دونوں ایسے شائستہ ہونے چاہئیں کہ زمانہ اوس کی حسن اخلاق کا گرویدہ رہے۔ ان صرف باتیں ہی باتیں اور ظاہری مدارات نہ ہو بلکہ اوس میں صداقت بھی شامل ہو۔ جس طرح امیرون کی خوشامد کرنا نازیبا ہے اسی طرح غریبوں کو حقارت سے دیکھنا بھی ناروا ہے۔ بلکہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے سے انسان عند اللہ ماجور اور عبد الناس مشکور ہوتا ہے۔ رشتہ داروں اور اور ایسے لوگوں سے تو جن سے قدرت نے محبت کے رشتہ میں جکڑ دیا ہے سب ہی محبت کیا کرتے ہیں۔ انسانیت یہ ہے کہ غریبوں کے ساتھ اپنوں سے زیادہ عمدہ برتاؤ ہو اور اپنے ملک اپنی قوم اپنے اہلے جس کے واسطے خواہ تکلیفیں سہین مصیبتیں جھیلیں ہدف سہام ملاست بنیں۔ مگر سعی کریں اور نہ کسی سے صلہ کی تمنا ہو نہ انعام کی خواہش۔ یہ صفت اوس وقت پیدا ہوتی ہے کہ انسان خود غرضی کو دور کرے اور اپنی نفسانی اور ذاتی خواہشوں کے پورا کرنے میں ساری ہمت نہ صرف کر دے۔ ہم دنیا میں بعض جانوروں کی طرح بے لگاؤ نہیں پیدا ہوئے بلکہ قدرت نے ہمیں مدنی بالطبع بنایا ہے اور ہمارا اغراض اور حاجتیں ایک دوسرے سے وابستہ کی گئی ہیں تاکہ لوگوں میں سلوک اور بہادر دی پیدا ہو۔ سب ملکر رہیں۔ عدالت اور محبت کے قوانین پر عمل کریں۔

انسانیت

بخشنے سے نہ تو دوسروں کے خراب ہونے کا اندیشہ ہونے اوس پر رحم کرنا انصاف کے خلاف ہو۔ ورنہ ایسے شخص پر ہم کرنا دوسروں پر ظلم کرنا ہے۔

انسان تو انسان جانورون سے بھی بدسلوکی خست نفس اور سنگدلی کی علامت ہے۔ جو شخص بے زبان جانورون پر رحم نہ کرے ہرگز اوس کے دل میں رحم کا مادہ نہیں۔ اگر وہ اپنے اپناے جنس کے ساتھ برے سلوک نہیں کرتا تو یا تو اسے کوکون کی شکایت کا خوف ہے یا حاکم کے انصاف کا ڈر ہے۔ بے چارے بے زبان جانور بھی جان رکھتے ہیں۔ ان کو بھی عقل حیوانی دی گئی ہے۔ خوف ان کے دل پر طاری ہوتا ہے۔ آرام و مہربانی سے خوش ہوتے ہیں۔ تکلیف سے بھاگتے ہیں۔ ڈر سے کانپتے ہیں۔ محنت سے تھکتے ہیں۔ بھوک پیاس مار پیٹ اور بدسلوکی سے متاؤمی ہوتے ہیں۔ واویلا کرتے ہیں۔ غرض وہ بے حس نہیں ہیں پھر کس طرح اون پر ظلم روا رکھا جائے۔ اگر وہ انسان کی طرح نہیں بولتے تو زبان حال سے اظہار کے بغیر نہیں رہتے۔ پس جو شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جانورون میں جس موجود ہے اور پھر عمداً اُن کو تکلیف دیتا ہے سنگدلی نہیں تو کیا ہے۔ اوسے صرف اس قدر خیال کر لینا چاہئے کہ اگر کوئی زبردست اسی طرح اوس کے ساتھ سلوک کرے اور منہ بند کر کے اُن بھی نہ کرنے دے تو اوس پر کیا گزرے گی۔

زیر پائیت گردانی حال مور ہچو حال تست زیر پائے پیل

جانور بھی خدا نے پیدا کئے ہیں نہ انسان نے۔ پس انسان کو کسی طرح حق نہیں ہے کہ خدا کی مخلوق کو بلا وجہ آزار دے۔ اگرچہ انسان دنیا میں ایشرف و افضل بنایا گیا ہے لیکن اوس کے حقوق غیر متناہی نہیں ہیں اور وہ اپنے اعمال کا جواب دہ بھی ہے۔ جانور ہماری خدمت کے لئے ہیں مگر یہ فرض ہے کہ اوس سے مناسب خدمت لی جائے اور طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔ اور اون کے ساتھ بے پروائی یا بدسلوکی نہ کی جائے۔ یہ بھی فرض ہے کہ اون کی پرداخت اور نگہداشت پوری پوری طرح کریں۔ اون کو بھوکا نہ ماریں۔ اون کے آرام کا

جانورون سے  
بدسلوکی

ہمدی پیدا کرنا  
طریقہ

دوسروں کے ساتھ ہمدی پیدا کرنے کا بہترین طریق یہ ہے کہ انسان یہ سوچے کہ اگر ہم اس کی جگہ اس حالت میں ہوتے تو ہم پر کیا گزرتی۔ اور پھر یہ خیال کرے کہ انقلابات زمانہ کے آگے اس حالت میں گزرتا رہنا ناممکن ہے نہ بعید۔ زمانہ کو نہ بگاڑتے ویرنگے نہ بناتے۔ پھر شاید بہن بھی کبھی ایسی ہی نازک حالت میں کسی کی مدد کی ضرورت ہو۔

ہمدی ایک برقی قوت ہے کہ دونوں میں دوڑی ہوئی ہے اور قوی سے نکل کر گزرتی رہتی ہے باہمی ہمدی سے نہ صرف غم غلط ہوتے ہیں بلکہ ٹولی ہوتی ہمتیں پھر بندھ جاتی ہیں۔ مہربانی آمیز کلمات اور ہمدی و ان الطاف و لون کو تقویت دیتے ہیں۔ ہمدی۔ ظلم۔ جہالت۔ مصیبت پر اپنا متبرک ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور لوگوں کو کم کرنے اور تسکین دینے کی کوشش کرتی ہے۔

ہمدی کا اثر

ہمدی بنی نوع انسان کو افلاس اور نکت سے نکال کر اون کی حالتوں کو درست اور درجہ کو بلند اور قابلیتوں کو مکمل کرتی ہے۔ ہمدی تہذیب کو دور دور تک پھیلاتی ہے اور لوگوں کو اخوت اور یگانگت کا سبق پڑھاتی ہے۔ پس جن لوگوں کو خدا نے دولت و قدرت۔ علم۔ لیاقت۔ ہمت دی ہے۔ اون کا فرض ہے کہ وقت کا کچھ حصہ عوام کی بھی خواہی میں صرف کریں۔ جس قدر ہم کسی شخص سے محبت کرتے ہیں اسی قدر اوس کے رنج ہمارے رنج اور اوس کی خوشیاں ہماری خوشیاں ہو جاتی ہیں۔ ہمسایوں سے محبت۔ اور اپنا بے جس کی کارروائی اور معاونت۔ لوگوں کی تکالیف اور مصیبت کو کم کرنے کی خواہش اور دنیا کو زیادہ خوش اور زیادہ بہتر حالت میں چھوڑنے کی آرزو نہ صرف دوسروں ہی کو آرام و راحت پہنچانے کا باعث ہوتی ہے بلکہ اپنی خوشی کی مقدار بھی دو چہد بلکہ وہ چند کر دیتی ہے۔ اپنے سے کمزور یا اونے درجہ کے آدمیوں پر رحم نہ کرنا نہ صرف سنگ دلی ہے بلکہ خلاف شان انسانیت ہے۔ اس کے علاوہ خطا وار۔ گنہگار۔ پر رحم کرنا بھی ہمت و حوصلہ کا کام ہے۔ ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ اوس کی خطا



کی بات ہے کہ اس اسید پر کہ تھوڑے سے اچھے پھل کھانے کو ملین گئے گئے نہیں کہ  
دست کرتے اور پانچ لگاتے ہیں اور محبت کی زمین پین جڑ سائیت فائدہ بخش اور  
بہت زرخیز ہے اور جہاں سے کہ نہرہ تھوڑا پھل ملے پیشی ہیں کچھ بھی نہیں بولے  
دنیا کی سیر خوشی آرام راحت کے سامان دوستوں کے گھر پر ضرور معلوم  
ہوتے ہیں اور معمولی دل چسپان دوستوں کے ساتھ نہایت دل خوش کن اور  
فرحت بخش ہوتی ہیں۔ سب سے زیادہ قابل قدر دوستوں کی صلاح ہے کہ چونکہ  
غیروں کو چونکہ پوری پوری ہمدردی نہیں ہوتی اون کی رائے یا تو سرسری ہوتی  
ہے یا کسی نہ کسی طرف داری پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن کتاب ہے کہ اپنے معاملات میں  
کسی شخص کی اپنی صلاح اور دوست کی صلاح میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ خوش  
اور آزادی میں ہے۔ کیونکہ انسان اپنے نفس کے دھوکہ میں بہت گرفتار ہوتا  
ہے اور اپنے نفسانی دھوکہ سے بچنے کا علاج دوست کی آزادی سے زیادہ  
نہیں دوست کی وفاداری۔ جان نثاری۔ مدد کی مثالوں سے تاریخ کے صفحہ  
بھرے پڑے ہیں۔ دوستانہ ہمدردی۔ اُلوالعزمی۔ شرافت۔ دلیری کا نشان  
ہے۔ بہت سے کام انسان اپنے واسطے نہیں کر سکتا مثلاً اپنے اوصاف یا قابلیتوں  
کی ستائش۔ لیکن دوست اسے شہرت دیتے ہیں۔ یا مثلاً نامکمل کام اور  
بعض تمنائیں جو موت پوری نہیں کرنے دیتی دوست ہمارے موافق انھیں  
پورا کر دیتے ہیں۔

سچے دوست خوشامد نہیں کرتے بلکہ عیوب پر ملامت کرتے ہیں وہ جس  
طرح دوست کے محاسن اخلاق کو دنیا میں شہرت دیتے ہیں۔ اسی طرح اوس کے  
عیوب کو اوس کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ اور پوری نکتہ چینی سے کام لیتے ہیں  
مگر اس کا مطلب اصلاح اور دوست کی ہی خواہی ہوتا ہے تاکہ وہ اور ان کی  
نظروں میں حقیر نہ ہو۔ اور اوس کا دامن کمال داغ عیوب سے پاک و صاف  
نظر آئے۔ ایسے دوستوں سے کہ صرف تعریفیں ہی کریں دشمن بہتر کہ اون کی

دوستوں کی  
نکتہ چینی

بھی خیال رکھیں۔ افسوس ہے کہ کچھ تو دلون میں رحم کم ہے اور کچھ بے پروائی نے ان مظلوموں پر اور ستم ڈھا رکھا ہے۔

## ۴۔ دوستی

اگرچہ ہمدردی۔ رحم۔ التفات ہر شخص کے ساتھ ہونا چاہئے الا اگر خاص خاص اشخاص کے ساتھ خاص خاص روابط ہوں اور دلی تعلقات زیادہ تر باہمی ہوتا و اتحاد کا سبب ہوں تو ناجائز نہیں بلکہ مناسب ہے۔ کیونکہ دوست باہمی فوائد کو ترقی دینے میں ساعی اور مدد ہوتے ہیں۔ انسان کو بمقتضائے فطرت کسی غمگسار ہمدرد۔ بے تکلف مجلس کی ضرورت ہے کہ مصیبت میں دل بہلانے والا ضرورت میں کام آنے والا۔ وقتوں میں ہاتھ بٹانے والا ہونیز عمدہ مشیر۔ صلاح کار اور ناصح ہو۔ لیکن کا قول ہے کہ ”وفادار دوست عمدہ پناہ ہے اور جسے ایسا دوست مل گیا اسے بیش بہا خزانہ مل گیا“ لہٰذا کا قول ہے کہ ”دوستی انسان کی زندگی کا جو ہر ہے“ سچا دوست ایک قیمتی خزانہ سے زیادہ بہتر اور زیادہ بکار آمد ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ فی زمانہ روپیہ حاصل کرنے کے لئے تو بہت سی کھپڑ اٹھائی جاتی ہے لیکن کسی کو دوست بنانے کے لئے ذرا بھی تکلیف نہیں اٹھاتے۔ سقراط کا قول ہے کہ لوگ مکان۔ زمین۔ غلام۔ مولیشی اور طرح طرح کی چیزیں خریدنے میں بڑی احتیاط کرتے ہیں اور جب کوئی اچھی چیز ان کے ہاتھ لگ جاتی ہے تو اس کی حفاظت بھی بہت کرتے ہیں لیکن دوست اگرچہ ان چیزوں سے زیادہ خوشی بخشتا ہے لیکن چند ہی لوگ ہیں کہ ایک مخلص دوست کی تلاش کرتے ہوں۔

یاجب ایک اچھا دوست ملجائے تو اس کی محبت اور ہمدردی کی قدر اور حفاظت کریں۔ ایک حقیقی دوست اپنے دوست کی حاجت برآری کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی جان کی میان تک حفاظت کرتا ہے کہ اگر دشمن اس پر حملہ کرے تو اپنی جان لڑانے کو مستعد ہو جاتا ہے۔ خوش حالی کے زمانہ میں اس کی صحبت سے زندگی کو بڑھاتی اور بد حالی کے زمانہ میں مصائب گھٹاتی ہے۔ یہ کیسی جہت

نی کے فوائد

اور محبت جتایا کرتے ہیں۔

جھوٹے درسیوں  
کے نقصانات

بعض اوقات ایسے خراب اور واہی مصائب کی جماعت ہی برپا ہوئی کہ سبب ہوتی ہے کیونکہ یہ دوستی کے پردہ میں بیخ کنی کرتے ہیں۔ فضول لہو و لعب و ناشائستہ افعال میں پھنساتے ہیں۔ غرض کل امور جن سے سچا دوست متنبہ کرتا ہے یہ جھوٹے دعویداران کی طرف راعب کرتے ہیں۔ ان کی صحبت اخلاق کے حق میں زہر۔ ترقی اور اکتساب کمال کے حق میں روک۔ ان کی بے حیا خوشامد اور دھوکہ بازی برپا ہوئی کا باعث ہوتی ہے۔ لہذا کسی شخص کو بغیر سوچے سمجھے دل میں دوستی کی جگہ نہ دینی چاہئے خصوصاً جاہل و بد وضع اشخاص سے تو کمال درجہ پرہیز کرنا لازم ہے۔

برے دوستوں کا  
اثر خراب کرتا ہے

انسان کی طبیعت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ بے تکلفی اور قیود و تہذیب سے آزادی پسند کرتا ہے۔ اور اس میں دوستوں کے اوضاع و اطوار کے چربے اُتارنے اور ان کی اخلاق سے متاثر ہونے کا بھی بہت مادہ ہے۔ پس آوارہ مزاج شخصوں سے ملنے میں ڈر یہ ہے کہ کہیں ان کے رذیل خصائص اپنی طبیعت میں نہ اثر کر جائیں۔ نوجوانوں کو خصوصیت سے یہ احتیاط رکھنی چاہئے کہ جن لوگوں کے اوضاع و اطوار شرف و فضیلت کے نزدیک ناشائستہ ہوں ان سے پرہیز کریں کیونکہ آئندہ طبیعت نہ صرف ان کی بعض عادات اختیار کر لیتی ہے بلکہ تمام حرکات و سکنات افعال و اقوال خیالات کل اُسی رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔

اول اؤل تو ایسا ہوتا ہے کہ افعال شنیہ مکروہ معلوم ہوتے ہیں اور طبیعت ان سے اجتناب کرتی ہے لیکن پھر اوس کا دیکھنا گوارا ہو جاتا ہے اور کجاب کی کراہت زائل ہو جاتی اور رفتہ رفتہ خود اوس میں گرفتار ہو جاتی ہے خود غرض۔ اوباش اور بازاری آدمیوں کی صحبت انسان کے رویہ پر بہت بڑا اثر ڈالتی ہے اور اوس کو اپنے رنگ میں رنگ کر اوس کی شرافت۔ صداقت

نکتہ چینی سے ہوشمند سبق حاصل کر لیتے ہیں۔

از حجبیت دوستی برنجہم کا خلافت پر ہم حسن بنساید  
عظیم ہند و صواب ہند غارم قل و یاسمن بنساید  
کو دشمن شورش چشم بدباک تاعیب مرا بمن بنساید

غلط فہمی

اگر کبھی کسی دوست سے کوئی غلط فہمی ہو جائے تو اسے عیب خیال کرنا چاہئے بلکہ سمجھ لو کہ اوس نے اپنی رائے کے موافق بہتر خیال کیا ہے۔ انسان مختلف الطبائع اور مختلف الٰہا راہین اور اس سبب سے کبھی کسی خاص امر پر اختلاف ہونا کسی خفیف شکربنجی کے باعث ملال و شکایت پیدا ہونی ممکن ہے مگر اسے دل میں جگہ دیکر دوست کی خوبیوں کو برباد نہ کرنا زیبا نہیں۔ اور جلدی سے لڑ جھگڑ کر رشتہ نمودت توڑنا نامناسب ہے۔ بلکہ طبیعت کو روکنا اور دوسرے وقت جب جویش کم ہو جائے غور و انصاف کرنا لازم ہے تاکہ اصل حقیقت معلوم ہو جائے اور شباب زدگی کی پشیمانی نہ اٹھانی پڑے۔

سچے اور جھوٹے دوست

سچے اور وفادار دوست دنیا میں بہت مشکل سے ملتے ہیں اور بہت کم ہوتے ہیں۔ اگر ایک دوست بھی مل جائے تو غنیمت ہے۔ دوستوں کے انتخاب میں اون کی عمدہ خوبیوں اور ذاتی جوہروں اور وفاداری کا بجا نظر رکھنا بہت ضرور ہے۔ بُرا دوست ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے۔ جھوٹی دوستی کا دعویٰ کرینو آگے یا کسی لالچ یا ذاتی فائدہ یا زمانہ عیش میں لطف اٹھانے کی خاطر بہت سے لوگ دوستی کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ بدترین مصاحب اور بدتر از دشمن ہیں۔ کیونکہ دوستی کے پردہ میں لوٹے اور خراب کرتے ہیں۔ جو شاید دشمن بھی نہ کرے ایسوں سے وفاداری کی اُمید محض ناممکنی ہے۔ ایسے لوگ زمانہ کی ہوا بدلتے ہی تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ اور پھر بات بھی نہیں پوچھتے۔ مصیبت اور ضرورت کے وقت دوستی کے امتحان میں پورے اُترنے والے اور جان و مال سے مدد کرنے والے حقیقی دوست ہیں۔ اقبال ہندی کے زمانہ میں تو اپنے بیگانے سب ہی پگانگت

لوگوں کو دیا جائے جو اس خیرات کے مستحق ہوں۔ کیونکہ اگر غیر مستحقین کو دیا جائے گا تو وہ سخاوت کی حد سے خارج ہوگا۔ یہ بھی سخاوت نہیں ہے کہ اپنی استطاعت یا دوسرے کی ضرورت سے زیادہ دے بلکہ جس طرح ہر کام میں طریقہ اعتدال ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے اسی طرح خیرات بھی اسی وقت تک مستحسن ہے کہ عدالت کے خلاف نہ ہو۔ نفس میں جب سخاوت کا یہ ملک پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کو حاجتمندوں کی مدد کرنے میں تامل نہیں ہوتا تو بہت سی خوبیاں انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً گرم۔ ایتار۔ عفو۔ مروت۔ نیل۔ مواسات۔ سماحت۔ مسامحت۔

کرم یہ ہے کہ رفاه عام کے کاموں میں جن کا نفع عام ہو یا جن سے ملک کرم قوم کے بہت سے افراد مستفید ہو سکتے ہوں بہت سارے پیسے صرف کرنا بھی گرانہ گذرے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کام میں مدد دینا اقتضا مصلحت ہو ورنہ ایسے کاموں میں چندے دینا جو پبلک کے نفع یا فائدہ کی غرض سے نہیں ہیں کرم نہیں ہے۔

ایتار زیادہ دشوار اور بہت فیاضی کا کام ہے کہ جس چیز کی اپنے تئیں حاجت ہے اگر دوسرے شخص کو بھی اس کی ضرورت ہے تو اس کو دیدے اور خود استعمال نہ کرے۔ مگر اس میں یہ دیکھ لینا ضرور ہے کہ دوسرے شخص کی حاجت اتنی شدید ہو کہ وہ اسے پورا نہ کر سکتا ہو ورنہ اپنی حاجت بند کر کے صاحب استطاعت کو دینا ایتار نہیں ہے۔

عفو۔ وہ شریف ملک ہے کہ جس شخص سے کوئی رنج یا نقصان یا بدی پہنچی ہو اور اس پر اتنی قدرت حاصل ہو کہ اسے سزا دے سکیں یا اس کا بدلہ لے سکیں لیکن معاف کر دین اور طبیعت کو یہ ملال نہ ہو کہ کیوں اس سے بدلہ نہ لیا۔

مروت۔ دوسروں کا کام کرتے یا اون کو کوئی فائدہ پہنچانے کی

اور مردانگی کا جو ہر کھودیتی ہے اور وہی خراب اور تباہ کن جذبات جو اس  
سوسائٹی میں عام طور پر پھیلے ہوئے تھے اس شخص کی طبیعت میں بھی جاگزن  
ہو جاتے ہیں۔ دل میں تنگی اور سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اخلاقی حالت کمزور  
ہو جاتی ہے اور اس میں الوالعزمی اور جرأت باقی نہیں رہتی اس کے برخلاف  
ایسے لوگوں کی صحبت جو اپنے سے زیادہ عاقل فہیم۔ عالم۔ تجربہ کار ہیں۔ ضرور  
تقویت پہنچاتی اور فائدہ بخشتی ہے۔ وہ خود ہمارے علم کو زیادہ کرتے ہیں  
اور ان کی باتیں سن سن کر ہم اپنی غلط رایوں کی تصحیح کرتے ہیں۔ مشاہدہ اور  
تجربہ کے میدان میں جب انسان اپنے سے زیادہ تجربہ کار اور عالم شخص کو دیکھتا  
ہے تو ان کی راحت و تکلیف کے ہر واقعہ سے اس کو سبق ملتا ہے۔ غرض  
دانا اور عالم آدمی کی صحبت رویہ پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہے۔ انسان کے ارادوں  
کو بلند اور نظر کو وسیع کرتی اور دل کو ناگوار خیالات کے بوجھ سے ہلکا کرتی ہے  
عقل و فراست کو چلا دیتی ذکاوت اور علم میں ترقی ہوتی اچھی اور نیک رائے  
قائم ہوتی ہیں۔

ناہق دوستوں کا اثر  
نہایت ہلکا ہے

مختلف انسانوں کے طبائع اور خصائل معلوم کرنے سے زیادہ مفید  
کوئی سائنس نہیں۔ آدمی کی شناخت مشکل کام ہے لیکن جب ملکہ پیدا ہو جائے  
تو اس سے یہ سہولت پیدا ہوتی ہے کہ جو شخص جس قدر بھروسہ کرنے کے لائق  
ہو اسی قدر اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ بعض اشخاص کسی خاص کام کی  
خوب مہارت اور قابلیت رکھتے ہیں ان سے وہی کام لینا زیادہ مناسب  
ہوتا ہے اگر بے سوچے سمجھے ہر امر میں ان پر بھروسہ کر لیا جائے تو نقصان اٹھانا  
پڑتا ہے اور یہ ان کا قصور نہیں بلکہ اپنا قصور ہے کہ ان کی قابلیت کو اچھی طرح  
نہ جانچا کہ کس کام آسکتی ہیں۔

مردم شناسی کی  
ضرورت

## ۵۔ سخاوت

سخاوت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس قدر ضرورت ہے اتنا ہی اویں

سخاوت کی تعریف





رغبت کا نام ہے کہ جس قدر اپنے امکان میں ہے اتنا نہ کرے تو طبیعت کو ملال ہو۔

نیل۔ نفس پر قدرت حاصل کرنا ہے کہ اوس کو افعال پسندیدہ اور خصائل نیک کی طرف نہ صرف توجہ ہو بلکہ اوس پر عمل بھی کرے۔

یارون۔ دوستوں رشتہ داروں کو معیشت میں اپنے ساتھ شریک کرنا اور مستحقوں کو قوت و مال سے مدد دینا مواسات کہلاتا ہے۔

سماحت۔ بخشش کرنا ہے کہ جو چیز کسی کو دینی اور بخشی واجب نہیں ہے اور قانوناً اور شرعاً ہماری ملک اور ہمارا حق ہے وہ نجوشی دوسروں کو دیدین۔

مسامحت۔ کسی شخص سے کوئی چیز لینے یا نہ لینے کا اختیار حاصل ہو لیکن نہ لین اور اوس کو بخش دین۔

دوسروں کو کچھ دینا تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو زکوٰۃ۔ صدقہ۔ نذر۔

یعنی حکم الہی اور قانون شریعت کے بموجب دینا۔ دوسرے بطریق انعام و اکرام و ایثار۔ جیسے ہدیہ و تحفہ دینا۔ تیسرے کسی فائدہ یا نفع کے حاصل کرنے یا کسی نقصان کے روکنے کے لئے دینا۔ تیسری شق تو خیرات سے خارج ہے۔ البتہ

اول کی دوسخاوت و خیرات کی مدین آسکتی ہیں۔ بشرطیکہ دائرۂ اعتدال سے خارج نہ ہوں۔ اور مستحقین کو دی جائیں۔ زکوٰۃ و صدقہ احکام شریعت سے

تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کے لئے یہ شرط ہے کہ جو کچھ دے بہ طیب خاطر دے اور نہ بظاہر نہ دل میں یہ ملال پیدا ہو کہ کیون دیا۔ اگر برضا و رغبت نہ دیا جائے

تو ایسا دینا کچھ کام نہیں دے سکتا۔ دوم یہ کہ خیرات خاص اللہ کے واسطے ہو اور اپنی ذاتی کوئی غرض اوس میں نہ ہو۔ سوم۔ مستحقین اور ایسے لوگوں کو

دیا جائے جو واقعی محتاج ہوں۔ چہارم جو کچھ دے حتی الامکان پوشیدہ دے پنجم جو کچھ دینا ہو اوس میں بے وجہ دیر اور تاثر نہ کرے تاکہ الم انتظار خیرات کی

لذت کو نہ کھو دے۔

نیل

مواسات

سماحت

مسامحت

دوسروں کو  
دینے کے اقسامزکوٰۃ و صدقہ کی  
شرائط

اوس کی بہت بندھانا زیادہ مشکل اور زیادہ مفید ہے۔ وقت اور محنت دولت سے زیادہ قیمتی ہیں پس غریب اپنا جس کی بھی خواہی کی خاطر تھوڑا وقت صرف کرنا اور اون کی عام حالت کی درستی کی کوشش کرنا بھی خیرات اور فیاضی میں داخل ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ صاحبانِ قدرت روپیہ سے مدد نہ کریں بلکہ یہ مراد ہے کہ خیرات کا جو طریقہ آج کل مروج ہے یہ بجائے مفید ہونے کے مضر ہے۔ کہ اس نے کاہل اور مفت خوار بھکاریوں کا ایک گروہ پیدا کر دیا ہے جو باوجود محنت پر قدرت حاصل ہونے کے بھی مزدوری نہیں کرتے۔ اور اون غریبوں کی حتی تلفی کرتے ہیں جو واقعی معذور ہیں۔ انسان کے خصائل میں فطرتاً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ جب اُسے مفت اور بے مشقت ملنے لگے تو ذرا سے کام سے بھی جی چُرانے لگتا ہے لہذا خیرات کے جوش میں اوس کی محنت اور اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی قوت کو برباد کر دینا اوس کے ساتھ ظلم کرنا ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ کسی کو روٹی دی جائے اسے روٹی کمانے کے طریقہ پر لگانا چاہئے۔ اور اس طرح مدد کرنی چاہئے کہ وہ خود اپنی مدد کرنے کے قابل ہو جائے مثلاً یتیموں اور لاوارثوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ میں مفلسوں کی خاطر صنعت گاہوں میں غریب بیوہ عورتوں کے لئے اون کے اکتسابِ معاش کے ذرائع میں معذوروں کے لئے محتاج خاتون میں روپیہ سے مدد دینا خیرات کا اصل منشاء پورا کرنا ہی لیکن پیشہ ور فقیروں کو دیکر ملک میں مفت خواروں کی تعداد بڑھانا روپیہ کو برباد اور ملک کو خراب کرنا ہے۔ لفظ خیرات کے معنی کی اس غلط فہمی نے ملک میں آوارہ گرد اور کاہل فقیروں کی تعداد بہت بڑھا دی ہے۔

اس طرح سوسائٹی میں ایک کثیر جماعت مفت خواروں کی پیدا ہو جاتی ہے اور جب اون لوگوں کو بامحنت و مشقت ملتا ہے تو باوجود محنت کر سکتے اور اپنی قوت بازو سے پیدا کرنے کی قدرت کے وہ بھیک مانگنے لگتی ہیں بلکہ ایسے بٹے کٹے فقیروں کو جب کسی کام کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ صاف انکار کر دیتے ہیں۔ اس طرح ایسے لوگ جو ہر طرح کام کر کے کھانے کی قوت رکھتے ہیں خوب پیدا کر لیتے ہیں اور جو واقعی محتاج ہیں اور جو دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلا کر کسی سے طلب کرنا عار سمجھتے ہیں بلا مدد و استعانت رہ جاتے ہیں۔ جو خیرات اس طرح تقسیم کی جائے کہ جو سامنے آگیا اوس کو دیدیا۔ وہ خیرات نہیں روپیہ کا برباد کرنا ہے اور ایسا دینے والا بالکل بھی ہمدرد انسان نہیں ہو سچے ہمدرد وہ ہیں جو دنیا میں سے مصیبت۔ تکلیف۔ احتیاج کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے کے لائق ہو جائیں۔ ہزاروں فقیروں کو کھانا کھلانے سے یہ بہتر ہے کہ ایک تعلیم گاہ۔ ایک صنعتی مدرسہ۔ ایک کارخانہ میں وظیفہ یا چندہ دیا جائے۔ اور فقیروں کو پیسے بانٹنے کی جگہ یہ مناسب ہے کہ ایسے غریبوں کے لئے جنہیں کام نہیں ملتا کوئی کام جاری کر کے شام کو انہیں مزدوری دی جائے۔ لوگوں میں علم و فن کی ترقی دینا اور اون کی تمدنی حالت کو درست کرنا سب سے بہتر خیرات ہے۔ کیونکہ اس سے لوگوں میں خود اپنی مدد کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اور اون کی حالت ترقی کرتی جاتی ہے۔

دوسروں کی مدد کما حقہ کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی دل نوازی۔ دلنشینی اور دور بینی کی ضرورت ہے۔ کسی کا بوجھ اپنے سر دھر لینا اوس کی اچھی طرح مدد کرنا نہیں ہے بلکہ اوس کو اس قابل بنانا کہ خود اپنا بوجھ سنبھال سکے اور اوس میں اتنی ہمت و جرات و قابلیت پیدا کرنا کہ آئندہ زندگی کی کھکیڑ اٹھا سکے اصلی مدد کرنا ہے۔ کسی شخص کو روپیہ دینے کی نسبت ڈھارس دینا اور

خیرات کو  
صحیح طریقہ

کی پابندی ضروری خیال کی جاتی ہے۔ تاکہ کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو دوسرے کو ناپسند ہو اور ان کی کبیدگی خاطر یا انقباض کا سبب ہو اسی کا نام مذہب ہے۔ اور جو لوگ اس کی سختی سے پابندی کرتے ہیں وہ مذہب اور شائستہ کہلاتے ہیں۔ یہ آداب ہر قوم کے جدا جدا ہوتے ہیں اور ہر فرقہ کے لوگ اپنے مان کے قواعد کو مذہب خیال کرتے ہیں اگرچہ دوسری اقوام اور ملتیں پابندی کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اس واسطے آداب معاشرت کا کوئی ایسا جامع طریقہ مقرر نہیں کیا جاسکتا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں ہو۔ آداب معاشرت کی خوبیاں زیادہ تر اعتباری ہوتی ہیں لیکن تمدن میں حسن اور شائستگی قائم رکھنے کے لئے اس اعتبار کو قائم رکھنا بلکہ ترقی دینا ضرور ہے۔ اور قومیت اور اخوت کے خیال کو زیادہ مستحکم رکھنے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ ہر فرقہ اپنے آپ کے آداب کی پیروی کرے۔ آداب معاشرت میں گفتگو اور لباس کا بیان کسی قدر وضاحت سے کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ گفتگو

گفتگو اپنے خیالات ظاہر کرنے اور دوسرے شخص کے خیالات اخذ کرنا ذریعہ ہے۔ گفتگو خوشی، تسکین اور اطمینان بخشتی ہے اور وہ عقلمندی اور تواضع پیدا کرتی ہے۔ عقلمند، نیک مزاج اور بھلا مانس یا بے وقوف جاہل اور کوہ باطن ثابت کرتی ہے۔ گفتگو لوگوں کی نظروں میں عزت و وقت اور مہبت قائم کرتی ہے اور وہی بے عزت ذلیل رسوا اور غوار کر دیتی ہے۔ کہانی ترقی اور حصول مطالب کا سبب ہوتی ہے اور کبھی تنزل اور ناکامی کا باعث۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب احیاء العلوم میں زبان اور اس کی آفات کا مفصل ذکر لکھا ہے۔ اور خاموشی کے بہت فضائل بیان فرمائے ہیں کل تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ زبان اگرچہ چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے لیکن نعمت الہی اور عجیب و غریب صنعت کا نمونہ ہے۔ زبان سے ایک طرف تو اسرار

# باب چہارم

## آداب معاشرت

برپیشہ  
فی تفصیل

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ آداب معیشت حکمت کا ایک شعبہ ہے اس میں یہ بیان ہے کہ تمدن اور منزل کی جو تدابیر تجربہ سے صحیح ثابت ہوں اور جو نفع سے قریب اور ضرر سے بعید ہوں وہ اختیار کی جائیں۔ جو لوگ کامل الخلق اور صحیح العقل ہیں یا الامام ربانی سے مستفیض ہوتے ہیں ان کے اخلاق کو دیکھا جائے اور اس کے بموجب قواعد مستنبط کئے جائیں یہ بھی دیکھا جائے کہ جو آداب مقرر کئے جاتے ہیں یہ حسن معاشرت اور لطف مشارکت میں مدد دین گے۔ اور ایسے مقاصد ملحوظ رکھے جائیں جو اے کلی سے پیدا ہوں۔ یعنی ان کی تحریک حیوانات کی طرح کسی طبعی خواہش یا جوش کے پورا کرتے کئے نہ ہوئی ہو بلکہ ان میں ایسی منفعت بھی ہو جس کا اثر عام طور پر پھیلتا ہو۔ معاشرت کے اہم مسائل یہ ہیں۔ کھانے پینے کے آداب۔ لوگوں سے ملنے جھلنے۔ بات چیت کرنے۔ چلنے پھرنے۔ نشست و برخاست کے طریقے۔ سفر کرنا۔ لباس۔ مکان وغیرہ۔ نکاح۔ ولیمہ۔ ولادت پر اظہار خوشی۔ مصائب و رنج کا اظہار۔ مریضوں کی عیادت۔ مجالس اور عام لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ میں لوگوں کو مدعو کرنا اور ان سے ملنا۔ لوگوں کے گروہوں میں ان امور کے متعلق خاص خاص رسم و رواج مقرر ہو جاتے ہیں جو بچائے قاعدہ اور ضابطہ کے خیال کئے جاتے ہیں۔ یہ ضوابط عام پسندیدگی کے لحاظ سے مقرر ہوتے ہیں یعنی جن امور کو سب لوگ مستحسن خیال کرتے ہیں ان پر کار بند ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کے سامنے خواہ بہ تکلف ہوں ان قواعد

ان اصول پر کاربند ہوں تاکہ عادت زبان کو قابو میں رکھے۔

اول۔ سب سے پہلا اگر مہی ہے کہ بہت سی باتیں ہی نہ کرے زیادہ خانہ  
 بلکہ اس کرنا خفتِ عقل کی دلیل ہے جو لوگوں کے دلوں سے ہیبت و وقاحت  
 کو کھودیتی ہے۔ سب کی سننی آسان ہے لیکن اپنی بات کہنی بہت مشکل ہے  
 لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اوس کو خاموشی سے سُنے جاؤ اور اون کے دلی بھیدوں  
 اور راؤن پر غور کرو۔ لیکن اپنی رائے کے اظہار میں جلدی مت کرو۔ اور جب  
 تک روئے سخن تمھاری طرف نہ ہو اگرچہ تمھارا ہی ذکر ہو بول اٹھنا اور  
 دخل در معقولات کرنا نہ چاہئے۔ اور اگر کسی مجلس میں چند آدمیوں کے بعد  
 تمھارے گفتگو کرنے کا موقع آئے تو دوسروں پر اگرچہ اون کی رائے غلط ہو  
 نکتہ چینی کرنا یا طعن کرنا مناسب نہیں بلکہ جو کچھ تمھاری رائے اور تمھارا علم  
 ہے اوس کو متانت و سنجیدگی سے ظاہر کرو۔ لوگ اتنے کسی بات سے نہیں  
 چڑتے جتنے کہ نکتہ چینی سے خصوصاً کسی فرقہ یا جماعت کے کسی فعل پر یا اوسکے  
 کسی پیشہ پر نکتہ چینی کرنا اور سب کو بُرا کہنا بالکل خلاف مصلحت ہے۔ ایک  
 شخص بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے یا بھول جاتا ہے لیکن کوئی جماعت  
 اپنے خلاف شان یا خلاف طبع امر کو نہیں بھولتی اور کبھی نہیں معاف کرتی۔  
 تلواریں کے زخم بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم نہیں بھرتے۔ امام غزالیؒ کا  
 قول ہے کہ ”کلام چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ کہ اون میں ضرر ہی ضرر ہو۔  
 دوسرے وہ کہ اون میں محض نفع ہی ہو۔ تیسرے وہ کہ ضرر و نفع دونوں ہوں۔  
 چوتھے وہ کہ نہ نفع ہو نہ ضرر۔ قسم اول سے تو سکوت لازم ہے۔ قسم سوم میں  
 اگر ضرر نفع سے زیادہ ہو تو خاموشی لازم ہے۔ چوتھی قسم کے کلام میں وقت کا  
 ضائع کرنا ہے اور یہ بھی بڑا نقصان ہے۔ پس قابل بولنے کے دوسری قسم ہی ہے  
 اور اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ صَمَتَ نَجَا“

کفر و گناہ کبیرہ کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف عبودیت اطاعت۔ اور حق کی شہادت ظاہر ہوتی ہے۔ زبان ایسی چیز ہے کہ تمام چیزیں جو انسان کے علم میں ہیں خواہ وہ معدوم ہوں یا موجود یا اون کی ہیئت و حالت و حقیقت و اصلیت کچھ ہی ہو زبان پر آ سکتی ہیں۔ یہ خاصیت زبان کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ کائنات کی کل چیزوں سے تعرض کر سکتی ہے اور ہر امر کو خواہ حق ہو یا باطل بیان کر سکتی ہے۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ صرف رنگ و آواز اور بو ہی کو جان سکتی ہیں لیکن زبان کا میدان اتنا وسیع ہے کہ کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ جس طرح خیر کے بولنے پر قادر ہے ویسے ہی شر کے بولنے پر بھی اور تمام اعضاء انسانی میں سب سے زیادہ نافرمان اور بہت جلدی خرابی میں پھنسانے والی زبان ہی ہے۔ کیونکہ انسان کو زبان ہلانے میں ذرا بار نہیں معلوم ہوتا اور اس سبب سے لوگ اس کی حفاظت سے غافل ہیں۔

یہ کرنا

بات کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ ہمیں کیا کہنا ہے اور اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے کون سے مناسب الفاظ ہیں جو سامع کے عقل اور رتبہ کے موافق ہوں اور اون میں کوئی کلمہ زائد۔ حشو۔ اور خلاف تہذیب نہ ہو۔ لوگ رات دن باتیں کرتے ہیں لیکن تھوڑے ہیں جو بات کرنے کے فن سے واقف ہوں۔ ضرور نہیں ہے کہ بہت باتیں کرنے والے آدمی اچھی باتیں کرنے والے بھی ہو۔ بہت سے لوگ صرف اس لئے یکساں بکواس کئے جاتے ہیں کہ اونکو اپنی زبان کو مصروف رکھنے کے لئے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایسی بہت سی باتیں کہہ جاتے ہیں جن سے آخر کو پچھتا نا پڑتا ہے اور چاہتے ہیں کہ کاش نہ کہتے اور یہ بے سوچنی سمجھی باتیں ایسی ایسی آفتیں ڈھاتی ہیں کہ ہزاروں فتنہ اور نقصان پا کر دیتی ہیں۔ بہت سے مفید مقصدوں کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ ترقیوں کو روک دیتی ہیں اس لئے ضرور ہے کہ گفتگو کے اصول سے واقفیت ہو اور یہ معلوم ہو کہ کلام کے محاسن کیا کیا ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو



جھوٹ کی عادت زیادہ ہے اور ان کی سوسائٹی میں بگاڑت اور ریلٹا وضبط نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب باہم ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں اور دھوکہ دہی کریں تو گفتگو کا فائدہ مفاد ہو جائیگا اور لوگوں کے دلوں میں چونکہ اعتبار نہ رہے گا صداقت اور محبت بھی اکٹھے جائیگی اور بے اطمینانی بھییں جائیگی جس سے ذرا ذرا سے معمولی کام کرنے بھی مشکل اور پیچیدہ ہو جائیں گے۔

صداقت کا اثر  
قوم پر

جو شخص اپنا واسع فرض کرتا ہے یا اپنا چال و چلن نیک رکھنا چاہتا ہے وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اسی طرح صداقت قومیت کا شیرازہ ہے جس قوم میں سے صداقت جاتی رہے اس میں سے قوت جاتی رہے گی نہ کسی قوم پر دروغ گوئی سے حکومت کی جا سکتی ہے نہ کسی گھرمین دروغ گوئی سے امن قائم رہ سکتا ہے۔

وعدہ پورا نہ کر

جھوٹی باتوں میں سخت تر وعدہ کا پورا نہ کرنا ہے کیونکہ اس سے دوسرے شخص کو اُمید بندھتی ہے اور اس کو پھر نا اُمیدی کی سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اور اکثر اوقات یہ نقصان بھی ہوتا ہے کہ جو کوئی اور تدبیر کام کے کرنے کی ممکن تھی وہ اس کے وعدہ کرنے سے نہیں کرتا اور جب وہ سری تدابیر کا موقع مل جاتا ہے اور وعدہ پورا نہیں ہوتا تو وہ بے چارہ سخت نقصان اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس سبب سے جھوٹا وعدہ کرنا شرعاً نفاق کی علامت بیان کیا گیا ہے اور ایسے وعدہ کا صریح حکم دیا گیا ہے یا ایہما الذین امنوا اوفوا بالعقود۔

سچ بولنا ہر شخص  
پر حال میں فرض  
ہے۔

انسان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب لوگوں کے ساتھ یکساں مہربانی سے پیش آئے۔ سب کی یکساں خبر لے۔ تمام لوگوں کو یکساں فائدہ پہنچائے کیونکہ یہ انسان کی طاقت سے باہر ہے کہ وہ تمام زمانہ کی خبر رکھ سکے اور سب کے ساتھ یکساں فیاضی برتے قدرتا اس کو اپنے رشتہ دار اپنے دوست اپنے ہم وطن اپنے ہم مذہب زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ اور وہ جتنی خدمت علی قدر

دوسرے یہ کہ ہمیشہ سچ بولے۔ سچ کہنے والے کا اعتبار اور عزت قائم رہتی  
 ہے۔ دیکھی کسی کے سامنے شرمانا نہیں پڑتا۔ حتیٰ کہ اگر اپنے سے کوئی خطا بھی  
 سرزد ہو تو اس کو مروانہ و اعتراف کرنا جھوٹ بولکر چھپانے سے بہتر ہے  
 جھوٹ بولنے سے ایک گناہ دو چند ہو جاتا ہے ایک پہلی خطا اور دوسرا کذب۔  
 رب ایک بے بنیاد عمارت ہے کہ کبھی نہ کبھی آریگی۔ اور نہ صرف خود گر پڑیگی  
 بلکہ جھوٹ بولنے والے کو بھی اپنے ساتھ خراب و برباد کر لیگی۔ جب جھوٹ کی  
 تلمیذی کئی باتیں ہے تو جھوٹ بولنے والے لوگ ایسے بے اعتبار ہو جاتے ہیں  
 کہ اگر وہ کوئی سچ بات بھی کہیں تو کوئی شخص یقین نہیں کرتا اور اگر دیانت داری  
 بھی کریں تو کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ باہمی معاملات اور دنیا کے کاروبار میں  
 صداقت اور ایمانداری کی بہت ضرورت ہے اور اس سے ہی اہل معاملہ کی  
 سادہ بندھتی ہے اور ان کے کام کی شہرت و عزت ہوتی ہے۔ کذب ایک مذموم  
 صفت ہے اور اس کے ظاہر ہو جانے کے بہت سے طریقے ہیں۔ بہت سے  
 الفاظ ایسے ہیں کہ بظاہر خالص واقعہ نہیں لیکن اون کا طرز ادالیا دھوکہ دینا  
 ڈالتا ہے کہ سامع کے دل میں غلط خیال پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی مبالغہ بھی  
 جھوٹ ہے۔ یا ایسے موقع پر خاموش رہنا جہاں اصل بات کو ظاہر کرنا چاہئے۔  
 جھوٹ بولنے کے برابر ہے۔ اسی طرح اشارہ یا کنایہ سے کوئی غلط خیال  
 دوسرے کے دل میں پیدا کرنا دھوکہ دینا اور جھوٹ بولنا ہے۔ وعدہ کر کے  
 پورا نہ کرنا۔ امید بندھنا کرنا امید کرنا لوگوں کو دھوکہ دینا ایسے صریح جھوٹ ہیں  
 کہ ان کی نسبت جس کی ضرورت نہیں۔ جھوٹ بولنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان  
 خدا سے بے خوف ہے اور لوگوں سے ڈرتا ہے۔ جھوٹ بزدلی کی علامت ہی  
 کیونکہ جھوٹ بولنے والے میں اتنی ہمت اور جرات نہیں ہوتی کہ صاف صاف  
 سچ بات کہنا کرے۔ اس واسطے وہ یہ کمینہ حرکت کرتا ہے کہ جھوٹ بولتا ہی۔  
 جھوٹ بولنے سے باہمی گفتگو کی خوبی اور فائدہ جاتا رہتا ہے اور جن لوگوں میں

نہایت نرم الفاظ میں اور اس طریقہ سے ہونی چاہئے کہ سامع کو یہ نہ معلوم ہو کہ میرے ساتھ تکرار کرنا مقصود ہے بلکہ صلاح اور مصلحت کا طرز اختیار کیا جائے۔ کہہ نہ گئے تھے تکرار ایسی ہی چیز ہے کہ اول تو لوگ مانتے ہی نہیں اور اگر دین تسلیم بھی کہیں تو غلط فہمی کا اعتراف کرنے کو دل نہیں پاہتا۔ اور کچھ سختی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ لہذا جہاں تک ممکن ہو اپنا مطلب صاف اور مشرع الفاظ میں نہایت متانت اور تہذیب سے ادا کیا جائے۔ اور اگر سامع کا دل قبول کرے تو بحث کا نتیجہ حاصل ہو گیا اس سے زیادہ کی امید غرضول ہے۔

۴۔ فحش الفاظ زبان سے نکلنے خلاف تہذیب ہیں بلکہ اگر کسی ایسے بیان کی ضرورت پڑے جن کی اصطلاحیں فحش ہیں تو بھی اشارۃً یا کنایتاً ادا کرنا مناسب ہے چہ جائیکہ تکیہ کلام گالی یا کوئی خلاف تہذیب لفظ ہو۔ شرافت نسبی اس قدر قابل اعتبار نہیں جس قدر افعال و اقوال کی پاکیزگی میں شرافت ہے۔ جو لوگ اپنی زبان فحش سے آلودہ کرتے ہیں وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اون کی طبیعت میں شرافت کا جوہر نہیں ہے۔ فحش بکنے کی عادت اکثر اوباش لوگوں کی صحبت میں پڑ جاتی ہے اور اس کا مقصد یا سننے والے کو ایذا پہنچانا ہوتا ہے یا مسخر اپن کرنا اور یہ دونوں قبیح ہیں۔

۵۔ سامع کے اندازہ اور عقل کے موافق بات کہنی چاہئے اگر سامع نہ سمجھے تو بات خواہ کیسی لطیف اور پُر مغز کیون نہ ہو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح اگر لوگ متوجہ نہ ہوں تو بات کہنا بیکار ہے۔

۶۔ جواب ہمیشہ نرمی اور ملائمت سے دینا چاہئے اگر اپنی زبان سے کسی کو دشمن بنایا تو اس سے بُرا کوئی کام نہیں۔ لوگوں کو سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ اون کی تضحیک کی جائے اور خواہ کوئی شخص بے وقوف ہی کیون نہ ہو وہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اسے بے وقوف کہیں یا اس کی تحقیر کریں۔

سامع کی عقل  
اندازہ

جواب دینا

ان کی کرنا ہے اتنی دوسرے لوگوں کی جو اوس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے  
 نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ خواہ اپنا ہو  
 یا غیر واقف ہو یا ناواقف۔ دوست ہو یا دشمن سچ بولے۔ کیونکہ دینا میں اور  
 تمام فرائض انسان کے مرتبہ کے مناسب ہوتے ہیں۔ لیکن سچ بولنا ایسا  
 فرض ہے کہ اوس میں کسی مرتبہ یا عمدہ یا حالت سے فرق نہیں آتا۔ انسان  
 کو دولت مند اور غریب امیر اور ماتحت سب کے ساتھ سچ بولنا چاہئے بلکہ  
 جو لوگ خود جھوٹ بولتے اور سچ سے نفرت کرتے ہیں اون سے بھی سچ کہنا  
 لازم ہے یہاں تک کہ اون دشمنوں سے بھی جو اوس سچ بات کو اوس کے  
 خلاف استعمال کریں یا خود اوس سے کوئی نفع اٹھائیں سچ ہی کہنا چاہئے۔  
 سچائی بلکہ ہر نیک کام کی محبت اس سبب سے ہونی چاہئے کہ وہ سچ اور نیک  
 ہے نہ اس سبب سے کہ اوس سے کسی خاص وقت میں کوئی مطلب نکلتا ہے  
 جو شخص صرف مطلب نکالنے کے لئے سچ بولے وہ سچ نہیں اور جو صرف کوئی  
 نفع حاصل کرنے کے لئے نیک کام کرے سعید نہیں بلکہ ریاکار ہے۔ انسان پر  
 بعض وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اپنی پاک محبت کو بھی جو اسے اپنے کسی رشتہ دار  
 سے ہونا نہیں کر سکتا اور اگر ظاہر کرے تو خلاف مصلحت ہوتا ہے۔ لیکن  
 کوئی وقت ایسا نہیں آسکتا کہ وہ حق بات چھپائے کیونکہ صداقت کسی کی  
 ملک نہیں بلکہ انسان اوس کا شاہد اور امانت دار اور محافظ ہے۔ صداقت  
 خدا کا نور ہے جو انسان کو عطا ہوا ہے اور ضرور ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر  
 حال میں چمکے۔

۳۔ بحث و تکرار کرنا ہمیشہ خوفناک ثابت ہوا ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ  
 اور غلط فہمی میں پڑے اور طبیعت میں ضد کا مادہ بڑھا۔ اور اگر بحث و تکرار سے  
 کسی بات کو قبول بھی کرایا لیکن طرف ثانی جو پہلے دوست تھا اب دشمن ہو گیا  
 تو کیا فائدہ ہاتھ آیا۔ اگر کسی امر پر بحث و حجت کرنے کی ضرورت بھی ہو تو بھی

۱۰۔ مزاج۔ کسی شخص کو بنانا اوس کے ساتھ متضمر اور ٹھٹھا اس طرح کرنا کہ اوسے بُرا معلوم ہو ایک مذموم صفت ہے۔ کیونکہ اوس سے دوسروں کو ایذا اور رنج پہونچتا ہے۔ اور گویا یہ اوس کی ایانت اور حقارت کرنی ہے۔ اور وہ بھی ایسی بُری طرح سے کہ سننے والوں کو ہنسی آئے۔ اگر متضمر کسی کے مُنہ کے سامنے ہو تو استہزا ہے اور اگر پیٹ پیچھے ہو تو غیبت ہے اور دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

۱۱۔ غیبت۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب احیاء العلوم میں اس کا بیان مفصل کیا ہے اوس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ”دوسرے کا ذکر کرنا تین طرح ہوتا ہے۔ غیبت۔ بہتان اور افک۔ غیبت کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے کے واقعی عیوب کا اس طرح ذکر کریں کہ اگر وہ سنے تو بُرا جانے۔ بہتان یہ ہے کہ کسی پر جھوٹ الزام لگایا جائے اور جو عیوب اوس میں فی الحقیقت نہیں ہیں اوس سے منسوب کئے جائیں۔ افک یہ ہے کہ جیسا دوسروں کو کہتے سنا ہے تحقیق خود بھی ویسا ہی کہنے لگے۔ غیبت کے لئے یہ ضرور نہیں کہ زبان سے صریح الفاظ میں کسی کے عیوب بیان کئے جائیں یا اوس پر نکتہ چینی کی جائے بلکہ اشارۃً۔ کنایۃً اور رمز سے بھی کسی کے عیوب اس طرح ظاہر کرے کہ دوسرے کی سمجھ میں آجائیں غیبت ہے اور شرعاً یہ سب حرام اور ناجائز ہیں“

عوام جو ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں اوس کے آٹھ سبب ہیں :-  
۱۔ کینہ اور غضب۔ یعنی جب کسی پر غصہ آئے تو اپنا جی ٹھنڈا کرنے کے لئے کسی پر نکتہ چینی کرے۔ اور عیوب بیان کرے تاکہ دوسروں کی نظروں میں اس کی حقارت ہو۔

۲۔ دوسروں کے خوش کرنے کو ان کی ہان میں ہان ملانا تاکہ وہ اس کے خوش ہوں۔ اگرچہ بظاہر یہ ملنساری اور حسن معاشرت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دراصل کینہ اور عداوت کی آگ کو بھڑکاتا ہے۔

غیبت کے  
اسباب

تفصیل

اگر کوئی شخص اپنے تئیں بے وقوف بنائے اور اپنے اوپر ہنسے تو بات ٹانے اور اسے شرمندہ کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ خود بھی اوس کی زبان میں ملے اور ہنسی میں شریک ہو اس سے نہ صرف اپنی دانشمندی ظاہر ہوتی ہے بلکہ وہ خود جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اور اپنی خوش اخلاقی کا سکھ جاتا ہے۔ اور جب تم خود اپنے اوپر ہنسو تو کوئی تم پر نہیں ہنسے گا۔

اپنا ذکر

۷۔ اپنا بہت سا ذکر کرنا یا اپنے حالات بیان کرنے یا موافق یا مخالف بہت کچھ کہنا نہ چاہئے بلکہ اپنی نسبت جو کچھ جتنا ہے وہ اقوال سے نہیں بلکہ کردار سے ظاہر کرنا چاہئے۔ زبان یہ دیکھو کہ اور لوگ تمہاری نسبت کیا کہتے اور کیا رائے ظاہر کرتے ہیں۔

راز

۸۔ اپنا راز کسی سے نہیں کہنا چاہئے اگر تم خود اپنا راز پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تو دوسرے اوس کو کبھی نہیں چھپائیں گے۔ چینی فلاسفر کنفیوسیوس کا قول ہے کہ عقل مند آدمی کی زبان اوس کے دل میں ہے اور بے وقوف آدمی کا دل اوس کی زبان میں ہے کہ جو کچھ اوس کے دل میں آتا ہے جھٹ سے کہہ پتا ہے۔ جس طرح اپنا راز دوسروں سے کہنا نامناسب ہے اسی طرح دوسروں کا راز بھی لوگوں سے کہنا نازیبا ہے خصوصاً ایسے دوستوں کا راز جنہوں نے غم۔ غصہ۔ رنج کی حالت میں کوئی بات اس طرح بے اختیار بیان کی ہو گویا وہ اپنے دل سے کہہ رہے ہیں ایسے راز کی باتیں جو اس اعتماد اور اعتبار سے بیان کی گئی ہوں کہ ہمیشہ محفوظ رہیں گی دوسروں سے کہنا دعا بازی اور حماقت ہے۔

رائے

۹۔ اپنی رائے کے وثوق میں بہت زور مت دو ممکن ہے کہ تم کو اپنی رائے کے درست ہونے کا یقین کامل ہو لیکن تم غلطی پر ہو۔ حافظہ۔ کان۔ آنکھ۔ اکثر دھوکہ دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں جس قدر زیادہ وثوق سے زور دیا جائے اسی قدر زیادہ شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔

کسی کو آزار دینا یا کسی کا راز فاش کر دینا اور بدنام کرنا ثواب نہیں بلکہ شرعاً ناجائز اور قابل باز پرس ہے۔ انسان کو خود اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیے نہ کہ دوسرے کی عیب چینی کے پیچھے پڑے۔ طُوبٰی لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عَيْبِ النَّاسِ۔ بعض عیوب تو ایسے ہوتے ہیں جو انسان سے عادتاً یا اجیاناً ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کم و بیش کل انسان ان میں مبتلا ہیں۔ کسی کو کسی پر نکتہ چینی کا حق نہیں ہے۔ بعض جہتی مثلاً بد صورتی وغیرہ۔ ایسی باتوں پر نام دھرنا گویا خالق پر نام دھرنا اور لغو ذبا لہ اس کو بُرا کہنا ہے۔ کیونکہ خود وہ شخص جس کی اس طرح مذمت کی جا رہی ہے معذور ہے۔

من جالتون بین  
غیبت جائزہ

البتہ چہ وجوہ ایسے ہیں جن کے سبب سے کسی کی غیبت جائز ہے :-  
۱۔ ظلم کی داد رسی کے لئے مظلوم خود یا اس کی طرف سے کوئی اور حاکم اعلیٰ سے اس کی کیفیت بیان کرے۔ لیکن اس کے سوا کوئی غرض ہوگی تو وہ غیبت میں داخل ہے۔

۲۔ کسی شخص کی اصلاح کے لئے۔ اس کے اُستاد یا مان باپ یا حاکم یا کسی ایسے شخص سے اس کا حال بیان کرنا جس کی نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہو لیکن اس سے مقصود اصلاح حال ہو۔ نہ نکتہ چینی۔ اگر یہ حال نیک نیتی سے نہ بیان کیا جائیگا تو غیبت ہوگا۔

۳۔ کسی مسئلہ میں حکم شرع یا قانون پوچھنا منظور ہے۔ اور اسپر بھی اولیٰ یہ ہے کہ بالکل نایہ پوچھے۔ اور کسی کا نام نہ لے۔

۴۔ کسی نیک اور خوش اطوار شخص کو کسی بُرے آدمی کی شر سے بچانا مقصود ہو۔ مثلاً کوئی خوش معاملہ اور بھلا آدمی ایک بد معاملہ جھوٹے فریبی شخص کی عادات سے ناواقف ہو اور اس سے معاملہ کرنا چاہے۔ جس میں اندیشہ ہے کہ یہ دھوکا کھائے گا۔ تو اسے آگاہ کرنے کا مضائقہ نہیں۔ یا کوئی شخص ایک نیا نوکر رکھنا چاہتا ہے۔ اور اس کے عادات سے واقف نہیں تو اس کی



۳۔ پیش بندی۔ جب کسی کی جانب سے یہ گمان ہو کہ وہ ہمارے عیوب بیان کرے گا۔ یا ہمیں بدنام اور مہتم کرے گا۔ تو انسان اس سے پہلے اس کے عیوب بیان کرنے اور لوگوں کو اس کی طرف سے بدظن کر دینا شروع کر دیتا ہے تاکہ لوگ حریف کی بات باور نہ کریں اور وہ جب اس کی برائیاں کرے تو خود اس کو جھوٹا اور خطا وار سمجھیں۔

۴۔ کسی عیب سے اپنا بری ہونا ظاہر کرنا مقصد ہوتا ہے۔ تو دوسروں کے ویسے ہی عیوب ظاہر کرنے لگتا اور ان کو برا کہنا شروع کر دیتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کو اس گناہ سے پاک سمجھنے لگیں۔

۵۔ فخر و مباہات۔ تاکہ دوسروں کو ناقص بتا کر اپنا کمال اور افضلیت ظاہر کرے۔

۶۔ حسد۔ انسان جب دوسرے صاحب کمال کی عزت و حرمت ہوتے دیکھتا ہے تو اس کو ناگوار گزرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے نام کو بٹ لگائے اس واسطے اس کے عیوب چن چن کر بیان کرتا پھرتا ہے۔ تاکہ لوگ بدظن ہو جائیں۔

۷۔ کھیل اور دل لگی کے طور پر۔ دوسروں کے حالات بیان کرنا اور وقت گزارنے کے لئے ان حکایات پر ہنسنا۔

۸۔ دوسرے کی حقارت کرنے کے لئے اُسے بنانا خواہ اس کے مُنہ پر اسے بنانا اور اس طرح ذکر کرنا کہ اس کی برائی ثابت ہو۔ یا پیٹ پیچھے حقارت آمیز الفاظ میں اس کا ذکرنا۔

غیبت سے بچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اسباب غیبت کو دور کیا جائے۔ اور انسان یہ غور کرے کہ خود میرے نفس میں کیسے کیسے عیوب ہیں پھر میں کس مُنہ سے دوسرے کو برا کہتا ہوں۔ جیسے دوسرے کی عیب چینی مجھے بُری معلوم ہوتی ہے ویسے ہی میری عیب چینی دوسرے کو بُری معلوم ہوتی ہوگی۔ پھر خواہ مخواہ

انتم نہ کہ سے بیچ میں مدد فرماتے ہو۔ اور یہ ہیں: جواب بیان کردہ گرس  
 طرح کہ پہلے شش پر طبع نہ ہو۔ اور جسے اس سوال کا حتم نہ ہو جواب نہ دو۔  
 اگر لوگ کوئی بات تم سے چھپائی ہو تو کن سلیبان مست لو۔ بزرگوں کے  
 سامنے یا طفل میں بات چیت کرتے وقت اس طرح بات کرنی چاہئے کہ  
 مخاطب چنی طرح سن لے اور نہ آواز زیادہ پست ہو نہ بہت بلند۔ باتیں کرنے  
 میں چشم و ابرو سے اشارہ کرتے جانا بھی بد نما ہے۔ اور ایسی باتیں جن سے  
 کینہ عداوت اور جھگڑا پیدا ہو یا کسی کی دل آزاری متصور ہو ہرگز نہیں کرنی  
 چاہئیں۔ ہر شخص سے اوس کی عقل کے مطابق بات کہنی لازم ہے یہ نہیں  
 کہ معمولی سمجھ کے آدمی کے سامنے ایسی دقیق باتیں کرنے لگے کہ وہ سمجھ  
 بھی نہ سکے۔

## ۲۔ لباس

لباس کی ضرورت  
 صرف انسان کو  
 ہے

حیوان اور انسان میں ایک تمیز یہ بھی ہے کہ قدرت نے حیوانات کو  
 اون کی ضرورت کے مطابق پوست عطا کیا ہے کہ وہ گرمی سے محفوظ رہیں  
 لیکن انسان کو خواہ کسی ملک کا باشندہ ہو جانوروں کی طرح پوستیں عطا نہیں  
 ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خلاق عالم نے اوسے ایک چیز عقل ایسی عطا فرمائی  
 ہے کہ اوس کے ذریعہ سے اپنی ضرورت کے مطابق اپنا لباس بناتا ہے جاڑ  
 کے لئے گرم کپڑے تیار کرتا ہے تو گرمی میں ٹھنڈے کپڑے پہنتا ہے۔ اور جس  
 چیز کو لباس کے لئے زیادہ مناسب خیال کرتا ہے استعمال کرتا ہے۔

لباس کی غرض

لباس سے بڑی غرض یہ ہے کہ جسم ڈھکے اور بدن گرمی و سردی سے  
 محفوظ رہے۔ انسان اکثر اس سبب سے بیمار ہو جاتا ہے کہ موسم میں تغیر پیدا ہو جاتا  
 ہے اور اوس موسم کے مطابق اپنا لباس تبدیل نہیں کرتا۔ کبھی سردی پڑتی  
 ہے کبھی گرمی کبھی موسم بہار ہوتا ہے ان تمام موسموں میں اون کے مطابق  
 لباس پہننا چاہئے۔ اور کوئی لباس جو ایک زمانہ میں مفید ہے دوسرے زمانہ

شرعے آقا کو بچانے کے لئے اس کی کیفیت کہدینی جائز ہے۔ یا کوئی حاکم کسی گواہ کی نسبت دریافت کرے۔ یا کوئی شخص کالج کرنے یا ودیعت رکھنے کے باب میں دریافت کرے۔ تو خیر خواہانہ مشورہ دینا لازم ہے۔ اور چونکہ نیک نیتی سے ایک شخص کو بچانا مقصود ہے۔ اس کے سامنے کسی کی عادات اور حالات کا صحیح صحیح بیان کر دینا غیبت نہیں ہے۔

۵۔ کوئی شخص نابینا یا بھرا ہے اور وہ اس ہی نام سے مشہور ہو جائے  
۶۔ فاسق معلن۔ یعنی وہ شخص جو کسی عیب کو چھپا کر نہ کرتا ہو بلکہ علانیہ اوس کا ارتکاب کرے اور اوسے جرانہ جائے۔ مثلاً ایک شراب خوار کہ برابر مجلسوں میں شراب پیئے۔ اور جلسوں میں گلاس اڑائے اور اسے داخل تہذیب سمجھے تو ایسے شخص کو شراب خوار کہنا جائز ہے لیکن اگر وہ کوئی بُرا فعل چھپا کر کرتا ہے تو پردہ پوشی لازم ہے۔“

غرض جہاں تک ممکن ہو دوسرے شخص کی بُرائی کرنے سے بچنا چاہئے  
اس سے دنیا میں انسان بے اعتبار اور دین میں گنہگار ہوتا ہے۔ چغلی کھانا اور دورخی بات کہنا بھی خود قائل کی خباثت اور بدظہنتی ظاہر کرتا ہے۔

مجالس میں باتیں کرتے یا بزرگوں اور دوستوں کی مجلس میں گفتگو کرنے میں چند ایسی باتوں کا خیال رکھنا چاہئے جو آداب مجلس کے موافق ہوں مثلاً بہت سی باتیں نہ کرنیں کیونکہ بہت سی باتیں کلمبے عقلی کی دلیل ہے اور لوگوں کی نظروں میں بے وقعتی ہوتی اور ہیبت کم ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بے ضرورت باتیں کہے جائے تو سمجھو کہ دیوانہ ہے۔ ایک بات کو دوبارہ مت دہراؤ لیکن اگر دوبارہ کہنے کی ضرورت ہو تو تنگ نہ ہو۔ اگر کوئی سوال ساری جماعت سے کیا جائے تو اگر تم کو اوس کا جواب معلوم بھی ہے تو بھی جواب دینے میں دوسروں پر سبقت نہ کرو اور جب کوئی دوسرا شخص جواب دے رہا ہے اور تم کو اوس سے بہتر معلوم ہے تو جب تک وہ اپنا جواب

نہ کرنا

روئی مین سے ایسی گرمی خارج نہیں ہوتی جیسی کہ سن مین سے اس سبب سے روئی کے کپڑے بہ نسبت سن کے زیادہ گرم ہوتے ہیں۔ جازون مین اسی کا استعمال کسی قدر زیادہ مفید ہوتا ہے۔  
 اون کے کپڑے پسینہ خوب جذب کرتے ہیں وہ گرمی کو خارج نہیں کرتے اور یکایک موسم کے تغیر کے اثر سے بچاتے ہیں۔  
 ریشم اون سے بہتر ہے ریشم کے کپڑے ہلکے صاف اور نرم ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو استطاعت ہے اون کو ریشم کے کپڑے بدن سے ملحق پہننے چاہئیں۔

لباس کی صف

اس کے علاوہ لباس مین چند اخلاقی خصوصیات بھی ہیں اور اس واسطے لباس کی حالت۔ وضع۔ صفائی۔ پر توجہ کرنی لازم ہے۔ ہمیشہ صاف لباس پہننے سے لوگوں کی نظر میں عزت اور وقعت قائم ہوتی ہے اَلنَّاسُ بِاللِّبَاسِ۔ بازار مین سے گزرو۔ مجالس مین شریک ہو تو بہت سے لوگ ایسے ہی ملتے ہیں جو سابقہ تعارف نہیں رکھتے وہ صرف لباس سے وقت کا اندازہ کرتے اور کر سکتے ہیں۔ خراب اور ناصاف لباس سے لوگوں کی نظر مین بے وقعتی ہوتی ہے اور وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لباس کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ بہت پیش قیمت ہو۔ بلکہ ہر شخص کو اپنی استطاعت کے موافق صاف اور خوش وضع لباس پہننا چاہئے تاکہ لوگ غلط فہمی مین نہ پڑیں۔ لباس سے انسان کے عادات۔ اخلاق۔ پال و چلن اور مذاق کا اندازہ ہوتا ہے اور لوگ فطر تا سب سے زیادہ لباس کو دیکھتے اور نکتہ چینی کرتے ہیں۔ لباس کی خوبیاں اگرچہ اعتباری ہیں لیکن انسان کا اعتبار بڑھاتی ہیں اور سوسائٹی مین موقر و ممتاز کرتی ہیں۔

لباس کی قیمت

لباس دوسری اقوام سے بھی امتیاز پیدا کرتا ہے جو لوگ اپنے قومی لباس کو قائم نہیں رکھتے وہ نیشنلسٹی اور اخوت کے بڑے رکن کو کھوٹے دیتے

میں بکار آمد نہیں ہو سکتا۔ لیکن فالین ایک ایسا کپڑا ہے کہ ہر موسم میں اس کا پہننا مفید صحت ہے۔

جارے کے کپڑے ایسے ہونے چاہئیں کہ باہر کی سردی بدن تک پہنچے اور بدن کی گرمی قائم رہے۔ اسی طرح گرمی کے کپڑوں کی یہ خاصیت ہو کہ بدن کی گرمی کو نکلنے نہ دین اور سورج کی شعاعوں کو جذب نہ کریں۔ رنگین کپڑے خصوصاً سیاہ رنگ کا لباس سورج کی شعاعوں کو زیادہ جذب کرتا ہے اسی سبب سے گرمی کے لئے مناسب نہیں ہے۔ سفید لباس شعاعوں کو ہٹاتا ہے اور بدن کو گرمی سے بچاتا ہے۔

ڈاکٹر پیر لکھتے ہیں کہ کوئی لباس ایسا تنگ نہ ہونا چاہئے کہ جسم کا کوئی حصہ دبے یا کھنچے۔ اس لحاظ سے ہندوستانیوں کا لباس یورپین اقوام کے لباس سے بہتر ہے۔ گلوبند۔ کولر۔ ٹکٹائی وغیرہ تمام کپڑے خون کی گردش کو روکتے ہیں اور درد دہ۔ دوران سر بلکہ غشی پیدا کرتے ہیں۔ سینہ اور کمر کو کسی چیز سے نہیں جکڑنا چاہئے۔ سینہ بند اور پیٹی وغیرہ چیزیں بہت بُری ہیں کیونکہ ان سے معدہ۔ دل اور شش اور رودن کے افعال میں خلل پڑتا ہے اور سوزش۔ ضیق اور قبض پیدا ہوتا ہے۔

لباس ایسا ہونا چاہئے کہ بدن کی حرارت کو قائم رکھے اور آرام دہ ہو۔ یکایک گرم کپڑے اتار کر سرد کپڑے نہ پہننے چاہئیں۔ اگر موسم بھی یکایک ایسا ہی بدل جائے تو مضائقہ نہیں۔

کپڑے زیادہ تر سن۔ رولی۔ اون اور ریشم کے بنتے ہیں۔ سن کے کپڑے ملائم ہوتے ہیں اور گرمی بھی ان میں سے خوب خارج ہوتی ہے اس لئے گرمی میں سن کے کپڑوں کا استعمال زیادہ مناسب ہے۔ لیکن سن کے کپڑے جسم کے شوق نہیں پہننے چاہئیں۔ کیونکہ جب پسینہ آتا ہے تو سن بدن کو یکایک ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

ایک دفع

پیشین

خواہ مہذب ہو یا وحشی عالم ہو یا جاہل رسم و رواج سے خالی نہیں بلکہ انسانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بھی ایسے رسم و رواج پائے جاتے ہیں جو انہیں بہتر قانون اور شریعت کے ہوتے ہیں۔

رسم کے پیدا  
ہونے کا سبب

رسم و رواج کے پیدا ہونے اور ان کے رواج پانے کے بہت سے سبب ہوتے ہیں۔

۱۔ حکمران قوم یا بادشاہ کی عادات اور طریقوں کی طرف لوگوں کو زیادہ رغبت ہوتی ہے اور ان کے خیالات اور لباس اور طریقے اخذ کرتے اور ان پر کاربند ہو جاتے ہیں رفتہ رفتہ یہ طریقے رواج پا جاتے ہیں۔

۲۔ کوئی حکیم یا دانشمند شخص کسی مصلحت سے ایک قاعدہ جاری کرتا ہے یا کسی فعل کو اختیار کر لیتا ہے۔ اور لوگ بھی اس کا اتباع کرتے ہیں اور اس پر کاربند ہوتے ہیں۔

۳۔ بعض لوگ بعض کام اظہار تفوق اور نمائش کے لئے کرتے ہیں انکی دیکھا دیکھی دوسروں کو بھی اس قسم کی نمائش کا شوق ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بات ایسی عام ہو جاتی ہے کہ وہ خصوصیت جاتی رہتی ہے اور سب لوگ اس قسم کے موقعوں پر وہ فعل لازم اور فرض سمجھ لیتے ہیں اور اگرچہ اس میں بعض کا نقصان ہوتا ہے لیکن رسم کی پابندی کے سبب نقصان گوارا کرتے ہیں مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر فضول خرچی اور بہت سا جہیز دینا یہاں تک کہ قرضدار ہو جائیں۔

رسم و رواج  
کا اثر

رسم و رواج کا اثر انسان کی طبیعت پر اس شدت سے ہوتا ہے کہ وہ جان و مال کا نقصان گوارا کرتا ہے لیکن رواج کے خلاف کرنا پسند نہیں کرتا فضول تقریبوں میں لاکھوں روپیہ برباد کر دیتا ہے تاکہ لوگ تعریف کریں یا کم از کم نام نہ دھریں۔ ہندو عورت آگ میں ستی ہو جاتی تھی اور اُف تک نہیں کرتی تھی۔ زمانہ جہالت میں عرب اور ہندوستان کی بعض قوموں میں

ہیں۔ قوم کی خصوصیات کے قائم رکھنے سے قومیت کے قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اور لباس کی خصوصیت بہت اہم اور بہت ضروری شے ہے اگرچہ ہر زمانہ میں لباس کی وضع بدلتی رہی ہے۔ اور لوگ اپنے مذاق اور پسند و نا پسند کے مطابق اس میں تبدیلیاں کرتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میں کوئی خصوصیت ایسی قائم رہے جو بادی النظر میں ظاہر کر دے کہ کس قوم سے تعلق ہے۔ یہ فرق ایسے چھوٹے چھوٹے فرقوں میں بھی نہ ہونا چاہئے کہ ایک ہی قوم کے چند گروہ بن جائیں بلکہ ایک مذہب کے پابند ایک ملک کے رہنے والے ایک زبان بولنے والے۔ ایک لباس پہننے والے اور قومیت کے نشان قائم رکھیں۔

## باب پنجم

### رسم و رواج

انسان کی طبیعت فطرتاً اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے کاموں کے لئے قاعدہ اور ضابطہ مقرر کر لیتا ہے یہ ہوا عجب کسی پیغمبر یا ایسے شخص کی طرف سے مقرر کئے جائیں جو الہام ربانی سے ممتاز ہو تو مثلاً یحییٰ علیہ السلام اور جب بادشاہ یا حاکم وقت امن و امان اور انتظام مملکت قائم رکھنے کے لئے مقرر کرے تو ان کا نام قانون ہے۔ اور جو قاعدے اور طریقے کہ عوام بلکہ خواص بھی اپنے روزمرہ کے کاموں کی پورا کرنے یا تقریبات کے سر انجام کے لئے مقرر کریں رسم و رواج کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ شریعت و قانون کا ایک حصہ ایسے ہی رسم و رواج کی تہذیب اور اصلاح کرتا ہے بلکہ ایک بُری رسم کی جگہ دوسری عمدہ رسم قائم کر دیتا ہے۔ دینا میں کوئی قوم

توانہ کی یا بڑی  
فطرت انسان  
میں داخل ہے



رسم و رواج کا دوسرا نام فیشن ہے بڑے بڑے عقلمند اس میں گرفتار ہیں اور بعض فضول حرکتیں اُن سے اس سبب سے صادر ہوتی ہیں کہ وہ فیشن کے خلاف نہیں کر سکتے۔ اور طریقہ مردہ کے ذرا خلاف ہو تو وہ اس قدر ہتک سمجھتے ہیں گویا درجہ انسانیت سے گر پڑے۔

غرض انسان کے تمدن میں رسم و رواج کو یہاں تک دخل ہے کہ گویا تمدن رسم و رواج ہی کے مجموعہ کا نام ہے اس سبب سے رسم و رواج کی اصلاح تمدن کی اصلاح ہے اور شریعت نے بڑا کام یہ کیا ہے کہ اُس زمانہ کے جو مذہب عادات اور رواج پھیلے ہوئے تھے اُن کی اصلاح کی ہے اور اُسکی بجائے بہتر رسوم قرار دی ہیں۔

زمانہ کے استداد اور لوگوں کی غفلت یا احکام شریعت سے عدم واقفیت کے سبب تمدن میں خرابی پڑ جاتی ہے اور بعض برے رسم و رواج پیدا ہو جاتے ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بعض ریفاہ رسم و رواج کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ رسم و رواج میں دیکھنے کی باتیں یہ ہیں:-

- ۱۔ کون سی رسمیں کس سبب سے پیدا ہو گئی ہیں۔
- ۲۔ کون سی رسمیں فی نفسہ اچھی ہیں۔ لیکن افراط و تفریط سے اُن میں نقصان پیدا ہو گیا ہے یا کس سبب سے کوئی مضرت رسان جزاؤں میں مل گیا ہے۔
- ۳۔ بعض رسوم ایسی بھی ہوتی ہیں کہ وہ صرف انسان کے دل کا بہلاؤ ہیں اور کسی خاص وقت کو جھیل نہل سے گزارنا مقصود ہوتا ہے۔ تاکہ طبیعت کو تازگی حاصل ہو۔ اور ان کے قیام میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔
- ۴۔ بعض رسوم مصلحت وقت پر مبنی ہیں اور ان کا قیام ضروری اور مفید ہے۔

جو لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ رسوم کو مٹا دیں وہ انسان کی زندگی کو بھیکا۔ بد مزہ۔ سُست کرنا اور اُس میں سے لطافت و تازگی

رسم و رواج  
کی اصلاح

دشمن کشی کی رسم جاری تھی اور وہ اولاد جو انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہے  
رسم و رواج پر قربان کر دی جاتی تھی۔ آج تک اکثر اقوام اپنے جسم کو سوئی سے  
گودتے اور اوس میں سرمہ بھر کر پھول گل بناتے ہیں۔ چینی عورتیں پاؤں کو  
اس قدر چھوٹا کرتی ہیں کہ چلنے پھرنے سے محتاج ہو جاتی ہیں۔

قانون مملکت کا اثر دلون پر قومی نہیں ہوتا لوگ مارے باندھے کو اون پر  
کا رہند ہوتے ہیں لیکن مذہب و شریعت کا حکم بھی جو دلون پر سب سے زیادہ  
اثر کرنے والا ہے رسم و رواج کے آگے ماند ہو جاتا ہے اور اون احکام شریعت  
کی زیادہ پابندی ہوتی ہے جن کا رسم و رواج بھی ساتھ دین مثلاً شراب و زنا  
مذہباً دونوں ممنوع ہیں۔ زمانہ کی بد اعمالی نے جب یہ اعتبار اٹھا دیا تو امر  
کے مان علانیہ عورتیں نوکر رہنے لگیں لیکن کسی کو شرابی کہنا گویا گالی دینا اور  
ہتک عزت تھا۔ وہ شراب پیتے بھی تھے تو چھپ کر۔ آج کل انگریزی تہذیب  
اور شائستگی کا اتباع کیا جاتا ہے۔ دعوت کی مجلسوں اور ڈنر کے جلسوں میں  
علانیہ میز پر شراب رکھی جاتی ہے۔ اور پینے والے سب کے سامنے پیتے ہیں۔ اونکو  
اس کے اظہار میں اس سبب سے شرم نہیں آتی کہ شراب خواری نے عام رواج  
ماصل کر لیا ہے۔ نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی فرض ہے۔ لوگ اس  
ات سے شرماتے تھے کہ اور لوگ اون کو بے نمازی جاہلین اور سب کے ساتھ  
غیر پڑھنے کو ضرورتیہ ہو جاتے تھے۔ آج کل بے دینی عام ہے تو نماز پڑھتے  
شرماتے ہیں۔ اور اکثر نمازین اس سبب سے قضا ہو جاتی ہیں کہ نماز کے وقت  
سی جلسہ یا پارٹی میں شریک تھے اگرچہ وہ ان تمام یا اکثر مسلمان ہوں۔ ہندو  
وسری اقوام کے مان کا پانی پینا یا کوئی چیز کھانی مذہباً منع سمجھتے ہیں اور مسلمان  
نے ساتھ معاشرت سے بہت احتراز کرتے ہیں لیکن ڈاکٹری دوا اور شفا خانہ کا  
لی اب اون میں بھی جائز ہو گیا ہے اگرچہ ڈاکٹر مسلمان یا انگریز ہو۔ اور دوا  
ن کسی مسلمان نے پانی ڈالا ہو یا انگلستان سے بنکر آئی ہو۔

شاوی بالکل سادگی سے روزمرہ کے کم ہون کی طرح ہو جائے نوع انسان پر ظلم کرنا ہے۔ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت جمع ہونا اور کوئی نہ کوئی وقت تنہائی سے گزارنا چاہتا ہے۔ جمع ہو کر بیٹھنے کے لئے مشاغل کی ضرورت ہو اور وہ مشاغل ہی رسوم ہیں۔ بعض صاحب یہ تو منع کرتے ہیں کہ دو طہا و طہن کو شربت تک نہ پلایا جائے لیکن شادی کی محفل میں شراب اڑے تو مضائقہ نہیں۔ دعوت ولیمہ اون کی رائے میں ناجائز ہے لیکن دُن دینا مستحسن ہے نیز پورے شائے روپیہ کا برابر و کرنا ہے لیکن یورپین لیڈیوں کی نقل اتارنے کے لئے اوس سے زیادہ روپیہ و زرین کی نذر کرنا جائز ہے۔ فی الحقیقت یہ اصلاح نہیں فقط تغیر ہے کہ بیاے ایک بری رسم کے دوسری بری رسم کا رواج دیا جاتا ہے۔

## باب ششم

### انسان بہ حیثیت رکن قوم

#### ۱۔ حُب وطن

وطن ایک ایسا لفظ ہے کہ ایک بیکس اور غریب آدمی کے دل میں بھی جو اپنے وطن سے کوسوں دور ہو جوش اور محبت پیدا کرتا ہے۔ جس طرح سورج کبھی کا رخ آفتاب کی طرف رہتا ہے اسی طرح دل کا رخ ہمیشہ اپنے عزیز وطن کی طرف رہتا ہے۔ کبھی اوس کی یاد بے چین کرتی اور کبھی مسرت بخش جوشیہ خیال پیدا کرتی ہے۔ قدیمی گھر۔ بچپن کے دوست۔ عزیز اور رشتہ دار۔ غرض بہت سی چیزیں جن سے دلی محبت ہوتی ہے اور جو خوشی کا سرچشمہ ہوتی ہیں وطن سے تعلق رکھتی ہیں۔ خاک وطن کچھ ایسی دلفریب ہوتی ہے جہاں ایک غریب کسان

وطن کی خصوصیت

کھودینا چاہتے ہیں۔ یہ ناممکن بات ہے کہ انسان رسوم کو بالکل چھوڑ دے وہ ایک رسم کو ترک کرے گا تو دوسری ضرور اختیار کرے گا۔ اس لئے بری رسموں کے بجائے عمدہ رسمیں قائم کرنی لازم ہیں اور جن رسموں کا کوئی حصہ خراب ہو گیا ہے اوس کے صرف اوسی قدر حصہ کی اصلاح کر دینی مناسب ہے۔ جو رسوم مصلحت وقت کے مناسب ہیں اون کے تو قائم رکھنے کی ضرورت ہی ہے۔ ایسی رسمیں بھی جن میں نہ نفع ہو نہ نقصان قائم رکھنی چاہئیں۔ تاکہ انسان کی زندگی میں لطافت۔ رنگینی اور دل چسپی قائم رہے۔ ایسی رسموں کا بہت سا حصہ عورتوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اون کا وقت زیادہ تر گھر کے کاروبار میں گزرتا ہے۔ جس کی وسعت محدود ہوتی ہے۔ مہمات امور میں اون کو مصروفیت نہیں ہوتی۔ اون کے مشاغل ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ جنہیں اون کی ساری عمر گزرتی ہے۔ اس لئے اون کا دل تبدیلی کو چاہتا ہے اس لئے ایسے طریقے اور رسمیں ایجاد کرتی ہیں جس میں دل بہلے۔ کسی قدر فرحت اور دل چسپی ہو۔ جب عورتیں تعلیم یافتہ ہونگی اور ہر چیز کے نفع و نقصان کو سمجھنے لگیں گی۔ تو وہ خود ان رسموں کی اصلاح کرتی جائیں گی۔ مسلمانوں میں تو رسوم کی اصلاح کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر تقریب کے لئے جو احکامات شرع مقرر ہیں اون کا ایک دستور العمل بنا کر جاری کر دیا جائے اس سے وہ مضرتیں دفع ہو جائیں گی جو تقریبات میں افراط و تفریط یا خلاف مصلحت امور کے داخل ہونے سے پیدا ہو گئی ہیں۔ رسوم کے ادا کرنے کا طرز یا اور فروعی امور ہر فرقہ اپنی پسند اور مذاق کے مطابق مقرر کر لیا۔

رسموں میں  
عورتوں کا حصہ

بعض لوگ جو رسوم کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور اپنی کوشش میں ناکام ہوتے ہیں۔ اوس کا سبب ایک تو یہ ہوتا ہے کہ وہ بالکل رسموں کو مٹا دینا چاہتے ہیں یا ایک بُری رسم کی جگہ دوسری بُری بلکہ اوس سے بدتر رسم قائم کر دیتے ہیں مثلاً یہ کوشش کہ شادی یا بیاہ کی تقریپوں میں کوئی رسم ادا نہ کی جائے او

رسوم میں بدعتوں کی  
اصلاح

میں عام ہی خواہی اور اخوت قائم کرنی چاہئے کیونکہ اگر تنہا کا سیلاب بذریعہ قوانین ایک طرف سے روکا گیا تو وہ دوسری طرف سے کسی اور صورت میں نفاذ ہوگا۔ ہوشیاری بہالت۔ خود غرضی اور ہر ایوان میں گرفتار ہے وہ اس سے بدتر ہے جو کسی خود مختار کے ہاتھ میں گرفتار ہو۔ انسان کو خود اپنی طبیعت کا حاکم ہونا اور اپنے دلی بند بات پر قابو حاصل کرنا چاہئے۔ اور اگر یہ نہیں تو گوشت خواہ کیسے ہی اعلیٰ اصول کیونکہ مقرر کرے اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جو قومیں اس طرح اپنی خرابیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں ان پر حکومت کی تبدیلی یا قوانین کے تغیر سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ آزادی کی بنیاد صرف گورنمنٹ میں نہیں بلکہ قوم کے ہر فرد میں قائم ہونی چاہیے اور صرف اسی صورت میں ابناے ملک میں حیثیت القوم ترقی کر سکتے ہیں اور ملک میں آزادی اور سرسبزی ہو سکتی ہے۔ جو قومیں آج ترقی یافتہ ہیں انہوں نے یہ عروج ایک دفعہ ہی نہیں حاصل کیا بلکہ یہ گزشتہ زمانہ اور پہلے لوگوں کے حالات کا نتیجہ ہے۔ اور ایک نسل دوسری نسل کی ترقی اور افزائش میں مدد دیتی اور ان کا پایہ بلند کرتی رہی ہے۔ اور اس طرح ان عہدہ کام کرنے والوں نے صنعت و حرفت۔ علم و فن کا ذخیرہ اپنے اخلاف کو ورثہ دیا اور انہوں نے اس میں اور ترقی کی۔ اور اس سے بہتر حالت میں اپنی نسلوں کے لئے چھوڑا۔ وطن کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ شریفانہ کاموں سے ملک کا نام روشن کیا جائے۔ اور اس کے رتبہ اور قوت کو بڑھایا جائے۔ جو قوم کہ دیانت داری پر سہزگاری۔ صداقت۔ بلند ہمتی سے زندگی بسر کرتی ہے اور ترقی کرتے کے جو ذرائع اسے موجود ملتے ہیں ان کو اپنی محنت اور جانفشانی سے کام میں لاتی ہے وہ بے شک محب وطن ہے۔

جب لوگ مجتمع ہو کر کسی کام کے انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں تو عزم و دل میں ایک خاص قسم کی خوشی پیدا ہوتی ہے جو ان کی بہت باندھتی ہے۔ جو

مکے وطن کی  
اصلی محبت

اپنے گھائس کے جھونپڑے میں بادشاہ کے محالوں کا فرا آتا ہے۔ لیکن جب وطن کا اقتضایہ ہے کہ انسان وطن کو صرف آرام و راحت ہی کے لئے نہ چاہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو اپنے ملک کے عام امن اور بہبودی کی ترقی میں سہمی کرے اور جہاں تک ہو سکے اون اسباب اور موانعات کو دور کرے جو ملک میں خرابی پیدا کرنے والے یا اوس کی سرسبزی۔ اوس کی آزادی۔ اوس کی شان و شوکت کو مٹانے والے یا گھٹانے والے ہوں۔ اپنے ملک کی بہبودی میں کچھ نہ کچھ سعی کرنا ہر شخص کے اختیار میں ہے مثلاً تاجر بذریعہ تجارت نفع پہنچاتے ہیں صنّاع دوسرے ملکوں کی مصنوعات سے مستغنی کر کے اپنے ملک کا نام روشن کرتے ہیں۔ اہل سیف دشمنوں کے حملوں کو روکتے اور حفاظت کرتے ہیں۔ اہل قلم اپنے حسن تدبیر سے انتظام مملکت میں مدد دیتے یا اپنی پیش بہا تصنیفات سے نئے نئے علوم و فنون کے خزانے اور معلومات کے ذخیرے زیادہ کرتے ہیں۔ ہر محب وطن کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ملک کے قانون کی اطاعت اور بادشاہ کی حق گزاری اور ابنائے ملک کو راحت اور آرام پہنچانے کی عمدہ مثال بنے۔ محبان وطن نے اپنے ملک کی آزادی اور اپنے مذہب کی حمایت میں جہاں تک کی بھی پروا نہیں کی اور وہ نام پیدا کیا کہ دنیا میں آفتاب و مانتاب کے ساتھ قائم رہے گا۔

قومِ عظمت

کسی ملک یا کسی قوم کے بڑے ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اوس کی آبادی بہت ہے یا ملک کا رقبہ وسیع ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ قوم کے بہت سے افراد بلکہ کہنا چاہئے کہ کل افراد میں اوصاف حمیدہ موجود ہیں۔ اور وہ جملتی۔ دانشمند۔ راست باز۔ عالم۔ شجاع ہیں۔ اسی طرح کسی قوم کی مردم شماری حواہ کسی قدر زیادہ کیوں نہ ہو اگر وہ کاہل۔ خود غرض۔ جاہل۔ بزدل ہیں تو وہ قوم کمزور اور وہ ملک ضعیف ہے۔ کسی ملک کو موجودہ حالت سے ترقی دینے کے لئے قوانین بنانے اور ریگولیشن جاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ابنائے ملک کے دلوں

باہم بالکل غیر مین۔ اس پر مذہب کے اختلاف نے سب سے زیادہ غضب  
 ڈھایا ہے جو اہل ہند کو کسی ایک مطلب پر خواہ کیسا ہی اعلیٰ اور کیسا ہی عمدہ  
 کیوں نہ ہو متفق ہونے نہیں دیتا۔ یہ سچ ہے کہ ہر شخص کو پابند مذہب ہونا چاہیے  
 اور ارکان مذہب کو بہت اچھی طرح ادا کرنا انسان کا فرض ہے لیکن مذہب کو  
 باہمی نفاق کا بیج بنا کر جھگڑے فساد اور باہمی تنازع کی جڑ قائم کرنی اور بجاے  
 ترقی کے تنزل کا آلہ بنانا ٹھیک نہیں ہر زمانہ کا اقتضا اور ہر ملک کی مصلحت جدا  
 جدا ہوتی ہے ہندوستان کی تمام اقوام کے لئے خواہ کسی مذہب و ملت کے  
 کیوں نہ ہوں تعصب مذہبی کو بالائے طاق رکھ کر ترقی تمدن میں متحدہ طور پر  
 کام کرنا اور اپنے اپنے مذہب کی پابندی کے ساتھ امور دنیا میں ایک دل و  
 یک جان ہو کر کوشش کرنا لازم ہے۔ مذہب نجات اخروی کا ذریعہ ہے نہ  
 دنیوی فساد کا آلہ۔ اہل کشتی کی سلامتی کشتی کی سلامتی پر منحصر ہے۔ اہل ہند کی  
 رفاه ملک کی رفاه اور ملک کی دولت اور ملک کی عزت پر منحصر ہے۔

## ۲۔ قومیت

قومی ترقی افراد قوم کی محنت۔ لیاقت۔ دانش۔ راستبازی کا نتیجہ ہوتی  
 ہے اور قومی زوال یہ ہے کہ افراد قوم میں سے خصائل حسہ جاتے رہیں اور  
 اون میں خود غرضی۔ جمالت۔ نا عاقبت اندیشی پھیل جائے۔ جب لوگوں کے  
 رویہ خراب ہو جاتے ہیں اور اون میں سے ترقی کی قابلیت سلب ہو جاتی ہے  
 تو وہ ترقی محسوس کرنے لگتی ہے۔ اور تمدن کی جو خرابیاں قوم میں پائی جاتی ہیں  
 وہ اس سبب سے ناقابل اصلاح ہوتی ہیں کہ افراد قوم اپنی حالت پر نظر نہیں  
 کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ادب کے سوا دوسرے لوگ اس الزام کے مورد ہیں  
 اور اگر کوئی قانون یا قاعدہ ایک بات کے اسناد کے لئے مقرر کیا جائے تو دوسری  
 خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں بلکہ مرض ایک سے وہ چند ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ خرابی اس  
 وقت رفع ہو سکتی ہے کہ افراد قوم جلدی اور متواتر ترقی شروع کر دیں۔ مجبان قوم کا

قومی ترقی  
 اور تنزل

شخص کسی خسارہ یا موت کے ڈر سے اپنے ملک کی خدمت سے مٹے ہوئے  
 اور اپنے نام کو بڑے لگائے وہ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں  
 کہ ملک و قوم کی خدمت میں تکالیف کا سامنا بھی ہے سب سے پہلے اپنے  
 راحت و آرام کو ترک کرنا پڑتا ہے اور بہت سے بڑے بڑے کام ایسے کرنے ہوتے  
 ہیں جن کا کوئی مالی معاوضہ نہیں ملتا لیکن صرف دولت یا مکانات اور عالیشان  
 فریخہ ہی زندگی کا مقصد نہیں بلکہ سب سے زیادہ ضروری چیز عزت ہے۔ جن  
 لوگوں کو قومی عزت حاصل ہے ان کے غریب۔ اور مفلس اور کمینہ آدمیوں  
 کی بھی وہ وقعت ہے جو دوسرے اقوام کے امیروں اور سربراہان اور وہ لوگوں کی  
 نہیں۔ کیونکہ دنیا میں قومی عزت قوم کے تمام افراد کو معزز بنا دیتی ہے اور اس سے  
 زیادہ شریف کام اور کونسا ہو سکتا ہے جو نہ صرف ہمارا بلکہ ہماری قوم کے ہر ایک  
 ادنیٰ اور اعلیٰ کا پایہ بلند کرے اپنے ذاتی منفعت کی پروا نہ کر کے تمام ملک  
 کی خاطر محنت اٹھانا بڑے جوان مردوں کا کام ہے لیکن اگر ملک کے تمام افراد  
 یہ لیاقت پیدا کر نی اور ایسا جوان مرد بننا چاہیں تو ممکن ہے کہ وہ اپنا تھوڑا سا  
 وقت اپناے ملک کی خاطر صرف کریں تاکہ سب لوگوں کی زندگی سنور جائے۔  
 اور آئندہ نسلیں زیادہ لائق اور فائق ہوں۔ ملک کی محبت تمدن کی ترقی کا  
 سبب ہوتی ہے۔ اور خود غرضی کے تنگ حلقہ سے نکال کر نظرمیں وسعت اور دل میں  
 حوصلہ طبیعت میں امنگ پیدا کرتی اور قومی اعزاز کا تاج سر پر رکھتی ہے۔ اپنے  
 ملک کا نام روشن کرنے اپنی لٹریچر اپنی زبان کو ترقی دینے اپنے ملک کے باشندوں  
 اور اپنی تجارت کو بحر و بر میں پھیلانے کا فخر حاصل ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے ہندوستان  
 کی ہوا ایسی بگڑی ہوئی ہے کہ اتفاق اور استیحا کا کوئی کام یہاں اس نہیں  
 آتا قدرتی طور پر بھی ایسے اختلافات واقع ہوئے ہیں کہ ہندوستانیوں کا کسی کام  
 پر مجتمعاً گمراہت باندھنا محال کے قریب قریب ہے۔ ہر خطہ کی آب و ہوا۔ مزاج  
 عادات زبان اور لوگوں کی طرز معاشرت میں اس قدر اختلاف ہے کہ گویا وہ

قومی محبت کا اثر



کہ انسان نامعلوم طور پر اخلاق عادات سیکھتا ہے۔ حروف و الفاظ کی شکل یا معنی سے آگاہ ہو جانا تعلیم نہیں بلکہ تعلیم وہ ہے جس کا انسان کے رویہ پر اثر پڑے۔ جس قسم کی مثالیں انسان کے پیش نظر اور چاروں طرف ہوتی ہیں وہ اسی قسم کے قالب میں ڈھلتا ہے۔ سانچہ خراب ہو جائے تو ساری چیزیں خراب ڈھلین گی۔ اسی طرح اگر قوم کا قوام بگڑ جائے تو ہر فرد اسی خراب رنگ کا ہوگا۔ ہاں اگر قوم کی حالت درست ہے ہر طبقہ اور ہر حالت کے شخص میں وہ وصف ہے جو اس میں ہونا چاہیے تو جو شخص وہاں پیدا ہوگا وہ اسی طریقہ اور قاعدہ پر چلے گا۔

محبان قوم جو اپنے ملک کی عام بھلائی کے لئے کوشش کرتے ہیں ان میں صبر و استقلال کی قوت اور آدمیوں کی نسبت زیادہ ہونی چاہئے کیونکہ ان کے بولے ہوئے بیج بہت عرصہ میں پھل لاتے ہیں۔ بلکہ اکثر ان کی زندگی کے بعد ان کی محنتوں کے نتیجے نکلتے ہیں۔ اور ان کے لگائے ہوئے پودے بار آور ہوتے ہیں لیکن ایک زمانہ آتا ہے کہ ان کے نام روشن ہوتے ہیں اور زمانہ اس کی شریفانہ کاموں کی قدر کرتا ہے۔



ہر شخص قوم کو بناتا  
یا بگاڑتا ہے

کام یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ قواعد و آئین کی اصلاح کریں لوگوں کے اصلاح  
حال کی طرف متوجہ ہوں اور نون میں ترقی کی روح پھونکیں۔ قوم ایک ذہن میں  
نہیں پیدا ہوتی نہ اوس کی حالت تھوڑے عرصہ میں بن یا بگاڑ سکتی ہے۔ بلکہ موجودہ  
حالت گزشتہ نسلوں کے خیالات اور کاموں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ صرف علماء و فضلاء  
خطیب۔ فلسفی۔ بادشاہ اور امراء ہی قوم کو نہیں بناتے بلکہ صنائع اور مزدور جو  
دن بھر دوکانوں اور میدانوں میں کام کرتے ہیں۔ کسان جو کھیتوں میں مل جاتے  
ہیں۔ وہ محنتی اور جفاکش لوگ جو دن رات کانوں میں کام کرتے ہیں وہ عالی دماغ  
اور نفیم اشخاص جو نئی ایجادیں اور اختراعات کرتے ہیں۔ وہ نازک خیال شاعر جو اپنی  
سحر بیانی سے دلوں کو مسح کرتے ہیں۔ سب قوم کے بنانے یا بگاڑنے میں مدد  
دیتے ہیں۔ ایک نسل دوسری نسل کے لئے ایک نیا مواد چھوڑ جاتی ہے۔ اور یہ  
نئی نسل اپنی آئندہ نسل کے ہاتھ میں اسے سنوار اور بنا کر دیتی ہے یا خراب اور  
تباہ کر کے۔ اس طرح ایک کا نتیجہ ترقی اور دوسری کا حشر تنزل ہوتا ہے یہ ورثہ  
جو ایک قوم کو اپنی گزشتہ نسل سے ملتا ہے اوس کی موجودہ حالت کی بنیاد  
بلکہ سانچہ ہوتا ہے۔ تاریخ اور سوانح عمری میں صرف چند بڑے بڑے لوگوں کے  
نام لکھے جاتے ہیں لیکن بہت سے لوگ جن کے نام معلوم نہیں ہوتے ایسے ہوتے  
ہیں جن کو قوم کے بنانے یا بگاڑنے میں بہت دخل ہوتا ہے۔ ایک غریب سے غریب  
محنتی مزدور بھی اپنی محنت۔ پرہیز گاری۔ دیانت داری کی مثال سے لوگوں پر  
اثر ڈالتا ہے اور یہ اثر صرف اسی وقت بکار آمد ہوتا ہے بلکہ آئندہ بھی قائم رہتا  
ہے۔ تنازع کا مسئلہ خواہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن یہ مسئلہ ہے کہ ایک نسل کے اخلاق کا  
اثر دوسری نسل میں منتقل ہوتا ہے۔

مدارس یا کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ نہایت ابتدائی اور سرسری  
ہوتی ہے اصلی تعلیم و تربیت خود انسان کے گھر میں اوس کے دوستوں کی  
صحبت میں۔ کارخانوں میں۔ دوکانوں میں۔ بازاروں میں۔ ہوتی ہے جہاں سے

دنیا کا مدرسہ  
قوم کا تعلیم گاہ  
ہے

شادی بائکل، ماوگی سے روزمرہ کے کاموں کی طرح ہو جائے نوع انسان پر ظلم کرنا ہے۔ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ نہ کسی نہ کسی وقت جمع ہونا اور کوئی نہ کوئی وقت خوشی سے گزرنے چاہتا ہے۔ تہج ہو کر بیٹھنے کے لئے مشاغل کی ضرورت ہو اور وہ مشاغل ہی رسوم ہیں۔ بعض صحت کا حساب یہ تو منع کرتے ہیں کہ دو طحا و طہن کو شربت تک نہ پلایا جائے لیکن تھوڑا سا کی محفل میں شراب اڑے تو مضائقہ نہیں۔ دعوت ولیمہ اون کی راسے میں ناجائز ہے لیکن ڈنر دینا مستحسن ہے زیورات بناتے روپیہ کا ہر بار دکرنا ہے لیکن یورپین لیڈیوں کی نقل اتارنے کے لئے اوس سے زیادہ روپیہ درزیوں کی نذر کرنا جائز ہے۔ فی الحقیقت یہ اصلاح نہیں فقط تغیر ہے کہ بجائے ایک برسی رسم کئے دوسری برسی رسم کا رواج دیا جاتا ہے۔

## باب ششم

### انسان پر حیثیت کرن قوم

#### ۱۔ حب وطن

وطن ایک ایسا لفظ ہے کہ ایک بکیں اور غریب آدمی کے دل میں بھی جو اپنے وطن سے کوسوں دور ہو جوش اور محبت پیدا کرتا ہے۔ جس طرح سورج مکھی کا رخ آفتاب کی طرف رہتا ہے اسی طرح دل کا رخ ہمیشہ اپنے عزیز وطن کی طرف رہتا ہے۔ کبھی اوس کی یاد بے چین کرتی اور کبھی مسرت بخش جو شیلے خیال پیدا کرتی ہے۔ قدیمی گھر۔ بچپن کے دوست۔ عزیز اور رشتہ دار۔ غرض بہت سی چیزیں جن سے دلی محبت ہوتی ہے اور جو خوشی کا سرچشمہ ہوتی ہیں وطن سے تعلق رکھتی ہیں۔ خاک وطن کچھ ایسی دل فریب ہوتی ہے جہاں ایک غریب کسان

وطن کی خصوصیت

# خاتمہ

## موت

زندگی کی  
محبت

انسان کی طبعی عمر ستر برس قرار دی گئی ہے۔ یہ زمانہ اگر نظر انصاف اور غور سے دیکھا جائے تو طرح طرح کی دشواریوں گونا گوں وقتوں بے شمار آلام۔ بے انتہا افکار کا ایک پیچیدہ جال ہے جس میں انسان کی نازک جان گرفتار ہے۔ طفولیت میں وہ بالکل محتاج ہے ماں باپ عزیز و اقرباء کے سہارے کے بغیر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ بڑا ہوا تو اکسباب معاش کا فکر ہے رات دن کی محنت سخت سے سخت کام دشوار سے دشوار اور ذلیل سے ذلیل پیشہ اس لئے اختیار کرتا ہے کہ پیٹ بھر کھانا اور تن کو کپڑے اور بے فکر سے وہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں پھر وہی بے کسی اور بے بسی کا عالم ہے کہ بیماریوں نے گھر کر لیا ہے ضعف زیادہ ہے۔ تاب و توان جواب دے چکے ہیں اعصاب کی قوت کم ہو گئی ہے۔ دشمنوں کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے۔ عزیز و اقارب کی بے مروتی سے کلیجہ چھلنی ہے زمانہ نئے وہ وہ رنج و الم دے رہے ہیں کہ اون کی یاد سے آنسوؤں کی جگہ خون کے قطرے ٹپکتے ہیں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو آرام نہ گزشتہ زمانہ کے نقصانات کی تلافی کی توقع ہے نہ آئندہ کسی امید کے پورا ہونے کا امکان باقی ہے لیکن پھر بھی زندگی کی اتنی محبت ہے کہ موت کے نام سے دم نکلتا ہے۔ اس سے زیادہ ہزاروں آفتیں سہنی منظور لیے کاراؤ اپنا بچ پڑے رہنا گوارا لیکن تعلقات دنیا سے مفارقت گوارا نہیں۔ یہ تعجب ہوتا ہے کہ جب ہر انسان کے لئے خواہ کسی درجہ اور کسی طبقہ کا کیون نہ ہو خوشی اور راحت کا حصہ بہت کم ہے اور جب زندگی ایسی بے ثبات اور موت ایسی یقینی ہے تو کیوں انسان بجائے زندگی کے موت کی تمنا نہیں کرتے اور

میں عام ہی خواہی اور اتوں کی کرنی چاہئے کیونکہ اگر تنزل کا سیلاب بذریعہ قوانین ایک طرف سے روکا جائے اور دوسری طرف سے کسی اور صورت میں ظاہر ہوگا۔ جو شخص جمالت۔ اور نی اور برائیوں میں گرفتار ہے وہ اس سے بدتر ہے جو کسی خود مختار کے ہاتھ میں گرفتار ہو۔ انسان کو خود اپنی طبیعت کا حاکم ہونا اور اپنے دلی جذبات پر قابو حاصل کرنا چاہئے۔ اور اگر یہ نہیں تو گورنمنٹ خواہ کیسے ہی اعلیٰ اصول کیوں نہ مقرر کرے اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جو قومیں اس طرح اپنی خرابیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں ان پر حکومت کی تہہ پیلی یا قوانین کے تغیر سے کوئی فائدہ نہ مرتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ آزادی کی بنیاد صرف گورنمنٹ میں نہیں بلکہ قوم کے ہر فرد میں قائم ہونی چاہئے اور صرف اسی صورت میں اپنا ملک من حیث القوم ترقی کر سکتے ہیں اور ملک میں آزادی اور سرسبزی ہو سکتی ہے۔ جو قومیں آج ترقی یافتہ ہیں انہوں نے یہ عروج ایک دفعہ ہی نہیں حاصل کیا بلکہ یہ گزشتہ زمانہ اور پہلے لوگوں کے حالات کا نتیجہ ہے۔ اور ایک نسل دوسری نسل کی ترقی اور افزائش میں مدد دیتی اور ان کا پایہ بلند کرتی رہی ہے۔ اور اس طرح ان عمدہ کام کرنے والوں نے صنعت و حرفت۔ علم و فن کا ذخیرہ اپنے اخلاف کو ورثہ دیا اور انہوں نے اس میں اور ترقی کی۔ اور اس سے بہتر حالت میں اپنی نسلوں کے لئے چھوڑا۔ وطن کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ شریفانہ کاموں سے ملک کا نام روشن کیا جائے۔ اور اس کے رتبہ اور قوت کو بڑھایا جائے۔ جو قوم کہ دیانت داری پر سبزی گاری۔ صداقت۔ بلند ہمتی سے زندگی بسر کرتی ہے اور ترقی کرتے کے جو ذرائع اسے موجود ملتے ہیں ان کو اپنی محنت اور جانفشانی سے کام میں لاتی ہے وہ بے شک محب وطن ہے۔

جب لوگ مجتمع ہو کر کسی کام کے انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں ان کے دل میں ایک خاص قسم کی خوشی پیدا ہوتی ہے جو ان کی بہت باندھتی ہے۔ جو

مکرم وطن کی  
اصلی محبت

اپنے گھائس کے جھونپڑے میں بادشاہ کے محلوں کا فرا آتا ہے۔ لیکن جب وطن کا  
اقتضایہ ہے کہ انسان وطن کو صرف آرام و راحت ہی کے لئے نہ چاہیے بلکہ  
جہان تک ممکن ہو اپنے ملک کے عام امن اور بہبودی کی ترقی میں سعی کرے  
اور جہان تک ہو سکے اور اسباب اور موافقات کو دور کرے جو ملک میں خرابی  
پیدا کرنے والے یا اوس کی سرسبزی۔ اوس کی آزادی۔ اوس کی شان و  
شوکت کو مٹانے والے یا گھٹانے والے ہوں۔ اپنے ملک کی بہبودی میں کچھ  
نہ کچھ سعی کرنا ہر شخص کے اختیار میں ہے مثلاً تاجر بذریعہ تجارت نفع پہنچاتے ہیں  
صناع دوسرے ملکوں کی مصنوعات سے مستفنی کر کے اپنے ملک کا نام روشن  
کرتے ہیں۔ اہل سیف و شمشیر کے حملوں کو روکتے اور حفاظت کرتے ہیں۔  
اہل قلم اپنے حسن تدبیر سے انتظام مملکت میں مدد دیتے یا اپنی پیش بہا تصنیفات  
سے نئے نئے علوم و فنون کے خزانے اور معلومات کے ذخیرے زیادہ کرتے  
ہیں۔ ہر محب وطن کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ملک کے قانون کی اطاعت اور  
بادشاہ کی حق گزاری اور اہل ملک کو راحت اور آرام پہنچانے کی عمدہ مثال  
بنے۔ محبان وطن نے اپنے ملک کی آزادی اور اپنے مذہب کی حمایت میں جان نذر  
کی بھی پروا نہیں کی اور وہ نام پیدا کیا کہ دنیا میں آفتاب و ماہتاب کے ساتھ  
قائم رہے گا۔

قوم عظمت

کسی ملک یا کسی قوم کے بڑے ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اوس کی آبادی  
بہت ہے یا ملک کا رقبہ وسیع ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ قوم کے بہت سے افراد ہلکے  
کہنا چاہئے کہ کل افراد میں اوصاف حمیدہ موجود ہیں۔ اور وہ محنتی۔ دانشمند۔  
راست باز۔ عالم۔ شجاع ہیں۔ اسی طرح کسی قوم کی مردم شماری خواہ کسی قدر  
زیادہ کیوں نہ ہو اگر وہ کاہل۔ خود غرض۔ جاہل۔ بزدل ہیں تو وہ قوم کمزور اور  
وہ ملک ضعیف ہے۔ کسی ملک کو موجودہ حالت سے ترقی دینے کے لئے قوانین  
بنانے اور ریگولیشن جاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اہل ملک کے دلوں

باہم بالکل غیر ہیں۔ اس پر مذہب کے اختلاف نے سب سے زیادہ غضب ڈھایا ہے جو اہل ہند کو کسی ایک مطلب پر خواہ کیسا ہی اعلیٰ اور کیسا ہی عمدہ کیون نہ ہو متفق ہونے نہیں دیتا۔ یہ سچ ہے کہ ہر شخص کو پابند مذہب ہونا چاہیے اور ارکان مذہب کو بہت اچھی طرح ادا کرنا انسان کا فرض ہے لیکن مذہب کو باہمی نفاق کا بیج بنا کر جھگڑے فساد اور باہمی تنازع کی جڑ قائم کرنی اور بجائے ترقی کے تنزل کا آلہ بنانا ٹھیک نہیں ہر زمانہ کا اقتضا اور ہر ملک کی مصلحت جدا جدا ہوتی ہے ہندوستان کی تمام اقوام کے لئے خواہ کسی مذہب و ملت کے کیون نہ ہوں تعصب مذہبی کو بالاسے طاق رکھ کر ترقی تمدن میں متحدہ طور پر کام کرنا اور اپنے اپنے مذہب کی پابندی کے ساتھ امور دنیا میں ایک دل و یک جان ہو کر کوشش کرنا لازم ہے۔ مذہب نجات اخروی کا ذریعہ ہے نہ دنیوی فساد کا آلہ۔ اہل کشتی کی سلامتی کشتی کی سلامتی پر منحصر ہے۔ اہل ہند کی رفاه ملک کی رفاه اور ملک کی دولت اور ملک کی عزت پر منحصر ہے۔

## ۲۔ قومیت

قومی ترقی افراد قوم کی محنت۔ لیاقت۔ دانش۔ راستبازی کا نتیجہ ہوتی ہے اور قومی زوال یہ ہے کہ افراد قوم میں سے خصائل حسد جاتے رہیں اور اون میں خود غرضی۔ جہالت۔ نا عاقبت اندیشی پھیل جائے۔ جب لوگوں کے رویہ خراب ہو جاتے ہیں اور اون میں سے ترقی کی قابلیت سلب ہو جاتی ہے تو وہ ترقی معکوس کرنے لگتی ہے۔ اور تمدن کی جو خرابیاں قوم میں پائی جاتی ہیں وہ اس سبب سے ناقابل اصلاح ہوتی ہیں کہ افراد قوم اپنی حالت پر نظر نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اون کے سوا دوسرے لوگ اس الزام کے مورد ہیں اور اگر کوئی قانون یا قاعدہ ایک بات کے اسناد کے لئے مقرر کیا جائے تو دوسری خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں بلکہ مرض ایک سے دہ چند ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ خرابی اس وقت رفع ہو سکتی ہے کہ افراد قوم جلدی اور متواتر ترقی شروع کر دیں۔ مہمان قوم کا

قومی ترقی اور تنزل

شخص کسی خسارہ یا موت کے ڈر سے اپنے ملک کی خدمت سے مُنہ موڑے اور اپنے نام کو بڑے لگائے وہ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک و قوم کی خدمت میں تکالیف کا سامنا بھی ہے سب سے پہلے اپنے راحت و آرام کو ترک کرنا پڑتا ہے اور بہت سے بڑے بڑے کام ایسے کرنے ہوتے ہیں جن کا کوئی مالی معاوضہ نہیں ملتا لیکن صرف دولت یا مکانات اور عیالشان فرخندہ زندگی کا مقصد نہیں بلکہ سب سے زیادہ ضروری چیز عزت ہے۔ جن لوگوں کو قومی عزت حاصل ہے اُن کے غریب۔ اور مفلس اور کمینہ آدمیوں کی بھی وہ وقعت ہے جو دوسرے اقوام کے امیرون اور سربراہان اور وہ لوگوں کی نہیں۔ کیونکہ دنیا میں قومی عزت قوم کے تمام افراد کو معزز بنا دیتی ہے اور اس سے زیادہ شریف کام اور کونسا ہو سکتا ہے جو نہ صرف ہمارا بلکہ ہماری قوم کے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ کا پایہ بلند کرے اپنے ذاتی منفعت کی پروا نہ کرے تمام ملک کی خاطر محنت اٹھانا بڑے جوان مردوں کا کام ہے لیکن اگر ملک کے تمام افراد یہ لیاقت پیدا کرنی اور ایسا جوان مرد بننا چاہیں تو ممکن ہے کہ وہ اپنا تھوڑا سا وقت اپنا ملک کی خاطر صرف کریں تاکہ سب لوگوں کی زندگی سنور جائے۔ اور آئندہ نسلیں زیادہ لائق اور فائق ہوں۔ ملک کی محبت تمدن کی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔ اور خود غرضی کے تنگ حلقہ سے نکال کر نظرمیں وسعت اور دل میں حوصلہ طبیعت میں اُمنگ پیدا کرتی اور قومی اعزاز کا تاج سر پر رکھتی ہے۔ اپنے ملک کا نام روشن کرنے اپنی لٹریچر اپنی زبان کو ترقی دینے اپنے ملک کے باشندوں اور اپنی تجارت کو سحر و برہمن پھیلانے کا فخر حاصل ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے ہندوستان کی ہوا ایسی بگڑی ہوئی ہے کہ اتفاق اور استیاد کا کوئی کام یہاں راس نہیں آتا قدرتی طور پر بھی ایسے اخلاقیات واقع ہوئے ہیں کہ ہندوستانیوں کا کسی کام پر مجتمع کر بہت باندھنا محال کے قریب قریب ہے۔ ہر خطہ کی آپ و ہوا۔ مزاج عادات زبان اور لوگوں کی طرز معاشرت میں اس قدر اختلاف ہے کہ گویا وہ

جی محبت کا اثر



کہ انسان نامعلوم طور پر اخلاق عادات سیکھتا ہے۔ سن دنیا میں  
سے آگاہ ہو جانا تعلیم نہیں بلکہ تعلیم وہ ہے جس کا انسان سیکھے اس  
جس قسم کی مثالیں انسان کے پیش نظر اور چاروں طرف  
قسم کے قالب میں ڈھلتا ہے۔ سانچہ خراب ہو جائے تو سانچے تار  
ڈھلین گی۔ اسی طرح اگر قوم کا قوام بگڑ جائے تو ہر فرد اسی خراب پائتے  
ہاں اگر قوم کی حالت درست ہے ہر طبقہ اور ہر حالت کے مطابق  
یہ جو اوس میں ہونا چاہئے تو جو شخص وہاں پیدا ہو گا ہو گئی  
قاعدہ پر چلے گا۔

محبان قوم جو اپنے ملک کی عام بھلائی کے لئے کوشش کرتے  
اون میں صبر و استقلال کی قوت اور آدمیوں کی نسبت زیادہ ہے۔  
کیونکہ اون کے بولے ہوئے بیج بہت عرصہ میں پھل لاتے ہیں۔ بالآخر انکی  
زندگی کے بعد اون کی محنتوں کے نتیجے نکلتے ہیں۔ اور اون کے لگائے ہوئے  
پودے بار آور ہوتے ہیں لیکن ایک زمانہ آتا ہے کہ اون کے نام روشن ہوتے  
ہیں اور زمانہ اوس کی شریفانہ کاموں کی قدر کرتا ہے۔



کام یہ ہے کہ بچائے اس کے کہ وہ قواعد و آئین کی اصلاح کریں لوگوں کے اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوں اور ان میں ترقی کی روح پھونکیں۔ قوم ایک دن میں نہیں پیدا ہوتی نہ اوس کی حالت تھوڑے عرصہ میں بن یا بگاڑ سکتی ہے۔ بلکہ موجودہ حالت گزشتہ نسلوں کے خیالات اور کاموں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ صرف علماء و فضلاء خطیب۔ فلسفی۔ بادشاہ اور امراء ہی قوم کو نہیں بناتے بلکہ صنّاع اور مزدور جو دن بھر دوکانوں اور میدانوں میں کام کرتے ہیں۔ کسان جو کھیتوں میں مل جاتے ہیں۔ وہ تختی اور جفاکش لوگ جو دن رات کانوں میں کام کرتے ہیں وہ عالی دماغ اور فہیم اشخاص ہونئی ایجادیں اور اختراع کرتے ہیں۔ وہ نازک خیال شاعر جو اپنی سحر بیانی سے دلوں کو مسح کرتے ہیں۔ سب قوم کے بنانے یا بگاڑنے میں مدد دیتے ہیں۔ ایک نسل دوسری نسل کے لئے ایک نیا مواد چھوڑ جاتی ہے۔ اور یہ نئی نسل اپنی آئندہ نسل کے ہاتھ میں اسے ستوار اور بنا کر دیتی ہے یا خراب اور تباہ کر کے۔ اس طرح ایک کا نتیجہ ترقی اور دوسری کا حشر تنزل ہوتا ہے یہ ورثہ جو ایک قوم کو اپنی گزشتہ نسل سے ملتا ہے اوس کی موجودہ حالت کی بنیاد بلکہ سانچہ ہوتا ہے۔ تاریخ اور سوانح عمری میں صرف چند بڑے بڑے لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں لیکن بہت سے لوگ جن کے نام معلوم نہیں ہوتے ایسے ہوتے ہیں جن کو قوم کے بنانے یا بگاڑنے میں بہت دخل ہوتا ہے۔ ایک غریب سے غریب محنتی مزدور بھی اپنی محنت۔ پرہیزگاری۔ دیانت داری کی مثال سے لوگوں پر اثر ڈالتا ہے اور یہ اثر نہ صرف اوسی وقت بکار آمد ہوتا ہے بلکہ آئندہ بھی قائم رہتا ہے۔ تناسخ کا مسئلہ خواہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن یہ مسئلہ ہے کہ ایک نسل کے اخلاق کا اثر دوسری نسل میں منتقل ہوتا ہے۔

مدارس یا کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ نہایت ابتدائی اور سرری ہوتی ہے اصلی تعلیم و تربیت خود انسان کے گھر میں اوس کے دوستوں کی صحبت میں۔ کارخانوں میں۔ دوکانوں میں۔ بازاروں میں۔ ہوتی ہے جہاں سے

بہ شخص قوم کو بنانا  
یا بگاڑنا ہے

دنیا کا مدرسہ  
قوم کا تعلیم گاہ  
ہے

موت بجاے اس کے کہ قانون کی سب سے بڑی ۔  
 ہے کیون اعلیٰ درجہ کا انعام اور رحمت نہیں خیال کی  
 زندگی کی محبت صرف انسان ہی کے فرقہ میں  
 میں بھی اوسی قدر ہے جتنی کہ انسان میں ۔ شہ زور جانو  
 کرتے ہیں اور اگر ہو سکتا ہے تو شکاریوں کو ہی شکار  
 چھوٹے پرندے صیاد کی شکل دیکھ کر اڑ جاتے ہیں ۔ بھ  
 ہیں لیکن خوف کے مارے دانہ پانی کا رخ نہیں کرتے  
 چاہو تو جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کرتی ہے ۔ اس  
 زندگی کی اتنی محبت تعلیم یا تہذیب کا نتیجہ نہیں بلکہ عقل  
 کہ جان کی حفاظت کی جا رہی ہے ۔

مذہب عالم جو کام جس کسی سے لینا چاہتا ہے اوس کی ویسی ہی تدبیر میں  
 فرماتا ہے اور جس قدر جو کام زیادہ مشکل ہے اوس کی خواہش اور دل چسپی اسی  
 قدر زیادہ ہے ۔ تاکہ اوس انتظام میں جو فطرت کا منشاء ہے فرق نہ آئے ۔ دنیا میں  
 اکسب معاش کا کام سہل نہ تھا لیکن باوجود اس کے کہ غذا قیام و ثبات  
 بدن کے لئے ضروری ہے زبان میں ذائقہ دیا گیا تاکہ معاش کے کاموں سے  
 دل چسپی زیادہ بڑھ جائے ۔ اگر انسان کا مذاق ایسا اعلیٰ نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ  
 بھی دوسرے حیوانات کی طرح کسی درخت کے پتوں یا جڑوں یا زیادہ سے  
 زیادہ قدرتی جھاڑیوں کے پھلوں پر گزارہ کرتا ۔ اسی طرح اولاد کی پرورش  
 بہت مشکل کام ہے کہ انسان اپنے آرام و راحت کو ترک کرے اور باوجود دوسرے  
 کاموں اور دوسرے مشاغل کے جو خود اوس کی ذات کے لئے ضروری ہیں ایک  
 بیکس بچہ کی پرورش کا بکھیرا اپنے سر لے اور وہ بھی ایک دن دو دن نہیں بلکہ  
 برسوں اور پھر تعلیم و تربیت کے جھگڑے جدا رہے ۔ لیکن اس مشکل کو سہل اور  
 اس مشقت میں دل چسپی پیدا کرنے کے لئے اولاد کی محبت دوسرے تمام تعلقات کی

زندگی کی  
 کی وجہ

# کام یہ ہے کہ بجائے اس کے حال کی طرف متوجہ ہو

ہر شخص قوم کو پاتا  
یا بگاڑتا ہے

نہیں پیدا ہوتی نہ

موت

حالت گزشتہ نسلا

خطیب۔ فلسفی بلجی عمر ستر برس قرار دی گئی ہے۔ یہ زمانہ اگر نظر انصاف اور  
دن بھر دوکانوں اور طرح طرح کی دشواریوں گونا گوں وقتوں بے شمار آلام۔  
ہیں۔ وہ محنتی اور جمع پسند ہال ہے جس میں انسان کی نازک جان گرفتار  
اور فہم اشخاص جوئے وہ بالکل محتاج ہے مان باپ عزیز و اقرباء کے سہارے  
سحر بیانی سے دل بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ بڑا ہوا تو اکتساب معاش کا فکر ہے  
چلتے ہیں۔ محنت سخت سے سخت کام دشوار سے دشوار اور ذلیل سے ذلیل  
پیشہ اس لئے اختیار کرتا ہے کہ پیٹ بھر کھانا اور تن کو کپڑا ملے اور بے فکری سے  
وہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں پھر وہی بے کسی اور بے بسی کا عالم ہے  
کہ بیماریوں نے گھر کر لیا ہے ضعف زیادہ ہے۔ تاب و توان جواب دے چکے ہیں  
اعضا کی قوت کم ہو گئی ہے۔ دشمنوں کا کھڑکا ہر وقت لگا ہوا ہے۔ عزیز و اقارب  
کی بے مروتی سے کلیہ چھلنی ہے زمانہ نے وہ درجہ و الم دے دیں کہ اون کی  
یاد سے آنسوؤں کی جگہ خون کے قطرے ٹپکتے ہیں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو  
آرام نہ گزشتہ زمانہ کے نقصانات کی تلافی کی توقع ہے نہ آئندہ کسی امید کے  
پورا ہونے کا امکان باقی ہے لیکن پھر بھی زندگی کی اتنی محبت ہے کہ موت  
کے نام سے دم نکلتا ہے۔ اس سے زیادہ ہزاروں آفتیں سہنی منظور بے کار اور  
اپنا ہیچ پڑے رہنا گوارا لیکن تعلقات دنیا سے مفارقت گوارا نہیں۔ یہ تعجب  
ہوتا ہے کہ جب ہر انسان کے لئے خواہ کسی درجہ اور کسی طبقہ کا کیون نہ ہو  
خوشی اور راحت کا حصہ بہت کم ہے اور جب زندگی ایسی بے ثبات اور موت  
ایسی یقینی ہے تو کیوں انسان بجائے زندگی کے موت کی تمنا نہیں کرتے اور

اور موت زندگی کے حدود ہیں اور چونکہ اس دنیا میں عمل ہے جو یہاں کے لئے بکار آمد ہیں اس لئے اس سے نہ موت سے دل چسپی۔

لوگ موت سے ایسا ڈرتے ہیں جیسے کہ بچے تار مار بچوں کے آگے اگر خوفناک کہانیاں بیان کی جائیں تو یہی حال انسان کا ہے کہ موت کی سختی اور تکالیف کا وہ سے جدا ہونے کی حسرت ایسی دل نشین ہو گئی ہے۔

موت کا خوف اس سبب سے کرنا کہ گمراہ اندیشہ ہے بری بات نہیں۔ کیونکہ یہ خیال نصیحت سے

کی اتنی محبت کہ باوجود عمر طبعی کو پہنچ جانے کے بھی تعلقات دنیا کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا کم عقلی کی بات ہے۔ جن لوگوں نے اپنی زندگی بھلے کاموں میں صرف کی ہے اور ان کو اس جہان فانی کے چھوڑنے کا ذرا بھی ملال نہیں ہوتا بلکہ وہ آخر دم تک خوش بشاش اور مطمئن رہتے ہیں۔ جو کچھ ایک بار پیدا ہوا ہے وہ ضرور اور یقینی فنا ہو گا۔ بچپن میں مرے تو اور جوانی یا بڑھاپے میں مرے تو۔ اور موت کی تکلیف سب کو سہی ہے۔ کسی کو کچھ کم کسی کو کچھ زیادہ۔ اس لئے جو لوگ اپنی زندگی اعمال حسہ میں گزارتے ہیں وہ موت کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کے نام ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور وہ اس دنیا کے کھڑاگ سے چھوٹ جاتے ہیں۔

مرنے میں بے شک تکلیف ہوتی ہے لیکن کیا زندگی میں اس سے زیادہ تکلیفیں نہیں ہوتیں۔ ہزاروں بیماریاں ہیں جن کی تکلیف نہایت سخت ہوتی ہے۔ ایک درد ہی ہے کہ موت کا مزا چکھا دیتا ہے۔ لیکن انسان اس سے ایسا نہیں ڈرتا جیسا کہ موت سے۔ انسان کا موت سے ڈرنا اس سبب سے نہیں ہے کہ اس میں کسی تکلیف کا خیال ہے بلکہ فی نفسہ

۱۰ وہ سوڑ دی گئی ہے۔ تاکہ یہ محنت بار نہ معلوم  
 مان کا حصہ زیادہ ہے اوس کو اولاد کے ساتھ  
 بی سبب کہ وہ گھر کے سارے دھندے اور محنت و مزدوری  
 و بچہ کو دودھ بھی پلاتی جاتی ہے اور دن بھر تھکا اور  
 راحت نصیب ہوتی ہے کہ اپنے بچہ سے دل بہلائے۔  
 زیادہ عرصہ تک نگہداشت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے  
 ت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اور جہاں بچے بڑے ہوئے تو  
 و جاتی ہے بلکہ دشمنی۔ اگر انسان کو اولاد کی محبت  
 و ص پڑی تھی کہ اتنی کھکیر اٹھاتا بلکہ ادھر بچہ پیدا  
 ہوا اور ۱۱۔ اور جب یہ حالت ہوتی تو آج دنیا کی مردم شمار می  
 صفر ہوتی۔ یہی حال زندگی کا ہے کہ زندگی میں دشواریوں اور دقتوں کا  
 غیر متناہی سلسلہ لگا رہتا ہے اور ہر حالت میں افکار اور ترددات کا  
 تار بندھا ہوا ہے۔ انسان کو ہزاروں خواہشوں اور بے شمار تمنائوں کے  
 خون ہونے کی تخلیف اٹھانی پڑتی ہے اور صرف زندگی کے قائم رکھنے کے لئے  
 ہزاروں محنتیں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس لئے زندگی کی  
 محبت اور دنیا کے ہر ایک اچھے یا بُرے تعلق میں دلچسپی اس قدر زیادہ ہے  
 کہ انسان کی یہ سمجھ ہی میں نہیں آ سکتا کہ دنیوی حالت کو ترک کر کے راحت  
 ملنی ممکن بھی ہے۔ اگر یہ دل چسپی نہ ہوتی یا اتنے درہم پر نہ ہوتی تو لوگ ہزار  
 جان سے موت کی تمنا کرتے اور ہر شخص بہت جلدی اپنی عمر کا خاتمہ کر دیتا۔  
 ہر انسان کے لئے موت یقینی چیز ہے۔ بچپن میں مرے یا جوانی یا بڑھاپے  
 میں اس لئے موت سے بھی اوسے دل چسپی ہونی چاہئے تھی۔ لیکن یہ دلیل  
 صحیح نہیں کیونکہ زندگی اور موت میں یہ فرق ہے کہ زندگی انتظام دنیا کے لئے  
 ضروری ہے اور موت زندگی کے لئے یقینی ہے نہ انتظام کے لئے۔ پیدائش

انسان کو نہ پیدائش  
 کی خوشی ہوتی ہے  
 نہ موت سے  
 دل چسپی ہے

اور اس تعلق کا قائم رکھنا زندگی کا قیام ہے۔  
 نہ رہے تو وہ مردہ ہے اور جس قدر یہ تعلقات کم ہوں  
 حیات کی وسعت کم ہوتی جائیگی۔ اگر وہ اندھا ہو جا  
 لحاظ سے مردہ ہے۔ سورج کی چمک ویسی ہی قائم ہے  
 و بسا ہی و لغزب ہے لیکن ٹاپینا کے لئے نہیں۔ یہ  
 سے مردہ ہے پرندوں کی خوش الحانی۔ موسیقی  
 کی بیٹھی بیٹھی باتیں سب ویسے ہی دلکش ہیں۔  
 گونگا آدمی نطق کے لحاظ سے مردہ ہے۔ اپنا  
 کے لحاظ سے مردہ ہے۔ فائر العقل دماغی قوتوں کے

سوچ سکتا ہے نہ نتیجہ نکال سکتا ہے نہ یاد رکھ سکتا ہے۔ جس قدر یہ  
 تعلقات میں کمی ہوتی جائے گی۔ اسی قدر حیات کی وسعت کم ہوتی جائیگی  
 فرض کرو کہ ایک شخص اندھا اور بہرا ہے تو وہ سماعت اور بصر کے  
 لحاظ سے مردہ ہے۔ اگر اندھا بہرا اور گونگا بھی ہو تو اس کی حیات کی  
 وسعت ایک درجہ اور کم ہوگی۔ اگر اندھا بہرا گونگا اور فائر العقل اور  
 ہاتھ پاؤں سے اپنا بچ بھی ہے تو اس کی حیات کی وسعت بہت ہی کم ہے  
 اسی طرح بالکل مردہ وہ ہے جس کے سب تعلقات قطع ہو جائیں۔

موت کوئی اجنبی چیز نہیں ہے ہماری آنکھوں کے سامنے ہزار ہا  
 آدمی روز مرتے ہیں دنیا کی بے ثباتی کا یہ عالم ہے کہ بچے اور جوان بیمار  
 اور تندرست توانا اور ناتوان بادشاہ اور فقیر امیر اور غریب کافر اور  
 مسلمان۔ عقلمند اور بیوقوف حکیم اور جاہل روز مرتے رہتے ہیں۔ اور  
 موت کسی نہ کسی بہانہ سے آدباتی ہے نہ کوئی تدبیر اسے روک سکتی  
 ہے نہ کوئی قوت اس سے بچا سکتی ہے ایک آندھی ہے کہ زور شور سے  
 چل رہی ہے اور اس میں تن آور درخت اور ضعیف پودے پتہ کی طرح

موت  
سلط

۔ بت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اگر موت میں راحت  
 ۔ یہ ظاہر ہے کہ دنیا کے تفکرات اور اون فضول  
 ما جو اس زندگی کے ساتھ ہیں راحت ہے۔ جب  
 ہے تو اس کا پورا کرنا کیسا اہم اور وقت طلب معلوم  
 فراغت حاصل کر کے کس قدر راحت اور تسکین  
 س دن کوئی ایسا کام نہ ہو اس روز کس قدر طینان  
 ہے۔ جب دنیا کے کاموں سے خود آئیں گے  
 فراغت حاصل کرنے میں خوشی ہوتی ہے تو ان  
 جبکہ وش ہونا اور تمام وقتوں سے رہا ہونا بہت زیادہ  
 ۔ یہ سچ ہے اور یہ مان بخش ہونا چاہئے۔

بہر ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را  
 دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

یہ سمجھنا کہ موت کیا چیز ہے مشکل ہے اور بڑے بڑے حکماء نے  
 اس کی تعریف میں اختلاف کیا ہے تاہم کسی قدر غور و فکر سے زندگی اور  
 موت کا تعلق معلوم ہو سکتا ہے۔ پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ زندگی میں انسان  
 کس حالت میں ہے۔ وہ زمین کے اوپر رہتا ہے۔ ہوا اور خوشبو سونگھتا  
 ہے۔ پانی پیتا ہے۔ غذا کھاتا ہے۔ آواز سنتا ہے۔ کل چیزوں کو دیکھتا ہے  
 گرمی اور سردی کا احساس کرتا ہے۔ ہاتھوں سے کام کرتا ہے۔ پاؤں  
 سے چلتا ہے۔ زبان سے باتیں کرتا ہے۔ معاملات اور مسائل کو سوچتا ہے  
 اور ان سے نتائج نکالتا اور یاد رکھتا ہے۔ غرض موجودات عالم کی ہر ایک  
 چیز سے تھوڑا یا بہت قریب یا بعید کا تعلق ہے اور اس تعلق کی وجہ سے  
 وہ تمام دوسری چیزوں پر اثر ڈالتا ہے یا ان کے اثر سے متاثر ہوتا ہے۔  
 موجودات عالم کے ساتھ جب تک یہ تعلق قائم ہے انسان زندہ کہلاتا ہے

یت



ناممکن ہے۔ اس لئے ہر روز اس طرح  
 کے روز ہم چاہتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی کو لبہ  
 موت کے ڈور کے مارے انسان دنیا کو چھوڑ کر الگ  
 کوئی کام نہ کرے بلکہ یہ لازم ہے کہ اپنے فرائض کو  
 اور جو کام جس وقت کرنے کا ہے اسے پورا کرے تاکہ  
 کہ ہم نے دنیا میں فضول وقت ضائع کیا اور کوئی نہ  
 دنیا سے متمتع ہونا اور آرام سے زندگی بسر کرنے کا  
 لذت اور آرام جائز اور مباح ہوں تاکہ جس وقت  
 کردار سے پختہ اور گھبرانا نہ پڑے۔ عالم جوانی میں

پرستی میں پڑ جاتے ہیں تو ہم کو اس وقت نتیجہ کا کچھ بھی  
 بعد میں چلکر خواہ ہم کتنا ہی پختہ ہیں لیکن خواہشات نفسانی کا طوفان  
 بچا نہ دے۔ ہوشیائے نہیں رہتا۔ اور معصیت کا دھبہ لگا ہوا رہتا ہے۔

یہی آ جاتی ہے۔ کون طبیعت میں فرق پڑ جاتا ہے۔  
 رات کو اگر گھیرتا ہے تو پچھلے گناہوں کی۔  
 ایسا کہ بھوتہ چرائی قبروں میں سے نکل کر ڈراتے ہوں۔ طبیعت پر  
 چھا جاتا ہے اور شرم و سنگیر ہوتی ہے۔ گزشتہ زمانہ کو اس طرح برباد کرنے کا  
 غم کہ اس کی تلافی بھی نہ ہو سکے چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اور یہ سرت  
 رہ جاتی ہے کہ ہم نے کیوں نیک کام نہ کئے اور بد اعمالیوں کو مول لیا۔

ہنسیا رہا باش خرم کہ از مرگ چارہ نیست

غافل مشو کہ عمر غزیرت دوبارہ نیست

در زندگی بکوش کہ فرصت بہمین دم است  
 زیرا کہ روز مرگ بہ کس آشکارہ نیست

یہاں ہماری باری کب آئے گی۔ اور حوادث  
 ے شجر حیات کو تنکے کی طرح توڑ ڈالے گا۔ اختتام تو  
 رہن ہر روز بھی ہم جام مرگ سے ایک جرہ چکھ لیتے ہیں  
 اقتدا پر معین ہے اور خون گزر جاتا ہے وہ گویا موت  
 بن نصیب ہو گیا۔ عمر اوسی قدر کم ہو گئی اور گزشتہ زمانہ  
 نئی اقتدار نہ رہا۔ جب یہ سب دن پورے ہو جاتے  
 تھے جس کے بعد ہمارے حصہ کا کوئی دن نہیں  
 منتظمی اپنا کام کر چکتی ہے۔ اور پھر ایک ابدی  
 ہو نصیب ہو جاتی ہے۔ جس میں یہ روز روز فنا ہونیکا  
 ہے۔ اس طرح مرنا موت میں داخل ہونا نہیں بلکہ اس سے  
 نجات پانا ہے۔ مان مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے دن اس طرح گزارتے  
 ہوں کہ اس ابدی حالت میں اون کو چین اور آرام نصیب رہے۔ وہ  
 جانتے ہیں کہ جس حالت کا نام زندگی ہے وہ تغیرات کا ایک سلسلہ ہے  
 جو ہر لحظہ ایک نیا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور جس وقت یہ تغیر رک جاتا ہے  
 وہ موت ہے۔ موت معلوم نہیں کہ کب آئے اور کس طرح آئے۔ پیدائش  
 سے پہلے انسان فنا کی حالت میں تھا اور مرنے کے بعد پھر فنا ہوتا ہے۔  
 زندگی بجلی کا سالن ہے کہ اندھیرے میں چمک جائے۔ پھر وہی تاریکی۔  
 اگر زندگی کے دن اچھی طرح گزرے ہیں تو گور ایک ایسا گوشہ عافیت ہے  
 جس میں ”کس نہ گوید کہ ازین جا بخیز و آسجا رو“۔ اور اگر ناکردنی افعال میں  
 کٹے ہیں تو زندان ہے جس میں سخت سے سخت عذاب اور شدید سے شدید  
 تکلیف ہے۔ ہم ایک سمندر کے کنارہ کھڑے ہیں جس کے طوفان ہم سے  
 پہلے کڑوڑوں جانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئے ہیں اور معلوم  
 نہیں کہ کب ایک لہر آئے گی اور ہم کو بھی وہاں لیجا لیگی جہاں سے بازگشت



